القرآن الكريم

قرآنِ مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر

اِمدادُ الکرَم

جلد دوم

الاعراف تا بنی اسرائیل

محمد امداد حسین پیرزادہ

الکرم پبلی کیشنز کے

اِمدادُ الکرم

قرآنِ مجید کی آسان اور عام فہم تفسیر

جلد دوم

الاعراف تا بنی اسرائیل

محمد امداد حسین پیرزادہ

الکرم پبلی کیشنز یوکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست مضامین

فہرست مطالب
(جلد دوم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الاعراف (۷)

یہ سورت مکی ہے کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ جنت اور دوزخ کے درمیان حائل دیوار کے اوپر والے حصہ کو اعراف کہتے ہیں جس پر کھڑے ہونے والے انسان جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھ سکیں گے، اور اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں دوزخ میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں گی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ اعراف میں رہیں گے۔ چونکہ اس سورت میں اعراف کا تذکرہ ہے اس لئے اس سورت کا نام ''اعراف'' رکھا گیا ہے۔

گذشتہ سورت کی طرح اس میں بھی مشرکین عرب کے عقائد واعمال کی اصلاح پر زور دیا گیا ہے اور انہیں حضورِ اکرم ﷺ کی پیروی کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں تا کہ اُمتِ مسلمہ ان کے احوال سے سبق حاصل کرے اور حضورِ اکرم ﷺ کو بھی تسلی ہو کہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ناقدری کے معاملات ہوتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے ہر قوم کی طرف الگ الگ انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا، جیسا کہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۵۸ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم، برطانیہ

بروز منگل ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۱۶ رمضان ۱۴۲۶ھ

ایاتها ٢٠٦ ٧ سورۃ الاعراف مکیۃ ٣٩ رکوعاتها ٢٤

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ①

١۔ الف لام میم صاد [١]

کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ②

٢۔ یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، پس آپ کے دل میں اس (کی تبلیغ) سے تنگی نہ ہو، [٢] (یہ اس لئے نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ڈرائیں اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ③

٣۔ (اے لوگو!) پیروی کرو (اس کی) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو، [٣] تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ④

٤۔ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے برباد کر دیا، پس ان پر ہمارا عذاب (اچانک) رات کے وقت آیا یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ [٤]

[١] یہ حروف مقطعات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ١ ملاحظہ ہو۔

[٢] اسلام کا پیغام حق وصداقت سن کر بھی مشرکین اسلام قبول نہ کرتے تو یہ بات آپ ﷺ کے دل پر شاق گزرتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کی گمراہی سے تنگ دل نہ ہوں، وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں اور قرآن مجید کی تعلیمات کے ذریعہ مشرکین کو برے انجام سے ڈراتے رہیں اور اہل ایمان کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہیں۔

[٣] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے احکام کی پیروی کریں اور شیطان صفت دوستوں کی پیروی نہ کریں وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور نصیحت قبول کرنے والے لوگوں کی تعداد اکثر کم ہوتی ہے۔

[٤] پہلی امتوں میں سے جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور خدا کی اس زمین پر ظلم وستم کا بازار گرم رکھا ان پر رات یا دن کے وقت

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

۵۔ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس وقت ان کی یہی چیخ و پکار تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶

۶۔ پس ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف (رسول) بھیجے گئے تھے[۵] اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

۷۔ پھر ہم کامل علم کے ساتھ ان پر (ان کے حالات) ضرور بیان کریں گے اور ہم (ان سے) غائب نہیں تھے۔[۶]

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸

۸۔ اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے، پس جن کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوئے تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔[۷]

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

۹۔ اور جن کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوئے تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کیا کرتے تھے۔

جب اچانک عذاب آیا تو وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے اپنے مظالم کا اعتراف کرنے لگے کہ واقعی انہوں نے گناہوں کی حد کر دی تھی لیکن آخری وقت کی یہ پکار انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی، لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان آج ہی گناہوں سے توبہ کر لے وگرنہ آخری لمحات کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

[۵] قیامت کے دن امتوں سے پوچھا جائے گا کہ انہیں رسولوں نے تبلیغ کی یا نہیں اور انہوں نے رسولوں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا، اور رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ انہوں نے بنی نوع انسان تک خدا کا پیغام پہنچانے میں کیا کچھ کیا اور انہیں امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟

[۶] اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ہے کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام امتوں پر ان کے احوال ظاہر کر دے گا کہ انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو کس حد تک قبول کیا۔

[۷] قیامت کے دن جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیاں کم ہوں گی وہ اپنے مظالم کی وجہ سے خسارہ میں ہوں گے یعنی کفار ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے اور ظالم مسلمان اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق محدود عرصہ کے لئے جہنم میں جائیں گے۔

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۰ ع

۱۰۔ اور ہم نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور اس میں تمہارے لئے زندگی کے اسباب مہیا کئے لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔[۸]

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۝۱۱

۱۱۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، [۹] پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

[۸] اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو زمین پر آباد کیا اور اس کی زندگی کے لئے طرح طرح کے اسباب پیدا فرمائے تا کہ انسان اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرے لیکن پھر بھی بہت کم لوگ ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔

[۹] یعنی ہم نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کی شکل وصورت بنائی، پھر ہم نے اس کی تعظیم کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

سجدہ تعظیمی کی کیفیت

سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک برائے عبادت اور دوسرا برائے تعظیم۔ اسلامی شریعت کے اعتبار سے عبادت کا سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور یہ سجدہ پہلی شریعتوں میں بھی کسی غیر خدا کے لئے جائز نہیں تھا، البتہ کسی عظیم الشان ہستی کے لئے تعظیم کا سجدہ کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے حضرت جبرائیل، پھر حضرت میکائیل، پھر حضرت اسرافیل، پھر حضرت عزرائیل اور اس کے بعد تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ (تفسیر الحسنات)

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے جو سجدہ کیا وہ عبادت کا سجدہ نہیں تھا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد لغوی سجدہ ہے یعنی دلی اور زبانی تعظیم کرنا یا اس سے مراد اصطلاحی سجدہ ہے یعنی پیشانی کو زمین پر رکھ دینا۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد اصطلاحی سجدہ ہے یعنی فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیں۔
(تفسیر قرطبی: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴)

اگر یہ کہا جائے کہ یہ سجدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تھا آدم علیہ السلام کو صرف قبلہ کے طور پر مقرر کیا گیا تھا تو یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا تو ابلیس انکار نہ کرتا۔ (تفسیر نسفی) نیز یہ سجدہ فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی علمی برتری کے اظہار کے لئے تھا اور اگر حضرت آدم علیہ السلام کو صرف بطور قبلہ سمجھا جائے تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ثابت نہیں

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، [۱۰] تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ہوتی جیسے حضور اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کی طرف سجدے کئے مگر کعبہ حضور اکرم ﷺ سے افضل نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

[۱۰] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے، فرشتوں کو نور سے اور ابلیس و جنات کو آگ سے پیدا فرمایا۔ ابلیس فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے سجدہ کرنے کے حکم میں شامل تھا اور جب اس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تو ابلیس نے جواب دیا کہ وہ آدم سے افضل ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ فضیلت کی بات یہ نہیں کہ کون کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے یا کس نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اصل میں افضل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتا ہے۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ

اس میں اختلاف ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا یا جنوں میں سے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ جنوں میں سے تھا کیونکہ یہ نص قطعی ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا۔ (قرآن: ۱۸:۵۰) نیز فرشتے معصوم ہوتے ہیں جبکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، فرشتے نوری مخلوق ہیں جبکہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی جبکہ جنوں کا قبیلہ اور اولاد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے پہلے جنوں کو زمین پر آباد فرمایا۔ جب انہوں نے آپس میں بغض و عناد کی وجہ سے فساد اور خون ریزی کا بازار گرم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو جنگلوں اور پہاڑوں میں بھگا دیا۔ ان جنوں میں سے ایک ابلیس بھی تھا جو اس وقت ابھی بچہ تھا اور فرشتے اس کو اپنے ساتھ لے گئے، چنانچہ وہ فرشتوں کے ساتھ عبادت کرتا تھا اور اسی لئے فرشتوں کے ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ (تفسیر بحر محیط: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴)

ابلیس اسی ہزار (۸۰۰۰۰) سال فرشتوں کے ساتھ رہا اور بیس ہزار (۲۰۰۰۰) سال فرشتوں کو وعظ کرتا رہا۔ (حاشیۃ صاوی علی الجلالین: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴) اور وہ آسمانِ دنیا کا رئیس تھا۔ (تفسیر در منثور: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴) نیز وہ فرشتوں کا مرشد بھی تھا اور ان سے زیادہ علم والا تھا۔ وہ کبھی زمین پر، کبھی آسمان پر اور کبھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اور اس وجہ سے اسے غرور ہو گیا تھا کہ وہ فرشتوں سے افضل ہے۔ (تفسیر خازن: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔'' (قرآن: ۷:۲۷)

قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾	۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہاں سے اُتر جا، تیرے لئے مناسب نہیں ہے کہ تو یہاں رہتے ہوئے تکبر کرے، پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔[۱۱]
قَالَ اَنۡظِرۡنِيۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾	۱۴۔ اس نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔
قَالَ اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تجھ کو مہلت دی گئی۔[۱۲]

یعنی شیطان تمہیں نظر نہیں آتا مگر وہ تمہیں ہر وقت اور ہر جگہ دیکھتا ہے اور تمہارے دل کی گہرائی سے اٹھنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے حتیٰ کہ جلیل القدر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب پر بھی آگاہ تھا جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا اشارہ ملا تھا۔

بعض جن مسلمان ہیں مگر شیاطین جنوں کا ایسا قبیلہ ہے جو مسلمان نہیں۔ سارے شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں اور وہ ان کا باپ ہے۔
(حاشیۃ صاوی علی الجلالین: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴)

شیطان کی ہٹ دھرمی

ایک دفعہ شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے مقبول ہیں میری شفاعت فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ حکم الٰہی ہوا: شیطان کو کہو کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کر دے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ شیطان نے پھر تکبر کیا اور کہا: میں نے آدم کو اس وقت سجدہ نہیں کیا تھا جب وہ زندہ تھا تو اب مردہ کو کیسے سجدہ کر سکتا ہوں؟ (تفسیر درمنثور: سورہ بقرہ زیر آیت نمبر ۳۴)

[۱۱] تکبر کی وجہ سے شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا، لہٰذا آج جو انسان تکبر کرتا ہے قیامت کے دن وہ ذلیل و خوار ہوگا اور جنت میں نہیں جا سکے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ پست کر دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں کر دیتا ہے۔'' (مسند احمد: جلد ۳: ص ۷۶)

[۱۲] قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو پھر انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ شیطان نے اس دن تک زندگی کی مہلت مانگی تا کہ اس کو موت نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طویل زندگی کی مہلت تو عطا فرما دی مگر موت اس پر بھی آئے گی، لہٰذا قیامت کے قریب جب زمین و آسمان کی ہر چیز ہلاک ہو گی تو ان کے ساتھ شیطان بھی ہلاک ہو جائے گا، پھر جب سب دوبارہ زندہ ہوں گے تو شیطان بھی زندہ ہو جائے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اس نے کہا: چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر میں ضرور ان کے پاس (بہکانے کے لئے) آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے، اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ [۱۳]

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں سے ذلیل اور مردود ہو کر نکل جا، ان میں سے جس کسی نے تیری پیروی کی میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ [۱۴]

شیطان کو اتنی طویل زندگی دینے کی ایک حکمت یہ ہو سکتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کرے کہ کون اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور کون شیطان کا غلام؟

[۱۳] شیطان کو فرشتوں میں ایک اہم مقام حاصل تھا بلکہ وہ فرشتوں کا واعظ اور مرشد تھا مگر حضرت آدم علیہ السلام سے حسد نے اسے تکبر اور سرکشی کی اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کر دیا کہ جس انسان کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں تو نے مجھے مردود کر دیا میں انہیں سیدھے راستہ سے بہکانے میں ہر ممکن کوشش کروں گا اور ان کے دلوں میں ایسے وسوسے ڈالوں گا کہ اکثر تیرے ناشکر گزار ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان میں سے تو جس کو بھی اپنی آواز سے بہکانا چاہے تجھے اجازت ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن میرے مخلص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔'' (قرآن: ۱۷:۶۵) بہر حال جن نادانوں نے تیری پیروی کی میں تیرے سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

قیامت کے دن دوزخی شیطان کو ملامت کریں گے کہ اس نے انہیں گمراہ کر دیا۔ شیطان کہے گا: ''میرا تم پر کوئی غلبہ تو تھا نہیں (کہ میں نے تمہیں برائی کرنے پر مجبور کیا ہو) میں نے تو تمہیں صرف (برائی کی) دعوت دی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی، لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔'' (قرآن: ۱۴:۲۲)

[۱۴] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو حکم دیا کہ جنت میں رہو، جہاں سے جی چاہے کھاؤ مگر اس مخصوص درخت

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں ان کے لئے ظاہر کر دے اور اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم اٹھائی کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

کے قریب نہ جانا۔ شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کے حسد میں جل رہا تھا اس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جس درخت سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھا لے اس کے اندر فرشتوں کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں یا اسے ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے۔ اگر تم اس کا پھل کھا لو تو تم ہمیشہ جنت میں رہو گے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قربی اور مقبول بندوں کے رہنے کی جگہ ہے، لہٰذا تم بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں رہو گے۔ نیز شیطان نے ان کے سامنے قسم اٹھائی کہ وہ ان کا بڑا خیر خواہ ہے۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا گمان یہ تھا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ شیطان سے پہلے کسی نے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں اٹھائی تھی۔ شیطان پہلا بدنصیب تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم اٹھائی، چنانچہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام شیطان کی جھوٹی قسم کی وجہ سے اس کے فریب میں آ گئے اور قربِ خداوندی کے خیال سے حکمِ خداوندی بھول گئے اور اس درخت کا پھل کھا بیٹھے حالانکہ ان کا کھانے کا ارادہ نہیں تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے (اس درخت کے قریب نہ جانے کا) عہد لیا تھا لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کا) قصد نہیں پایا۔'' (قرآن: ۲۰:۱۱۵)

اس درخت کا پھل کھانے کے نتیجے میں ان کے نورانی اور جنتی لباس غائب ہو گئے اور ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔ اس سے پہلے ان دونوں میں سے کسی نے خود اپنا ستر نہ دیکھا تھا۔ اس پر انہیں شرمندگی محسوس ہوئی اور وہ جنتی درختوں یعنی انجیر وغیرہ کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی شرمگاہوں کو چھپانا انسانی فطرت اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی سنت ہے اور ان کو بے نقاب کرنا شیطان کا کام ہے۔

اس درخت کا پھل کھانا حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی اجتہادی غلطی اور نسیان تھا۔ یہ گناہ نہیں تھا کیونکہ گناہ اس کو کہتے ہیں جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ کرتا ہے جبکہ یہاں پر ارادہ نہیں تھا بلکہ نسیان تھا اور یہ عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں ہے۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۶ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ گناہ نہیں تھا تو پھر حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو سزا کیوں ملی یعنی ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ پس شیطان نے ان دونوں کو دھوکہ سے (اپنی طرف) مائل کرلیا، پھر جب ان دونوں نے اس درخت (کے پھل) کو چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لئے ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے (تاکہ شرمگاہیں چھپ جائیں)، اور اس وقت ان کے رب نے انہیں ندا دی: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور کیا تمہیں یہ نہیں فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ دونوں نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے [۱۵] تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیچے اتر جاؤ، [۱۶] تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک خاص مدت تک اس سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔

گئیں اور انہیں جنت سے نیچے اُتار دیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس درخت سے کھانے کا نتیجہ اور اثر تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر زہر کھالے تو اس کا یہ فعل گناہ نہیں ہے لیکن زہر کھانے کے بعد اس کا مرجانا اس زہر کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا پھل کھانے میں بے لباس ہونے کا اثر رکھا تھا تو خواہ انہوں نے بھول کر اس سے کھایا اس کا اثر ظاہر ہوگیا۔ اور رہا جنت سے اُتر کر زمین پر آنا تو وہ آپ نے بہرحال زمین پر آنا تھا کیونکہ آپ کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ آپ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو فرمایا: ''میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' (قرآن: ۲: ۳۰) اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۷ کا حاشیہ نمبر ۳۵ ملاحظہ کریں۔

[۱۵] حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے اپنی اس بھول پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی۔ اس کی تفصیل کے لیے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۳۳ اور ۳۴ ملاحظہ کریں۔

[۱۶] تمہیں ایک وقتی آزمائش اور تجربہ کے لئے جنت میں ٹھہرایا گیا تھا۔ دراصل آپ کو پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ آپ زمین پر اللہ تعالیٰ کا

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

٢٥۔ نیز فرمایا: اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے۔

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾

٢٦۔ اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور باعثِ زینت بھی ہے، [١٧] اور تقویٰ کا لباس وہ سب سے بہتر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا

٢٧۔ اے اولادِ آدم! شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور ان سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھائے، بے شک شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، [١٨]

خلیفہ بنیں، لہٰذا اب تم زمین پر چلے جاؤ۔ تمہیں اور تمہاری اولاد کو وہاں ایک مخصوص مدت تک زندہ رہنا اور پھر مرنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں اسی زمین سے اٹھایا جائے گا۔

[١٧] ممنوعہ درخت کا پھل کھانے سے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا جنتی لباس غائب ہو گیا اور وہ نادم ہو کر پتوں سے اپنی شرمگاہیں چھپانے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم علیہ السلام پر احسان فرمایا اور آسمان سے بارش کا پانی نازل کر کے زمین سے ایسی چیزیں پیدا فرمائیں جن سے لباس تیار کیا جاتا ہے۔ اس لباس کے تین فائدے ہیں: ایک تو اس کے ذریعہ شرمگاہوں کو چھپایا جاتا ہے اور یہ انسان کا امتیاز اور اعزاز ہے جبکہ اکثر جانوروں کی شرمگاہیں عیاں ہوتی ہیں اور ان میں اپنی شرمگاہوں کو چھپانے کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ زینت کا ذریعہ ہے یعنی لباس کے ساتھ انسان مہذب اور خوب صورت لگتا ہے اور تیسرا جس طرح پر پرندوں کو سردی اور گرمی کے اثرات سے بچاتے ہیں اسی طرح لباس بھی انسان کو موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس ظاہری اور جسمانی لباس کے علاوہ ایک باطنی اور روحانی لباس بھی ہے جس کو تقویٰ یعنی اچھے اعمال کا لباس کہا جاتا ہے، اور وہ اس ظاہری لباس سے بہتر ہے کیونکہ اگر کسی کا ظاہری لباس بڑا خوبصورت اور قیمتی ہو مگر اس کے اعمال شیطانی اور ظالمانہ ہوں تو وہ انسانی لباس میں چھپا ہوا ایک خطرناک درندہ ہے۔ بہرحال لباس کا پیدا کرنا اور انسان کو اس کے استعمال کا شعور دینا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی ایک نشانی ہے تاکہ انسان نصیحت حاصل کرے یعنی ظاہری لباس کے ذریعہ بے حیائی سے بچے اور باطنی لباس کے ذریعہ بدکرداری سے بچے۔

[١٨] اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور تمہیں نظر بھی نہیں آتا مگر وہ تمہیں ہر وقت اور ہر جگہ دیکھتا ہے،

جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں اسی طریقہ کا حکم دیا ہے، [۱۹] آپ فرمایئے: بے شک اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

تمہارے دل کے ارادوں سے باخبر ہے اور وہ تمہارے پاس شیطان اور دشمن کے روپ میں نہیں آتا بلکہ دوست اور خیر خواہ کے رنگ میں تمہیں دھوکہ دیتا ہے، لہٰذا اس کی فتنہ پردازی اور وسوسہ اندازی سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے کہ وہ انسان کے دل کی گہرائی سے اُٹھنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے حتیٰ کہ جلیل القدر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب پر بھی آگاہ تھا جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا اشارہ ملا تھا۔ اگر شیطان کا علم اتنا وسیع ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام کی وسعتِ علم کا کیا عالم ہوگا جو تمام جنوں، فرشتوں اور انسانوں سے افضل ہیں اور لوگوں کو شیطانی گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر شیطان تمہیں دیکھتا ہے اور تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو جو شیطان کو دیکھتا ہے اور شیطان اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ (تفسیر مظہری) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ اے میرے پروردگار! میں شیطان مردود سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ آمین

[۱۹] مشرکین کی عورتیں اور مرد ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے اور اس بے حیائی کے جواز کے لئے درج ذیل دو دلائل پیش کرتے:

۱۔ ان کی ایک دلیل یہ تھی کہ ان کے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے حالانکہ کسی کام کے صحیح ہونے کے لئے صرف باپ دادا کا عمل ایسی دلیل نہیں ہے جس کو کوئی عقل مند انسان تسلیم کر سکے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی جاہلوں اور نادانوں کی تقلید سے منع فرمایا ہے: ''اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔'' (قرآن: ۲:۱۷۰) کیا یہ پھر بھی اپنے باپ دادا کی تقلید کریں گے؟

۲۔ ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ کسی کو بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ نیز مشرکین مکہ کسی نبی اور کسی آسمانی کتاب کے قائل بھی نہیں تھے پھر انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم کیسے پہنچا؟

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۖ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾

۲۹۔ آپ فرمایئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور ہر نماز کے وقت اپنا رُخ (قبلہ کی طرف) سیدھا کرو، اور اللہ تعالیٰ کے خالص فرمانبردار ہو کر اس کو پکارو، [۲۰] جس طرح اس نے تم کو پہلے پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

۳۰۔ ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی مقرر ہو گئی، [۲۱] کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا کارساز بنا لیا اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ ع

۳۱۔ اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنا پاک صاف لباس پہن لیا کرو [۲۲] اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، [۲۳] بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

[۲۰] اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عدل و انصاف کرو۔ نماز کے وقت کعبہ کی طرف رُخ کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس کی رضا جوئی کے لئے کرو۔ نیز یہ یقین رکھو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تمہیں پیدا کیا ہے اسی طرح قیامت کے دن تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

[۲۱] جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کی وہ ہدایت پا گئے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کی اطاعت کی وہ یقیناً گمراہ ہیں اور ان کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

[۲۲] نماز کے وقت پاک اور اچھا لباس زیب تن کرو۔ بدبودار اور قابل نفرت لباس سے دوسرے نمازیوں کو تنگ نہ کرو۔ لباس یعنی ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے۔ نماز کا ذکر اس لئے ہے کیونکہ مشرکین کعبہ کے طواف کے وقت لباس اُتار دیتے تھے۔

[۲۳] علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ایک نصرانی طبیب نے علی بن حسین بن واقد سے کہا: تمہارے قرآن میں علم طب کے متعلق کچھ نہیں ہے۔ علی بن حسین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اس آیت کے آدھے حصہ میں بیان کر دیا ہے: یعنی ''کھاؤ، پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔'' تو طبیب بولا: مگر تمہارے رسول ﷺ نے طب کے بارے میں کیا کہا ہے؟ علی بن حسین نے جواب دیا کہ ہمارے رسول ﷺ نے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ آپ فرمائیے: اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے؟ [۲۴] اور (کس نے حرام کیا) کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟ آپ فرمائیے: یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے بھی ہیں اور قیامت کے دن تو خالصۃً انہی کے لئے ہوں گی، اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

طب کو چند الفاظ میں جمع کر دیا ہے: یعنی ''معدہ ساری بیماریوں کا گھر ہے اور اس کی حفاظت تمام دواؤں کی اصل ہے اور بدن کے ہر حصہ کو اتنا دو جتنا اس کا حق ہے۔'' یہ سن کر نصرانی طبیب کہنے لگا: ''تمہارے قرآن اور تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جالینوس کے لئے طب کا کچھ بھی نہیں چھوڑا۔'' (تفسیر روح المعانی) یعنی ان دو جملوں میں اصول طب کو اس قدر جمع کر دیا گیا ہے کہ جالینوس کی طب بھی اس میں سمٹ گئی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اگر کھانے پینے میں بے احتیاطی نہ کرے تو معدہ درست رہتا ہے اور انسان بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

[۲۴] مشرکین طواف کے وقت کپڑے اُتار دیتے اور حج کے دنوں میں گوشت اور گھی کھانا حرام قرار دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھے لباس اور پاکیزہ خوراک کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اس دنیا میں مسلمان اور غیر مسلم بھی اپنی اپنی کوشش کے مطابق ان سے استفادہ کرتے ہیں اور اکثر غیر مسلم ان چیزوں کو زیادہ حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی کا مقصد صرف اسی دنیا تک محدود ہوتا ہے مگر ایمان والے اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے بھی تیاری کرتے ہیں اس لئے وہ ان چیزوں کو زیادہ حاصل نہیں کر سکتے مگر آخرت میں یہ چیزیں صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہوں گی اور یہ ان کے ایمان کی جزا ہوگی۔ اس میں غیر مسلم شریک نہیں ہوں گے کیونکہ یہ نعمتیں جنت میں ہوں گی اور وہ جنت میں نہیں جا سکیں گے۔

لباس کے متعلق اسلام کا حکم

مسلمان مرد اور عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق ایسا صاف ستھرا لباس زیب تن کرنا چاہیے جو اس کی خوبصورتی کا باعث ہو اور مہذب طریقہ سے اس کی کامل ستر پوشی کرتا ہو۔ اسلام دین فطرت ہے اور تمام امور میں میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اسی لئے احادیث میں ایک طرف امیر لوگوں کے لئے کم قیمت لباس استعمال کرنے کی ترغیب بھی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع و انکساری کا اظہار ہو اور قیمتی لباس کو صدقہ و خیرات کر کے غریبوں اور محتاجوں کی کفالت میں اضافہ کیا جائے اور دوسری طرف امیر لوگوں کو زیادہ قیمتی لباس پہننے کی اجازت بھی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہو مگر ریاکاری اور تکبر سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ آپ فرمایئے: بے شک میرے رب نے سب بے حیائیوں کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ اور گناہ اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرو جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا وقت مقرر آجائے تو وہ نہ ایک لحہ پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ایک لحہ آگے ہو سکیں گے۔[۲۵]

احادیث ملاحظہ کریں:

۱۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (ترمذی: ابواب البر: باب ۶۱)

۲۔ ابوالاحوص کے والد ؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! میرے پاس بہت مال ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا کر رکھے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر ۴۰۶۳)

۳۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔

(ترمذی: ابواب الادب: باب ۵۴)

[۲۵] جو قوم اپنی کوتاہیوں سے سبق نہیں سیکھتی اور مسلسل زوال پذیر رہتی ہے تو آخر کار اس پر عذاب کی ایک ایسی گھڑی آجاتی ہے کہ اس میں لحہ بھر بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تم پر میری آیات بیان کریں، سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۲۶]

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، انہیں نوشتۂ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ مل جائے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو (ان سے) پوچھیں گے: کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟[۲۷] وہ کہیں گے: وہ سب ہم سے گم ہو گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

---

[۲۶] اس طرح کا مفہوم پہلے سورہ بقرہ کی آیات ۳۸ اور ۳۹ میں گزر چکا ہے یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جب زمین پر اتارا گیا تو ان کی معرفت پوری اولادِ آدم کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت کی کہ جب تمہارے سامنے میرے رسول میری آیات بیان کریں تو جو ان آیات کے مطابق نیک اعمال کریں گے انہیں آخرت میں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا اور جو ان کو جھٹلائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

[۲۷] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ظالم ہیں اور جب وہ اپنے مقدر کے مطابق اپنے حصہ کی عمر گزار لیں گے تو موت کے فرشتے بطور سرزنش انہیں کہیں گے: کہاں ہیں تمہارے وہ خدا جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے؟ انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہیں قبر اور حشر کے عذاب سے بچائیں مگر انہیں وہ کہیں نظر نہیں آئیں گے بلکہ ہر طرف تاریکی اور عذاب ہی نظر آئے گا تو مایوس ہو کر اپنے خلاف گواہی دیں گے اور یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ واقعی انہوں نے کفر اختیار کر کے اپنی آخرت برباد کر دی۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جن و انس میں سے جو (گمراہ) اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں تم بھی ان کے ہمراہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، جب ایک امت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو وہ اپنے جیسی (پیش رو) امت پر لعنت بھیجے گی، [۲۸] حتیٰ کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گی تو ان کی پچھلی امت پہلی امت کے متعلق کہے گی: اے ہمارے رب! ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، پس تو ان کو آگ کا دوگنا عذاب دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔

وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

۳۹۔ اور ان کی پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی: تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، [۲۹] پس تم بھی عذاب چکھو اس وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے [۳۰] اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔

---

[۲۸] جن امتوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا قیامت کے دن جب انہیں دوزخ میں داخل ہونے کا حکم ملے گا تو بعد میں آنے والی امتیں پہلی امتوں پر اور پیروکار اپنے پیشواؤں پر الزام لگاتے ہوئے فریاد کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان سرداروں اور پیشواؤں نے گمراہ کیا آج تو ان کو دوگنا عذاب دے۔ ایک ان کی گمراہی کا اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے کیونکہ اگر انہوں نے تمہیں غلط راستہ دکھایا تھا تو کیا تم اندھے تھے تم نے ان کی پیروی کیوں کی؟ لہٰذا تمہارا جرم بھی دوگنا ہے۔ ایک اپنی گمراہی کا اور دوسرا گمراہ لوگوں کی اندھی تقلید کا۔

[۲۹] جب پیروکار فریاد کریں گے کہ ان کے پیشواؤں کو دوگنا عذاب دیا جائے تو پیشوا اپنے پیروکاروں سے کہیں گے: ہمارے اور تمہارے جرم کی نوعیت ایک جیسی ہے کیونکہ ہم اگر تمہیں گمراہی کی طرف بلانے کے مجرم ہیں تو تم بھی گمراہی قبول کرنے کے مجرم ہو، لہٰذا تم ہم سے بہتر نہیں ہو اور ہم سب برابر کی سزا کے مستحق ہیں۔

[۳۰] جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا مرنے کے بعد ان کی روحیں آسمانوں سے اوپر نہیں

لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۴۱

۴۱۔ ان کے لئے دوزخ (کی آگ) کا بچھونا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا، اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ اُولٰۤئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۴۲

۴۲۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر جتنی اس کی طاقت ہے، وہ جنتی ہیں اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

جاسکیں گی (کیونکہ اوپر صرف نیک لوگوں کی روحیں جاسکتی ہیں) اور قیامت کے دن وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو سکیں گی بلکہ ان کا جنت میں جانا ایسا ہی ناممکن ہوگا جیسے ایک اونٹ کا سوئی کے باریک سوراخ سے گزرنا ناممکن ہے، لہٰذا وہ دوزخ میں رہیں گے اور دوزخ کی آگ ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہوگی یعنی ہر طرف سے دوزخ کی آگ میں گھرے رہیں گے۔

کافروں کے لئے آسمان کا دروازہ نہ کھولنے کے متعلق چند احادیث کا خلاصہ

ایک انصاری ﷺ کو قبر میں دفن کرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، پھر آپ نے فرمایا: اس دنیا میں جب نیک آدمی کی زندگی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو خوبصورت شکل میں موت کے فرشتے اس کی روح سے کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح! اپنے رب کی مغفرت اور رضا کی طرف نکل۔ جب فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جاتے ہیں تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کو عرش کے پاس علیین میں پہنچا دیا جاتا ہے، پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے اور دو فرشتے قبر میں اس سے پہلا سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، پھر دوسرا سوال کرتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے، پھر تیسرا سوال کرتے ہیں: یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی، پھر اوپر سے ندا آئے گی: میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو، اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی کھڑکی کھول دو، پھر وہ جنت کی خوشبو سے معطر ہو کر سو جاتا ہے۔

لیکن جب برے آدمی کی زندگی کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو سیاہ شکل میں موت کے فرشتے اس کی روح سے کہتے ہیں: اے خبیث روح! اللہ تعالیٰ کے غضب اور جلال کی طرف نکل۔ جب فرشتے اس کی روح کو اوپر لے جاتے ہیں تو آسمانوں کے فرشتے اس خبیث روح کے لئے دروازے کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں، چنانچہ اس کی روح کو زمین کے سب سے نچلے حصہ یعنی سجین میں پھینک دیا جاتا ہے، پھر اس کی روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے اور دو فرشتے قبر میں اس سے پہلا سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا، پھر دوسرا سوال کرتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا، پھر تیسرا سوال کرتے

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اہل جنت کے سینوں میں (ایک دوسرے کے متعلق) جو کینہ ہے وہ ہم نکال دیں گے، [۳۱] ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس جنت میں پہنچایا، اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے، [۳۲] بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، اور (اہل ایمان) کو ندا دی جائے گی: تم اس جنت کے وارث بنائے گئے ہو ان نیک اعمال کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔

ہیں: یہ کون شخص ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا، پھر ایک منادی آسمان سے ندا کرے گا: اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھا دو، اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کی کھڑکی کھول دو، پھر وہ جہنم کی تپش سے بے قرار رہتا ہے۔ (مسند احمد: ج ۴: ص ۲۸۷ اور دیگر کتب حدیث وتفسیر) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اسے قبر میں صبح وشام اس کا دائمی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اسے جنت میں اپنا محل دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو اسے جہنم میں اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تجھے جہنم کے اس حصہ میں پھینکا جائے گا۔

(بخاری: کتاب الجنائز: باب ۹۰)

[۳۱] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ جنت میں جائیں گے اور دنیا میں اگر وہ کسی وجہ سے ایک دوسرے کے متعلق بغض اور عداوت کے جذبات رکھتے تھے تو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ان کی آپس کی غلط فہمیاں دور کر دی جائیں گی اور وہ ایک دوسرے کے سچے خیر خواہ اور مخلص دوست بن کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس آیت کو پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔'' (تفسیر ابن کثیر) یعنی روز قیامت ہماری خلش اور غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے پیدا ہوئی اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔

[۳۲] نیک لوگ جب جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے جس کی ہدایت اور رحمت سے وہ جنت کے مستحق قرار پائے اور بارگاہِ ایزدی سے آواز آئے گی: یہ تمہارے نیک اعمال کی برکت ہے جس کی وجہ سے تم جنت کے وارث بنائے گئے ہو۔ دخولِ جنت کا ظاہری سبب اگرچہ نیک اعمال ہیں مگر حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کیونکہ نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی ملتی ہے۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور اہل جنت دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ [۳۳]

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جو (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ان دونوں (جنت اور دوزخ) کے درمیان ایک حجاب ہے اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک (جنتی اور دوزخی) کو ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے، [۳۴] اور وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے: تم پر سلام ہو، وہ (اہل اعراف) ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے کے امیدوار ہوں گے۔

---

[۳۳] جنت میں رہنے والے کچھ لوگ جنت کے کنارے پر آ کر جہنم میں جھانکیں گے تو کچھ ایسے ظالموں کو پہچان لیں گے جو انہیں زندگی میں تنگ کیا کرتے اور اسلام کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو وہ ان کو پکار کر کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جن نعمتوں کا وعدہ کیا تھا ہم نے ان کو جنت میں پالیا اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے جس عذاب سے ڈرایا تھا کیا تم نے بھی اس عذاب کو پالیا؟ تو وہ شرمندہ ہو کر ہاں کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکیں گے کیونکہ اس وقت وہ بالفعل عذاب میں مبتلا ہوں گے، پھر اہل جنت اور دوزخ والوں کے درمیان ایک منادی اعلان کرے گا کہ اہل جہنم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اس لئے پڑی ہے کہ وہ خود ظالم تھے۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے۔ صراط مستقیم میں نقائص پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے۔

جنت اور دوزخ میں بہت فاصلہ ہے تو اتنی دور سے اہل جنت اور اہل جہنم کا آپس میں گفتگو کرنا کیسے ممکن ہے؟ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کے لوازمات اور خصائص میں تبدیلی آجائے گی، مثلاً جنت میں سبھی جوان ہوں گے اور ہمیشہ جوان ہی رہیں گے، کسی پر بڑھاپا نہیں آئے گا، کسی کو ٹائلٹ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اسی طرح انسان کی بصارت اور سماعت میں بھی اتنا اضافہ ہو جائے گا کہ دوزخی دوزخ میں رہتے ہوئے اتنی دور سے جنت کی نعمتیں دیکھ کر پچھتائیں گے اور

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور جب ان کی آنکھیں جہنم والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

ع ۵

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اہل اعراف ان لوگوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے (اور انہیں) کہیں گے: آج نہ تمہاری جماعت تمہارے کام آئی اور نہ ہی وہ (مال ودولت) جس کی وجہ سے تم تکبر کیا کرتے تھے۔[۳۵]

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ کیا یہ (جنتی لوگ) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت عطا نہیں کرے گا؟[۳۶] (دیکھو انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) تم

جنتی دوزخ کا عذاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے۔

[۳۴] جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہے، اس کے اوپر والے حصہ کو اعراف کہتے ہیں جس پر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ جنت میں جانے کی اُمید رکھتے ہوں گے۔ یہ اعراف والے اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی تو یہ ہوگی کہ جنتی جنت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں ہوں گے اور ان کی دوسری نشانی یہ ہوگی کہ جنتیوں کے چہرے سفید اور دوزخیوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ بہر حال اعراف والے جب اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلامتی کی دعائیں دیں گے اور جب اہل جہنم کی طرف دیکھیں گے تو ان کے عذاب سے پناہ مانگیں گے اور بالآخر رحمتِ خداوندی سے اہل اعراف کو بھی جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر) ویسے بھی جن اہل ایمان کی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ جہنم میں اپنی سزا پوری کرنے کے بعد جنت میں جائیں گے تو اہل اعراف جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ تو ان سے بھی پہلے جنت میں داخل ہونے چاہییں۔

[۳۵] اعراف والے جب دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو ابوجہل اور ابولہب جیسے متکبرین کو ان کی کافرانہ نشانیوں سے پہچان لیں گے اور انہیں پکار کر کہیں گے کہ دنیا میں تم جس افرادی قوت اور مال ودولت کی وجہ سے اسلام کا مذاق اڑاتے تھے آج نہ تو وہ لوگ تمہارے کام آئے اور نہ ہی مال ودولت کیونکہ آخرت میں مال کا تکبر نہیں خدا کا تقویٰ کام آئے گا۔

[۳۶] دنیادار اور متکبر لوگ جب حضرت بلال حبشی ؓ اور حضرت سلمان فارسی ؓ جیسے مسکین اور نادار مسلمانوں کو دیکھتے تو ان سے نفرت

جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الۡكٰفِرِیۡنَ ۙ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور دوزخ والے اہل جنت کو پکاریں گے کہ تھوڑا سا پانی ہماری طرف بھی بہا دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ (ہم کو بھی دیدو)، جنتی کہیں گے: بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں (جنتی پانی اور جنتی رزق) کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّ لَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ نَنۡسٰهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ یَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال دیا تھا، پس آج ہم ان کو اسی طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، [۳۷] اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ هُدًی وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اور بے شک ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کے ساتھ نہایت واضح کر دیا ہے اور وہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

کرتے اور قسمیں کھا کر کہتے: اگر اللہ تعالیٰ ان فقیروں پر راضی ہوتا تو آج یہ غربت کا شکار نہ ہوتے۔ دراصل اللہ تعالیٰ ہم پر راضی ہے اس لئے آج بھی ہم عیش و عشرت کر رہے ہیں اور کل جنت بھی ہمیں ہی ملے گی، چنانچہ اعراف والے جہنم کے متکبرین کو دنیا کی ڈینگیں اور شیخیاں یاد کرائیں گے کہ تمہارے تو سارے دعوے اُلٹ ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی ناداروں کو جنت میں داخل کر دیا ہے اور تم جہنم میں جل رہے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دنیا میں اہل ایمان تنگدست ہوں اور کافر دولت مند ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ تو صرف ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں چاہے وہ امیر ہوں یا غریب۔

[۳۷] آخرت میں جنت کی نعمتیں صرف ان خوش نصیب لوگوں کے لئے مخصوص ہیں جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

۵۳۔ کیا وہ (کفار) اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قرآن مجید کی دھمکی کا انجام ظاہر ہو جائے؟[۳۸] جس روز اس کا انجام ظاہر ہوگا تو جو لوگ اس کتاب کو پہلے نظر انداز کر چکے تھے وہ کہیں گے: بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے تو کیا آج ہمارے کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کر دیں؟ یا ہمیں (دنیا میں) واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم ان کاموں کے برخلاف کام کریں جو پہلے کرتے تھے، بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور جو افترا پردازیاں وہ کرتے تھے سب غائب ہو جائیں گی۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ

۵۴۔ بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا،[۳۹] وہ رات سے دن کو چھپالیتا ہے اور دن رات کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے اور (اس نے پیدا کیا) سورج، چاند

گزارتے ہیں اور جو لوگ اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیتے ہیں یعنی دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور آخرت کے حساب و کتاب کو بھلا کر صرف اسی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں تو ان کی سزا کے طور پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی انہیں نظر انداز کر دے گا، یعنی جیسا تم اس جہاں میں کرو گے ویسا ہی اُس جہاں میں بھرو گے۔

[۳۸] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حق و باطل کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے قرآن کو نظر انداز کر دیا کیا وہ اس دن کے انتظار میں ہیں کہ قیامت قائم ہو جائے اور ان کے جرائم کی سزا انہیں سامنے نظر آ جائے تو پھر وہ ایمان لائیں گے؟ حالانکہ اس دن جب انہیں اپنا انجام نظر آ جائے گا تو وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے پیغام صداقت اور اپنی افترا پردازیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور التجائیں کریں گے کہ آج کوئی ان کی سفارش کر دے یا انہیں دنیا میں واپس جانے کا ایک اور موقع دیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے، مگر تب توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا اور سوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا آج حق کا ساتھ دینا ہی فائدہ مند ہے کل کا پچھتانا بے سود ہوگا۔

[۳۹] یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے میں چھ دن کیوں صرف کئے؟ جبکہ وہ قادر مطلق ہے اور صرف

حَثِيْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اور ستاروں کو، سب اس کے حکم کے تابع ہیں، اچھی طرح سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے لئے خاص ہے، [۴۰] بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

۵۵۔ اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے، [۴۱] بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لفظ کن سے ایک لمحہ میں ساری کائنات پیدا کر سکتا ہے، اور پھر دن سے کتنا وقت مراد ہے؟ کیونکہ سورج ابھی پیدا ہی نہیں ہوا جس کے طلوع وغروب سے دن کا تعین ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا عرش پر جلوہ گر ہونے سے کیا مراد ہے؟ جبکہ وہ مکان سے پاک ہے۔ دراصل ان ساری باتوں کی حکمت اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لیکن اگر کسی کام کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے تو بھی بغیر کسی تردّد کے اس پر ایمان لانا ہمارے لئے فرض ہے۔

[۴۰] اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں بلکہ کائنات کا حاکم بھی ہے۔ اس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا ہے۔ رات کی تاریکی آئے تو دن کی روشنی غائب ہو جاتی ہے اور دن کی روشنی آئے تو رات کی تاریکی غائب ہو جاتی ہے۔ سورج، چاند اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں کبھی نافرمانی نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمائش کے لئے آزادی اور اختیار دے رکھا ہے، لہٰذا انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

[۴۱] ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے چند آداب سکھائے جا رہے ہیں:

۱۔ گڑگڑا کر اور آہستہ دعا مانگنا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بلند آواز سے اور اعلانیہ دعا مانگنا درست نہیں بلکہ جملہ عبادات اور صدقات میں کبھی ان کا اعلان کرنا بہتر ہے اور کبھی چھپانا بہتر ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۷۱ اور حاشیہ نمبر ۲۳۲ ملاحظہ کریں۔

۲۔ دعا میں نہ تو کسی حرام یا ناجائز چیز کا سوال کیا جائے اور نہ ہی حد سے زیادہ چلا کر دعا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۳۔ دعا مانگنے والے کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ان کی مخالفت کرنے والا زمین میں فساد پھیلانے کا مرتکب ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے۔

۴۔ دعا کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا ڈر اور اس کی رحمت کی امید ہونی چاہیے، کیونکہ خوف اور امید کی درمیانی کیفیت ایمان کی نشانی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ فاتحہ آیت نمبر ۳ حاشیہ نمبر ۶ ملاحظہ کریں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس اور ان کے ساتھ دعا کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اس کے نیک بندوں کے ساتھ ایک خصوصی

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اللہ تعالیٰ کو پکارو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اور وہی خدا ہے جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو کسی مردہ زمین کی طرف روانہ کر دیتے ہیں، پھر ہم اس سے پانی نازل کرتے ہیں اور اس پانی کے ذریعہ (مردہ زمین سے) ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، [۴۲] اسی طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

۵۸۔ اور جو زمین اچھی ہوتی ہے وہاں اس کے رب کے حکم سے خوب پیداوار نکلتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس سے بہت کم پیداوار نکلتی ہے، [۴۳] اس طرح ہم دلائل کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں۔

قرب ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۸ اور حاشیہ نمبر ۲۰ ملاحظہ کریں۔

[۴۲] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کی ایک مثال بیان فرمائی ہے یعنی خشک اور مردہ زمین جس پر سبزے کا نام ونشان نہ ہو اور ہر طرف گرد وغبار اُڑ رہی ہو جب اس پر رحمت کی بارش برستی ہے تو اس میں سے سرسبز وشاداب پیداوار نکل آتی ہے اور ساری زمین پر سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے قریب ساری مخلوق مر کر مٹی کے ساتھ مل چکی ہوگی، کہیں زندگی کا نام ونشان نہیں ہوگا۔ جب حضرت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندگی کا صور پھونکیں گے تو زمین سے اگنے والے پودوں کی طرح تمام مردے زندہ ہو کر زمین سے باہر نکل آئیں گے اور ساری زمین پر انسان ہی انسان نظر آئیں گے۔

[۴۳] جب رحمت کی بارش برستی ہے تو اچھی زمین اس کو قبول کر لیتی ہے اور اس سے خوب پیداوار نکلتی ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، جبکہ خراب زمین اس پانی کو قبول نہیں کرتی اور اس سے پیداوار بھی نہیں نکلتی اور اگر کچھ پیداوار نکلے تو وہ بھی خراب ہوتی ہے، اس لئے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ بے شک ہم نے نوح ؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔[۴۴]

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: (اے نوح!) بے شک ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ نوح نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

لوگوں کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہیں تو شکر گزار بندے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کر کے لوگوں کو فیض پہنچاتے ہیں مگر ناشکرے لوگ اس پیغام کا انکار کر کے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

[۴۴] آیت نمبر ۵۹ سے ۶۴ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت نوح ؑ اور ان کی قوم کی گفتگو بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت نوح ؑ کی قوم عراق میں آباد تھی اور شرک میں مبتلا تھی۔ حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کو فرمایا: صرف اللہ تعالیٰ کی عبات کرو کیونکہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، قبر وحشر کے حساب وکتاب اور جنت ودوزخ کے ثواب وعذاب کے متعلق وہ خبریں دیتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

قوم کے سرداروں نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو نبی کیوں نہیں بنایا یا اگر مرد کو ہی نبی بنانا تھا تو ہم میں سے کسی سردار کو نبی بناتا آپ جیسے نادار اور مسکین کو نبی کیوں بنایا گیا؟ ہمیں تو ایسے نظر آتا ہے جیسے تم گمراہ ہو گئے ہو۔ اس پر حضرت نوح ؑ نے فرمایا: میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچاتا ہوں تا کہ تم متقی بن جاؤ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہ کیا اور سابقہ شرک پر قائم رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ تمہارے اوپر ایک بڑا عذاب آنے والا

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾

۶۳۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد (رسول) کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم متقی بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع

۶۴۔ پھر بھی انہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے سب کو نجات دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، بے شک وہ (دل کے) اندھے لوگ تھے۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔[۴۵]

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶۔ ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے: تم ہمیں نادان نظر آتے ہو اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔

ہے۔اس خیر خواہی اور وارننگ کے باوجود ان دل کے اندھوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی جس کی سزا کے طور پر انہیں پانی کے سیلاب میں غرق کر دیا گیا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں صرف وہی لوگ بچ نکلے جو آپ پر ایمان لائے اور شرک سے توبہ کر لی۔

[۴۵] آیت نمبر ۶۵ سے ۷۲ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد اُولیٰ کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یمن کے علاقہ احقاف میں آباد تھی اور انہوں نے کئی معبود بنا رکھے تھے۔آپ نے انہیں فرمایا: صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو قوم کے سرداروں نے کہا: ہمارے خیال میں تو نادان ہے اور جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نادان نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے ایک مرد یعنی مجھے رسول بنایا ہے اور

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ ہود ؑ نے فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی نادانی نہیں ہے بلکہ میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا ایسا خیرخواہ ہوں جو دیانتدار ہے۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد (رسولِ خدا) کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہاری جسامت و طاقت کو بڑھا دیا، پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، سو لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ [۴۶]

تمہیں قوم نوح سے زیادہ طاقتور بنایا ہے، لہٰذا تم اس کی نعمتیں یاد کر کے اس کے احکام کی پیروی کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

اِرَم قبیلہ کی دو شاخیں ہیں: ایک کا نام عادِ اُولیٰ ہے جس کی طرف حضرت ہود ؑ نبی بنا کر بھیجے گئے۔ دوسری شاخ کا نام ثمود یا عادِ ثانیہ ہے جس کی طرف حضرت صالح ؑ نبی بنا کر بھیجے گئے اور اِرَم کا لفظ عادِ اولیٰ اور ثمود دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شاخوں کی اصل اِرَم ہے۔

[۴۶] حضرت ہود ؑ نے اپنی قوم کو فرمایا: تم میرے ساتھ ان معبودوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود بنا رکھے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ تم ان کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا عذاب نازل ہوگا۔ قوم کے سرداروں کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے کہا: ہم تو اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں تم جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو وہ ابھی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ اس پر

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

۷۱۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا: تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب مقرر ہو چکا ہے، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جوتم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی، سوتم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

۷۲۔ پھر ہم نے ہود علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَاِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

۷۳۔ اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (قومی) بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے، [۷۴] یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے، اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے، اس کو کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ کب نازل ہوگا، چنانچہ سخت ہوا کا طوفان آیا جو آٹھ دن جاری رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر دیا اور اس طاقتور قوم کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ اس آندھی میں حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ وہی لوگ محفوظ رہے جو آپ پر ایمان لائے اور شرک سے توبہ کر لی۔

[۷۴] آیت نمبر ۷۳ سے ۷۹ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم (ثمود) کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔ یہ لوگ مشرک تھے اور حجاز اور شام کے درمیان آباد تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ پتھر کی اس

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

۷۴۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں آباد کیا، تم میدانی زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

۷۵۔ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے: کیا تم یقینی علم رکھتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے؟ انہوں نے جواب دیا: بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پیغام پر ایمان رکھتے ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

۷۶۔ متکبر سردار کہنے لگے: تم جس پر ایمان لائے ہو بے شک ہم تو اس کے منکر ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

۷۷۔ پھر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے: اے صالح! ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے تھے اگر تم رسولوں میں سے ہو۔[۴۸]

چٹان سے زندہ اونٹنی نکال کر دکھاؤ اگر تم سچے نبی ہو، چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے اونٹنی ظاہر فرمادی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹنی میری نبوت کی دلیل اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے، لہٰذا تم اس کو آزاد چھوڑ دو جہاں سے اس کا جی چاہے کھاتی پھرے۔ کوئی اس کو تنگ نہ کرے ورنہ تم پر دردناک عذاب نازل ہوگا۔

اس معجزہ کو دیکھ کر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور حضرت صالح علیہ السلام کے پیغام نبوت کو دل سے قبول کر لیا مگر سرداروں نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم عاد کا جانشین بنایا۔ تم کو زمین میں محل بنانے اور پہاڑوں میں گھر بنانے کی توفیق دی، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

[۴۸] قوم ثمود کے متکبر سرداروں نے سازش کر کے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ذبح کرا دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو کہا کہ ہم نے اونٹنی کو

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸۔ پھران کو زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ پھر صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچادیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے ساری دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔[۴۹]

ہلاک کر دیا ہے تم اسے نقصان پہنچانے پر جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتے تھے وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو، چنانچہ صرف تین دنوں کے بعد ایک سخت آواز کے ساتھ زلزلہ آیا جس کی وجہ سے صبح کے وقت سب اپنے گھروں میں اوندھے منہ مرے پڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو محفوظ رکھا۔ اس تباہی کو دیکھ کر حضرت صالح علیہ السلام نے ان مُردوں سے خطاب کیا: میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کرتے ہوئے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ اچانک عذاب آئے گا لیکن جو قوم اپنے خیر خواہوں کی بات نہیں سنتی اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے بھی سنتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد بھی روح کا انسانی جسم اور قبر کے ساتھ ایک قسم کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب ہم قبرستان کے پاس سے گزریں تو اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں سلام (السلام علیکم) کہیں اور پھر ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔ (ابن ماجہ: ابواب الجنائز: باب ۳۶) اور غزوۂ بدر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ کے لاشے پڑے تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کیا: اے ابوجہل، اے اُمیہ، اے عتبہ، اے شیبہ! میرے ساتھ میرے رب نے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچ پایا ہے اور تمہارے ساتھ تمہارے رب نے عذاب کا جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچ نہیں پایا؟ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان جسموں سے کیسے خطاب کر رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (بخاری: کتاب المغازی: باب ۸۔ مسلم: کتاب الجنۃ: باب ۱۷) جب کافر قبر میں سنتا ہے تو پھر مؤمن کیوں نہیں سن سکتا؟ اس پر تفصیلی بحث سورہ نمل آیت نمبر ۸۰ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[۴۹] آیت نمبر ۸۰ سے ۸۴ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔ یہ لوگ شام کے جنوب

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس نفسانی خواہش کے لئے آتے ہو بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اوران کی قوم کے پاس (اس کا) کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ (آپس میں) کہنے لگے: ان کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے ہی پاکباز بنتے ہیں۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پس ہم نے لوط علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ (اپنے کفر کے سبب) پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگئی۔

میں آباد تھے اور بے حیائی کے کاموں میں حد سے گزرے ہوئے تھے یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ نفسانی خواہشات پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا: تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے ساری دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ ان کی قوم کے پاس اس کا جواب تو نہیں تھا مگر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ خود تو بڑے پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں بے حیا سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کو اپنے شہر سے نکال دیں۔ ہدایت حاصل کرنے کے بجائے جب وہ بے حیائی پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا جس سے وہ سارے ہلاک ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی وہاں سے ہجرت کر چکے تھے، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے ہجرت سے انکار کر دیا تھا اور وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہلاک کر دی گئی کیونکہ وہ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی تھی۔

قوم لوط کے عمل کی سزا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (ترمذی: ۱۴۵۶: ابواب الحدود: باب ۲۴)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لواطت کے عمل پر حد واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لوطی کی سخت سزا بیان فرمائی ہے، پس لواطت پر زنا کی حد واجب ہے کیونکہ اس میں زنا کا معنی پایا جاتا ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: وہبہ زحیلی: جلد ۶: ص ۶۶) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے قوم لوط کا کام کیا تو وہ زنا کی طرح ہے اور اس پر حد جاری کی جائے گی، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف تعزیر کے قائل ہیں اور انہوں نے حدیث سے استدلال نہیں کیا کیونکہ اس کے ایک راوی (عمرو بن ابی عمرو جو کہ عمرو بن میسرہ ہیں) پر اعتراض کیا گیا ہے۔ (الفقہ الحنفی

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور ان پر ہم نے (پتھروں کا) مینہ برسایا، پس دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے (قومی) بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے، پس تم ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، [۵۰] یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

وادلتہ: شیخ صاغرجی: جلد ۲: ص ۲۹۷) عمرو بن ابی عمرو کے متعلق اصحاب جرح وتعدیل نے لکھا ہے کہ وہ کذاب اور رافضی ہے، صحابہ کرام ؓ کو گالیاں دیتا ہے، ضعیف اور جعلی حدیثیں بیان کرتا ہے، اس لئے وہ متروک الحدیث ہے۔

(لسان المیزان: حافظ ابن حجر عسقلانی: ۵۸۰۹: جلد ۶: ص ۲۱۰، ۲۲۰)

نیز امام ابوحنیفہ کا یہ قول بھی ہے کہ لوطی پر صرف تعزیر اس لئے لگائی جائے گی کیونکہ لواطت سے نہ تو اختلاط نسب واقع ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے عام طور پر ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ جن کے نتیجہ میں لوطی کو قتل کیا جائے، لہٰذا یہ زنا نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: وہبہ زحیلی: جلد ۶: ص ۶۶) اور اس پر زنا کی حد جاری نہیں ہوتی بلکہ تعزیر ہو گی اور کوئی تعزیر ۳۹ کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: وہبہ زحیلی: جلد ۶: ص ۱۹)

[۵۰] آیت نمبر ۸۵ سے ۹۳ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم (اہل مدین) کی گفتگو بیان فرمائی ہے۔ مدین سے مراد بحر احمر کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق کا علاقہ ہے۔ یہ لوگ مشرک تھے اور ناپ تول میں خیانت کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا: میں تمہارے پاس تمہارے رب کا پیغام لے کر آیا ہوں جو میری نبوت کی واضح دلیل ہے۔ نیز میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو، ناپ تول کو پورا کرو، لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے انہیں دھوکہ نہ دو اور اس زمین کو انبیائے کرام علیہم السلام نے احکام الٰہی پر عمل کر کے پُرامن بنایا تھا اب تم احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے اس میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مجھ پر یقین رکھتے ہو۔

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور تم ہر راستے پر اس لئے نہ بیٹھو کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تم اس کو ڈراؤ اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکو اور اس راہ میں کجی تلاش کرو اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو فساد پھیلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔[۵۱]

وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس (دین) پر ایمان لا چکا ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ، شعیب علیہ السلام نے جواب دیا: اگرچہ ہم اس کو ناپسند بھی کرتے ہوں۔[۵۲]

[۵۱] حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ سے ایک گروہ آپ پر ایمان لے آیا اور وہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے تو منکرین ان کے راستے میں بیٹھ جاتے اور انہیں کہتے: تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ شعیب تو جھوٹا ہے اس کا دین بھی جھوٹا ہے، لہٰذا تم اس دین سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس پر حضرت شعیب نے منکروں سے کہا: تم اہل ایمان کو تنگ نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو جب تم غریب اور تھوڑے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری اولاد اور دولت میں اضافہ کر دیا۔ اب اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو فساد پھیلانے والوں کا انجام تم دیکھ سن چکے ہو، پھر تم بھی انتظار کرو کہ کب فیصلہ کی گھڑی آئے اور تمہیں بھی پہلی منکر قوموں کی طرح تباہ و برباد کر دیا جائے۔

[۵۲] متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا: بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اس بستی سے نکال دیں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا: ہم تمہارے دین کو کیسے قبول کر لیں جبکہ ہم اس کو ناپسند کرتے ہیں اور بفرضِ محال اگر ہم تمہارا شرک والا دین قبول کر لیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پہلے غلط

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ یقیناً ہم نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے، اور ہمارے لئے اس دین میں لوٹ آنا ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ [۵۳]

تھے اور اب صحیح ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں حقیقت کے منافی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بہتان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرک کی ہدایت نہیں کی اس لئے ہمارا دوٹوک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ہم اس خالص توحید کو چھوڑ کر تمہارا دین قبول نہیں کر سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر کچھ اور چاہے تو وہ قادر مطلق ہے، وہ ہمارا رب ہے، اُس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم اس پر توکل رکھتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں توحید پر قائم رکھ اور ہمارے درمیان ایسا فیصلہ صادر فرما جو ہمارے حق اور ان کے باطل کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دے۔

کوئی نبی کبھی بھی شرک اور گناہ نہیں کرتا، نہ اعلانِ نبوت سے پہلے اور نہ بعد میں، اس لئے یہاں شرک میں واپس آنے کی دعوت صرف ان لوگوں کو ہے جو پہلے مشرک تھے، پھر حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ اس دعوت میں حضرت شعیب علیہ السلام تغلیباً شامل ہیں حقیقتاً شامل نہیں ہیں یا ابتدائی زمانہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کے سکوت سے مشرکین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ بھی مشرک تھے حالانکہ ہر نبی ہمیشہ سے سچا مؤمن ہوتا ہے۔

[۵۳] حضرت شعیب علیہ السلام کا دوٹوک جواب سننے کے بعد کافروں نے اپنی قوم کو دھمکی دی کہ اگر تم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی پیروی جاری رکھی تو تمہیں نقصان ہوگا ہم تم سے تمہاری جائدادیں غصب کر کے تمہیں خالی ہاتھ اس بستی سے نکال دیں گے، چنانچہ کافروں کی سرکشی کے باعث اچانک ایک زبردست زلزلہ آیا جس میں وہ اس طرح فنا ہو گئے کہ گویا کبھی یہاں بستے ہی نہ تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ اس تباہی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے ان مُردوں سے فرمایا: میں نے تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے اور جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے تمہاری پوری خیرخواہی کی مگر تم نے میری ایک نہ سنی، لہذا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ پھر ان کو زلزلہ نے آ پکڑا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا (وہ ایسے مٹ گئے) کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی نقصان اٹھانے والے ہو گئے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہیں نصیحت کی تھی تو اب میں کافر قوم (کے عذاب) پر کیونکر افسوس کروں۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے وہاں کے باشندوں کو (جو ایمان نہ لائے) سختی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ گڑگڑائیں۔ [۵۴]

اب تم لوگ اس لائق نہیں کہ تم پر غم و افسوس کیا جائے کیونکہ یہ تمہاری سوچی سمجھی سرکشی کی سزا ہے اور تم اس کے مستحق تھے۔

گذشتہ آیات میں قوم نوح، عاد، ثمود، لوط اور شعیب علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ پہلی قوموں کے برے انجام سے عبرت حاصل کریں اور اسلام قبول کر لیں اور مسلمان پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استقامت سے تسلی حاصل کریں اور اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

[۵۴] اللہ تعالیٰ نے جب کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے جو لوگ اس نبی پر ایمان نہ لائے اللہ تعالیٰ نے کبھی انہیں سختی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ اپنے مادی وسائل کی بے بسی کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور کبھی ان کی بدحالی کو خوشحالی میں بدل کر انہیں خوب کشادگی عطا فرمائی تا کہ وہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے محسن حقیقی کی طرف رجوع کریں مگر کچھ ہٹ دھرم ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان دونوں احوال سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اچھے اور برے دنوں کی آمد و رفت یہ ایک فطری اور تاریخی تسلسل ہے جو ابتدائے زمانہ سے چلا آ رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے غضب یا فضل کا کچھ دخل نہیں ہے۔ الغرض وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ اچانک اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ان کی سرکشی کی وجہ سے انہیں تہس نہس کر دیا، لہٰذا ہر کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے وہ رات اور دن میں کسی بھی وقت اچانک آ سکتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا پر بھی تنگی اور فراخی آتی رہی ہے، پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے (ہمارے رسولوں کو) جھٹلایا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے جب وہ سو رہے ہوں۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ اور کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع

۹۹۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اُٹھانے والے ہوں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا

۱۰۰۔ جو لوگ سابق اہل زمین (کی ہلاکت) کے بعد اس زمین کے وارث بنے کیا ان پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کے گناہوں کے سبب سزا دیں،

بے خوف ہو جاتے ہیں وہ بالآخر نقصان اٹھاتے ہیں۔

اہل علم کہتے ہیں: جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر کی توفیق ملے وہ نعمت اور مصیبت دونوں اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں اور جس نعمت کے بعد تکبر اور مصیبت کے بعد شکایت کی نوبت آ جائے وہ نعمت اور مصیبت دونوں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔

يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں تا کہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔[۵۵]

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۗ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ احوال ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے، پس وہ اس پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوئے جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔[۵۶]

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور ہم نے ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہیں پایا اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان پایا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ پھر ہم نے ان (انبیائے کرام علیہم السلام) کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، پس دیکھو فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟[۵۷]

[۵۵] یہ کفار مکہ جو اپنے اسلاف کی بستیوں اور زمینوں میں آج آباد ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں کیا ان کو گذشتہ اقوام کی تاریخ سے اتنی بھی ہدایت نہیں ملی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ان کے دل کے کانوں کو ناکارہ کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر سکتا ہے، لہٰذا ان کو ان غلطیوں کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے جن کی وجہ سے پہلی قوموں پر عذاب نازل ہوا۔

[۵۶] گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کی تباہی کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور آخر دم تک منکر ہی رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں۔ نیز ان قوموں نے انبیائے کرام علیہم السلام سے وعدے بھی کئے کہ اگر وہ انہیں معجزہ دکھائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے مگر معجزہ دیکھنے کے باوجود ان میں سے اکثر ایمان نہ لائے، لہٰذا میرے پیارے نبی! آپ اہل مکہ کی ہٹ دھرمی سے کبیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ جاہل قوموں نے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ روا رکھا تھا۔

[۵۷] یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال کا تفصیلی بیان شروع ہوتا ہے جو درجنوں آیات پر مشتمل ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ میرا یہ فرضِ منصبی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں، بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل لے کر آیا ہوں، پس بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ فرعون نے کہا: اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ اسی وقت صریح اژدہا بن گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

۱۰۸۔ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کے لئے روشن ہو گیا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ قومِ فرعون کے سردار کہنے لگے: واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔[۵۸]

بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے۔ مصر کے اصلی باشندے قبطی تھے، کچھ عرصہ بعد فرعون اور قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیے حتیٰ کہ ایسا موقع بھی آیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ (قرآن: ۲:۴۹) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو آپ نے فرعون سے کہا: میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں اور میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، لہٰذا تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو تاکہ میں انہیں لے کر اپنے وطن فلسطین میں چلا جاؤں جہاں وہ آزادی سے زندگی گزار سکیں۔ فرعون نے کہا: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ، چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنا لکڑی کا عصا زمین پر پھینکا تو وہ سچ مچ کا زندہ اژدہا بن گیا۔ وہ اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا تو فرعون نے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس کو پکڑ و، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا کو پکڑا تو وہ لکڑی کا عصا بن گیا، اور دوسرا معجزہ یہ ظاہر ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا۔

[۵۸] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزات یعنی عصا کا سانپ بننا اور ہاتھ کا چمکنا دیکھ کر فرعونی سردار آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے، سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ انہوں نے (فرعون سے) کہا: ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ تا کہ وہ ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا: اگر ہم (موسیٰ علیہ السلام پر) غالب آگئے تو یقیناً ہمارے لئے انعام ہوگا؟

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ فرعون نے کہا: ہاں! اور بے شک تم میرے خاص مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! تم (پہلے اپنا عصا) ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں۔ [۵۹]

ہے۔ یہ اپنے جادو کے زور سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے گا اور حکومت پر قبضہ کر کے تمہیں مصر سے نکال دے گا، پھر یہاں پر بنی اسرائیل کی حکومت ہو جائے گی، لہٰذا ابھی سے اس کے سدباب کے لئے کوئی حکمت عملی تیار کرو۔ سب نے باہمی مشورہ کے بعد فرعون سے کہا کہ فی الحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو اپنے حال پر رہنے دو اور اپنے ملک کے سارے شہروں میں پولیس بھیجو جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئے، چنانچہ پورے ملک کے ماہر جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں تو ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا۔ اس کے جواب میں فرعون نے کہا: اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ حاصل کر لیا تو تمہیں نہ صرف انعام ملے گا بلکہ میں تمہیں اپنا مقرب بھی بنالوں گا۔

[۵۹] چنانچہ ایک وسیع میدان میں ایک طرف فرعون کے ماننے والے لاکھوں کا جم غفیر اور دوسری طرف ایک مظلوم اور غلام قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے صرف دو بھائی یعنی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کھڑے ہیں۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آج کے مقابلہ میں تم پہل کرو گے یا ہم ابتدا کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم پہل کرلو۔ جادوگروں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں اور لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو وہ رسیاں سانپ نظر آنے لگیں۔ سارے دیکھنے

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ڈالو، جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر) ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوفزدہ کر دیا اور ایک بڑا جادو کر دکھایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو گیا۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ اس جگہ وہ (فرعونی) مغلوب ہو گئے اور ذلیل وخوار ہو کر واپس ہوئے۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ کہنے لگے: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳۔ فرعون نے کہا: تم اس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ ایک خفیہ سازش ہے جو تم نے اس شہر میں کی ہے تا کہ تم اس شہر کے اصلی

والے ڈرنے لگے اور یہ جادو کا ایک بڑا شعبدہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا جو ان سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا اور ان کے جادو کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ سارے فرعونی ذلیل وخوار ہو کر واپس چلے گئے مگر جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں، لہٰذا وہ اس طرح بے اختیار سجدے میں گر پڑے جیسے اظہارِ حق نے انہیں سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا ہو اور انہوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

باشندوں کو یہاں سے نکال دو، سو عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔[۶۰]

لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴۔ میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا، پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ انہوں نے کہا: بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آگئیں، اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہمیں اس حال میں وفات دے کہ ہم مسلمان ہوں۔

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا

۱۲۷۔ اور قوم فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یونہی چھوڑے رکھے گا کہ وہ اس زمین میں فساد پھیلاتے پھریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو بھی چھوڑے رہیں؟ فرعون نے کہا: عنقریب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ

[۶۰] فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں تم میری اجازت کے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان کیوں لائے ہو، یہ تو تم نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف سازش کی ہے تاکہ تم مصر کے اصلی باشندوں یعنی قبطیوں کو یہاں سے نکال دو، لہٰذا تم اس سازش کی سزا کے لئے تیار ہو جاؤ، میں تمہارا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ کر تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے فرعون سے کہا: تو ہم سے اس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان لائے۔ تو اب آپ جو سزا چاہیں تجویز کریں ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو پہچان لیا ہے اور ہم سب کو ایک دن اسی کی طرف لوٹنا ہے، لہٰذا ہمیں موت کی پرواہ نہیں ہے، بلکہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صبر دے اور مرتے دم تک مسلمان رکھے۔

اس سے معلوم ہوا جو انسان اسلام کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اس پر دل کی گہرائی سے ایمان لے آتا ہے تو پھر وہ مرنا گوارا کر لیتا ہے مگر اسلام کو چھوڑنا برداشت نہیں کر سکتا۔

فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رہنے دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔[۶۱]

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۲۹۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی، [۶۲] موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور اس زمین میں تمہیں (ان کا) جانشین بنا دے گا، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

---

[۶۱] فرعون اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا۔ مصر میں وہ براہِ راست اپنی عبادت کراتا اور دوسرے علاقوں میں اپنے نام کے بت بنوا رکھے تھے جن کی عبادت کی جاتی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اب قوم فرعون کے نزدیک فرعون کی عبادت سے انکار کرنا ملک میں فساد برپا کرنے کے مترادف تھا، چنانچہ انہوں نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا کہ تم موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو کنٹرول کرو۔ وہ نہ تو تجھے رب سمجھتے ہیں اور نہ ہی تیرے نام پر بنائے ہوئے بتوں کو اور لوگوں کو تمہارے خلاف اکساتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ کل تیرے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں، مگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا، اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست ٹکر لی تو اس کا عصا اژدہا بن کر اس کو کھا جائے گا، تاہم اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو اعتماد میں رکھنے کے لئے انہیں جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں ہم نے بنی اسرائیل کو ختم کرنے کے لئے پوری منصوبہ بندی کر لی ہے۔ ہم بہت جلد ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے، اس طرح ان کی نسل خود بخود ختم ہو جائے گی۔

[۶۲] بنی اسرائیل کو جب پتہ چلا کہ فرعون دوبارہ ان کے بیٹوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: آپ علیہ السلام کے آنے سے پہلے بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کر کے ہمیں تنگ کیا گیا اب آپ علیہ السلام کے آنے کے بعد پھر ہمارے بیٹوں کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے تو اب ہم کیا کریں۔ ہمارے یہ مصائب کب ختم ہوں گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: گھبرائیں نہیں، زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہ فرعونی ہمیشہ حکمران نہیں رہیں گے، تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰۔ اور بے شک ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ [۶۳]

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱۔ پس جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اس کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے، [۶۴] سن لو! ان کی نحوست تو اللہ تعالیٰ کے پاس سے (شامتِ اعمال) ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

مانگو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ فرعون اور اس کی فوجوں کو ہلاک کرنے والا ہے اور تمہیں اس ملک کا وارث بنا دے گا، لیکن یاد رکھنا وہ تمہاری آزمائش کا نیا دور ہوگا۔ اب تو اللہ تعالیٰ تمہیں غلامی اور غربت دے کر آزما رہا ہے، پھر تمہیں آزادی اور حکومت دے کر آزمائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف وہی لوگ سرخرو ہوں گے جو مصائب میں صابر اور آسائش میں شاکر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا یعنی فرعون کو غرق کر دیا اور قبطیوں کی سرزمین کا بنی اسرائیل کو مالک بنا دیا۔ یہ سورت مکی ہے اور مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی حالت بھی کچھ اسی طرح کی تھی، ایک طرف مشرکین مکہ کے مظالم تھے اور دوسری طرف فتح و نصرت کے وعدے تھے جو بالآخر فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

[۶۳] اللہ تعالیٰ نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کر دیا تا کہ ان کے دل نرم ہوں اور وہ ظلم و ستم اور کفر و شرک سے باز آ جائیں مگر وہ عجیب جاہل لوگ تھے۔ جب ان پر خوشحالی کا دور آتا تو وہ پھولے نہ سماتے اور کہتے کہ یہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور ان کا استحقاق ہے لیکن جب مشکلات کا زمانہ آتا تو کہتے: یہ سارے مصائب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست ہیں۔ اگر یہ ہم میں نہ ہوتے تو ہم پر یہ مصائب نہ آتے حالانکہ ان مصائب کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے نہیں بلکہ یہ فرعونیوں کی اپنی شامتِ اعمال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ان کی سزا کے طور پر نازل ہوئی ہے، لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

[۶۴] زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اکثر پرندوں، جانوروں، آوازوں اور مختلف چیزوں سے بدشگونی لیتے، مثلاً جب وہ کسی اہم کام کے لئے گھر سے نکلتے اگر بائیں طرف پرندہ اڑتا دیکھتے تو اس کو بدشگونی سمجھتے یعنی جس کام کے لئے وہ جا رہے ہیں اس میں کامیاب نہیں ہوں گے، لہٰذا وہ واپس گھر لوٹ آتے۔ یہ ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ وہ اپنے نفع یا نقصان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو مستقل مؤثر کی حیثیت دے رہے ہیں حالانکہ کارسازِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ فال موافق ہو یا مخالف بہرصورت اپنے رب تعالیٰ پر توکل کر کے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ یہ پرندوں کا دائیں بائیں اُڑنا کسی کام میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ نیز بدشگونی لینے سے انسان کے اندر مایوسی اور اللہ تعالیٰ سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نیک فال پکڑنا اچھی چیز ہے، اس سے انسان کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی

وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲۔ اور انہوں نے کہا: (اے موسیٰ!) تم کیسی ہی نشانی ہمارے پاس لے آؤ تا کہ اس کے ذریعہ تم ہم پر جادو کرو تو بھی ہم ہرگز تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔[۶۵]

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳۔ پس ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا، یہ سب واضح نشانیاں تھیں، پھر بھی انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔

رحمت پر امید میں اضافہ ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں حضورِ اکرم ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس بدفالی کا ذکر کیا گیا۔آپ نے فرمایا: سب سے اچھی چیز نیک فال ہے اور فال مسلمان کو کسی کام سے نہیں روکتی، پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو کہے: اے اللہ! تیرے سوا کوئی شخص اچھائیوں کو نہیں لا سکتا اور تیرے سوا کوئی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا۔۔۔ (ابوداؤد: کتاب الطب: باب الطیرة)

۲۔ کوئی مرض متعدی نہیں ہے اور نہ کوئی بدشگونی ہے اور مجھ کو نیک فال پسند ہے اور نیک فال اچھا کلمہ ہے۔

(ابوداؤد: کتاب الطب: باب الطیرة)

۳۔ جو شخص بدفالی پکڑ کر اپنے کام سے لوٹ آیا اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۲۲۰)

۴۔ حضورِ اکرم ﷺ کسی چیز سے بدشگون نہیں لیتے تھے۔آپ جب کسی عامل کو بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے۔اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی دکھائی دیتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے پر کراہت دکھائی دیتی اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو آپ اس کا نام پوچھتے۔اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو اس سے آپ ﷺ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر خوشی نظر آتی اور اگر آپ اس کا نام ناپسند فرماتے تو آپ کے چہرے پر کراہت نظر آتی۔(ابوداؤد: کتاب الطب: باب الطیرة) مسلمانوں کو اپنی اولاد یا جگہوں وغیرہ کے نام اچھے رکھنے چاہییں کیونکہ ناپسندیدہ ناموں سے حضورِ اکرم ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔

[۶۵] جادوگروں کی شکست کے بعد جادوگر تو ایمان لے آئے مگر فرعون کے ساتھ اس کی قوم کے لوگ اپنی سرکشی اور کفر پر اڑے رہے اور موسیٰ علیہ السلام کو واضح کہہ دیا کہ آپ جیسا بھی جادو کا کرشمہ دکھا دیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔جب فرعونیوں نے ایمان نہ لانے کا آخری فیصلہ سنا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذابوں کا سلسلہ شروع کر دیا جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یکے بعد دیگرے ظاہر ہوئے۔مثال کے طور پر پہلے اتنی کثرت سے بارش ہوئی کہ ان کی ہر چیز غرق ہو گئی اور پانی ان کی گردنوں تک پہنچ گیا، پھر ٹڈی دل نے ان کی فصلوں کو تباہ کر دیا، پھر ان کے کپڑوں، بالوں اور جسموں میں جوؤں کی

وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴۔ اور جب ان پر کوئی عذاب آ جاتا تو کہتے: اے موسیٰ! اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے، اگر تم نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے [۶۶] اور ہم بنی اسرائیل کو ضرور آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵۔ پھر جب ہم ایک مدت کے لئے ان سے عذاب دور کر دیتے جس (مدت) تک وہ پہنچنے والے تھے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، [۶۷] اور ان سے غافل ہو گئے تھے۔

کثرت نے انہیں بے چین کر دیا۔ اس کے بعد مینڈک، ان کے گھروں، کھانوں اور بستروں میں اتنی کثرت سے آ گئے کہ ان کا کھانا، پینا اور سونا حرام ہو گیا، پھر دریاؤں، کنوؤں اور گھروں میں ہر جگہ پینے کا پانی خون میں بدل گیا اور پیاس کی وجہ سے ان کی جان خطرے میں پڑ گئی اور لطف کی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے گھر ان عذابوں سے محفوظ تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) ان واضح نشانیوں کے بعد بھی فرعونی عادی مجرموں کی طرح اپنے تکبر پر قائم تھے۔

گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس سورت میں آیات نمبر ۱۰۷ اور ۱۰۸ میں دو معجزات یعنی عصا اور ہاتھ، پھر آیت نمبر ۱۳۰ میں دو یعنی قحط سالی اور پھلوں کا نقصان اور اس آیت میں پانچ یعنی طوفانی بارش، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور پانی کا خون بن جانا۔ نیز بائبل کی کتاب خروج کے باب ۷ تا ۱۰ میں بھی ان سے ملتے جلتے نو معجزات کا ذکر موجود ہے۔

[۶۶] مذکورہ عذابوں میں سے جب بھی کوئی عذاب ان پر نازل ہوا تو وہ مجبور ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: اے موسیٰ! آپ کے رب نے آپ سے جو دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے اس وعدہ کے وسیلہ سے یا اپنی نبوت کے وسیلہ سے ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ عذاب ہم سے دور کر دے تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر کے آپ کے ساتھ بھیج دیں گے، مگر وہ تعصب اور تکبر میں حد سے بڑھے ہوئے تھے، جب ایک مقررہ مدت کے لئے ان کا عذاب ٹال دیا جاتا تو وہ ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا وعدہ توڑ دیتے۔

[۶۷] اتنی بڑی بڑی نشانیاں اور بار بار عذاب دیکھنے کے باوجود جب فرعونی ایمان نہ لائے اور بار بار عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بحر قلزم

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷۔ اور جن لوگوں (بنی اسرائیل) کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا اچھا وعدہ ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے بنائے ہوئے کارخانوں اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے سب کو برباد کردیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اُتار دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کے سامنے اعتکاف میں بیٹھی تھی، بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم جہالت کی باتیں کرنے والی قوم ہو۔ [۶۸]

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔

(بحر احمر) میں غرق کردیا۔ اس واقعہ کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۰ اور حاشیہ نمبر ۴۳ ملاحظہ کریں۔ بنی اسرائیل جن کو فرعونیوں نے غلام بنا رکھا تھا انہیں شام (فلسطین) اور مصر (تفسیر قرطبی) جیسی بابرکت اور سرسبز و شاداب زمین کا وارث بنا دیا یعنی پہلے فرعونیوں کے بعد مصر میں اور پھر عمالقہ کے بعد شام میں بنی اسرائیل کو اقتدار حاصل ہوا۔ (تفسیر مظہری) نیز مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر اور شام میں کثیر التعداد انبیائے کرام علیہم السلام کی قبریں بھی برکت کا ذریعہ تھیں۔ آخر کار اس طرح آیت نمبر ۱۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا وہ ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا، اور فرعونیوں کے محلات اور کارخانے سب تباہ کردیے گئے۔

[۶۸] بحر قلزم عبور کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کی پوجا میں مصروف تھے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہمیں بھی ایک ایسا خدا بنا دو جیسے ان کے معبود ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حیران ہو کر اپنی قوم سے فرمایا: تم بڑی جہالت کی بات کر رہے ہو۔ ان کے عقائد اور اعمال تو بالکل باطل ہیں۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش

قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں سب جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ‌ۚ يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

۱۴۱۔ اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا سخت عذاب دیتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً وَّاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً‌ ۚ وَقَالَ مُوۡسٰى لِاَخِيۡهِ هٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِىۡ فِىۡ

۱۴۲۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس راتوں سے ان (راتوں) کو مکمل کیا، اس طرح ان کے رب کی مقرر کردہ مدت چالیس راتیں مکمل ہو گئی، [۶۹] اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا: تم

کروں؟ میرے لئے تو یہ ناممکن ہے ہی مگر تمہیں بھی یہ مطالبہ زیب نہیں دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے اور تمہیں فرعون کے مظالم سے نجات دی ہے جو تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا تا کہ ان سے خدمت لی جائے۔

[۶۹] بنی اسرائیل جب فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تا کہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے انہیں تورات عطا کی جائے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ دنیا کے مشاغل سے الگ ہو کر کوہ طور پر تیس دن اور راتیں اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کریں، بعد میں دس دنوں کا اضافہ کر کے چالیس کی تعداد پوری کر دی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ چالیس دنوں کے ذکر و فکر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل اور روح کو وہ قوت و توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ کلام الٰہی کے بارِ گراں کو اٹھا سکیں۔ اس کے بعد آپ کو تورات عطا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے لئے صوفیائے کرام جو چالیس روزہ چلہ کشی کرتے یا کراتے ہیں اس کی اصل یہی آیت ہے، اسی لئے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو کلام الٰہی سننے کا مستحق بنانے میں چالیس دن کی چلہ کشی کو خصوصیت حاصل ہے جس طرح اولیاء اللہ کے دلوں میں حکمت کے چشمے جاری ہونے میں اس کا خاصہ دخل ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص چالیس دن تک خلوصِ نیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی

قَوۡمِیۡ وَاَصۡلِحۡ وَ لَا تَتَّبِعۡ سَبِیۡلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾

میری قوم میں میرے جانشین ہو، [۷۰] ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے راستہ پر مت چلنا۔

زبان پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔" (تفسیر روح البیان)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کے عدد میں کوئی خاص حکمت ہے۔

☆ جیسے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا اعلان چالیس سال کی عمر میں ہوا۔ (بخاری: کتاب الانصار: باب ۴۵)

☆ جو شخص مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھے اور اس عرصے میں کوئی نماز فوت نہ ہو، اس کے لئے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔۔۔۔ (احمد: جلد ۳: ص ۱۵۵)

☆ ماں کے پیٹ میں بچے پر ہر انقلاب چالیس دن کے بعد آتا ہے۔ پہلے چالیس دن نطفہ، دوسرے چالیس دن منجمد خون، اگلے چالیس دن گوشت کا لوتھڑا اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری: بدء الخلق: باب ۶)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین کے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ تعالیٰ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان: جلد ۲: ص ۲۷۰: حدیث نمبر ۱۷۲۵)

☆ جس شخص کی نماز جنازہ میں چالیس اہل ایمان شفاعت کریں اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

(ابن ماجہ: ابواب الجنائز: باب ۱۹)

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے تو اس کے عزیز واقارب اور دوست واحباب چالیس دن تک قرآن اور دیگر ذکر واذکار پڑھتے رہتے ہیں اور پھر ایک خصوصی محفل کے ذریعہ مرحوم کی مغفرت کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں جسے عرف عام میں چالیسواں کہا جاتا ہے۔

[۷۰] حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر منصب نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے وزیر کی حیثیت سے مانگا تھا۔ (قرآن: ۲۰: ۲۹) نیز بنی اسرائیل کی حکومت اور سرداری کا منصب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا، چنانچہ کوہ طور پر جاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکومتی معاملات میں حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور قوم کے انتظامی امور کے لئے ضروری ہدایات دیں تاکہ وہ قوم کی اصلاح کرتے رہیں اور مفسدین سے محتاط رہیں۔ اصلاح اُمت کا کام بحیثیت نبی اگرچہ حضرت ہارون علیہ السلام کے فرائض منصبی میں شامل تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف تاکید کی غرض سے انہیں یاد دہانی کرائی تھی کیونکہ بنی اسرائیل ابھی ابھی فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تھے اور وہ کوئی بھی غلط قدم اٹھا سکتے تھے اس لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔

بہرکیف یہ نبوت کی خلافت نہیں تھی کیونکہ وہ خود نبی تھے بلکہ یہ حکومتی نیابت تھی جیسے حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ سے باہر

وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰی لِمِیۡقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار کرا دے کہ میں تجھے دیکھ لوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، [۱۷] البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ان کو ہوش آیا تو عرض کی: تو پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

جاتے تو انتظامی امور حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے سپرد کر جاتے تو یہ نبوت کی خلافت نہیں تھی صرف انتظامی امور کی عارضی خلافت تھی۔

[۱۷] کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تو آپ علیہ السلام کے دل میں دیدارِ الٰہی کا شوق پیدا ہوا اور عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار بھی کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم مجھے اس دنیا میں نہیں دیکھ سکو گے (تفسیر قرطبی) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اطمینانِ قلب کے لئے انہیں ایک عملی تجربہ کا مشاہدہ کرایا یعنی تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو جو ظاہری اور مادی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ سخت اور بڑا ہے۔ میں اس پر اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالتا ہوں۔ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اتنی عظیم چیز ہے کہ پہاڑ جیسی ٹھوس اور مضبوط چیز بھی اُس کی تجلی برداشت نہیں کر سکتی تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ہوش میں آئے تو عرض کی: اے میرے رب! میں اس بات سے توبہ کرتا ہوں کہ میں نے تیری اجازت کے بغیر دیدار کا سوال کر دیا۔ (تفسیر روح المعانی) یعنی میں نے ایسا سوال کیا جس کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (تفسیر جلالین) الغرض اس پر پوری امت کا اجماع ہے اور اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبہ کسی گناہ کی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اہل ایمان کو قیامت کے دن اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ (تفسیر خزائن العرفان) لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔ (تفسیر قرطبی) کیونکہ اگر اس کا دیدار محال ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: اے موسیٰ! ”تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے“ بلکہ فرماتا: ”میں نہیں دیکھا جا سکتا۔“ (تفسیر

قَالَ يٰمُوْسٰىٓ اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام سے امتیاز بخشا، [۷۲] پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵۔ اور ہم نے ان (موسیٰ علیہ السلام) کے لئے (تورات کی) تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی (اور فرمایا:) پس ان تختیوں کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ بھی ان کو اچھے طریقے سے پکڑ لیں، عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔ [۷۳]

کبیر) مثال کے طور پر اگر ایک انسان کے ہاتھ میں پتھر ہو اور دوسرا انسان اسے کہے کہ یہ پتھر مجھے دو تاکہ میں اس کو کھا سکوں تو پہلا انسان جواب دے گا: پتھر کھانے کی چیز نہیں ہے اور یہ نہیں کہے گا کہ تم پتھر نہ کھاؤ۔ اس کے برعکس اگر پہلے انسان کے ہاتھ میں پتھر کی جگہ سیب ہو تو وہ دوسرے انسان کو کہے گا: تم اس کو نہیں کھا سکتے یعنی یہ کھانے کی چیز تو ہے مگر اس وقت تجھے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دیکھا جا سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار فی نفسہٖ ممکن اور جائز ہے (تفسیر کبیر) مگر یہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔ آپ کے علاوہ کوئی شخص اس دنیا میں جاگتی آنکھوں سے دیدار الٰہی نہیں کر سکتا۔ قلبی یا خواب کی صورت میں دیدار دیگر انبیاء اور صالحین کے لئے بھی ممکن ہے۔ اس سلسلہ میں سورہ انعام آیت نمبر ۱۰۳ کا حاشیہ نمبر ۹۱ ملاحظہ کریں۔ مزید تفصیلی بحث سورہ نجم میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

[۷۲] یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے اپنے پیغامات اور بلاواسطہ کلام کے لئے تمہارے زمانے کے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تمہیں منتخب کیا ہے، لہٰذا جو نعمت میں نے تمہیں دی ہے اس کو لے لو اور شکر گزار رہو۔

[۷۳] اللہ تعالیٰ نے تورات تختیوں پر لکھی ہوئی نازل فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تورات کی ان تختیوں میں تمہاری شریعت کی ہر چیز مرقوم ہے، لہٰذا تم ان کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو وہ بھی ان کو احسن طریقے سے پکڑ لیں اور اس میں بیان کردہ محکم آیات پر عمل کریں اور متشابہ پر ایمان رکھیں۔ (تنویر المقباس) اور اگر انہوں نے تورات کے احکامات سے روگردانی کی تو آخرت میں انہیں بھی جہنم کا وہ گھر دیکھنا پڑے گا جو نافرمانوں کا ٹھکانا ہے۔ نیز ملک شام میں عنقریب انہیں عاد وثمود کی وہ تباہ شدہ بستیاں بھی دکھائی جائیں گی جہاں کے باشندوں نے احکام الٰہی کی نافرمانی کی اور انہیں تباہ کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر)

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶۔ میں عنقریب ان لوگوں کو اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، [۷۴] اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں پھر بھی اس کو اختیار نہیں کریں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس راستہ کو اختیار کر لیں گے، یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان سے غافل رہے۔

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

۱۴۷۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے اعمال ضائع ہو گئے، انہیں ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے وہ عمل کرتے تھے۔

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے بچھڑے کا ایک مجسمہ بنا لیا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی، [۷۵] کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں ہدایت کا راستہ بتا سکتا، (مگر پھر بھی) انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔

---

[۷۴] جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور آخرت کو جھٹلایا اور تکبر کیا اس دنیا میں انہیں سزا یہ ملتی ہے کہ وہ کلام الٰہی کو سمجھنے سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی) لہٰذا جب وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس پر ایمان نہیں لاتے اور جب انہیں ہدایت کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے تو اسے اختیار نہیں کرتے بلکہ گمراہی کے راستے کی تلاش میں رہتے ہیں اور آخرت میں انہیں سزا یہ ملے گی کہ اگر انہوں نے اس دنیا میں بظاہر کوئی اچھے کام کئے ہوں گے تو آخرت میں وہ بھی ضائع ہو جائیں گے کیونکہ اس دن جس کے پاس ایمان نہیں ہوگا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

[۷۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تورات لینے گئے تو بنی اسرائیل شرک کی طرف مائل ہو گئے۔ سامری نامی ایک کاریگر نے بنی اسرائیل سے زیورات اکٹھے کئے اور ان کو پگھلا کر بچھڑے کا ایک ایسا مجسمہ بنایا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی اور کسی کاریگر کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ آج بھی ہزاروں ایسے کھلونے موجود ہیں جو مختلف جانوروں اور پرندوں کی آوازیں نکالتے ہیں، مگر بنی

وَ لَمَّا سُقِطَ فِيۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹۔ اور جب وہ نادم ہوئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ بے شک وہ گمراہ ہو گئے[۷۶] تو کہنے لگے: اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ فرماتا اور ہم کو نہ بخشتا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

وَ لَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِيۡ مِنۡۢ بَعۡدِيۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَ اَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِيۡ وَ كَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِيۡ ۫ۖ فَلَا تُشۡمِتۡ بِيَ الۡاَعۡدَآءَ وَ لَا تَجۡعَلۡنِيۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۵۰۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام غصے اور غم سے بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو فرمایا: تم نے میرے جانے کے بعد بہت بری جانشینی کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم سے پہلے جلد بازی کی، [۷۷] اور انہوں نے جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھ دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیں تو آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ کریں۔

اسرائیل کے جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا وہ بڑے عجیب لوگ تھے۔ انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جس بے جان مجسمہ کو انہوں نے اپنا معبود بنایا ہے وہ نہ تو ان سے بات کر سکتا تھا اور نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کر سکتا تھا تو یہ لوگ واقعی بڑے ظالم تھے کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ (قرآن: ۳۱:۱۳)

[۷۶] بنی اسرائیل کے مشرکین کو جب احساس ہوا کہ بچھڑے کو معبود بنا کر وہ گمراہی کے مرتکب ہوئے ہیں تو نادم ہو کر کہنے لگے: اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرماتا تو یقیناً ہم تباہ و برباد ہو جاتے۔

واقعہ کی ترتیب کے اعتبار سے اس آیت کو اگلی آیت نمبر ۱۵۰ کے بعد ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کا ہے مگر اس آیت کو مقدم اس لئے کیا گیا تا کہ ان کے شرک کرنے کا فعل اور اس پر نادم ہونے کا قول دونوں کا ذکر اکٹھے ہو جائے۔ (فتح القدیر)

[۷۷] کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ تیرے بعد تیری قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ (قرآن: ۲۰:۸۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غضب ناک ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو اس وقت بنی اسرائیل اس بچھڑے کی عبادت میں مصروف تھے۔ (فتح القدیر) اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ میں اور اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے قوم سے کہا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾ ع

۱۵۱۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾

۱۵۲۔ بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا انہیں دنیا کی زندگی میں ان کے رب کی طرف سے، بہت جلد غضب اور ذلت پہنچے گی، [۷۸] اور ہم بہتان باندھنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

تم نے میرے بعد بہت برا کام کیا اور میرے تورات لے کر آنے کا انتظار بھی نہ کیا، اور پھر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، حالانکہ آپ کو پہلے بتایا جا چکا تھا کہ اس ساری گمراہی کا ذمہ دار سامری ہے مگر قوم پر اس ظلم عظیم (شرک) کی قباحت کو اور واضح کرنے کے لئے اپنے بھائی کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا: تم نے انہیں شرک سے منع کیوں نہیں کیا، تو حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا: اے میرے بھائی! میں نے ان کو روکنے اور نصیحت کرنے کی پوری کوشش کی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی، اُلٹا مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے، لہٰذا مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ کریں اور نہ ہی میرے ساتھ ایسا سلوک کریں جس سے دشمن خوش ہوں، کیونکہ میں ان کے شرک میں شامل نہیں ہوں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے: اے اللہ تعالیٰ! مجھ پر اور میرے بھائی پر رحم فرما اور ہمیں بخش دے۔ اس دعا کا مقصد یہ تھا کہ بھائی کے ساتھ جس سخت رویہ کا مظاہرہ کیا گیا اس کی تلافی ہو جائے اور دشمنوں کو بھی طعنہ کا موقع نہ ملے کہ بھائی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ نیز امت کو تعلیم دینا بھی مقصود تھا کہ میں اور میرا بھائی اگرچہ تمہارے شرک میں شامل نہیں ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے باوجود ہم رحم اور مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں اور تم نے تو واقعۃً شرک کا گناہ کیا ہے، لہٰذا تمہیں رحم و مغفرت کی دعا کی زیادہ ضرورت ہے۔

[۷۸] دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے مراد یہ ہے کہ جب تک ان میں سے بعض نے بعض کو قتل نہیں کیا ان کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ (ابن کثیر) سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۴ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی وہ اپنے ان قومی بھائیوں کو قتل کریں جو اس شرک کے مرتکب ہوئے ہیں۔ (تنویر المقباس) چنانچہ اس پر عمل شروع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا یعنی معافی کا حکم نازل ہونے تک جو قتل ہو چکے تھے وہ شہید ہیں اور جو بچ گئے ان کو معاف کر دیا گیا، مگر سامری پھر بھی اپنے شرک پر قائم رہا تو اس پر اس دنیا میں یہ عذاب نازل ہوا کہ اس کے جسم میں ایسی بیماری پیدا ہو گئی کہ جو بھی اس کو ہاتھ لگاتا یا وہ کسی کو ہاتھ لگاتا تو وہ اور سامری بخار میں مبتلا ہو جاتے، اس لئے سامری عمر بھر یہی کہتا رہا: مجھ سے دور رہو ورنہ بخار میں مبتلا ہو جاؤ گے

وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

۱۵۳۔ اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو بے شک آپ کا رب اس (توبہ و ایمان) کے بعد بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

۱۵۴۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں جن کی تحریر میں ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

۱۵۵۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر مرد ہمارے وعدۂ ملاقات کے لئے منتخب کئے، [۷۹] پھر جب زلزلہ نے انہیں پکڑ لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا، کیا تو ہمیں اس غلطی کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے چند احمقوں نے کی، یہ تو محض تیری آزمائش ہے، تو اس کے ذریعہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت بخش دے، تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

چنانچہ لوگوں نے اس کے ساتھ میل ملاپ اور لین دین ختم کر دیا اور سامری نے جنگلوں میں جانوروں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔ سامری کا ذکر سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۹۷ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

[۷۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپس آ کر بنی اسرائیل کو سرزنش کی تو انہوں نے بچھڑے کی پرستش سے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو لے کر کوہ طور پر لے آؤ اور سب مل کر بچھڑے کے پجاریوں کی طرف سے معذرت کرو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ان ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے جو گاؤ پرستی کے شرک میں شامل نہیں تھے اور وہاں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت توبہ کی خوشخبری سنائی تو وہ ستر آدمی کہنے لگے: ہم آپ کی بات نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار کرا کر خود اس کی تصدیق نہ کرے۔ اس گستاخی پر نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے بجلی کی کڑک نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! اگر تیری مشیت

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جسے چاہتا ہوں اسے اپنا عذاب پہنچاتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے، سو میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي

۱۵۷۔ جو لوگ اس رسول [۸۰] کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمّی ہے، [۸۱] جس (کے ذکر) کو وہ اپنے پاس تورات اور

یہ تھی کہ ان سب کو ہلاک کر دیا جائے تو انہیں یہاں آنے سے پہلے گاؤ پرستی کے وقت ہلاک کر دیا ہوتا اور اگر تو چاہتا تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا کسی کی کیا مجال تھی کہ آپ کو روک سکتا۔ جب پہلے آپ نے ایسا نہیں چاہا بلکہ ہم سب کو کوہ طور پر بلایا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند بے وقوفوں کی گاؤ پرستی یا دیدار کے مطالبہ پر آپ ہم سب کو ہلاک کر دیں۔ یقیناً یہ محض تیری طرف سے ایک آزمائش ہے اور تیری آزمائش میں کامیاب وہی ہوتا ہے جس پر تو فضل و کرم فرمائے۔ یا اللہ تعالیٰ! اگر میں ان ستر آدمیوں کے بغیر واپس گیا تو بنی اسرائیل مجھ پر الزام لگائیں گے کہ میں نے ان کو قتل کرا دیا، لہٰذا تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ ہم پر رحم فرما اور ہمیں بخش دے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔

[۸۰] اس آیت میں حضرت محمد ﷺ کے نو (9) اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) رسول (۲) نبی (۳) اُمی (۴) تورات وانجیل میں مذکور ہونا (۵) نیکی کا حکم دینا (۶) برائی سے روکنا (۷) پاک چیزوں کا حلال کرنا، مثلاً یہود پر اونٹ کا گوشت اور گائے بکری کی چربی حرام ہو چکی تھی حضور اکرم ﷺ نے انہیں حلال کر دیا۔ (۸) ناپاک چیزوں کو حرام کرنا، مثلاً عیسائیوں پر شراب حلال تھی حضور اکرم ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا۔ (۹) سخت شرعی احکام کو نرم کرنا مثلاً پہلی شریعتوں میں اگر کپڑے کا کچھ حصہ ناپاک ہو جاتا تو اس کو کاٹ کر علیحدہ کر دیتے مگر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ناپاک کپڑا دھونے سے پاک ہو جاتا ہے، کاٹ کر پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۸۱] اس آیت میں حضرت محمد ﷺ کا ایک وصف اُمی بیان کیا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے، ملاحظہ کریں:

(۱) مکہ مکرمہ کا ایک نام اُمّ القریٰ (ساری بستیوں کی اصل) ہے، اس اعتبار سے اُمی کا معنیٰ ہوگا: مکہ والا، جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک نام مکی بھی ہے یعنی مکہ والا۔

(۲) جیسے مکہ سے مکی بنتا ہے اسی طرح اُمۃ سے اُمی یعنی اُمت والا، جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام امت والے ہیں اسی طرح آپ ﷺ بھی صاحبِ امت ہیں۔ ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نبی کے لئے نور کا ایک منبر ہوگا اور میں سب سے اونچے اور سب سے زیادہ نور والے منبر پر متمکن ہوں گا کہ ایک منادی ندا کرے گا: نبی اُمی کہاں ہے؟ انبیائے کرام علیہم السلام کہیں گے: ہم میں سے ہر ایک نبی اُمی (امت والا) ہے، پھر کس کے پاس پیغام آیا ہے؟ منادی دوبارہ لوٹ کر آئے گا اور کہے گا: نبی اُمی عربی کہاں ہے؟ اس پر حضرت محمد ﷺ منبر سے اُتر کر آئیں گے۔ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور آپ ﷺ کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔۔۔

(ابن حبان: جلد ۶: حدیث نمبر ۶۴۸۹: باب الحوض والشفاعۃ)

(۳) حضرت محمد ﷺ کو اُمی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ امی یعنی ان پڑھ قوم کی طرف مبعوث ہوئے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم امی لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۱۳) کیونکہ اہل عرب میں عام طور پر تعلیم کا رواج نہیں تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا کیونکہ کاتبانِ وحی اسلام لانے سے پہلے بھی پڑھے لکھے تھے اور غزوۂ بدر کے بعد جن کفار قیدیوں کو مدینہ کے بچوں کا استاد بنایا گیا وہ بھی پڑھے لکھے تھے، تاہم ان کی غالب اکثریت ان پڑھ تھی اسی لئے ان کو امی قوم کہا جاتا تھا۔

(۴) ماں کو عربی میں اُم کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے اُمی کا معنیٰ ہوگا: ماں والا یعنی جو بچہ شکم مادر سے پیدا ہونے کے بعد اسی حالت پر رہے اور کسی استاد سے پڑھنا لکھنا نہ سیکھے اُسے اُمی (ویسا ہی جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا) کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے شکم مادر سے پیدا ہونے کے بعد کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ بھی اُمی تھے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے چالیس سالہ زندگی میں نہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا، اگر یوں ہوتا تو منکرین ضرور شک کرتے۔ (قرآن: ۲۹: ۴۸) کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کے پڑھنے یا کسی کے لکھانے کا نتیجہ ہے، لیکن نبوت کے بعد جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ طور پر تعلیم دی جیسے قرآن کہتا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے۔'' (قرآن: ۴: ۱۱۳) پھر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اُمت کا معلم بنایا: ''جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (قرآن: ۳: ۱۶۴) پڑھنے لکھنے کے متعلق سب سے پہلی نازل ہونے والی پانچ آیات غور طلب ہیں: ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔۔۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا'' (قرآن: ۹۶: ۱ تا ۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم اور لکھنے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ جس طرح علم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسی طرح لکھنا پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لکھنے اور پڑھنے میں کمال حاصل تھا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ کمال عطا نہ فرمایا ہو، نیز حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوتے ہی عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا پڑھ لیں (البدایہ والنہایہ: جلد اوّل: ص ۸۱) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی لکھی ہوئی تختیاں پڑھ لیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سارے

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ

انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، [۸۲] وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں بُرائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو اتارتا ہے،

انبیائے کرام علیہم السلام کے امام اور سردار حضرت محمد ﷺ نہ پڑھ سکیں۔ آج کسی عالم یا معلم کو ان پڑھ کہنا اس کی توہین ہے تو حضورِ اکرم ﷺ جو ساری مخلوقات سے بڑے عالم اور قرآن مجید جیسی عظیم کتاب کے معلم ہیں ان کو اُمی بمعنیٰ ان پڑھ کہنا لمحہ فکریہ ہے۔ جب اُمی کے عظمت والے معانی موجود ہیں تو نقص والا معنیٰ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے لکھنے اور پڑھنے کے بارے میں صلح نامہ حدیبیہ کا واقعہ ملاحظہ کریں:

''یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ کفار نے کہا: ہم اس کو نہیں مانتے اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ ﷺ کو (عمرہ کرنے سے) منع نہ کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں رسول اللہ بھی ہوں اور میں محمد بن عبداللہ بھی ہوں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: رسول اللہ (کے الفاظ) مٹادو۔ (کیونکہ حضرت علی ؓ معاہدہ تحریر کررہے تھے) حضرت علی ؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں آپ (کے رسول اللہ کے الفاظ) کو کبھی نہیں مٹاؤں گا، تب رسول اللہ نے اس مکتوب کو پکڑا (رسول اللہ کے الفاظ مٹائے) اور لکھا: یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی۔۔۔

(بخاری: ۲۶۹۹: کتاب الصلح: باب ۶)

عمر بن شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے حضورِ اکرم ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے اور یہ آپ کا عظیم معجزہ ہے کہ اس دن آپ ﷺ نے اچانک اپنے ہاتھ سے لکھنا شروع کردیا۔ (خصائص کبریٰ: جلد دوم ص ۲۳۶) علامہ آلوسی نے آپ ﷺ کے لکھنے پڑھنے کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت عتبہ ؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں۔'' (تفسیر روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو علم عطا فرمایا اسی طرح لکھنا پڑھنا بھی سکھایا، البتہ تبلیغ اسلام میں آپ کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت بہت کم پڑی کیونکہ اہل عرب کی اکثریت ان پڑھ تھی اور انہیں زبانی تبلیغ کی ہی ضرورت تھی۔ شہاب الدین خفاجی نے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں آپ نے نہ لکھنے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں لکھنے کا ارادہ اس لئے نہیں کرتا تاکہ قلم کا سایہ اللہ تعالیٰ کے نام پر نہ پڑے۔'' اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین سے اُٹھالیا تاکہ کسی کا پاؤں آپ ﷺ کے سایہ پر نہ پڑے۔

(نسیم الریاض: جلد ۲: ص ۳۹۸: النبی الامی)

[۸۲] تورات اور انجیل میں حضورِ اکرم ﷺ کا تعارف اس قدر واضح تھا کہ اہل کتاب حضورِ اکرم ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے۔ ملاحظہ کریں۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۹ حاشیہ نمبر ۶۳ اور آیت نمبر ۱۴۶ حاشیہ نمبر ۱۰۴ اور سورہ انعام آیت نمبر ۲۰ حاشیہ نمبر ۲۱)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع

پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی [۸۳] اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

موجودہ بائبل میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جو حضرت محمد ﷺ کی نشاندہی کرتی ہیں اس سلسلہ میں دی لیونگ بائبل برٹش ایڈیشن ۱۹۷۵ء سے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

1- When the father sends the Comforter to represent me. and by the Comforter I mean the Holy Spirit - he will teach you much, as well as remind you of everything I myself have told you. (John:14:26)

2- But the fact of the matter is that it is best for you that I go away, for if I don't, the Comforter won't come. If I do, he will - for I will send him to you.....Oh, there is so much more I want to tell you, but you can't understand it now. When the Holy Spirit, who is the truth, comes, he will guide you into all truth, for he will not be presnting his own ideas, but will be passing on to you what he has heard. He will tell you about the future. He shall praise me and bring me great honour by showing you my glory. (John:16:7-14)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

۱۔ جب باپ میری نمائندگی کے لئے مددگار کو بھیجے گا (مددگار سے میری مراد مقدس روح ہے) وہ تمہیں بہت کچھ سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب بھی تمہیں یاد دلائے گا۔ (یوحنا کی انجیل: باب ۱۴: آیت ۲۶)

۲۔ درحقیقت تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار نہیں آئے گا لیکن اگر میں چلا جاؤں تو وہ آجائے گا کیونکہ میں اس کو تمہارے پاس بھیجوں گا ۔۔۔۔۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو سمجھ نہیں سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی تم کو پہنچائے گا۔ وہ تمہیں مستقبل کی خبریں دے گا۔ وہ میری تعریف کرے گا اور تمہیں میری عظمت دکھا کر مجھے بہت عزت دے گا۔

(یوحنا کی انجیل: باب ۱۶: آیات ۷ تا ۱۴)

بائبل کی مذکورہ آیات میں جس مقدس روح کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہیں گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرے بعد جو مقدس روح یعنی آخری نبی حضرت محمد ﷺ آئے گا وہ تمہیں میری شریعت سے آگاہ کرے گا اور اپنی شریعت کے تمام احکام سمجھائے گا چونکہ ان کی آمد کا وقت میرے بعد ہے اس لئے میرا جانا تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ وہ نبی تشریف لائے اور جو احکام تم اب نہیں سمجھ سکتے وہ تمہیں تمام سچائی کی راہ دکھائے۔ نیز وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے سنے گا وہی کہے گا۔ تمہیں مستقبل کی خبریں بھی دے گا اور میرے معجزات کا ذکر کر کے مجھے عزت دے گا۔

[۸۳] اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ فلاح دارین ان لوگوں کو ملے گی جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے، ان

کی تعظیم کی، ان کے دین کی مدد کی اور ان کے ساتھ نازل ہونے والے قرآن مجید کی پیروی کی۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم سے مراد وہ اقوال، افعال اور احوال ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سچی اطاعت اور خالص محبت میں اہل ایمان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ کفر و شرک سے پاک ہوں۔ اہل ایمان پر نبی کریم ﷺ کی تعظیم لازم ہے۔ آپ کی تعظیم کے چند پہلو ملاحظہ کریں:

نبی کریم ﷺ کی تعظیم قرآن مجید کی روشنی میں

۱۔ بے شک ہم نے آپ ﷺ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم اور توقیر کرو اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ (قرآن: ۴۸: ۸ تا ۹)

۲۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اس طرح بلند آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں بلند آواز سے بات کرتے ہو کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (قرآن: ۴۹: ۲) اس سے معلوم ہوا جو لوگ نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

۳۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے، ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا ثواب ہے۔ (قرآن: ۴۹: ۳)

۴۔ بے شک جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ (قرآن: ۴۹: ۴)

نبی کریم ﷺ کی تعظیم حدیث پاک کی روشنی میں

ابوسعید بن معلٰی ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو بلایا، ابوسعید ؓ کہتے ہیں: میں نے نماز پڑھی اور پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں میرے پاس حاضر ہونے سے روکا؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو جس وقت تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ (ابوداؤد: ۱۴۵۸: کتاب الصلوٰۃ: باب ۳۵۱)
فقہائے کرام نے اس آیت اور حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور نبی کریم ﷺ اس کو بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ نماز چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ انفال: زیر آیت نمبر ۲۴) ویسے بھی نبی کریم ﷺ کو سلام کرنا نماز کا حصہ ہے جیسا کہ ہر نمازی اپنی نماز کے دوران نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے "السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کہتا ہے۔
(خصائص کبریٰ: جلد دوم: ص ۲۵۳)

نبی کریم ﷺ کی تعظیم کے متعلق اہل بیت اور صحابہ کرام کا طرز عمل

۱۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جب واپس مکہ گیا تو اس نے قریش سے کہا: "اے میری قوم! خدا کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی وغیرہ کئی بادشاہوں کے پاس وفود لے کر گیا ہوں، بخدا! میں نے کسی بادشاہ کی ایسی تعظیم نہیں دیکھی جیسی محمد ﷺ کے

اصحاب حضرت محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب بھی آپ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اس کو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا، پھر اس لعاب کو اپنے چہرے اور جسم پر ملتا اور جب آپ کسی کام کا حکم دیتے تو سب اس کام کو کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے کے لئے وہ سب ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹ پڑتے جیسے وہ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ بات کرتے تو آپ کے سامنے سب خاموش ہو جاتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کو گھور کر نہیں دیکھتے۔" (بخاری: کتاب الشروط: باب ۱۵)

۲۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں تو نبی کریم ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان (کے سر) کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے اور نبی کریم ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ نبی کریم ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آپ کے (دستِ مبارک) کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ترمذی: ابواب المناقب: باب ۶۱)

۳۔ حضرت وازع بن عامر ؓ روایت کرتے ہیں: "جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں چومنا شروع کر دیئے۔" (امام بخاری: الادب المفرد: ص ۲۸۸)

۴۔ صحابہ کرام ؓ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ چوما کرتے تھے اور تابعین جو حضور اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے وہ صحابہ کرام ؓ کے ان ہاتھوں کو چوما کرتے تھے جن ہاتھوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں بیعت کی تھی۔ ایک دن حضرت ثابت ؓ نے حضرت انس ؓ سے پوچھا: کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ہاتھ سے چھوا؟ حضرت انس ؓ نے کہا: ہاں، تو حضرت ثابت ؓ نے حضرت انس ؓ کے ہاتھ کو چوم لیا۔ (امام بخاری: الادب المفرد: ص ۲۸۸۔۲۸۷)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھتے، گفتگو فرماتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور (اس وقت تک) کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم دیکھتے کہ آپ ﷺ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کے گھر میں داخل ہو گئے ہیں۔ (ابوداؤد: کتاب الادب: باب ۱)

۶۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوتے اور نعلین مبارک اتار دیتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ان کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ آپ ﷺ کو نعلین مبارک پہناتے۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۳: ص ۳۵۵)

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کی تعظیم

قاضی عیاض لکھتے ہیں: وفات کے بعد بھی نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر لازم ہے جس طرح آپ کی حیات میں لازم تھی۔ ابو ابراہیم نے کہا: ہر مؤمن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ کا ذکر کرے یا اس کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے تو وہ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے اوپر ایسی باادب کیفیت طاری کرے جیسے وہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے۔ (شرح شفا: جلد دوم: ص ۷۱) قاضی عیاض آگے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں: بنی عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر نے مسجد نبوی میں امام مالک ؓ سے بحث کرتے ہوئے اپنی

آواز بلند کی۔امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔خلیفہ ابو جعفر نے امام مالک کی بات کو تسلیم کر لیا اور پوچھا: جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ کی طرف منہ کروں یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا رخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، بلکہ آپ کی طرف منہ کیجئے اور آپ سے شفاعت طلب کیجئے۔اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا پاتے۔''
(قرآن: ۴:۶۴)

سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا تو کسی آدمی نے مجھے کنکری ماری۔میں نے دیکھا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔انہوں نے (دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے اور) فرمایا: ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ، میں ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ طائف کے رہنے والے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اس شہر (مدینہ منورہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو۔ (بخاری: کتاب الصلوۃ: باب ۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعظیم

امام مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا۔وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، پس وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر حدیث بیان کی (اگرچہ وہ بیمار تھے اور انہیں اٹھ کر بیٹھنے میں تکلیف بھی ہوئی)، سائل نے کہا: میری خواہش تو یہی تھی کہ آپ اٹھ کر بیٹھنے کی تکلیف نہ کرتے (کیونکہ آپ بیمار ہیں)، آپ نے کہا: میں نے اس کو ناپسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں۔ (شرح شفا: جلد دوم: ص ۷۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات کی تعظیم

حضرت نافع سے مروی ہے کہ ''صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عمر ان مقامات کی زیارت کرنے کے لئے جاتے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز ادا فرمائی اور اس درخت کو بھی پانی دیتے کہ کہیں سوکھ نہ جائے جس درخت کے نیچے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا تھا۔'' (کنز العمال: جلد ۱۳: حدیث نمبر ۳۷۲۵۵) مزید اس کے بارے میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۸ کا حاشیہ نمبر ۲۰۹ ملاحظہ کریں۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ِ۟ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸۔ آپ فرمایئے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، [۸۴] وہ اللہ تعالیٰ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، پس تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہے جو خود اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

[۸۴] آپ ﷺ سے پہلے ہر قوم اور ہر علاقہ کی طرف الگ الگ انبیائے کرام علیہم السلام مخصوص اوقات کے لئے آتے رہے، مثال کے طور پر حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف (قرآن: ۷:۶۵) حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف (قرآن: ۷:۷۳) حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کی طرف (قرآن: ۷:۸۵) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف (قرآن: ۳:۴۹) بھیجا گیا۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو دنیا کے ہر علاقے اور تمام انسانوں کے لئے مبعوث فرمایا، اس لئے آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کو شامل ہے کیونکہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت قرآن پاک کی روشنی میں

۱۔ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ (قرآن: ۷:۱۵۸)

۲۔ ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔ (قرآن: ۲۱:۱۰۷)

۳۔ بڑی برکت والا ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا تا کہ وہ سارے جہان والوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا بن جائے۔ (قرآن: ۲۵:۱)

۴۔ ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ (قرآن: ۳۴:۲۸)

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت احادیث کی روشنی میں

۱۔ پہلے نبی کسی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
(بخاری: کتاب التیمم: باب ۱)

۲۔ پہلے ہر نبی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں ہر سرخ اور سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
(مسلم: کتاب المساجد: حدیث نمبر ۳)

۳۔ مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت ختم ہو گیا ہے۔
(مسلم: کتاب المساجد: حدیث نمبر ۵)

وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے کچھ لوگ ہیں جو راہِ حق بتاتے ہیں اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ [۸۵]

وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا‌ ؕ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى اِذِ اسۡتَسۡقٰٮهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ ۚ فَانۡۢبَجَسَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا‌ ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ‌ ؕ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى‌ ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ‌ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰۔ اور ہم نے ان کو بارہ الگ الگ قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا، اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من وسلویٰ اُتارا، ہم نے تمہیں جو پاک چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ [۸۶]

---

[۸۵] اس سورت کی آیت نمبر ۱۰۳ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہے۔ چونکہ تورات میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان ہوئے تھے اس لئے موقع کی مناسبت سے آیات ۱۵۷۔۱۵۸ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر سلسلہ کلام واپس بنی اسرائیل کی طرف جا رہا ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی آپ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے موجود رہے جو ہمیشہ حق اور انصاف پر قائم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات میں اُمت محمدیہ کے احوال پڑھے تو عرض کیا: اے میرے رب! میں نے ایک ایسی اُمت پائی جو اپنے مال کا صدقہ دے گی، پھر اس کی طرف وہ مال لوٹ آئے گا اور وہ اس کو کھائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ امت تیرے بعد ہوگی اور یہ امتِ احمد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں نے ایک ایسی اُمت پائی جو پانچ نمازیں پڑھے گی اور وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اُمت تمہارے بعد ہوگی اور یہ اُمت احمد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اُمتِ احمد میں سے کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راضی کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے کچھ لوگ ہیں جو حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آپ پریشان نہ ہوں آپ کی امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ہمیشہ حق اور انصاف پر قائم رہیں گے۔

[۸۶] آیات نمبر ۱۶۰ تا ۱۶۲ کے لئے سورہ بقرہ آیات نمبر ۵۷ تا ۶۰ کی تفسیر ملاحظہ کریں، تقریباً مضمون ایک ہی ہے۔

وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

۱۶۱۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں جا کر آباد ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور کہو: ہمیں بخش دے اور دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہارے لئے تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیک لوگوں کو زیادہ اجر دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

۱۶۲۔ پس جو بات انہیں کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل کر کچھ اور کر دیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

۱۶۳۔ اور (اے رسول!) آپ ان سے اس بستی کے متعلق پوچھیں جو سمندر کے کنارے واقع تھی جبکہ وہ سبت کے حکم کی نافرمانی کرتے تھے، [۸۷] جب ہفتہ کے دن مچھلیاں تیرتی ہوئی ان کے پاس آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس اس طرح (اتنی کثرت سے) نہ آتی تھیں، ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

[۸۷] سبت سے مراد ہفتہ کا دن ہے، یہ دن بنی اسرائیل کے لئے مقدس اور عبادت کے لئے خاص تھا۔ اس دن میں دنیاوی کاموں یعنی تجارت، زراعت اور شکار کی سخت ممانعت تھی اور جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرتا اس کو قتل کرنے کا حکم تھا۔

اس آیت میں بستی سے مراد ایلہ ہے جو مدین اور طور کے درمیان بحیرہ قلزم کے کنارے واقع تھی۔ حضرت داود علیہ السلام کے زمانے میں یہاں بنی اسرائیل آباد تھے اور ان کا زیادہ تر ذریعہ معاش مچھلیاں پکڑنا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی آزمائش کے لئے ہفتہ والے دن مچھلیاں کثرت سے ظاہر ہوتیں اور دوسرے دنوں میں بہت کم نظر آتیں، چنانچہ انہوں نے سمندر کے کنارے گڑھے کھودے اور نالیوں کے ذریعہ ان کو سمندر سے ملا دیا۔ ہفتہ والے دن وہ نالیاں کھول دیتے اور جب مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعہ ان کے گڑھوں میں آ جاتیں تو وہ نالیاں بند کر دیتے اور اتوار والے دن گڑھوں میں پھنسی ہوئی مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ اس طرح حیلے اور فریب سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے۔

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

۱۶۴۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (ناصحین سے) کہا کہ تم اس قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے، [۸۸] انہوں نے کہا: تاکہ (ہم) تمہارے رب کے سامنے معذرت پیش کرسکیں اور شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٕيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

۱۶۵۔ پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو فراموش کر دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور جو لوگ ظلم کرتے تھے ہم نے ان کو برے عذاب میں مبتلا کر دیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

۱۶۶۔ پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل کے علماء اچھی طرح جانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اس واقعہ کا اعلان کیا تو کسی یہودی عالم نے اس کی تردید نہیں کی۔ نیز اس واقعہ کا بیان حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا ایک ثبوت بھی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی عطا فرمائی۔

[۸۸] ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کو نیک لوگ منع کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔ اس پر کچھ لوگ کہنے لگے کہ تم ان ظالموں کو نصیحت کیوں کرتے ہو یہ عادی مجرم ہیں اور ان کے کرتوت بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس پر نیک لوگ کہنے لگے: ہماری تبلیغ کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم یہ کہہ سکیں: یا اللہ! ہم نے ان کو خلوص بھری نصیحتیں کیں مگر انہوں نے ہماری ایک نہ سنی۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید وہ ہماری نصیحت سے متاثر ہو کر نافرمانی سے باز آ جائیں اور متقی بن جائیں مگر جب ان ظالموں نے نیک لوگوں کی نصیحت کو جان بوجھ کر پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے نصیحت کرنے والوں کو نجات دے دی اور ظالموں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے بیماری اور ناداری وغیرہ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (تفسیر نعیمی) لیکن اس کے باوجود جب وہ نافرمانی سے باز نہ آئے اور مسلسل سرکشی کرتے رہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بندروں جیسی بنا دیں اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیے گئے۔

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

۱۶۷۔ اور یاد کرو جب آپ کے رب نے اعلان کیا تھا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انہیں برا عذاب چکھائیں گے،[۸۹] بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا بہت مہربان بھی ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

۱۶۸۔ اور ہم نے انہیں زمین میں کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا، [۹۰] ان میں سے بعض نیک ہیں اور بعض دوسری طرح کے ہیں اور ہم نے انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تا کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں۔

---

[۸۹] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پیشگی وارننگ دے دی کہ جو لوگ احکام خداوندی کی خلاف ورزی پر قائم رہیں گے اور توبہ نہیں کریں گے ان پر ایسے جابر حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے جو انہیں قیامت تک سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے جیسے ۵۹۸ قبل مسیح میں ملوک بابل نے اور ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر نے بنی اسرائیل کے شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بے شمار یہودیوں کو قتل کر دیا اور زندہ بچ جانے والوں کو غلام بنا کر بابل کے عوام میں تقسیم کر دیا۔ آج کی تورات میں بھی بنی اسرائیل کی اس قسم کی محکومی اور تباہی کا ذکر موجود ہے۔ دی لیونگ بائبل۔ برٹش ایڈیشن ۱۹۷۵ء کے دو اقتباسات ملاحظہ کریں:

۱۔ اگر تم نے میری بات نہ سنی اور میرے احکام کو مسترد کر دیا تو میں بھی تمہیں مسترد کر دوں گا۔۔۔۔۔۔اور تمہارے بدترین دشمن تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار:۲۶:۱۴۔۱۷)

۲۔ تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہارے بیٹوں اور تمہاری بیٹیوں کو غلام بنا کر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس وقت اپنی اولاد کی محبت میں تمہارے دل ٹوٹ رہے ہوں گے مگر تم ان کی کوئی مدد نہ کر سکو گے۔ (استثناء:۲۸:۳۲)

قیامت تک کی محکومی سے مراد ان نافرمانوں کی زندگی کا وقت بھی ہو سکتا ہے کیونکہ افراد اور قوموں کی تباہی سے ان کی دنیا ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو گویا اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔''
(تفسیر الشعراوی: رواہ الدیلمی)

[۹۰] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمین کے مختلف علاقوں مین منتشر کر دیا جیسا کہ بائبل میں بھی موجود ہے: ''میں تم کو دیگر قوموں میں منتشر کر دوں گا اور تمہیں اور تمہارے شہروں کو جنگوں کے ذریعہ تباہ کر دوں گا۔'' (دی لیونگ بائبل: احبار: ۲۶: ۳۳) تاہم ان میں نیک لوگ بھی تھے اور برے بھی اور ہم انہیں کبھی خوشحالی اور کبھی تنگدستی کے ذریعہ آزماتے رہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جائیں۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ ہم میں بھی اچھے اور برے ہر قسم کے مسلمان موجود ہیں اور ہمیں بھی خوشحالی اور تنگدستی کے

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ‌ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

۱۶۹۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین بنے جو کتاب کے وارث ہو کر اس (فانی) دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا، [۹۱] اور اگر ان کے پاس اس طرح کا اور مال آجائے تو اُسے بھی لے لیں گے، کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور انہوں نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو تورات میں تھا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت ہی کا گھر بہتر ہے، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

ذریعہ آزمایا جا رہا ہے۔

[۹۱] یعنی پہلے تو یہود میں صالح لوگ تھے مگر بعد میں آنے والے جو اہل علم تورات کے وارث بنے ان میں سے اکثر نے دنیاوی منفعت کے بدلے تورات کے احکام میں ہیرا پھیری شروع کر دی اور ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں اور گناہوں کے باوجود ان کی مغفرت ہو جائے گی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ تورات میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ بہر صورت ان کی بخشش ہو جائے گی بلکہ تورات میں تو ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق بات نہیں کہیں گے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور اپنی بخشش پر یقین رکھتے ہیں اور اس غلط فہمی کی وجہ سے وہ گناہوں پر دلیر ہو چکے تھے۔ جب بھی انہیں کہیں مادی منفعت نظر آتی تو وہ تورات کے احکام بدلنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے۔ آج مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دنیاوی مفادات کی خاطر آخرت کو بھول گئے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قریب ہے کہ ساری قومیں اکٹھی ہو کر تم پر حملہ کر دیں جیسے طفیلی کھانے پر جھپٹتے ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا: اس دن ہماری تعداد کم ہو گی؟ آپ نے فرمایا: اس دن تمہاری تعداد زیادہ ہو گی مگر تم سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ وہن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔'' (ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب ۵)

اس آیت میں یہود کی جس غلط فہمی کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بہر صورت بخشے جائیں گے، آج مسلمان بھی اس قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے گناہوں پر دلیر ہوتے جا رہے ہیں جیسا کہ معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں: ''عنقریب لوگوں کے سینوں میں قرآن اس طرح بوسیدہ ہو جائے گا جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کی تلاوت پر ہجوم کریں گے مگر کوئی شوق اور لذت محسوس نہیں کریں گے۔ بھیڑیوں کے دلوں پر بھیڑوں کی کھالیں پہنیں گے (ان کا ظاہر ان کے باطن سے مختلف ہو گا)۔ ان کے اعمال میں لالچ ہو گا خوف خدا نہیں ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

۱۷۰۔ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں، بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔ [۹۲]

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع

۱۷۱۔ اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو معلق کر دیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، [۹۳] (اور حکم دیا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ معانقة ۷

۱۷۲۔ اور یاد کرو جب آپ کے رب تعالیٰ نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان کے نفسوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ [۹۴] انہوں نے کہا: کیوں نہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لئے تھی) تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

اگر وہ کوتاہی کریں تو کہتے ہیں: ہم اس کو پورا کرلیں گے اور اگر وہ برائی کریں تو کہتے ہیں: ہمیں بخش دیا جائے گا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ (سنن دارمی: کتاب فضائل القرآن: باب ۴)

[۹۲] یہود میں سے جن لوگوں نے تورات کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور نماز قائم کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔

[۹۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات کے احکام سنائے تو بنی اسرائیل نے ان پر عمل کرنے سے معذرت کی جس پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر معلق کر دیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، چنانچہ انہوں نے گھبرا کر تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے تو بنی اسرائیل کو احکام تورات قبول کرنے پر مجبور کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے لیکن جو مسلمان ہو اور اسلامی حکومت کا باشندہ ہو، پھر اگر وہ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرے تو اس کو اسلامی قوانین کا پابند بنانا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

[۹۴] اللہ تعالیٰ نے جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا اسی

طرح قیامت تک پیدا ہونے والی پوری نسل انسانی کو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پشتوں سے نکالا اور عرفات پہاڑ کے متصل وادیٔ نعمان میں جمع کیا۔ ان کو وجود، شعور اور قوتِ گویائی عطا فرما کر ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لی، اس کو میثاق الست کہا جاتا ہے۔ یعنی ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' تو سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تم پر زمین و آسمان اور تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس میثاق کا علم نہیں تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی میرے سوا کوئی دوسرا رب ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تم کو میرے اس عہد و میثاق کی یاد دہانی کرائیں گے۔۔۔۔'' (مسند احمد: جلد ۵: ص ۱۳۵)

یہاں سوال یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں پیدا ہوا تو وہ اس میثاق کو بھول چکا تھا تو پھر قیامت کے دن اس میثاق کو حجت بنانا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں چند نکات ملاحظہ ہوں:

۱۔ یہ درست ہے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے کے بعد وہ میثاق انسان کے شعور میں حاضر نہیں ہوتا مگر انسانی فطرت اور تحت الشعور میں اس کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی انسان اپنی تخلیق کے مقصد اور نظام کائنات میں غور کرتا ہے تو اس میثاق کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، جس طرح کوئی انسان سونے کی ایک اینٹ جنگل میں کہیں دفن کرے اور اس جگہ کے نشانات اپنے ذہن میں محفوظ کر لے، پھر کچھ عرصہ بعد اگر اسے وہ جگہ بھول جائے تو وہ اس کے تحت الشعور میں ضرور موجود ہوتی ہے اور جنگل میں چکر لگانے اور دماغ پر زور دینے سے بالآخر اسے وہ نشانات یاد آ ہی جاتے ہیں جہاں اس کی اینٹ دفن ہوتی ہے۔

۲۔ یہ اسی میثاق کا واضح اثر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک خدا کو مانا جاتا ہے اگر چہ اس کی تعریف میں اختلاف ہے، کسی نے پتھروں کو خدا بنا لیا اور کسی نے سورج کو مگر اس کا بنیادی تصور ہر دور، ہر علاقہ اور ہر نسل میں موجود رہا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جب انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا اور انہوں نے اس میثاق کی یاد دہانی کا حق ادا کر دیا تو انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ تبلیغ ایسی حجت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے، اس کے باوجود جو نادان اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں جانے کا خود ذمہ دار ہوگا۔ جس طرح ایک نمازی چار رکعتوں کی بجائے تین رکعتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو جاتا ہے اور چوتھی رکعت پڑھنا بھول جاتا ہے، اس جگہ موجود چند معتبر لوگ اسے بتاتے ہیں کہ اس نے ایک رکعت چھوڑ دی ہے، تو ان لوگوں کی یاد دہانی اس نمازی پر حجت ہوگی۔ اب اگر وہ دوبارہ پوری چار رکعتیں نہیں پڑھے گا تو وہ مجرم ہوگا، اگر چہ خود اسے یاد نہیں کہ اس نے صرف تین رکعتیں پڑھی ہیں مگر معتبر لوگوں کے بتانے کے بعد اب اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام نے ساری دنیا کو یہ بھولا ہوا میثاق یاد کرایا ہے، لہٰذا ان کی گواہی کے بعد اب کسی کافر کے لئے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ جب ماں اپنے جوان بیٹے کو اس کے بچپن کی باتیں سناتی ہے تو اگر چہ اس کے بیٹے کو وہ باتیں یاد نہیں ہوتیں لیکن پھر بھی وہ بلا چون و چرا مان لیتا ہے کیونکہ اسے ماں پر اعتماد ہے۔ اسی طرح جب انبیائے کرام علیہم السلام نے آسمانی کتابوں کے ذریعہ وہ بھولا ہوا میثاق یاد دلایا تو بنی آدم کو بھی بلا تامل اسے مان کر آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۱۷۳

۱۷۳۔ یا تم یہ نہ کہہ سکو کہ شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے ہیں، کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا؟ [۹۵]

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں ایسی صلاحیت اور استعداد رکھی ہے جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی فطرت (اسلام کو مضبوطی سے پکڑلو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔'' (قرآن: ۳۰:۳۰) اس آیت کی تفسیر میں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

الف۔ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(بخاری: کتاب الجنائز: باب ۸۰)

ب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف یعنی مسلمان پیدا کیا، پھر شیطان نے ان کو دینِ فطرت سے دور کر دیا۔

(مسلم: کتاب الجنۃ: باب ۱۶)

یہی وجہ ہے کہ جو بنی آدم بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ہی فوت ہو گئے چاہے وہ کفار اور مشرکین کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اور حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ بھی جنت میں جائیں گے۔

(بخاری: کتاب التعبیر: باب ۴۸)

۶۔ اس میثاق کو بھلا دینے میں بھی حکمت ہے تاکہ دنیا میں انسان کی آزمائش ہو سکے۔ اگر یہ میثاق شعور میں تازہ رہتا تو سارے انسان اہلِ ایمان ہوتے اور آزمائش کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اس لئے اس میثاق کو انسان کے شعور سے ہٹا کر اس کے تحت الشعور میں محفوظ کر دیا گیا تاکہ انسان خود کوشش کر کے اس کو حاصل کرے اور کوشش کے ذریعہ صرف وہی چیز حاصل ہو سکتی ہے جس کی صلاحیت انسان کے تحت الشعور میں بالقوۃ موجود ہو کیونکہ جس چیز کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو وہ کوشش کے باوجود بھی حاصل نہیں ہو سکتی، مثلاً انسان کے اندر تیرنے کی صلاحیت ہے، لہٰذا وہ کوشش کر کے تیرنا سیکھ سکتا ہے مگر اس کے اندر اڑنے کی صلاحیت نہیں ہے، لہٰذا وہ کوشش کے باوجود بھی اڑنا نہیں سیکھ سکتا۔ آج دنیا میں ایک ارب سے زائد مسلمان موجود ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میثاقِ الست کی برکت سے انسان کے اندر توحید پرستی کی صلاحیت موجود ہے جو کوشش کے ساتھ حاصل کی جا سکتی ہے اور جو اس تلاشِ حق کی کوشش نہ کرے وہ باطل پرستی کا مجرم ہے اور قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

[۹۵] اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا میثاق اس لئے لیا تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم بے خبر تھے یا شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادوں نے کی تھی، ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے اور گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر ہم نے بھی شرک اختیار کر لیا تو ہمارے بڑوں کے جرم کی سزا ہمیں کیوں دی جائے؟

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

۱۷۴۔ اور اسی طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

۱۷۵۔ اور (اے رسول مکرم!) ان کو اس شخص کا حال سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا مگر وہ ان آیات سے (روگردانی کرتے ہوئے) نکل گیا، [۹۶] پھر شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

۱۷۶۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے باعث اس کا رتبہ بلند کر دیتے، لیکن وہ پستی کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا، [۹۷] تو اس کی مثال کتے جیسی ہے، اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، آپ (انہیں) یہ واقعات سنائیں شاید وہ غور و فکر کریں۔

دراصل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر انسان کے شعور میں یہ بھولا ہوا میثاق تازہ کر دے گا اور انہیں یاد آ جائے گا کہ واقعی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور انہیں یہ بھی یاد آ جائے گا کہ دنیاوی زندگی میں کئی بار اس میثاق کے اثرات ان کے شعور میں ظاہر ہوئے اور ان کی فطرت نے انہیں ایک خدا کی نشاندہی کی مگر انہوں نے تعصب اور ماحول کے ڈر سے انہیں دبا دیا، لہٰذا اس دن وہ اپنے خلاف گواہی دینے پر مجبور ہوں گے اور اقرار کریں گے کہ واقعی وہ کافر تھے اور انہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ (قرآن: ۶: ۱۳۰) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ماں باپ غلط عقائد کے حامل ہوں تو اولاد کو تلاشِ حق کی پوری کوشش کرنی چاہیے کیونکہ نیک اور متقی ماں باپ کی تقلید جنت کا راستہ ہے مگر مشرک اور غلط کار ماں باپ کی تقلید جہنم کا راستہ ہے۔

[۹۶] یہاں ایک ایسے شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتاب کا علم عطا فرمایا مگر اس نے اس علم سے روگردانی کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ ہو گیا۔ یہ عالم کون تھا؟ قرآن پاک نے اس کا نام ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ مثال ایک دعوتِ فکر ہے اور ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جو دینِ حق کی نعمت حاصل کر چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہو گیا ہو اور ایسے دین فروش علماء ہر دور اور ہر مذہب میں ہوتے ہیں جو دنیا کے لالچ اور طمع کی خاطر احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

[۹۷] اگر وہ عالم احکام خداوندی پر عمل کرتا تو اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا لیکن وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر کے پستی میں گر گیا۔ اس کی مثال

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷۔ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

۱۷۸۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو وہ گمراہ کردے تو وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۠ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۠ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹۔ اور بے شک ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے، ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں، [۹۸] وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، یہی لوگ غافل ہیں۔

کتے جیسی ہے، اگر کتے پر حملہ کیا جائے اور تنگ کیا جائے تو بھی وہ زبان باہر نکال کر ہانپتا ہے اور اگر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے اور کچھ نہ کہا جائے تو بھی وہ زبان باہر نکال کر ہانپتا ہے یعنی سختی یا نرمی دونوں صورتوں میں ایک ہی قسم کی بے چینی ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح جو شخص عالم ہونے کے باوجود دنیا کے لالچ وطمع میں احکام خداوندی کی تکذیب کرتا ہے وہ امیر ہو یا غریب دونوں صورتوں میں دنیاوی حرص و ہوس میں سرگرداں رہتا ہے، جس طرح زبان باہر نکال کر ہانپنا کتے کی لازمی طبیعت ہے اسی طرح دنیاوی طمع اور لالچ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے، لہٰذا اسے انجام بد سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ہر حال میں دنیاوی مال و دولت کا طالب رہتا ہے۔ حدیث میں دنیا کو مردار اور اس کے طالب کو کتا قرار دیا گیا ہے۔

دیلمی نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ کی روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ دنیا کی مثال ایسے مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو گئے ہوں اور اس کو گھسیٹ رہے ہوں۔ (کنز الاعمال: جلد ۳: ص ۲۱۴)

[۹۸] اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو آنکھ، کان اور دل و دماغ دیئے تاکہ وہ دیکھ سن کر غور وفکر سے کام لیں اور جنت کا راستہ تلاش کریں مگر ان میں سے اکثر نے اپنی ان خداداد صلاحیتوں کا غلط استعمال کر کے جہنم کا راستہ اختیار کر لیا۔ یہ لوگ صورت میں تو انسان ہیں مگر سیرت کے اعتبار سے حیوانوں کی طرح ہیں کہ ان کو سوائے کھانے پینے اور عیش وعشرت کے اور کوئی کام ہی نہیں اور اگر غور کیا جائے تو حیوان بھی اپنے نفع اور نقصان کا خیال رکھتے ہیں اور جلتی ہوئی آگ کے قریب نہیں جاتے مگر یہ عقل کے اندھے حیوانوں سے بھی بدتر ہیں جو دانستہ جہنم کی آگ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے اس منطقی انجام کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی تخلیق جہنم کے لئے کی گئی حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ (قرآن: ۵۱:۵۶) جس کا نتیجہ جنت ہے مگر

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰۔ اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، سواس کوان ہی ناموں سے پکارو، [۹۹] اوران لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، عنقریب انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

۱۸۱۔ اور ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ایک ایسی جماعت بھی ہے جو راہِ حق دکھاتی ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتی ہے۔ [۱۰۰]

انہوں نے اپنی غفلت کے باعث جہنم کا راستہ اختیار کیا یعنی نفسانی خواہشات اور دنیاوی معاملات میں تو وہ خوب غور وفکر کرتے ہیں مگر آخرت سے غافل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہر کو خوب جانتے ہیں مگر آخرت سے غافل ہیں۔''
(قرآن: ۳۰:۷)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں صرف عقل رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ صرف فرمانبرداری ہی کرتے ہیں اور حیوانوں میں صرف شہوت رکھی ہے اس لئے وہ عیاشی کرتے ہیں لیکن انسان میں عقل اور شہوت دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے، لہٰذا اگر اس کی عقل شہوت پر غالب آجائے تو وہ فرشتوں سے بہتر ہوجاتا ہے اور اگر اس کی شہوت عقل پر غالب آجائے تو وہ حیوانوں سے بدتر ہوجاتا ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا   مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

[۹۹] اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا ذاتی نام بھی ایک ہے یعنی ''اللہ'' اس کی صفات بہت زیادہ ہیں اس لئے اس کے صفاتی نام بھی بہت زیادہ ہیں، مثلاً رحمن، رحیم، رازق، خالق وغیرہ جن کا ذکر قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سب سے اکمل اور اعلیٰ ہیں اور ان صفات کی ترجمانی کرنے والے اسمائے گرامی بھی سب سے اچھے اور اعلیٰ ہیں، لہٰذا جب تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یا اس سے دعا کرو تو موقع کی مناسبت سے اسمائے حسنیٰ میں سے انتخاب کرو اور اپنی طرف سے کوئی ایسا نام پیدا نہ کرو جو اس کے شایانِ شان نہ ہو، اور جو لوگ اس کے اسمائے گرامی میں کج روی کرتے ہیں تم ان سے کنارہ کشی کرو۔ وہ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔

[۱۰۰] ماضی کے ہر دور میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے اپنے نبی کے لائے ہوئے پیغام حق وانصاف پر ثابت قدم رہے ہیں۔ آج بھی اگرچہ غیر مسلموں کی تعداد زیادہ ہے مگر اہل ایمان حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین حق پر قائم ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جلوہ گر رہے گا۔ جو ان کو نا کام کرنا چاہے وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا (یعنی وہ حق پر ثابت قدم رہیں گے) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر (اعلانِ قیامت) آجائے گا اور وہ اسی طرح (حق پر قائم) ہوں گے۔''
(مسلم: الامارۃ: حدیث نمبر ۱۹۲۰)

وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج تباہی کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔[۱۰۱]

وَاُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳۔ اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ٜ مَا بِصَاحِبِہِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ کیا انہوں نے اس بات پر غور وفکر نہیں کیا کہ ان کے صاحب (رسول اللہ ﷺ) کو ذرا بھی جنون نہیں،[۱۰۲] وہ تو صرف کھلم کھلا ڈرانے والے ہیں۔

[۱۰۱] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں بسا اوقات انہیں فوراً سزا نہیں ملتی بلکہ ان کے لئے دنیاوی عیش اور فراخی میں اضافہ ہو جاتا ہے جس سے انہیں غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ان کا طرزِ عمل درست ہے مگر درحقیقت وہ بے خبری میں آہستہ آہستہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں لیکن پھر بھی جو توبہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر بڑی سخت سزا کی صورت میں نازل ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو اسی دنیا میں کسی وقت پکڑ لے یا چاہے تو آخرت میں مگر اس کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ پھر کوئی چھڑا نہیں سکے گا، لہٰذا اس دنیا میں نافرمانی کے باوجود اگر کسی کے رزق میں کشادگی ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، ہوسکتا ہے یہ اس کے لئے آزمائش اور تباہی کا ذریعہ ہو۔

[۱۰۲] اہل مکہ کے ہاں زندگی کا مقصد اور کامیابی کا معیار یہ تھا کہ اس زندگی کی سہولیات اور خواہشات کو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ دنیاوی خواہشات سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر میں سرگرم رہتے ہیں تو انہوں نے آپ کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو متنبہ کیا کہ مجنون تو وہ ہوتا ہے جس کو اپنے اور اپنی قوم کے نفع و نقصان کا علم نہ ہو مگر حضور اکرم ﷺ کا بچپن، جوانی، شادی اور دیگر مشاغل سب تمہارے سامنے ہیں، کیا کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتے ہیں جہاں آپ نے دیوانگی کا مظاہرہ کیا ہو بلکہ ان کے کردار کو دیکھ کر تم خود ان کو صادق اور امین کہتے تھے۔ نیز جو شخص اللہ تعالیٰ کا علم و حکمت سے لبریز فصیح و بلیغ کلام سناتا ہے اور تمہیں برے انجام سے بچانے کے لئے پیشگی خبردار کرتا ہے۔ تو کیا تم غور نہیں کرتے کہ ایسا شخص مجنون ہوسکتا ہے ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا اور نبی مجنون نہیں ہوتا بلکہ تمام لوگوں سے زیادہ ذمہ دار اور عقل مند ہوتا ہے۔

اَوَ لَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں غور نہیں کیا؟ اور ہر اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی؟ اور اس میں کہ شاید ان کی مقررہ میعاد (موت یا قیامت) قریب آگئی ہو؟ تو پھر قرآن کے بعد کون سی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے؟ [۱۰۳]

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ فرمائیے: اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، [۱۰۴] قیامت کی آمد آسمانوں اور زمین پر بہت گراں ہوگی، وہ تم پر اچانک ہی آجائے گی، وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ فرما دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

[۱۰۳] کیا یہ منکرین زمین و آسمان کی عظیم مملکت اور بے شمار مخلوقات میں غور نہیں کرتے کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کیا وہ سوچتے نہیں کہ ہو سکتا ہے ان کی موت کا وقت بالکل قریب آگیا ہو اور اس کے بعد ایمان لانے کی فرصت ہی ختم ہو جائے۔ کیا وہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے، اس سے زیادہ سچی اور واضح کتاب اور کوئی نہیں ہے، اگر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اب ان کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہیں اور ان کی مسلسل ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ہے اور وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے بالآخر جہنم رسید ہو جائیں گے۔

[۱۰۴] اہل مکہ نے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کی تحقیق کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہی اس کو اس کے مقررہ وقت پر ظاہر فرمائے گا۔ قیامت کے متعلق بائبل میں بھی لکھا ہوا ہے: ''دنیا کے اختتام کا وقت اور تاریخ کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ فرشتے اور بیٹا (عیسیٰ) بھی نہیں جانتے، صرف باپ (خدا) جانتا ہے۔'' (دی لیونگ

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ

۱۸۸۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے،[۱۰۵] اور اگر

بائبل: متی کی انجیل: ۲۴: ۳۶) تاہم نبی کریم ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان فرما دیں، مثلاً خروج دجال، نزول عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، البتہ قیامت کی آمد زمین و آسمان پر بہت گراں ہوگی کیونکہ وہ اچانک آجائے گی جس سے ساری کائنات ہلاک ہو جائے گی اور کسی کو ایک لمحہ بھی مہلت نہیں دی جائے گی جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! انسان لقمہ اُٹھا کر منہ میں لے جانا چاہتا ہوگا مگر قیامت اس قدر اچانک قائم ہو جائے گی کہ انسان کو وہ لقمہ منہ میں ڈالنے کی مہلت بھی نہیں ملے گی۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی نے محققین کا قول نقل کیا ہے کہ: قیامت کے وقت کو لوگوں سے مخفی رکھنے کا سبب یہ ہے کہ جب انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ قیامت کب آئے گی تو وہ اس سے ڈریں گے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہوں میں مشغول ہوں اور قیامت آجائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوشاں رہیں گے۔ (تفسیر کبیر) اسی حکمت کے پیش نظر عوام سے موت کے وقت کو مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ اگر کسی کو بتا دیا جائے کہ وہ دس سال بعد مر جائے گا تو ہو سکتا ہے اس پر شیطان غالب آجائے اور وہ یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ 9 سال تو عیاشی میں گزارتا ہوں اس کے بعد توبہ کر لوں گا یا اتنا ڈر جائے کہ سارے کام چھوڑ کر صرف عبادت میں مصروف ہو جائے اور اس کے اہل خانہ بھوک اور فقر کا شکار ہو جائیں یہ دونوں صورتیں اس کے لئے اچھی نہیں ہیں۔ الغرض عوام سے قیامت کا وقت اس لئے مخفی رکھا گیا تا کہ وہ ہر وقت گناہوں سے بچنے میں کوشاں رہیں مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی گناہوں سے پاک کر رکھا ہے اور وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، لہٰذا ان سے قیامت کو مخفی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد صاوی لکھتے ہیں: قیامت کا وقت ان مخفی امور میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے، وہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر رسولوں میں سے جن کو چاہے، لہٰذا یہ ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ دنیا چھوڑنے سے پہلے دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ کے تمام غیوب پر مطلع فرمایا لیکن ان میں سے بعض کو مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ (حاشیہ صاوی) اسی لئے آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں تو بتا دیں مگر اس کے سن کو مخفی رکھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ قیامت اچانک آئے اور لوگوں کو پہلے سے پتہ نہ چلے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس (کے وقت) کو (لوگوں سے) مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص (قیامت کے ڈر سے نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور قیامت میں اس) کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ (قرآن: ۲۰: ۱۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو مخفی رکھا تا کہ لوگ زیادہ راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں اور جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کو بھی مخفی رکھا تا کہ لوگ جمعہ کے اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کریں۔

[۱۰۵] حضور اکرم ﷺ نے اہل مکہ کو فرمایا: میں اپنے نفس کو نفع یا نقصان پہنچانے کا کوئی ذاتی اختیار نہیں رکھتا۔ میرے پاس اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو نفع یا نقصان پہنچانے کا صرف اتنا اختیار ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور وہ عطا کردہ اختیار کتنا ہے۔

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

میں ازخود غیب جانتا[۱۰۶] تو میں (ازخود) بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی لیکن میں تو صرف (نافرمانوں کو) ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کو خوش خبری سنانے والا ہوں جو ایمان لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے پیارے نبی! ''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔'' (قرآن: ۹۳:۵) یعنی رب تعالیٰ اعلان کر رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو مانگیں اور جتنا مانگیں انہیں راضی کیا جائے گا۔ اب حضور اکرم ﷺ نے کتنا مانگا اور اللہ تعالیٰ نے کتنا عطا فرمایا؟ اس کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں ہے۔

ذرا غور تو کرو کوئی شخص اس وقت تک جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک وہ ''محمد رسول اللہ'' پر ایمان نہ لائے۔ سبحان اللہ! جن کا نام اتنا نفع بخش ہے ان کی ذات کتنی نفع بخش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بے شمار خزانے عطا فرمائے جن کو آپ ﷺ تقسیم کر کے لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا: ''بے شک میں تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔'' (بخاری: خمس: باب ۷)

[۱۰۶] اے منکرو! اگر غیب کا علم میرا ذاتی ہوتا تو قوت بھی میری ذاتی ہوتی اور ذاتی قوت کے ذریعہ میں بہت سی خیر جمع کر لیتا یعنی تم سب کو مسلمان کر ڈالتا اور تمہیں کفر کی حالت میں دیکھنے کی مجھے تکلیف نہ ہوتی۔ (خزائن العرفان) مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ میرا علم ذاتی ہے اور نہ ہی میری قوت۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور میں ان کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرتا ہوں۔ جتنی خیر وہ عطا کرتا ہے میں اس پر شاکر ہوں اور جو تکلیف وہ نازل کرتا ہے میں اس پر صبر کرتا ہوں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم غیب کے ذریعہ ہمیشہ راحتوں کا طالب رہتا اور تکلیفوں سے دور رہتا تو عام مسلمانوں کے لئے میری زندگی نمونہ کیسے بنتی اور تکلیفوں میں انہیں حوصلہ کہاں سے ملتا؟ اس لئے میں نے فتح مکہ کی عظمت حاصل کرنے کے لئے پہلے غزوہ اُحد میں پیشانی کو زخمی کرانا برداشت کیا تا کہ آنے والی نسلوں کو علم ہو جائے کہ حق کو سربلند کرنے کے لئے باطل سے ٹکرانا پڑتا ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے ۔۔۔ شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رُباب آخر

اس آیت میں حضور اکرم ﷺ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے حالانکہ آپ نے شام و عراق کی فتوحات، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت جیسی بے شمار غیب کی خبریں دیں جو بعد میں صحیح ثابت ہوئیں تو ان دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ خازن لکھتے ہیں: یہاں ایک احتمال تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بر سبیل تواضع اور ادب یہ فرمایا ہے، اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے مطلع نہ کرے میں خود غیب نہیں جان سکتا اور دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب پر آگاہی نہیں بخشی تھی اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا تو آپ نے غیب کی خبریں دیں۔ (تفسیر خازن) علامہ صاوی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے انتقال سے پہلے

آپ ﷺ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبی امور سے آگاہ کر دیا۔ (حاشیہ صاوی) علامہ خفاجی لکھتے ہیں: اس آیت میں اُس علم غیب کی نفی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر ہو (اور ایسا علم کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا) لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جو علم غیب آپ ﷺ کو حاصل ہے وہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس رسول کے جس کو وہ پسند کرے۔'' (قرآن: ۷۲: ۲۸۔۲۷) ابن عطاء نے کہا ہے: غیب پر اطلاع اللہ تعالیٰ کے نور کے ذریعہ ہوتی ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے: مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ الحجر) اور یہی معنیٰ ہے اس حدیثِ قدسی کا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری: کتاب الرقاق: باب ۳۸) تو جس کی آنکھ کا نور اللہ تعالیٰ ہو جائے تو اس کا غیب پر مطلع ہونا کوئی عجیب نہیں ہے۔ (نسیم الریاض: جلد ۳: ص ۱۵۰) حضورِ اکرم ﷺ کے علم غیب کے متعلق چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں:

نبی کریم ﷺ کا علم غیب قرآن مجید کی روشنی میں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہیں (عام لوگوں کو) غیب پر آگاہ کرے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے۔ (قرآن: ۳: ۱۷۹)

۲۔ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ (قرآن: ۳: ۴۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اس رسول کے جس کو وہ پسند کر لے۔

(قرآن: ۷۲: ۲۷۔۲۶)

نبی کریم کا علم غیب احادیث کی روشنی میں

۱۔ ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر ہو گئی، آپ منبر سے اُترے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی، پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، پھر آپ نے ہمیں ماکان وما یکون (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کی خبریں دیں، سو ہم میں سے جس کا حافظہ زیادہ تھا اسی کا علم بھی زیادہ تھا۔

(مسلم: کتاب الفتن: باب ٦)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرما دیا تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

(کنز العمال: حدیث نمبر ۳۱۹۷۱: جلد ۱۱: ص ۴۲۰)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹۔ وہ (اللہ ہی) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا تو اسے ہلکا سا حمل ہو گیا جسے لے کر وہ چلتی پھرتی رہتی ہے، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جوان کا پروردگار ہے کہ اگر تو نے ہمیں صحیح وسالم بیٹا دیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ [۱۰۷]

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح وسالم بیٹا عطا فرمایا تو دونوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان سے بلند و برتر ہے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔

۳۔ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اُحد پر چڑھے، آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ تھے، وہ پہاڑ لرزنے لگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اے پہاڑ!) ساکن ہو جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔ (بخاری، فضائل اصحاب: باب ۷)

مزید تفصیل اور دیگر احادیث کے لئے سورہ آلِ عمران (۳) کی آیت نمبر ۱۷۹، سورہ نساء (۴) کی آیت نمبر ۱۱۳، اور سورہ انعام (۶) کی آیات نمبر ۵۰، اور ۵۹ کی تفاسیر ملاحظہ ہوں۔

[۱۰۷] اس آیت کے شروع میں بطور تمہید حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان ہی سے انسانیت کا سلسلہ شروع ہوا مگر بعد میں ایک عام جوڑے کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعہ مشرکین کی حالت اور سوچ کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی مشرک میاں بیوی کے ہاں جب اولاد کی امید لگتی ہے، ماں کا پیٹ بڑھ جاتا ہے تو میاں بیوی کو خوشی کے ساتھ ساتھ یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ بچہ اندھا، بہرا یا جسمانی و ذہنی اعتبار سے معذور پیدا ہوا تو ماں باپ کی زندگی بھی عذاب بن جائے گی، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر یہ بچہ صحیح وسالم پیدا ہوا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہیں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح وسالم اولاد عطا فرمائی تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور اس کو بتوں کی طرف منسوب کرنے لگے حالانکہ بت تو خود مخلوق ہیں، وہ نہ تو کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں بلکہ وہ تو اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کے منہ پر مکھی بیٹھ جائے تو اسے اڑانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور ان کی حالت یہ ہے کہ اگر تم بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ بے جان ہیں، لہٰذا ان کو بلانا اور نہ بلانا دونوں برابر ہیں۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱۔ کیا یہ لوگ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔

وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲۔ اور وہ ان (مشرکین) کے لئے کسی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳۔ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں گے، تمہارے لئے برابر ہے خواہ تم انہیں بلاؤ یا خاموش رہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴۔ بے شک تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں،[۱۰۸] پس تم انہیں پکارو، پھر انہیں چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا

۱۹۵۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ آپ کہیے: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، پھر میرے خلاف سازش کرو اور

[۱۰۸] اس آیت میں بتوں کو بندوں سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ وہ بے جان ہیں۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں، مثلاً انسانوں کی طرح بت بھی مخلوق ہیں اور انہیں انسانوں کی صورت پر بنایا جاتا ہے۔ اس لئے انہیں بندے کہا گیا ہے اور علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ بت زندہ ہیں اور سنتے ہیں اس لئے ان کے اعتقاد کے مطابق انہیں بندہ کہا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر) اور مشرکین سے پوچھا گیا کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ درست ہے کہ بت تمہارے خدا ہیں اور وہ سنتے بھی ہیں تو تم انہیں پکار کر تجربہ کر لو۔ ان کو تمہاری پکار کا جواب دینا چاہیے مگر وہ تو ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور کانوں سے محروم ہیں اس لئے نہ تو وہ تمہاری کوئی بات سن سکتے ہیں اور نہ ہی تمہاری پکار کا جواب دے سکتے ہیں۔ درحقیقت بت تو تم سے بھی کم تر ہیں یعنی تم دیکھنے سننے کی طاقت اور عقل و شعور کی صلاحیت رکھتے ہو جبکہ بت ان صلاحیتوں سے محروم ہیں تو جب تم انسان ہو کر خدا نہیں ہو سکتے تو یہ بے جان کیسے خدا ہو سکتے ہیں۔ نیز انسان بتوں سے افضل ہے تو افضل کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے سے کمتر کی عبادت کرے۔

تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾

مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔[۱۰۹]

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ۖۚ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾

۱۹۶۔ بے شک میرا حامی اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک لوگوں کی حمایت کرتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد سکتے ہیں۔

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰٮهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡكَ وَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸۔ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سنیں گے، اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ (بظاہر) تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔[۱۱۰]

---

[۱۰۹] مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کو دھمکی دی کہ اگر تم بتوں کی مخالفت سے باز نہ آئے اور بتوں کو غصہ آ گیا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں چیلنج دے دیا کہ تم اپنے بتوں کو پکارو اگر وہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو مجھے ذرا مہلت نہ دیں، مگر سن لو تم بھی اور تمہارے بت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میرا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے جو نیک لوگوں کی حمایت کرتا ہے، چنانچہ مشرکین مکہ نے آپ کو شہید کرنے کی پوری کوشش کی اور ہجرت کی رات آپ کے گھر کا محاصرہ بھی کر لیا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچا لیا۔

اس مقام پر علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ اپنی اولاد کے لئے کچھ مال جمع نہیں کرتے تھے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: اگر میری اولاد نیک ہوئی تو یہ آیت نمبر ۱۹۶ تلاوت کی یعنی اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوگا اور جس کا اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہو اس کو میرے مال کی ضرورت نہیں ہے، اور خدانخواستہ اگر میری اولاد مجرم ہوئی تو میں اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کرنا چاہتا اور سورہ قصص (۲۸) کی آیت نمبر ۱۷ تلاوت فرمائی جس میں حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کیا: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر انعام فرمایا میں بھی ہرگز کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا۔

[۱۱۰] یعنی اگر تم بتوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سنیں گے کیونکہ ان کے مصنوعی کان بنائے گئے ہیں جن میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسی طرح ان کی آنکھیں بھی مصنوعی ہیں۔ دیکھنے والے کو لگتا ہے کہ یہ بت اسے دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اور اگر ان سے مراد مشرکین ہوں تو وہ بھی ہدایت قبول کرنے والے نہیں کیونکہ وہ آپ کو دیکھتے تو ہیں مگر حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ کی تعلیمات میں غور نہیں کرتے اس لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹۔ (اے نبی!) درگزر سے کام لیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کشی کیجئے۔[۱۱۱]

[۱۱۱] اس آیت میں تین چیزوں کی ہدایت کی گئی ہے:

۱۔ قصوروار اگر معذرت کرے تو اس سے درگزر کیا جائے۔

۲۔ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیا جائے۔

۳۔ جاہل لوگ اگر اُلجھنا چاہیں تو ان سے کنارہ کشی کی جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قرآن مجید میں اَخلاقِ حسنہ کے متعلق یہ جامع ترین آیت ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اخلاقِ حسنہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی نیکی کو ہرگز حقیر نہ سمجھو اور (یہ بھی نیکی ہے کہ) جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ملاقات کرو اور پانی مانگنے والے کو اپنے ڈول سے پانی دو اور اگر کوئی شخص تمہارے کسی عیب کی وجہ سے تمہیں بُرا کہے تو تم اس کے کسی عیب کی وجہ سے اسے بُرا نہ کہو، تمہیں اس درگزر کا اجر ملے گا اور اسے بُرا کہنے کا گناہ ہو گا اور تکبر سے تہبند نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی شخص کو ہرگز گالی نہ دو، (ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) اس نصیحت کے بعد میں نے کسی انسان کو گالی نہیں دی حتیٰ کہ کسی بکری اور اونٹ کو بھی گالی نہیں دی۔ (مسند: جلد ۵: ص ۶۴)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے رب نے 9 باتوں کا حکم دیا:

۱۔ ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔

۲۔ خوشنودی اور ناراضگی میں عدل کروں۔

۳۔ خوشحالی اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کروں۔

۴۔ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دوں۔

۵۔ جو قطع تعلق کرے اس سے بھی ملا کروں۔

۶۔ جو مجھے محروم رکھے میں اُسے عطا کروں۔

۷۔ میری زبان گویا ہو تو ذکر الٰہی کروں۔

۸۔ خاموشی کی حالت میں اس کی آیتوں میں غور و فکر کروں۔

۹۔ اور میں دیکھوں تو عبرت حاصل کروں۔ (تفسیر قرطبی)

فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف کرنے کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا تاریخ انسانیت اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ ایسے

وَ اِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰۔ اور (اے مخاطب!) اگر شیطان کی طرف سے تجھے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ، [۱۱۲] بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۚ﴿۲۰۱﴾

۲۰۱۔ بے شک جو لوگ متقی ہیں جب شیطان کی طرف سے انہیں کوئی برا خیال آتا ہے تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں اور فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ [۱۱۳]

وَاِخۡوَانُهُمۡ يَمُدُّوۡنَهُمۡ فِى الۡغَىِّ ثُمَّ لَا يُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں، شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں، پھر وہ (انہیں گمراہ کرنے میں) کوتاہی نہیں کرتے۔

دشمن جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے، انہیں مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی، حضرت حمزہ ؓ کے کلیجہ کو چبایا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے مکہ فتح کر کے ان سب کو معاف کر دیا۔

[۱۱۲] شیطان جب کسی کے ذہن میں کوئی وسوسہ ڈالے تو وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں مردود شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں) پڑھے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث پاک ملاحظہ کریں:

حضرت سلیمان ؓ نے کہا: نبی کریم ﷺ کے سامنے دو آدمی لڑائی جھگڑا کرنے لگے، ایک نے دوسرے کو گالی دی اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا اور وہ کلمہ یہ ہے: اَعوذُ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (بخاری: کتاب الادب: باب ۷۶)

[۱۱۳] جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے جب شیطان کی طرف سے انہیں کوئی برا خیال آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل بیدار ہو جاتے ہیں، ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، برائی کا انجام انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے اور وہ خدا کے ڈر سے شیطانی خیالات کو مسترد کر دیتے ہیں۔ ان کے برعکس جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہے وہ تو گویا شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان انہیں جب گمراہی کی طرف راغب کرتے ہیں تو وہ انہیں گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے اور یہ نادان بھی ان شیطانوں کی پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے، آنکھیں بند کر کے ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا مقام ملاحظہ کریں:

یحیٰ بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جو اکثر مسجد میں رہتا تھا۔ حضرت عمر ؓ اس سے بہت خوش تھے۔ اس نوجوان کا باپ بوڑھا تھا، وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنے باپ کے پاس لوٹ

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾

۲۰۳۔ اور (اے رسول!) جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں: تم نے خود کوئی آیت کیوں نہیں بنالی؟ [۱۱۴] آپ فرمادیجئے: میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے، یہ روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے ہیں اور ہدایت اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

آتا تھا۔ اس نوجوان کے راستہ میں ایک عورت کا گھر تھا، وہ اس نوجوان پر فریفتہ ہوگئی تھی۔ وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہوجاتی تھی، ایک رات وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا، جب وہ نوجوان اس کے گھر میں داخل ہونے لگا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا ڈر غالب آگیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی: ''بے شک جو لوگ متقی ہیں جب شیطان کی طرف سے انہیں کوئی بُرا خیال آتا ہے تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں اور فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

(قرآن:۷:۲۰۱)

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ جب وہ نوجوان دیر تک گھر نہ پہنچا تو اس کا بوڑھا باپ اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ اس کا بیٹا دروازے پر بے ہوش پڑا ہے۔ باپ نے اہل خانہ کو بلایا اور اس کو اٹھا کر گھر لے گئے، کافی دیر کے بعد جب اُسے ہوش آئی تو باپ نے پوچھا: پیارے بیٹے! تیرے ساتھ کیا ہوا؟ تو اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔ باپ نے پوچھا: تو نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے دوبارہ وہی آیت پڑھنا شروع کر دی اور پھر بے ہوش ہوگیا۔ گھر والوں نے اسے حرکت دی تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ انہوں نے اسے غسل دیا اور قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچی، حضرت عمرؓ اس کے باپ کے پاس گئے، نوجوان کی وفات پر تعزیت کی اور فرمایا: تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی؟ اس کے باپ نے کہا: اے امیر المؤمنین! رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو تکلیف نہ دی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے اصحاب اس کی قبر کی طرف گئے، حضرت عمرؓ نے کہا: اے نوجوان! ''جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔''
(قرآن:۵۵:۴۶) تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! ''مجھے میرے رب تعالیٰ نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔'' (کنز العمال: جلد دوم: ص ۵۱۶: حدیث نمبر ۴۶۳۴) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گناہ کو چھوڑ دینا دو جنتوں کے حصول کا سبب ہے، نیز کسی فوت شدہ مسلمان کے گھر جا کر اس کے اہل خانہ سے تعزیت کرنا اور اس کی قبر پر جانا حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی کی صفائی کرنے والی عورت کی قبر پر تشریف لے گئے۔

(مسلم: کتاب الجنائز: باب ۲۳)

[۱۱۴] اگر کبھی چند روز کے لئے آیات کا نزول بند ہو جاتا تو مشرکین مکہ بطور مذاق کہتے کہ جیسے آپ پہلے آیات خود بنا کر سناتے تھے اب کیا ہو

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴

۲۰۴۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔[۱۱۵]

گیا ہے آیات کیوں نہیں بناتے ؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں تو صرف وہی آیات سناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ میرے اوپر نازل فرماتا ہے، اور اس قرآن میں بیان کردہ روشن دلائل بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ میرا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر اس سے ہدایت اور رحمت وہی حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔

[۱۱۵] اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ جب اس کا کلام پڑھا جائے تو دنیا کے تمام انسانوں کو اپنے خالقِ حقیقی کا کلام غور سے سننا چاہیے تا کہ ان پر رحمت وہدایت کے دروازے کھول دیئے جائیں اور اگر کفار کلامِ الٰہی کی پرواہ نہ بھی کریں تو اہلِ ایمان پر تو یہ فرضِ عین ہے کہ جونہی کلامِ الٰہی کی تلاوت شروع ہو وہ خاموش ہو جائیں اور پوری توجہ سے سنیں، البتہ جو لوگ کام میں مصروف ہوں ان پر سننا فرض نہیں ہے، مثلاً ریڈیو، ٹی وی یا لاؤڈ سپیکر پر اگر قرآن مجید کی تلاوت ہر جگہ سنائی دے رہی ہے تو جو نمازی نماز پڑھ رہے ہیں یا اساتذہ طلبہ کو درس دے رہے ہیں یا تاجر حضرات خرید و فروخت کے معاملات طے کر رہے ہیں تو ان پر تلاوت سننا فرض نہیں ہے بلکہ ایسی جگہوں پر قرآن مجید کی تلاوت ہی درست نہیں جہاں لوگوں کو تلاوت سننے میں مشکلات پیش آئیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو باجماعت نماز پڑھائی۔ ایک انصاری نے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کچھ قراءت کی، تب یہ آیت نازل ہوئی اور نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی) حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے کچھ لوگوں کو امام کے پیچھے تلاوت کرتے سنا تو فرمایا: کیا تم لوگوں نے ابھی تک اس آیت کا مطلب نہیں سمجھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اس آیت سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت ثابت ہے اور اس کے مقابل کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو قرآن مجید کی آیت کے مقابل حجت قرار دیا جاسکے۔

جو لوگ امام کے پیچھے قرآن مجید کی تلاوت کے قائل ہیں ان کا زیادہ تر اعتماد اس حدیث پاک پر ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' (مسلم: کتاب الصلوٰۃ: باب ۱۱) حالانکہ اس کے ساتھ دوسری حدیث پاک بھی موجود ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے امام کے پیچھے نماز ادا کی تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔'' (ابن ماجۃ: ابواب اقامۃ الصلوٰۃ: باب ۱۳) ان دو حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والا سورہ فاتحہ ضرور پڑھے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا امام کی قراءت پر ہی اکتفا کرے جیسا کہ حضرت نافع ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قراءت کرے تو وہ فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے اور جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو قراءت کرے۔ نافع ﷺ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (مؤطا امام مالک: کتاب الصلاۃ: باب ۱۰) اس طرح امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے قرآن اور حدیث دونوں پر عمل ہو جاتا ہے لیکن امام کے پیچھے قراءت کرنے سے صرف حدیث پر عمل ہوتا ہے مگر دوسری حدیث

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

۲۰۵۔ اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی اور پست آواز کے ساتھ صبح و شام یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔[۱۱۶]

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع ۲۴

۲۰۶۔ بے شک جو آپ کے رب کے مقربین ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔[۱۱۷]

اور قرآن مجید کے حکم پر عمل نہیں ہوتا۔ اسی لئے احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا قرآن مجید کی کوئی اور آیات پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز جہری ہو جیسے فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین یا سری جیسے ظہر اور عصر کی نمازیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''امام اسی لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، وہ جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔''

(مسند احمد: جلد دوم: ص ۴۲۰)

[۱۱۶] اس آیت میں ذکر الٰہی کے آداب بتائے گئے ہیں۔ ابتدائی طور پر ذکر کی دو قسمیں ہیں یعنی دل میں خاموشی کے ساتھ یا زبان سے معتدل آواز کے ساتھ۔ ذکر کی یہ دونوں صورتیں درست ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان دونوں کی فضیلت موجود ہے۔ وقت اور موقع کے مطابق کبھی دل میں ذکر کرنا بہتر ہے تاکہ ریاکاری کا اثر نہ ہو اور کسی دوسرے کی نماز، نیند اور عبادت میں خلل پیدا نہ ہو اور کبھی آواز سے ذکر کرنا بہتر ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ بہرحال ذکر دل میں ہو یا زبان سے دونوں صورتوں میں عاجزی و انکساری اور اللہ تعالیٰ کا ڈر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ تکبر و غرور سے محفوظ رہے۔ نیز دن کا آغاز کرتے وقت صبح سویرے نمازِ فجر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تاکہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ رہے اور گناہوں سے محفوظ رہو۔ اسی طرح رات کا آغاز ہوتے ہی مغرب و عشاء کی نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تاکہ ذکر کی برکت شاملِ حال رہے اور غفلت کا شکار نہ ہو۔ اس سلسلہ میں سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۱۵۲ کا حاشیہ نمبر ۱۰۹ ملاحظہ کریں۔

[۱۱۷] گذشتہ آیت میں ذکر الٰہی کا حکم اور اس کے آداب بتائے گئے۔ اس آیت میں ذکر کی مزید ترغیب دینے کے لئے فرشتوں کی مثال دی گئی ہے کہ فرشتے گناہوں سے پاک اور بارگاہ ایزدی کے مقربین ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز رہتے ہیں اور انسان جو خطائیں بھی کرتا رہتا ہے اس کا تو زیادہ فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرے۔

قرآن مجید میں چودہ آیات ہیں جن کے اختتامی نشانات کے اوپر یا حاشیہ کے ساتھ سجدہ کا لفظ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک آیت کو پڑھنے یا سننے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ جب ان آیات میں سے کسی کی تلاوت کرتے تو اسی

وقت اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کرتے۔ اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہا جاتا ہے۔

سجدۂ تلاوت

سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تکبیر کہہ کر ایک سجدہ کرے اس میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ یا کوئی مسنون دعا پڑھے اور پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے۔ پہلی تکبیر کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے یا زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں بلکہ تکبیر کہتے ہوئے سیدھا سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں بلکہ سجدہ سے سر اٹھانے سے ہی سجدہ تلاوت مکمل ہو جاتا ہے۔ جو شخص بیٹھ کر آیتِ سجدہ تلاوت کرے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرے۔ سجدہ تلاوت کے لئے وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں یعنی باوضو اور قبلہ رُخ ہو کر سجدہ کرے۔ سجدہ تلاوت کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! آدم کے بیٹے کو سجدے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کیا، پس اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ملا تو میں نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، پس میرے لئے جہنم کی آگ ہے۔'' (مسلم ۲۴۴: کتاب الایمان: باب ۳۵)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

۲۴ جنوری: ۲۰۰۶ء بروز منگل بعد از نمازِ فجر

جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانفال (۸)

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت میں زیادہ تر جنگ بدر اور اس کے متعلقہ معاملات کا تذکرہ ہے۔ یہ سب سے پہلی باقاعدہ جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کفار کا بہت سامال مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس مال کو انفال یعنی مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ جب انفال کو تقسیم کرنے کی باری آئی تو اس وقت اس سورت کا نزول شروع ہوا اور اسی وجہ سے اس کا نام ''انفال'' رکھا گیا ہے۔

اس سورت کی سب سے پہلی آیت میں اہل اسلام کی تربیت کی جارہی ہے کہ ملک وملت کی حفاظت اور حق کی سربلندی کے لئے جنگ کرنے کی اجازت تو دے دی گئی ہے مگر اس کے نتیجہ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اس کی تقسیم کا حق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے، تاکہ کوئی مسلمان مالِ غنیمت کے لالچ میں جہاد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جہاد کرے۔ جو مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں وہی سچے مؤمن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بخشش اور بلند درجات ہیں۔ اس سورت میں چونکہ زیادہ تر جنگ بدر کا تذکرہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس جنگ کا واقعہ اور اس کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

جنگ بدر کا پس منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کفار مکہ نے نہ صرف اسلام کا انکار کیا بلکہ اسلام قبول کرنے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ کچھ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے مگر کفار مکہ کا ایک وفد حبشہ گیا اور شاہ حبشہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے اور انہیں ملک بدر کرانے کی کوشش کی۔ (البدایہ والنہایہ: جلد ۲: ص ۷۲)

مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں نے کئی بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہمیں کفار کے مظالم کا جواب دینے کی اجازت دیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صبر کرو ابھی مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی۔'' (ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۲۴۸)

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور کفار مکہ نے وہاں بھی انہیں آرام کا سانس نہ لینے دیا تو اللہ تعالیٰ نے مظلوم مسلمانوں کو جہاد یعنی طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دے دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلہ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔'' (قرآن: ۲۲: ۳۹)

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد یہودی قبائل کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا جس کے مطابق ہر فریق کو مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر کار بند رہنے کے مجاز ہوں گے۔ اس معاہدہ میں شریک کسی بھی فریق کا دشمن اگر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی بھر پور مدد کریں گے۔

(ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۱۹۳)

مدینہ میں مسلمانوں کی ترقی کفار مکہ کے لئے ناقابل برداشت تھی جس کا اندازہ آپ درج ذیل چار واقعات سے لگا سکتے ہیں:

۱۔ عبدالرحمن بن کعب روایت کرتے ہیں کہ کفار قریش نے عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) اور اوس و خزرج کے غیر مسلم لوگوں کو جنگ بدر سے پہلے یہ خط لکھا: "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور ہم اللہ کی قسم اُٹھا کر تمہیں کہتے ہیں کہ یا تو تم ان سے جنگ کرو یا ان کو وہاں سے نکال دو ورنہ ہم لشکر لے کر تمہاری طرف کوچ کریں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنی لونڈیاں بنالیں گے۔" (سنن ابو داؤد: کتاب الخراج: باب ۲۳)

۲۔ جب مدینہ کے یہود اور منافقین پر قریش کے خط کا اثر نہ ہوا تو انہوں نے براہِ راست مسلمانوں کو دھمکی آمیز خط لکھا: مسلمانو! تم خوش نہ ہو کہ تم ہمارے چنگل سے نکل کر وہاں پہنچ گئے ہو جہاں تم آزادی سے زندگی بسر کر سکتے ہو۔ یاد رکھو ہم تمہاری بستی پر چڑھائی کریں گے اور تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے سب کو تہ تیغ کر دیں گے۔ (ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۲۵۲)

۳۔ مدینہ کے نواح میں ایک چراگاہ تھی جسے الجماء کہا جاتا تھا۔ وہاں مسلمانوں کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرتے تھے۔ کفار مکہ نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے اور مسلمانوں پر اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کے لئے پہلا عملی قدم یہ اٹھایا کہ اپنے ایک سردار کرز بن جابر کی سرکردگی میں کچھ لٹیرے بھیجے جنہوں نے مدینہ کی اس چراگاہ پر حملہ کیا، چرواہے کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں لوٹ کر لے گئے۔ (ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۲۷۱)

۴۔ مکہ کا کافر امیہ بن خلف اور مدینہ کا مسلمان سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آپس میں پرانے دوست تھے۔ امیہ جب سفر تجارت پر جاتا اور اس کا گزر مدینہ سے ہوتا تو وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا کرتا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ آتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ آئے اور حسبِ سابق امیہ کے مہمان بنے۔ ایک دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرنے گئے تو ابو جہل نے کہا: "میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ تم مکہ میں امن کے ساتھ طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے بے دینوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ بوقتِ ضرورت تم ان کی مدد کرو گے، خدا کی قسم! اگر تم امیہ کے مہمان نہ ہوتے تو تم زندہ اپنے گھر واپس نہ جا سکتے۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے ابو جہل کو جواب دیا کہ اگر تم مجھے کعبہ کا طواف کرنے سے روکو گے تو بخدا! میں تمہیں اس چیز سے روکوں گا جو تمہارے لئے ناقابل برداشت ہوگی یعنی مدینہ کے قریب سے تمہارا تجارت کا راستہ بند کر دوں گا۔ (ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۲۵۳) اہل مکہ کی معیشت اور طاقت کا زیادہ تر دار و مدار شام کی تجارت پر تھا اور ان کے تجارتی قافلوں کا شام جانے کا راستہ مدینہ

کے قریب سے گزرتا تھا۔ کفار مکہ نے اس کامیاب تجارت کے نشہ میں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے، انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا، ان کی جائیدادوں پر ناجائز قبضہ کر لیا اور مدینہ میں بھی ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، چنانچہ ان کی سازشوں سے بچنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تجارتی شاہراہوں سے مسلمان ہمیشہ محتاط رہیں تا کہ تجارت کے بہانے کہیں وہ اچانک مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں یا تجارت کے ذریعہ وہ اتنے مضبوط اور مستحکم ہو جائیں کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیں، لہٰذا ان کے اچانک حملوں سے بچنے اور ان کی مادی طاقت کو کم کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کرنے کے لئے چھوٹے فوجی دستے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، تا کہ انہیں احساس ہو کہ مسلمان ان کی نقل و حرکت سے آگاہ ہیں اور ان پر اچانک حملہ کرنا آسان نہیں ہے، مگر ان مہمات میں نہ تو کوئی انسان قتل ہوا اور نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا کیونکہ آپ کا مقصد لوٹ مار یا قتل و غارت نہیں تھا بلکہ کفار کو مرعوب کرنا مقصود تھا تا کہ وہ اسلام دشمنی سے باز آ جائیں۔ اس کے برعکس اہل مکہ کو جہاں کہیں موقع ملتا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے مال مویشی لوٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا اثر و رسوخ دیگر عرب قبائل میں پھیل رہا ہے تو انہوں نے مدینہ پر باقاعدہ حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں تا کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، اور ابوسفیان کی قیادت میں ایک عظیم الشان تجارتی قافلہ شام بھیجا تا کہ اس کی آمدنی سے وہ مدینہ پر حملہ کے اخراجات پورے کر سکیں۔

(ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۲۷۲)

اس قافلہ کی حفاظت کے لئے چالیس آدمیوں کا ایک دستہ بھی ساتھ تھا۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا تو حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو دعوت دی کہ اس قافلہ کے تعاقب کے لئے نکلیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

جب ابوسفیان کو اطلاع ملی کہ مسلمان اس کے قافلہ کے تعاقب کے لئے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے مکہ پیغام بھیجا کہ ہماری مدد کو جلد پہنچو۔ اس خبر نے مکہ کے کفار کو بے چین کر دیا اور ہر شخص مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ ایک ہزار پر مشتمل کفار مکہ کا لشکر ابوجہل کی قیادت میں روانہ ہوا۔ ان کے ساتھ سو گھوڑے، چھ سو اونٹ، رقص کرنے والی کنیزیں اور سامانِ جنگ وافر مقدار میں تھا۔ ادھر ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے گزر گیا تھا۔ اس نے پیغام بھیجا کہ میرا قافلہ بحفاظت گزر آیا ہے اب لشکر کشی کی ضرورت نہیں لیکن ابوجہل نے کہا: ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے بلکہ بدر پہنچ کر مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے۔

ادھر راستہ میں حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے مگر قریش مکہ ایک لشکر جرار کے ساتھ بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے نئی صورت حال کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ تشریف لے جائیں جدھر آپ کا ارادہ ہے ہم حضور کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ سمندر میں چھلانگ لگانے یا دشمن سے ٹکرانے کا اشارہ فرمائیں تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے بے قرار ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کارنامے دکھائے گا جس سے آپ کی چشم مبارک ٹھنڈی ہو جائے گی، سو اللہ تعالیٰ کی برکت پر آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو جواب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا، یعنی ''جایئے آپ اور آپ کا رب ان سے جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ تشریف لے چلئے آپ اور آپ کا رب ہم آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔

(ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۳۱۱)

میدانِ جنگ

میدانِ بدر میں جب دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور بڑے عجز و نیاز سے بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ پھیلا دیئے: یا اللہ! اپنا سچا وعدہ پورا فرما، اگر یہ کافر آج مسلمانوں پر غالب آ گئے تو شرک غالب آ جائے گا اور پھر تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا۔ اپنے رب تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں کفار کی طرف پھینکیں اور تلوار لے کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے ہزاروں فرشتے نازل فرمائے۔ مشرکین نے شکست کھا کر بھاگنا شروع کر دیا۔ اس جنگ میں ابوجہل سمیت ستر کافر مارے گئے اور ستر جنگی قیدی بنا لئے گئے اور اس جنگ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چودہ تھی۔

(طبقات ابن سعد: جلد ۲: ص ۱۶)

جنگ سے ایک روز پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ کا معائنہ فرمایا اور مختلف جگہوں کی نشاندہی فرمائی کہ کل فلاں فلاں کافروں کی لاشیں فلاں فلاں جگہوں پر پڑی ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے ہمارے نبی کو حق کے ساتھ بھیجا! کفار کی لاشیں ان جگہوں سے ذرہ آگے پیچھے نہ تھیں جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں نشاندہی فرمائی تھی۔ (مسلم: کتاب الجنۃ: باب ۱۷)

اسیرانِ جنگ بدر

جنگ کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مجلس مشاورت قائم کی۔ کئی تجاویز پیش ہوئیں کہ ان ظالموں کو قتل کر دیا جائے وغیرہ، مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تجویز پسند فرمائی وہ یہ تھی کہ حسب استعداد فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے اور جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو وہ آزاد ہیں۔

(مسند احمد: جلد اول: ص ۲۴۷)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں جن کو کافر قیدیوں نے علم سکھایا۔ (طبقات ابن سعد: جلد ۲: ص ۲۰) حضرت زید رضی اللہ عنہ

انصاری نوجوان تھے، کاتب وحی اور قرآن کے حافظ تھے۔ خلافت صدیقی میں حضرت زید ﷛ ہی کی سربراہی میں قرآن مجید کو ایک نسخہ کی صورت میں تحریر کیا گیا تھا۔

حضرت عباس ﷛ کے گھر مال کی اطلاع

حضرت ابن عباس ﷛ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسیران بدر کا فدیہ چار سو درہم مقرر فرمایا اور حضرت عباس ﷛ نے کہا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور آپ کی بیوی ام فضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور آپ نے اس سے کہا: اگر میں اس سفر جنگ میں مر گیا تو یہ مال میرے بیٹوں کو دے دینا۔ اس پر حضرت عباس ﷛ نے کہا: بخدا! میں جان گیا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس مال کا میرے اور میری بیوی کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔

(سبل الهدی والرشاد: جلد ۴: ص ۱۰۵، مسند احمد: جلد اول: ص ۳۵۳)

آیاتھا ۷۵ — ۸ سورۃ الانفال مدنیۃ ۸۸ — رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

۱۔ (اے رسولِ مکرم!) یہ آپ سے اَنفال (مالِ غنیمت) کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ فرمائیے: یہ انفال اللہ تعالیٰ اور رسول کے ہیں، [۱] پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم کامل مومن ہو۔

[۱] بدر کی جنگ کفر اور اسلام کے درمیان سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی جو سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ سن دو ہجری میں لڑی گئی۔ اس میں کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، ۷۰ کافر مارے گئے، ۷۰ قیدی بنالئے گئے اور باقی اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس طرح جنگ میں دشمن کا جو مال مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے اس کو اسلامی اصطلاح میں اَنفال یا غنائم یعنی مالِ غنیمت کہا جاتا ہے اور یہ آیت جنگ بدر کے مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت عبادہ ﷛ بیان کرتے ہیں: ''میں بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھا، مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، مسلمانوں کے ایک گروہ نے بھاگنے والے کفار کا تعاقب کیا، بعض کو قید اور بعض کو قتل کرنے لگے اور دوسرا گروہ ان کا چھوڑا ہوا مال جمع کرنے لگا اور تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کے گرد آپ کی حفاظت کر رہا تھا تا کہ دشمن آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔ رات کو جب مسلمان آپس میں اکٹھے ہوئے تو جن مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا تھا انہوں نے کہا: یہ مالِ غنیمت ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا اس میں اور کسی کا حصہ نہیں ہے اور جن مسلمانوں نے دشمن کا تعاقب کیا تھا انہوں نے کہا: تم ہم سے زیادہ اس مالِ غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو بھگایا اور شکست دی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے محافظ گروہ نے کہا: تم ہم سے زیادہ اس مالِ غنیمت کے حقدار نہیں ہو ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں مشغول رہے تا کہ دشمن آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔ (جب اس اختلاف نے شدت اختیار کی اور بات تلخ کلامی اور رنجش قلبی تک پہنچ گئی) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔'' (مسند احمد: جلد ۵: ص ۳۲۴) یعنی مالِ غنیمت تمہاری ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری لڑائی کا مقصد مالِ غنیمت کا حصول ہے۔ مالِ غنیمت کے اصل مالک تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ ہیں اور ان کے حکم کے مطابق ہی اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل آگے آیت نمبر ۴۱ میں ملاحظہ کریں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢

۲۔ ایمان والے توصرف وہی (لوگ) ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آئے توان کے دل کانپ اٹھتے ہیں،[۲] اور جب اس کی آیتیں انہیں پڑھ کرسنائی جائیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو بڑھادیتی ہیں اوروہ اپنے رب پرہی توکل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝٣

۳۔ جونماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝٤

۴۔ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور بخشش اور باعزت رزق ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝٥

۵۔ جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر (مدینہ منورہ) سے حق کے ساتھ نکال لایا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو ناپسند کرنے والا تھا۔[۳]

---

[۲] ان آیات میں کامل اور سچے مؤمن کے ظاہر و باطن کی چند نشانیاں بتائی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں: ۱۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے توان کے دل اللہ تعالیٰ کے جلال سے کانپ اُٹھتے ہیں۔ ۲۔ جب ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے توان کا ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ ۳۔ وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر ہی توکل کرتے ہیں۔

ان تینوں صفات کا تعلق دل اور باطن سے ہے اور ظاہر میں ان کی تصدیق اس وقت ہوتی ہے جب وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں: کسی نے حضرت حسن بصری ﷫ سے پوچھا: کیا آپ مؤمن ہیں؟ آپ نے جواب دیا: مؤمن دوطرح کے ہیں: ایک تو یہ ہے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت پر ایمان لانے والا تو اس اعتبار سے میں یقیناً مؤمن ہوں اور دوسرا مؤمن وہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل کانپ اُٹھے تو مجھے پتہ نہیں کہ میں اس معیار کا مؤمن ہوں یا نہیں؟ (تفسیر کبیر) اس سلسلہ میں سورہ فاتحہ (۱) کی آیت نمبر تین کا حاشیہ نمبر ۶ بھی ملاحظہ کرلیں۔

[۳] جب ۳۱۳ مسلمان تقریباً ایک ہزار کفار کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو بعض مسلمانوں کو یہ اقدام ناگوار گزرا حالانکہ اس وقت حق واضح ہو چکا تھا۔ اگر مسلمان لشکر کا مقابلہ نہ کرتے تو وہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیتے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیتے۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾

۶۔ وہ لوگ آپ سے حق ظاہر ہونے کے باوجود اس میں جھگڑا کر رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے اس حال میں کہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں۔

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾

۷ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک (پر غلبہ) کا تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے [۴] اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ (ابوسفیان کا قافلہ تجارت) تمہارے حصہ میں آئے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ خبر بھی دے دی تھی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس جنگ میں فتح مسلمانوں کی ہوگی، پھر بھی بعض مسلمان جھگڑا کر رہے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ میں جانا اپنے آپ کو موت کے منہ میں پھینکنے کے مترادف ہے لیکن ان کے اختلاف رائے کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور حق کی سربلندی کے لئے کفار کے مقابلہ میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے نوازا۔ اسی طرح اب مال غنیمت کی تقسیم میں بھی اگر بعض صحابہ کو اختلاف ہے تو آپ فکر مند نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا رہیں، اس کا نتیجہ بھی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہوگا۔

[۴] مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد ۳۱۳ مسلمانوں کے سامنے ایک طرف غیر مسلح تجارتی قافلہ تھا جس کا محافظ دستہ تیس چالیس افراد پر مشتمل تھا اور دوسری طرف ایک ہزار افراد پر مشتمل مسلح لشکر تھا جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ اب فطری امر ہے بعض صحابہ کرام نے چاہا ہوگا کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہاتھ لگے تاکہ بغیر کسی مزاحمت کے بہت سامان ومتاع حاصل ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے تاکہ حق ثابت ہو جائے اور کفار کا زور بھی ٹوٹ جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر حملہ کرتے اور ان پر غلبہ حاصل کر کے دنیا پر اسلام کی صداقت کو ثابت کر دیتے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صرف ۳۱۳ مجاہدین نے ایک ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی جس سے کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا غرور خاک میں مل گیا۔

اس آیت میں جن دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ کا وعدہ کیا گیا تھا وہ سن دو ہجری غزوۂ بدر سے متعلقہ دو مخصوص کافر گروہ ہیں یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور ابوجہل کا جنگی لشکر اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ابوجہل کے جنگی لشکر پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ اس وعدہ سے یہ سمجھ لینا درست نہیں ہے کہ آج بھی اگر مسلمانوں کو دو کافر گروہوں سے واسطہ پڑے تو ایک پر غلبہ حاصل ہوگا آج

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

۸۔ تاکہ وہ حق کو ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اگرچہ مجرم لوگ اس کو ناپسند ہی کریں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾

۹۔ یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے، پھر اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور فرمایا:) یقیناً میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔[۵]

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ع ۱۵

۱۰۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد (فرشتوں کے نزول) کو تمہارے لئے خوشخبری بنایا تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوجائیں اور درحقیقت مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب حکمت والا ہے۔

اس کے اُلٹ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ وعدہ ان مخصوص گروہوں کے لئے تھا۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں اکثر کفار سے جنگ کا سلسلہ جاری رہا تو اس دوران جو احکام نازل ہوئے ان میں سے اکثر کا تعلق ان حملہ آور کفار اور حالتِ جنگ سے ہے۔ ان احکام کو انہی حالات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ آج کی دنیا میں چودہ سو سال پہلے کی حالتِ جنگ کے احکام کا حوالہ دے کر اسلام کو بدنام کرنا درست نہیں ہے۔

مثال کے طور پر پہلی اور دوسری عالمی جنگوں میں فرانسیسی حکمرانوں نے اپنی فوجوں کو جرمن حملہ آوروں کے خلاف جو احکام دیئے ان کو اسی حالتِ جنگ کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ آج جرمنی اور فرانس کے پُرامن حالات میں ان احکام کا حوالہ دینا درست نہیں ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ جرمنی کے خلاف اہل فرانس کے نظریات و احکام آج بھی وہی ہیں جو عالمی جنگوں کے وقت تھے اور آج بھی اہل فرانس اہل جرمنی کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ جرمنی اور فرانس کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی سازش کررہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ الزام لگائے گا کہ غیر مسلموں کے خلاف اسلام کے احکام آج بھی وہی ہیں جو جنگ بدر اور جنگ اُحد میں تھے یعنی وہ غیر مسلموں کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی سازش کررہا ہے۔ دنیا ان حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اسلامی تعلیمات اور احکامات کو سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کرے۔

[۵] جنگ بدر میں جب حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ اور کفار کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھائے، اسلام کی فتح کے لئے دعا کی اور صحابہ کرام ؓ اس دعا پر آمین کہہ رہے تھے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

۱۱۔ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمہاری تسکین کے واسطے تم پر غنودگی طاری کر دی اور تم پر آسمان سے پانی برسایا تا کہ اس پانی کے ذریعہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطان کی نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جما دے۔[۶]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ وہ ایک ہزار فرشتے ان کی مدد کے لئے بھیجے گا، پھر دو ہزار کا اضافہ کر کے تین ہزار کر دے گا اور اگر دشمن نے یک بارگی حملہ کر دیا تو دو ہزار کا اور اضافہ کر کے پانچ ہزار کر دے گا۔ (تفسیر نعیمی) جن کا تذکرہ سورہ آلِ عمران (۳) کی آیات نمبر ۱۲۴۔۱۲۵ میں ہے، اور بعض صحابہ کرام ؓ نے زمین و آسمان کے درمیان انسانی شکل میں فرشتوں کا مشاہدہ بھی کیا۔ (تفسیر مظہری) فتح و نصرت کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے کفار کے دو گروہوں میں سے ایک پر غلبہ کا پہلے ہی وعدہ کر دیا تھا، اس کے باوجود فرشتوں کو اس لئے نازل فرمایا تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو مزید خوشی اور اطمینان حاصل ہو اور جرأت و ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں۔

[۶] مشرکین مکہ کا جنگی لشکر بدر کے مقام پر پہلے پہنچ گیا۔ انہوں نے اچھی مٹی والی زمین اور پانی کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کے حصہ میں بدر کا وہ علاقہ آیا جہاں ریت تھی جس میں پاؤں دھنس جاتے تھے، وہاں پانی بھی نہیں تھا، لہٰذا انہیں طہارت اور پینے کے لئے پانی کی سخت قلت تھی۔ اس پر شیطان نے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو تم اس پیاس اور شدت میں مبتلا نہ ہوتے۔ اگرچہ یہ وسوسہ بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کا ذریعہ ضرور تھا۔ جنگ سے ایک رات پہلے اللہ تعالیٰ نے ایسی زور کی بارش نازل کی جس نے شیطان کے سارے وسوسوں پر پانی پھیر دیا اور مسلمانوں کو کئی فوائد حاصل ہو گئے، مثلاً:

۱۔ مسلمانوں کو وضو اور غسل کے لئے پانی میسر آ گیا جس سے وہ اپنے آپ کو پاک اور صاف کرتے، نیز انہوں نے حوض بنا کر اپنی ضروریات کے لئے کافی پانی جمع کر لیا۔

۲۔ شیطان نے بعض ذہنوں مین جو وسوسے ڈالے تھے کہ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو تم اس طرح پیاسے نہ رہتے بارش کی وجہ سے شیطان کا یہ وسوسہ بھی زائل ہو گیا۔

۳۔ بارش کے نازل ہونے سے مسلمانوں کی کمزوری اور گھبراہٹ دور ہو گئی اور ان کے دل مضبوط ہو گئے کیونکہ اگر وہ دل شکستہ رہتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ جنگ کی شدت سے گھبرا کر بھاگ جاتے۔

۴۔ ریت میں مسلمانوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور ان کو چلنے میں مشکل اور دشواری تھی لیکن بارش کی وجہ سے ریت بیٹھ گئی اور اس پر چلنا آسان ہو گیا جبکہ کفار کے پڑاؤ میں بارش کی وجہ سے کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا اور ان کا چلنا مشکل ہو گیا۔

جس دن مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کے خلاف جہاد کرنا تھا اس سے پہلی رات مسلمانوں پر غنودگی اور نیند طاری

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، [۷] عنقریب میں کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دوں گا، پس (اے مسلمانو!) تم (کافروں کی) گردنوں پر مارو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ [۸]

ہوگئی حالانکہ قلت تعداد و سامان کی وجہ سے بظاہر تو ان کی رات فکر و پریشانی میں گزرنا چاہیے تھی مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا اور ان کی تسکین کے لئے ان پر نیند طاری کر دی جس سے ان کی تھکاوٹ دور ہوگئی اور صبح کو جنگ کے لئے بالکل تازہ دم تھے اور خدانخواستہ اگر وہ اس رات کو بے چینی سے جاگ کر گزارتے تو صبح کو لڑنے کے لئے تازہ دم نہ ہوتے اور جنگ میں جرأت کا مظاہرہ نہ کر سکتے۔

علامہ ابن کثیر اس مقام پر اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اس رات رسول اللہ ﷺ عریش میں مصروف عبادت تھے۔ حضور اکرم ﷺ کو تھوڑی دیر کے لئے اونگھ آئی، پھر بیدار ہوئے اور مسکراتے ہوئے خوشخبری سنائی: اے ابوبکر! یہ جبریل ٹیلہ کے قریب کھڑے ہیں، پھر آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے عریش سے باہر تشریف لے گئے: ''عنقریب دشمن کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔''
(قرآن: ۴۵:۵۴)

[۷] جنگ بدر کے غازیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب اس نے فرشتوں کو فرمایا: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔'' ان کے دلوں میں یہ بات پختہ کر دو فتح ان شاء اللہ تعالیٰ تمہاری ہوگی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا، لہٰذا تم پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ کرو اور ان کے جسموں کے پرخچے اُڑا دو۔

[۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے مراد اہل ایمان کی مخالفت ہے۔ (تفسیر قرطبی) یعنی جنگ بدر میں کفار مکہ کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی مخالفت کی انتہا کر دی۔ مکہ میں جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لائے کفار مکہ نے ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ انہیں اس قدر اذیتیں پہنچائیں کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے مگر یہ ظالم یہاں بھی حملہ کرنے آ گئے اس لئے یہ ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں، چنانچہ اس جنگ میں کفار مکہ کے

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ یہ تمہاری سزا ہے، پس اس کا مزہ چکھو اور بے شک کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اے ایمان والو! جب جنگ میں تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی طرف اپنی پیٹھ نہ پھیرو۔[۹]

وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جو اس روز ان کی طرف اپنی پیٹھ پھیرے گا بجز اس صورت کے کہ وہ جنگ کی حکمتِ عملی ہو یا اپنی جماعت کی طرف پلٹ کر آنے والا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

۱۷۔ پس (اے غازیانِ بدر!) تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا، [۱۰] اور (اے نبی مکرم!)

ستر اہم آدمی قتل ہو گئے، ستر قیدی بنا لئے گئے، باقی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ انہیں اپنے مظالم کی یہ سزا تو اس دنیا میں ملی اور آخرت میں انہیں آگ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جو اس دنیا کی سزا سے بہت زیادہ سخت عذاب ہوگا۔

[۹] ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کفار کے لشکر جرار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور انہیں پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو، اور جو بزدلی دکھاتے ہوئے بھاگے گا وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ہاں دو صورتیں ہیں جن میں وہ دشمن کی طرف پیٹھ پھیر سکتا ہے: ایک تو یہ ہے کہ وہ کسی جنگی چال کے سبب وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف سے دشمن پر اچانک حملہ کرنا چاہتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ لڑتے لڑتے تنہا دشمن کے لشکر میں اتنا آگے چلا گیا جہاں اسے گھر جانے کا خطرہ ہے اور اس لئے واپس لوٹتا ہے کہ اپنی فوج کے ساتھ رہتے ہوئے دشمن پر حملہ جاری رکھ سکے، تو اس قسم کی کوئی بھی حکمتِ عملی جس کا مقصد میدانِ جنگ سے بھاگنا نہیں بلکہ بہتر انداز میں دشمن پر حملہ کرنا ہو تو ایسا کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

میدانِ جنگ میں فوجیوں کو ثابت قدم رکھنے کے لئے ان آیات میں جو ہدایات چودہ سو سال پہلے دی گئی تھیں آج پوری دنیا ان پر عمل پیرا ہے یعنی دنیا کے ہر ملک کا سربراہ میدانِ جنگ میں اپنے فوجیوں کو یہی حکم دیتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ جو فوجی بلا وجہ میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے ہر ملک اس کو مجرم قرار دے کر اس کے خلاف قانونی کارروائی کرتا ہے۔

[۱۰] جنگ بدر کی فتح کے بعد صحابہ کرامؓ آپس میں فخر کرنے لگے۔ ایک نے کہا: میں نے فلاں کو قتل کیا دوسرے نے کہا: میں نے فلاں کو قتل کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) یعنی تم کفار کو قتل کرنے پر فخر نہ کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہ کرتا، بارش اور

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

جس وقت آپ نے (مٹھی بھر خاک) پھینکی وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی تا کہ وہ ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان فرمائے، [۱۱] بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر و فریب کو کمزور کرنے والا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا

۱۹۔ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے، [۱۲] اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر

فرشتوں کے ذریعہ تمہارے حوصلے بلند نہ کرتا تو تم اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر فتح حاصل نہ کر سکتے، لہٰذا اس فتح کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اچھے اور نیک کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کوئی اچھا یا نیک کام کرے تو اس پر فخر نہ کرے بلکہ شکر ادا کرے۔

[۱۱] جنگِ بدر میں جب مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی کافروں کے چہروں پر ماری اور فرمایا: کفار کے چہرے سیاہ ہو جائیں تو وہ مٹی سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بڑھ کر ان کو قتل کرنے لگے اور قید کرنے لگے اور ان کی شکست کا سبب مٹی کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے پھینکی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن جریر طبری) اور مشرکین میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی آنکھ، ناک اور منہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی پھینکی ہوئی مٹی نہ پہنچی ہو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ (تفسیر صاوی) ایک ہزار کفار کا لشکر ایک وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا تھا، بعض سوار تھے اور بعض پیدل، کوئی جنگ میں تھا تو کوئی جانوروں اور خیموں کی حفاظت پر مقرر تھا، کسی کا رخ حضورِ اکرم ﷺ کی طرف تھا تو کسی کی پشت۔ اس کے باوجود صرف مٹھی بھر مٹی کا ہر مشرک کی آنکھ، ناک اور منہ میں پہنچ جانا ایک عظیم معجزہ تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی! پھینکنے والا ہاتھ اگرچہ تمہارا تھا مگر اس میں میری قوت اور قدرت جلوہ گر تھی جس نے کفار کے حواس باختہ کر دیئے اور وہ گھبرا کر بھاگنا شروع ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی دعاؤں کو قبول کیا اور ان پر عظیم احسان فرمایا۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ اہلِ ایمان پر خوب احسان کیا جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ کفار کے مکر و فریب کو ناکارہ کر دیا جائے۔

[۱۲] کفار جب مکہ سے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا مانگی: اے اللہ! ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ مہمان نواز

نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٩

تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر یہی سزا دیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کسی کام نہ آ سکے گی چاہے اس کی تعداد زیادہ ہو اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝٢٠

۲۰۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سن رہے ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٢١

۲۱۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا: ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ [۱۳]

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٢٢

۲۲۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب جانداروں سے بدترین وہ بہرے اور گونگے (انسان) ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ [۱۴]

ہے، جو زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے اور جو قیدیوں کو زیادہ آزاد کرنے والا ہے اس کی مدد فرما۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہے تو اس کو فتح دے اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں فتح عطا فرما۔ (تفسیر کشاف) اس آیت میں کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری دعا اور درخواست کے مطابق فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں اور انہیں فتح مل چکی ہے، اب اگر تم شرک و کفر سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہیں پھر ناکام کر دیں گے اور جس طرح بدر میں تمہاری افرادی کثرت تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکی اسی طرح آئندہ بھی تمہاری افرادی کثرت تمہارے کام نہ آ سکے گی۔

ان حالات میں جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف چند سو کے قریب تھی سارے عرب کو چیلنج کرنا کہ ہمارے مقابلہ میں تمہاری کثرت تمہارے کام نہ آ سکے گی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا نبی ہونے کی ایک عظیم دلیل تھی اور تاریخ نے ثابت کیا کہ آئندہ چند سالوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عرب پر غالب کر دیا۔

[۱۳] اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ کفار و منافقین کے طرز عمل سے دور ہیں کیونکہ وہ کلام الٰہی سنتے تو ہیں مگر غور نہیں کرتے اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ نیز وہ قرآن کو محض اس لئے سنتے ہیں تا کہ اس میں نقص تلاش کریں۔

[۱۴] اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کے ذریعہ دیگر مخلوقات پر فضیلت دی اور اسے اشرف المخلوقات بنایا۔ اب جو انسان جان بوجھ کر اس عقل سے کام نہ لے اور بہرہ گونگا بنا رہے تو ظاہر ہے وہ دیگر مخلوقات سے بدتر ہوگا۔ اس سلسلہ میں سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۷۹ کا حاشیہ نمبر ۹۸ بھی ملاحظہ کریں۔

وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ ؕ وَلَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا، اور اگر وہ ان کو سنا بھی دیتا تو پھر بھی وہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔ [۱۵]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ ۚ وَ

۲۴۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاؤ [۱۶] جب رسول اللہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے،

[۱۵] مشرکین مکہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کلام الٰہی کو غور سے نہیں سنتے۔ نیز انہوں نے مسلسل سرکشی کی وجہ سے غور وفکر اور حق بینی کی صلاحیتوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب نہیں ہے اور ان کی انسانی امتیازی صلاحیتیں بھی ناکارہ ہو چکی ہیں اس لئے ان سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے۔ وہ بدستور حق سے انحراف ہی کریں گے۔

[۱۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک خصوصی اطاعت اور تعظیم کا حکم دیا ہے، کیونکہ وہی خوش نصیب حضور اکرم ﷺ کی صحبت اور سنگت میں موجود ہوتے ہیں، یعنی جب بھی رسول اللہ ﷺ تمہیں بلائیں تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ اور ان کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔

ابوسعید بن معلیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور مجھے بلایا۔ میں نے نماز پڑھی اور آپ کے پاس حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں میرے پاس حاضر ہونے سے روکا؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو! جس وقت تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ (ابو داؤد: ۱۴۵۸: کتاب الصلوۃ: باب ۳۵۱)

فقہائے کرام نے اس آیت اور حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور نبی کریم ﷺ اس کو بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ نماز چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ (تفسیر روح المعانی) ویسے بھی نبی کریم ﷺ کو سلام کرنا نماز کا حصہ ہے جیسا کہ ہر نمازی اپنی نماز کے دوران نبی کریم کو مخاطب کر کے "اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہتا ہے۔

(خصائص کبریٰ: جلد دوم: ص ۲۳۵)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو قے آئے، نکسیر پھوٹے یا مذی نکلے تو وہ چلا جائے، وضو کرے، پھر اپنی پہلی نماز پر بنا کرے بشرطیکہ اس نے اس دوران کسی سے کلام نہ کیا ہو۔ (ابن ماجہ: ابواب اقامۃ الصلاۃ: باب ۱۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوران نماز کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ وضو کر کے اپنی پہلی نماز کو جاری رکھ سکتا ہے نئے سرے سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ اس نے کسی سے بات نہ کی ہو، مگر حضور اکرم ﷺ اگر کسی کو بلائیں، وہ نماز

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

[۱۷] اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے (ارادوں کے) درمیان حائل ہو جاتا ہے [۱۸] اور بے شک تم اسی کی طرف اُٹھائے جاؤ گے۔

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور تم اس فتنے سے ڈرتے رہو جو صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں، [۱۹] اور خوب جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

چھوڑ کر حضورِ اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے گفتگو کرے تو بھی اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کو سلام کرنا پہلے ہی نماز کا حصہ ہے۔

[۱۷] رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور تعظیم میں حکمت یہ ہے کہ ان کی اطاعت تمہارے دل، روح اور ایمان کو زندگی اور تازگی عطا فرماتی ہے۔ علامہ ثناء اللہ عثمانی لکھتے ہیں: ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دل کو زندہ کرتی ہے اور ان کی نافرمانی دل کو مردہ بنا دیتی ہے۔ (تفسیر مظہری) نیز رسول اللہ ﷺ کی اطاعت غیر مشروط ہے یعنی ان کے ہر حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھا جائے کیونکہ ''وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ وہ (ان کی ہر بات) تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔'' (قرآن: ۵۳: ۴-۳)

[۱۸] جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی اطاعت نہیں کرتے انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ ہماری شہ رگ اور ہمارے دلوں سے بھی ہمارے زیادہ قریب ہے، وہ ہمارے دلوں کے ارادے بھی جانتا ہے اور ان کو بدلنے کی طاقت بھی رکھتا ہے، اس کا حکم اگر انسان اور اس کے دل کے ارادوں کے درمیان حائل ہو جائے تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا، لہٰذا ہم سب کو اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنانے کی فکر کرنی چاہیے بالآخر سب کو ایک دن اسی کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے۔

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے اُمُّ المؤمنین! جب رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس ہوتے تو وہ زیادہ تر کس چیز کی دعا مانگتے۔ اُمُّ المؤمنین اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اکثر دعا کرتے تھے: ''یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ'' (اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بہت زیادہ یہ دعا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اُمِّ سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے وہ جس دل کو چاہتا ہے سیدھا رکھتا ہے اور جس دل کو چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے، پھر حدیث کے راوی نے سورہ آلِ عمران (۳) کی آیت نمبر ۸ تلاوت کی یعنی اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔۔۔۔ (ترمذی: کتاب الدعوات: باب ۹۰) ہمیں بھی یہ دعا کثرت سے مانگنی چاہیے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عملی اقدامات کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔

[۱۹] وہ کون سا ایسا فتنہ اور عذاب ہے جو ظالموں کے ساتھ بے گناہ اور پُر امن لوگوں کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے؟ دراصل جو لوگ طاقت کے ہوتے ہوئے ظالم کو ظلم کرنے سے نہ روکیں اور ظلم کو پروان چڑھنے کا موقع فراہم کریں تو در پردہ وہ ظلم کی پشت پناہی کر رہے ہیں

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور یاد کرو جب تم (مکہ کی) زمین میں تھوڑے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے، تم ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں، [۲۰] پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت بخشی اور پاکیزہ چیزوں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

۲۷۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور

اس لئے وہ بھی صاف بے گناہ نہیں ہیں بلکہ اپنے حصہ کے مطابق عذاب کے مستحق ہیں، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ خاص گناہ گاروں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ ہاں جب وہ اپنے درمیان بُرائی کو دیکھیں اور وہ اس کے خلاف احتجاج کر سکتے ہوں مگر نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ خاص مجرموں کے ساتھ عام لوگوں کو بھی مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ (احمد: جلد ۴: ص ۱۹۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس کی حدود کو توڑنے والے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے کشتی میں بیٹھنے کے لئے قرعہ اندازی کی تو ان میں سے بعض کو اوپر والی منزل میں اور بعض کو نیچے والی منزل میں جگہ ملی تو جو لوگ کشتی کی نچلی منزل میں تھے وہ جب پانی پینا چاہتے تو ان کو بالائی منزل والے لوگوں میں سے گزرنا پڑتا۔ انہوں نے کہا: اگر ہم اپنی نچلی منزل میں ہی کشتی میں سوراخ کر لیں تو (آسانی سے پانی بھی آجائے گا اور) ہم اوپر والوں کو اپنے گزرنے کی تکلیف بھی نہیں دیں گے۔ اب اگر اوپر والوں نے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیا تو (پوری کشتی پانی سے بھر جائے گی اور) سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے اور اگر اوپر والوں نے ان کے ہاتھوں کو سوراخ کرنے سے روک لیا تو بالائی منزل اور زیریں منزل والے سب لوگ نجات پا جائیں گے۔

(بخاری: ۲۴۹۳: کتاب الشرکۃ: باب ۶)

ظالم اور دہشت گرد لوگ ہر دور میں ہوتے ہیں لیکن ہر قوم کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ ان پر پردہ نہ ڈالے بلکہ ان کی نشاندہی کرے، وہ مجرموں کو تحفظ فراہم نہ کرے بلکہ قانون کے حوالے کرے اور ان کی حوصلہ شکنی کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کرے۔ اس طرح پورا معاشرہ ظلم سے پاک ہو جائے گا اور جب کوئی قوم مجرموں سے چشم پوشی کرتی ہے تو پھر رفتہ رفتہ پوری قوم جرائم کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور ہر ایک کی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔

[۲۰] ہجرت سے پہلے قلت اور بے بسی کی جو حالت تھی وہ مسلمانوں کو یاد دلائی جا رہی ہے یعنی مکہ میں تمہاری تعداد بالکل تھوڑی تھی اور اپنی بے بسی کے باعث تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ اہل مکہ تمہیں کسی وقت بھی ختم کر سکتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا، تمہیں مدینہ میں پناہ دی، جنگ بدر میں فتح اور مال غنیمت عطا فرمایا، لہٰذا ان احسانات کو یاد کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔

وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔ [۲۱]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔[۲۲]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے اندر حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت پیدا کر دے گا[۲۳] اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

[۲۱] اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرائض ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور سنت سے سرتابی کر کے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اور آپس میں ایک دوسرے کی امانت کا پاس رکھو چاہے وہ امانت مال و دولت کی صورت میں ہو، عہد و پیمان یا منصب و اختیار کی صورت میں۔ الغرض حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہر حق ہمارے پاس امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیانت سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں، جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نماز پڑھے لیکن جو امانت دار نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (کنز العمال: جلد ۴: حدیث نمبر ۸۴۳۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی شخص کی نماز اور اس کے روزوں کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ وہ اپنی بات میں کس قدر سچا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ کس قدر امانت دار ہے اور جب اس پر دنیا پیش کی جائے تو وہ کس قدر متقی ہے۔
(کنز العمال: جلد ۴: حدیث نمبر ۸۴۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب لوگوں کے اوپر ایک ایسا دھوکے کا زمانہ آئے گا جس میں جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۲۹۱)

[۲۲] گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خیانت سے منع فرمایا اور اس آیت میں دو ایسے امور کی نشاندہی کر دی ہے جو ان حقوق کی خیانت کا سبب بنتے ہیں یعنی مال اور اولاد یہ دونوں تمہارے لئے آزمائش ہیں، کیونکہ ان سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور اسلام اس کی ترغیب بھی دیتا ہے لیکن اگر مال و اولاد کی محبت حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں رکاوٹ بنیں تو پھر عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان محبتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کامل نیکی ہرگز نہ پاسکو گے حتیٰ کہ راہ خدا میں ان چیزوں سے خرچ کرو جن سے تم محبت کرتے ہو۔ (قرآن: ۳: ۹۲)

[۲۳] مسلسل تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے اندر ایسی بصیرت پیدا فرماتا ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کرنا آسان ہو جاتا

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝٣٠

۳۰۔ اور یاد کرو جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں، [۲۴] وہ اپنی سازشیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

ہے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس بصیرت کو کشف کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری) اسی بصیرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

(ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ الحجر)

[۲۴] مشرکین مکہ کی تیرہ سالہ انتہائی سخت مخالفت کے باوجود اسلام کی روشنی جب مدینہ تک پہنچ گئی اور اکثر مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو اہل مکہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر حضرت محمد ﷺ بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد وہ مکہ پر حملہ کر کے ہمارا کچومر نکال دے۔ اس سے پیشتر کہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں انہیں کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانا چاہیے، چنانچہ مکہ کے سرداروں کا ٹاؤن ہال (دارالندوہ) میں ایک خفیہ اجلاس ہوا جو مختلف تاریخ اور تفسیر کی کتب میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے:

جب قریش کے سردار ٹاؤن ہال میں داخل ہونے لگے تو شیطان ایک بڑے بزرگ کی صورت میں آیا۔ قریش کے سرداروں نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم یہاں ایک اہم مسئلہ کے لئے جمع ہو رہے ہو میں نے چاہا کہ میرا مشورہ بھی اس میں شامل ہو جائے۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے تم بھی آ جاؤ۔ شیخ نجدی نے کہا: اس شخص (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر و ورنہ یہ تم پر غالب آ جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا: اس کو رسیوں سے باندھ کر کسی مکان میں بند کر دو حتی کہ یہ بھوکا پیاسا ہلاک ہو جائے۔ شیخ نجدی نے کہا یہ رائے درست نہیں ہے جب اس کے ساتھیوں کو علم ہو گا تو وہ اس کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے۔ دوسرے آدمی نے کہا: اس کو مکہ سے نکال دو تا کہ تم سب کو اس سے نجات مل جائے۔ شیخ نجدی نے کہا: یہ رائے بھی درست نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس کے دلکش کلام اور شیریں بیان کا علم نہیں، یہ جہاں بھی جائے گا اہل عرب اس کے گرویدہ ہو جائیں گے اور تم پر حملہ کر کے تمہیں مکہ سے نکال دیں گے، پھر ابو جہل نے کہا: ہم ہر قبیلہ سے ایک نوجوان لیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تیز تلوار دیں اور سب مل کر یکبارگی ان پر حملہ کر دیں اور جب سب مل کر ان کو قتل کر دیں گے تو ان کا خون ہر قبیلہ کے ذمہ ہو گا تو بنی ہاشم تمام قبائل سے جنگ کرنے کی بجائے دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم کو ان کی ایذا رسانی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔ اس پر شیخ نجدی نے کہا: بخدا! یہی رائے صحیح ہے، اس کے علاوہ اور کوئی رائے صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ سب سرداروں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم)

ہجرت کی رات قریشی قبائل کے منتخب نوجوان تلواریں لے کر حضورِ اکرم ﷺ کے گھر کے باہر جمع ہو گئے۔ جبریل امین نے حضورِ اکرم ﷺ کو کفار کی سازش کی خبر دی اور عرض کیا: آج رات آپ اپنے بستر پر آرام نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی آیتیں کہہ لیں، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ [۲۵]

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور (یاد کرو) جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں، [۲۶] اور نہ اللہ تعالیٰ اس

ہجرت کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آج رات مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے تم میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر سو جاؤ تمہارے پاس ان کی طرف سے کوئی ایسی چیز نہ آ سکے گی جو تمہیں ناپسند ہو۔

(سبل الھدیٰ والرشاد: جلد ۳: ص ۳۲۶)

حضور اکرم ﷺ نے اہل مکہ کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں، باہر تشریف لائے، مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور سورہ یٰسین کی درج ذیل آیت پڑھ کر مٹی اپنے دشمن نوجوانوں پر پھینک دی: ''ہم نے بنا دی ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار، ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔'' (قرآن: ۳۶:۹)

چنانچہ وہ سارے نوجوان نیند سے اونگھنے لگے اور حضور اکرم ﷺ ان کے درمیان سے گزر کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو ساتھ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ (ضیاء النبی: جلد ۳: ص ۵۸) غار ثور کے احوال کے متعلق سورہ توبہ (۹) آیت نمبر ۴۰ کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

[۲۵] علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی، وہ تجارت کی غرض سے حیرۃ گیا، وہاں سے کلیلۃ و دمنۃ، کسریٰ اور قیصر کی کہانیوں کی کتابیں خرید لایا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے گذشتہ قوموں کے احوال اور ان کے عذاب کی خبریں بیان فرمائیں تو نضر نے کہا: اگر میں چاہوں تو میں بھی اس طرح کی خبریں سنا سکتا ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا یہ خیال تھا کہ وہ قرآن کی مثل بنا سکتے ہیں جیسا کہ ابتدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا یہ خیال تھا (کہ وہ تورات کی مثل بنا سکتے ہیں) لیکن جب انہوں نے اس کی مثل بنانے کی کوشش کی تو وہ عاجز آ گئے۔ (تفسیر قرطبی) لیکن بار بار کے اصرار کے باوجود وہ قرآن جیسی ایک سورت تو کیا ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے۔

[۲۶] مشرکین مکہ کو جب کہا گیا کہ قرآن مجید پہلے لوگوں کی کہانیاں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو انہوں نے مذاق کرتے ہوئے طعنہ دیا کہ ہم

وقت انہیں عذاب دینے والا ہے جبکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴

۳۴۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں کیوں عذاب نہ دے حالانکہ وہ (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں [۲۷] اور وہ (مسجد حرام) کے متولی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف متقی لوگ ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس قرآن کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن حق ہے تو اللہ تعالیٰ قوم لوط کی طرح پتھر برسا کر ہمیں فنا کیوں نہیں کر دیتا؟ (صفوۃ التفاسیر) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی کفار کے کرتوت تو واقعی اس لائق ہیں کہ ان پر سخت عذاب نازل کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم پر استیصال یعنی مکمل تباہ کرنے والا اجتماعی عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو ان کے نبی کو پہلے اس علاقہ سے نکال کر دوسرے علاقہ میں پہنچا دیتا ہے کیونکہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے نبی تھے جیسے حضرت لوط علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کو پہلے ان کی بستیوں اور قوموں سے علیحدہ کیا اور پھر ان قوموں پر عذاب نازل کیا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رحمت کا دائرہ قیامت تک آنے والے ہر زمانہ، ہر علاقہ اور ہر قوم کو شامل ہے اور آپ جہاں بھی ہوں اپنے دائرۂ رسالت سے باہر نہیں ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت کے ہوتے ہوئے دنیا میں کسی قوم پر اجتماعی عذاب نہیں آئے گا۔ نیز جہاں استغفار کرنے والے متقی لوگ ہوں وہاں بھی اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں فرماتا، البتہ جہاں ایسے اہل ایمان ہوں جو ظلم کے ساتھ راضی ہوں یا طاقت ہوتے ہوئے ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائیں تو پھر ظالموں کے ساتھ ان پر بھی عذاب آ جاتا ہے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں استغفار کرنے والے متقی لوگ قیامت تک باقی رہیں گے اس لئے ان کی برکت سے اب پہلی امتوں کی طرح اجتماعی عذاب کہیں نہیں آئے گا۔ جزوی اور علاقائی عذاب کا آنا اس خصوصی حکم کے منافی نہیں ہے جیسے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو جزوی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اگر کفار مکہ کے مطالبہ پر اس وقت عذاب نازل ہوتا اور اہل مکہ کو تباہ کر دیا جاتا تو ان میں سے جو کفار یعنی ابوسفیان، صفوان اور عکرمہ وغیرہ بعد میں مسلمان ہو گئے وہ مسلمان کیسے ہوتے؟ اور کفار کی پشتوں سے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلیں جو اسلام قبول کر کے استغفار کرنے والی تھیں ان کو پیدا ہونے کا موقع کہاں سے ملتا؟ (تفسیر روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کفار کے لئے دو امانیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا نبی اور دوسرا استغفار کرنے والے اہل ایمان۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو وصال فرما گئے مگر استغفار کرنے والے تو قیامت تک باقی رہیں گے۔ (تفسیر کبیر) اس سے معلوم ہوا کہ جہاں انبیائے کرام علیہم السلام یا استغفار کرنے والے متقی اہل ایمان ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوموں کو مکمل تباہ کرنے والا اجتماعی عذاب نہیں آتا۔

[۲۷] مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جائے، لہٰذا مسجد کے متولی صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز بجز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے نہ تھی،[۲۸] پس اب عذاب چکھو بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ بے شک کافر لوگ اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکیں اور یہ آئندہ بھی خرچ کرتے رہیں گے، پھر یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعثِ حسرت ہو جائے گا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے۔[۲۹]

ڈر ہو مگر مکہ میں گنگا اُلٹی بہہ رہی تھی، جو اللہ تعالیٰ کے منکر تھے مسجد حرام کے متولی بنے ہوئے تھے اور انہوں نے متقی لوگوں پر مسجد میں داخلہ بند کر رکھا تھا حتیٰ کہ حضورِ اکرم ﷺ سن ۶ ہجری میں چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو کفارِ مکہ نے انہیں بھی مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا، لہٰذا ایسے ظالم لوگ واقعی عذاب کے مستحق تھے مگر وہ عذاب جو ساری قوم کا استیصال کر دے وہ تو اب حضورِ اکرم ﷺ اور استغفار کرنے والوں کی برکت سے نہیں آئے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں جزوی عذاب میں مبتلا کر دیا یعنی پہلے جنگِ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار ہلاک کر دیئے گئے اور پھر آٹھ ہجری میں مکہ فتح کر کے اہل مکہ کے بتوں اور ان کے عقائد و نظریات کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔

علامہ سید آلوسی ایک قول نقل کرتے ہیں کہ گذشتہ آیت میں جس عذاب سے نفی کی گئی ہے وہ استیصال کرنے والا عذابِ دنیا ہے اور اس آیت میں جس عذاب کی نشاندہی کی گئی ہے یہ عذابِ آخرت ہے یعنی دنیا میں جن کفار کو سزا نہ ملے وہ بے فکر نہ ہوں آخرت میں انہیں اپنے مظالم کا عذاب ضرور ملے گا۔ (تفسیر روح المعانی)

[۲۸] مشرکین مکہ جس طرح بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے اور اس کو عبادت سمجھتے (تفسیر کبیر) اسی طرح طواف کے دوران منہ سے سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے اور اس کو نماز تصور کرتے حالانکہ یہ نماز نہیں بلکہ بیت اللہ کی توہین ہے، تاہم ان کے کافرانہ عقائد و اعمال کا اصل عذاب تو انہیں آخرت میں ملے گا مگر جنگ بدر میں بھی انہیں اس عذاب کی ایک جھلکی دکھائی گئی جس میں ان کے ستر نامی گرامی سردار ہلاک ہو گئے اور ستر کو قیدی بنا لیا گیا۔

[۲۹] جنگِ بدر میں ایک ہزار کفار کا لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے کھانے پینے کے کل اخراجات مکہ کے بارہ سرداروں نے اپنے ذمہ لئے تھے جن میں حضرت عباس، ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ شامل تھے۔ ہر سردار روزانہ دس اونٹ لشکر کے کھانے کے لئے ذبح کرتا تھا۔ (تفسیر خازن) جنگ بدر میں شکست کھانے والے جب واپس آئے تو انہوں نے ابوسفیان اور قافلہ

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؑ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور سب ناپاکوں کو ایک دوسرے پر رکھ دے، پھر ان سب کا ایک ڈھیر بنا کر انہیں جہنم میں ڈال دے، یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ آپ کافروں سے فرما دیجئے: اگر وہ (کفر یا اسلام دشمنی سے) باز آ جائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ انہیں بخش دیا جائے گا، [۳۰] اور اگر وہ پھر وہی کریں گے تو پہلے لوگوں کی سنت گزر چکی ہے۔

کے دیگر تاجروں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہیں شکست دی ہے اور تمہارے بہترین سرداروں کو قتل کر دیا ہے، اب تم اپنے اس تجارتی مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم آئندہ ان سے جنگ کر کے انتقام لے سکیں، چنانچہ شکست کا بدلہ لینے کے لئے تمام کافر تاجروں نے اپنا سامان جنگی تیاری کے لئے خرچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری) اس مالِ تجارت کے ساتھ کفار نے جنگِ اُحد کی تیاری کی مگر اس میں بھی وہ مطلوبہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی اطلاع فرما دی کہ کفارِ مکہ اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر نہ کریں وہی مغلوب ہوں گے اور پچھتائیں گے کہ مال بھی چلا گیا اور فتح بھی نہ مل سکی، چنانچہ پہلے جنگ بدر میں اور پھر جنگ احد میں ناکامی سے ہمکنار ہوئے۔ یہ حق و باطل کی جنگیں اس لئے ہوئیں تا کہ پاک اور ناپاک لوگوں میں امتیاز ہو جائے۔ جن کی فطرت سلیم ہے وہ اسلام قبول کر کے جنت کے مستحق بن جائیں اور جو ناپاک کفر پر ہی مر جائیں وہ اکٹھے کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔

[۳۰] ان آیات کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو فرمایا: اگر تم اسلام دشمنی سے باز آ جاؤ اور مسلمانوں کو تنگ کرنا چھوڑ دو تو ہم تمہاری گذشتہ زیادتیوں کو معاف کر دیں گے اور کوئی انتقامی کاروائی نہیں کریں گے اور اگر تم اسلام کی مخالفت پر مصر رہے تو جس طرح پہلی کافر قوموں کے ساتھ اہل ایمان جہاد کرتے رہے اسی طرح ہم بھی تمہارے ساتھ برسرِ پیکار رہیں گے حتیٰ کہ تمہارا فتنہ ختم ہو جائے اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ اسلام کے غلبہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر ایک کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو مذہبی آزادی ہو اور کوئی کسی کے مذہب میں مداخلت نہ کر سکے۔

ان آیات کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ گناہ معاف کر دے گا لیکن اگر انہوں نے کفر پر اصرار جاری رکھا تو جیسے بدر میں پہلے انہیں سزا مل چکی ہے (تفسیر ابن جریر طبری) آئندہ بھی ایسی ہی سزا دی جائے گی یہاں تک کہ کفار کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ ہو جائیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اور (اے مسلمانو!) تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے، وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد گار ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم کو حاصل ہو تو بے شک اس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے اور (رسول اللہ ﷺ کے) رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے [۳۱] اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ (جنگ بدر) کے دن نازل کی جس دن دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

[۳۱] دشمن کے ساتھ جنگ کی صورت میں جو مال مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے اس کو اسلامی اصطلاح میں اَنفال یا غنائم یعنی مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ کسی مجاہد کو اس مال میں سے کوئی چیز اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سارا مال اکٹھا کر کے اسلامی لشکر کے سربراہ کے سامنے پیش کیا جائے، پھر وہ ضابطہ کے مطابق اس کو تقسیم کرے۔

مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے، ان میں سے چار حصے ان لوگوں میں تقسیم ہوں گے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو اور بقیہ پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے جو آپ کے بعد مفادِ عامہ پر خرچ کیا جائے گا، دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا ہے کیونکہ ان پر صدقہ لینا حرام ہے۔ رشتہ داروں سے مراد بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ہم (بنو ہاشم) اور بنو مطلب نہ تو جاہلیت میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے اور نہ ہی اسلام میں، یقیناً ہم اور وہ ایک چیز ہیں۔ (پھر اس باہمی قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا۔'' (ابو داؤد: کتاب الخراج: باب ۲۰: حدیث نمبر ۲۹۸۰) نیز قریش مکہ نے جب بنو ہاشم سے سوشل بائیکاٹ کیا اور ان کو شعب ابی طالب میں محدود کر دیا تو بنو مطلب کو قریش نے اگرچہ بائیکاٹ میں داخل نہیں کیا تھا مگر یہ لوگ بنو ہاشم کا

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جب تم (وادیٔ بدر کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ (کفار) دور والے کنارے پر تھے اور (تجارتی) قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا، [۳۲] اور اگر تم لڑائی کے لئے وقت مقرر کرتے تو یقیناً تم وقتِ مقررہ پر پہنچنے میں آگے پیچھے ہو جاتے، [۳۳] لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لئے تھی) تا کہ اللہ تعالیٰ وہ کام پورا کر دے جس کا ہونا مقرر ہو چکا تھا تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل سے زندہ رہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِىْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِى

۴۳۔ یاد کرو جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں لشکر کفار کو تھوڑا دکھایا، [۳۴] اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو

ساتھ دینے کے لئے خود اس بائیکاٹ میں شریک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے بعد تیسرا حصہ یتیموں کے لئے، چوتھا حصہ مسکینوں کے لئے اور پانچواں حصہ مسافروں کے لئے ہے۔ ان احکام کی پابندی ان پر لازم ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی تائید و نصرت پر ایمان رکھتے ہیں جس کی وجہ سے بدر میں اہل ایمان کو فتح نصیب ہوئی۔

[۳۲] یہاں میدانِ جنگ کا نقشہ بیان کیا گیا ہے یعنی میدانِ بدر میں مسلمانوں کا پڑاؤ اس کنارے پر تھا جو مدینہ کے قریب تھا اور کفار کا پڑاؤ میدانِ بدر کے دوسرے کنارے پر تھا جو مدینہ سے دور تھا اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے ساحل سمندر کی طرف سے گزر رہا تھا اور وہ قافلہ بھی لشکر کفار کے قریب تھا۔

[۳۳] اگر تم کفار کے ساتھ جنگ کا وقت مقرر کرتے تو ان کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے تم گھبرا جاتے اور وقت پر میدانِ جنگ میں نہ پہنچتے مگر تم تو نکلے تھے ایک چھوٹے سے تجارتی قافلہ کو روکنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے اچانک جنگ کے اسباب پیدا کر دیئے تا کہ اللہ تعالیٰ نے میدانِ بدر میں اسلام کی جو عظیم الشان فتح مقدر کر رکھی تھی دنیا اس کا مشاہدہ کر لے اور اس کے بعد جو ایمان پر قائم رہے اسے دلیل کے ساتھ یقین ہو کہ وہ واقعی حق پر ہے اور جو کفر پر رہتے ہوئے اپنی ہلاکت کا فیصلہ کرے تو اسے بھی یقین ہو کہ وہ محض تعصب کی وجہ سے حق سے منہ موڑ رہا ہے۔

[۳۴] جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ اور کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی

الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

لشکر کفار زیادہ تعداد میں دکھاتا تو (اے مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار جاتے اور جنگ کے معاملہ میں جھگڑنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچالیا، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

۴۴۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے باہم مقابلہ کے وقت لشکر کفار کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھایا اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا دکھایا تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام پورا کردے جو مقرر ہو چکا تھا، [۳۵] اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

تعداد تھوڑی دکھائی یعنی صرف وہی چند کافر دکھائے جو میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنے والے تھے باقی اکثر بزدل اور بھاگنے والے تھے، ان کو دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ ان کا لشکر میں ہونا نہ ہونے کے برابر تھا یا تھوڑا دکھانے سے مراد کفار کا مغلوب ہونا دکھایا۔ (روح المعانی) اور اگر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہونے والے فرشتوں کو شمار کیا جائے تو کافروں کی تعداد واقعی تھوڑی تھی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو خوشخبری سنائی کہ تمہارے مقابلہ میں لڑنے والے بالکل تھوڑے ہیں باقی سب بھاگنے والے ہیں جیسے ایک شیر اگر سینکڑوں بھیڑوں پر حملہ آور ہو تو ساری بھیڑیں اپنی کمزوری اور بزدلی کے باعث بھاگنے لگتی ہیں، اسی طرح جب شیر دل مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے حملہ آور ہوں گے تو کفار اپنی بزدلی کے باعث بھاگ جائیں گے۔

اس سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے اور اگر اللہ تعالیٰ صرف ان کی ظاہری تعداد کی کثرت دکھاتا تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جاتے اور تھوڑی تعداد کے باعث باہم اختلاف کرنے لگتے، بعض کہتے: جنگ کرنی چاہیے اور بعض کہتے: نہیں کرنی چاہیے مگر اللہ تعالیٰ نے کفار کی بزدلی کا مشاہدہ کرا کے مسلمانوں کو کمزوری دکھانے سے بچالیا۔ نیز جنگ بدر میں کفر پر مرنے والے کفار کی تعداد واقعی تھوڑی تھی کیونکہ بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت نمبر ۴۳ سے آخر سورت یعنی آیت نمبر ۷۵ تک کی تفسیر دربار عالیہ منگانی شریف ضلع جھنگ پاکستان میں ۲۰ تا ۲۳ فروری ۲۰۰۶ء میں لکھی گئی ہے۔

[۳۵] جنگ بدر میں مسلمانوں کو کفار کا لشکر بالکل تھوڑا دکھائی دیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور کفار کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی، اس طرح ان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے اور دونوں لشکر باہم حملہ آور ہو گئے۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی فتح ونصرت کا وعدہ پورا کردے اور کفار کی شکست کا جو فیصلہ مقرر ہو چکا تھا اس کا سب کو مشاہدہ کرادے۔ صرف ۳۱۳ نے ایک ہزار کو شکست دے دی جس سے حق وباطل بالکل واضح ہو گیا اور سب نے مشاہدہ کرلیا کہ حق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اب بھی اگر کوئی جان بوجھ کر حق سے منہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اے ایمان والو! جب تمہارا کسی لشکر سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی [۳۶] اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان اور طاقت) دکھانے کے لئے نکلے تھے اور وہ (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے، [۳۷] اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔

موڑے گا تو میدانِ حشر میں اس کے پاس جہنم سے بچنے کا کوئی عذر نہیں رہے گا۔

[۳۶] اہل ایمان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو اور اگر کبھی جنگ کی نوبت آ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور میدانِ جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو کیونکہ اصل مقصد صرف جنگ میں فتح حاصل کرنا نہیں بلکہ اصل مقصد فلاحِ دارین ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ضروری ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، مشکلات پر صبر کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے اور دشمن کے دل سے تمہارا رعب ختم ہو جائے گا۔

[۳۷] اہل مکہ جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو وہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے اور اہل عرب پر اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کے لئے بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ وہ مسلمانوں سے ضرور لڑیں گے اور بدر میں ہی (فتح کا جشن مناتے ہوئے) شراب اور رقص و سرود کی محفلیں قائم کریں گے، ہماری اس فتح کی خبر سارا عرب سنے گا اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ (تفسیر قرطبی) لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو منصوبے وہ بنا رہے تھے ان کا حقیقی اختیار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ چاہے تو ان کے منصوبے اُلٹے کر دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جامِ شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا اور محفل رقص و سرود کی جگہ ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلوصِ نیت اور عاجزی و انکساری کا درس دیا ہے اور کفار کی طرح تکبر اور ریاکاری سے منع کیا ہے کیونکہ غرور کا سر آخر کار نیچا ہوتا ہے جیسے کفارِ مکہ کو بدر میں شکست کھانا پڑی۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸ ع

۴۸۔ اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال آراستہ کر دیئے اور انہیں کہا: آج ان لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور بے شک میں بھی تمہارا مددگار ہوں، پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا: میں تم سے بیزار ہوں، [۳۸] بے شک میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۴۹

۴۹۔ یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کی) بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ ان مسلمانون کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے، [۳۹] حالانکہ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

---

[۳۸] اہل مکہ جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو شیطان بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی شکل میں ان کے پاس آیا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: تم بڑے نیک اور اچھے کام پر جارہے ہو۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا آج ہی بہترین موقع ہے کیونکہ ابھی ان کی تعداد بہت کم ہے، لہٰذا تم یقیناً غالب رہو گے اور میں بھی تمہاری مدد کے لئے تمہارے ساتھ چلتا ہوں مگر جب میدان بدر میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو شیطان بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میں جن فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آتے اور میں ڈرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ مجھے بھی عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جائے، لہٰذا میں تم سے بیزار ہوں اور واپس جارہا ہوں۔ اس پر کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب یہ کفار واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے اہل مکہ سے کہا کہ سراقہ بن مالک نے انہیں دھوکہ دے کر مروادیا۔ جب سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ قسم اُٹھا کر کہنے لگا: نہ میں ان کے ساتھ گیا اور نہ ہی مجھے ان کے جانے کی اطلاع تھی، مجھے تو اب صرف ان کی شکست کی خبر ملی ہے۔ بعد میں جب یہ کفار مسلمان ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ سراقہ نہیں بلکہ شیطان تھا۔ (تفسیر خازن، بیضاوی، روح المعانی وغیرہ) شیطان ہمیشہ سے لوگوں کو اسی طرح پہلے برائی کی ترغیب دیتا ہے اور جب وہ برائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو پھر ان سے بیزاری کا اعلان کر دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو ہمارے عیبوں کی تعریف کرے یا ہم کو گناہوں کی رغبت دے وہ شیطان ہے چاہے انسانی شکل میں ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کے فریبوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

شیطان صرف جنگ بدر میں شریک ہوا تھا، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی بدر میں فرشتے نازل فرمائے۔

[۳۹] میدانِ بدر میں جب مدینہ کے منافقین اور مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے لشکر کفار کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ کہنے لگے

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾

۵۰۔ اور اگر آپ دیکھیں جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں اور ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں: لواب) آگ کا عذاب چکھو۔[۴۰]

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾

۵۱۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾

۵۲۔ (کفارِ مکہ کا طرزِ عمل بھی) قوم فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔

کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے پاگل بنا دیا ہے۔ بھلا صرف ۳۱۳ نہتے مسلمان ایک ہزار لشکر کفار کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے، یہ تو دین کے نشہ میں موت اور اپنی تباہی کی طرف جا رہے ہیں مگر انہیں کیا خبر کہ یہ دھوکہ نہیں بلکہ توکل ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت پر کامل یقین رکھتے ہیں ان کی نظر صرف ظاہری وسائل پر نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ان کے حوصلے بلند کر دیتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ   مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

[۴۰] اس آیت سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا کا کچھ سلسلہ اس دنیاوی زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کا تعلق فرشتوں اور عالم برزخ سے ہے جو ہمارے ادراک اور مشاہدہ سے بالاتر ہیں اس لئے ہم اس دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہا کرو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔'' (قرآن: ۲: ۱۵۴) مگر انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کو برزخ کی جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ ایک دفعہ مدینہ منورہ کے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا، پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ خشک نہ ہوں گی ان قبر والوں سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ (بخاری: کتاب الوضوء: باب ۵۵) صحابہ کرام ؓ کو برزخ کے اس عذاب کا علم نہیں تھا مگر نبی کریم ﷺ مٹی کے نیچے عالم برزخ کے احوال سے بھی باخبر تھے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ایک نعمت دے کر اس نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں، [۴۱] اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ (کفارِ مکہ کا طرزِ عمل بھی) قوم فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی طرح ہے، انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا، پس ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے قوم فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ ان میں سے وہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں [۴۲] اور وہ ذرا نہیں ڈرتے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ پس آپ اگر ان کو جنگ میں پائیں تو ان کو عبرت ناک شکست دے کر ان کے پچھلوں کو بھی بھگا دیں شاید کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

---

[۴۱] اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو بلا وجہ واپس نہیں لیتا، ہاں اگر وہ قوم خود اس نعمت کی قدر نہ کرے اور عدل وانصاف کی بجائے ظلم وستم کا بازار گرم کر دے تو پھر اس قوم کے اپنے کرتوت اسے تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے موجودہ زوال کے پیچھے یہی قانون قدرت کارفرما ہے۔

[۴۲] حضورِ اکرم ﷺ نے مدینہ میں آ کر یہودی قبائل کے ساتھ امن اور دوستی کے معاہدے کئے مگر بنی قریظہ اور بنی نضیر نے عہد شکنی کی یعنی جنگِ بدر میں ہتھیاروں کے ذریعہ مشرکین مکہ کی مدد کی اور پھر اپنی غلطی پر معافی مانگنے لگے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے معاف کر کے دوبارہ ان سے معاہدہ کیا مگر خندق میں پھر یہود نے معاہدہ توڑ دیا۔ (تفسیر قرطبی) اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب اگر آپ ان کو جنگ میں پائیں تو ان کو ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ دوسرے قبائل اور ان کی آنے والی نسلوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ کسی سے عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکیں۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ؑ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور اگر آپ کسی قوم سے (معاہدہ میں) خیانت کا اندیشہ کریں تو (ان کا معاہدہ) واضح طور پر ان کی طرف پھینک دیں، [۴۳] بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْاؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور کافر ہرگز خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ [۴۴]

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا

۶۰۔ اور ان کے لئے جتنا تم سے ہو سکے قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، [۴۵] اس (دفاعی تیاری) سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمن کو مرعوب رکھو اور ان کھلے دشمنوں کے علاوہ دوسروں کو بھی جن (کی چھپی دشمنی) کو تم نہیں جانتے، البتہ اللہ تعالیٰ ان (کی چھپی

[۴۳] علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب معاہد قوم سے ایسے آثار ظاہر ہوں جن سے ان کی غداری اور خیانت کا پتہ چلتا ہو تو پہلے ان کا معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دو تا کہ تمہاری طرح ان کو بھی علم ہو جائے کہ اب معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ان کے خلاف کاروائی کرو لیکن اگر انہوں نے کھلم کھلا عہد شکنی کر دی تو پھر کسی تکلف کی ضرورت نہیں اور بغیر بتائے مناسب قدم اٹھا سکتے ہو۔ (تفسیر قرطبی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان کر دیا کہ وہ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس لئے کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ عہد شکنی کی ابتدا کرے، ہاں اگر دوسری قوم سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں تو ان کو اعلانیہ بتا دیا جائے کہ تمہارے معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے تا کہ مسلمانوں پر عہد شکنی کی ابتدا کا الزام نہ آئے۔ یہ اسلامی تعلیم کا کمال ہے کہ ایک خائن قوم کے ساتھ بھی خیانت کی اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کہ پہلے اس خائن قوم کو معاہدہ ختم ہونے کی واضح خبر دو اور اس کے بعد اس کے خلاف عملی کاروائی کرو۔

[۴۴] جنگ بدر سے جو کفار بچ کر نکل گئے وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرگرم رہیں گے بلکہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں گے یا پھر آئندہ جنگوں میں انہیں ختم کر دیا جائے گا۔

[۴۵] قوت سے مراد ہر وہ اسلحہ ہے جس سے جنگ میں طاقت اور دشمن پر غلبہ حاصل ہو۔ (احکام القرآن للجصاص) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لاؤ، تمہارا اسلحہ سب سے اعلیٰ اور جدید ہو اور تمہاری فوجیں سب سے زیادہ تربیت یافتہ ہوں تا کہ تمہارے ظاہری دشمن (کفار مکہ) اور پوشیدہ دشمن (یہودو

مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾

دشمنی) کو جانتا ہے، اور جو چیز تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا وَ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں، بے شک وہی سب کچھ سننے سب کچھ جاننے والا ہے۔

منافقین مدینہ) پر تمہارا رعب طاری رہے اور وہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

نیز جان و مال کی صورت میں جو کچھ بھی تم اللہ تعالیٰ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کے باعث تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا:

۱۔ ثواب کی نیت سے تیر بنانے والا۔

۲۔ تیر اندازی کرنے والا۔

۳۔ تیر اندازی میں مدد کرنے والا۔ (ابن ماجۃ: ابواب الجہاد: باب ۱۹)

اُس دور میں سب سے مہلک ہتھیار تیر تھا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے تیر اندازی کی مشقوں میں خود بھی حصہ لیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ترغیب دی۔ (بخاری: کتاب الجہاد: باب ۷۸)

مذکورہ قرآن و حدیث کے حوالہ جات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ملک و ملت کی حفاظت کے لئے اسلحہ بنانا، اس کی تربیت حاصل کرنا اور اس کے جملہ لوازمات میں مالی یا عملی حصہ لینا جنت کا باعث اور فرضِ کفایہ ہے اور زیادہ ضرورت کے وقت یہ فرضِ عین بھی ہو جاتا ہے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم آج تک اپنے وعظوں میں مسلمانوں کو یہ تو بتاتے رہے کہ جس کے پاس طاقت ہو وہ حج کرے کیونکہ کعبہ تین اشخاص کی سفارش کر کے انہیں جنت میں لے جائے گا یعنی جس نے حج کیا، حج کے لئے نکلا مگر کعبہ تک نہ پہنچ سکا، حج کی خواہش تھی مگر وسائل نے ساتھ نہ دیا۔ (نزہۃ المجالس: جلد اول: ص ۱۵۳)

مگر ہم نے اربابِ اقتدار کو یہ بتانے کی زحمت گوارا نہ کی کہ دشمن کو ناکام و مرعوب کرنے کے لئے جدید ترین اسلحہ بنانا بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا حکم ہے اور جدید اسلحہ بنانے کی وجہ سے بھی تین اشخاص جنت کے مستحق ٹھہریں گے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن اسلحہ کی دوڑ میں اتنا آگے نکل گیا کہ ہمارے پاس ان کا جواب دینے کی بھی صلاحیت نہیں ہے۔

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ‌ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں [۴۶] تو بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور اہل ایمان کے ذریعہ طاقت بخشی۔

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اور اسی نے اہل ایمان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی، اگر آپ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان محبت پیدا فرما دی، [۴۷] بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

[۴۶] اگر کفار صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو تمہیں بھی اجازت ہے کہ ان کے ساتھ صلح کر لو اور اگر آپ محسوس کریں کہ وہ وقتی طور پر تمہیں دھوکہ دینے کے لئے صلح کر رہے ہیں تو بھی ان سے صلح کر لو اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی ہے اور آئندہ بھی وہی آپ کا حامی و ناصر ہو گا۔

ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام صلح، امن اور سلامتی کا دین ہے، وہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف اسی وقت دیتا ہے جب انسانیت کے امن و سکون کو خطرہ لاحق ہو اور جنگ کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔ آیت نمبر ۵۸ میں حکم ہوا تھا کہ دشمن سے خیانت کا خطرہ ہو تو معاہدہ توڑ دو یعنی جب قوی قرائن اور ان کے اعمال سے ظاہر ہو کہ وہ عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو ان کا معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دو، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں خیانت کا ارادہ تو ہے مگر ان کے اعمال سے خیانت کے نشانات ظاہر نہیں ہوئے تو ان سے صلح کر لو ہو سکتا ہے کہ عملی خیانت کی جرأت نہ کر سکیں اور اگر عملی خیانت کی جرأت کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان کا معاہدہ بھی توڑ دیا جائے گا۔

[۴۷] عرب قبائل کی آپس میں ناچاقی اور تنگ نظری بڑی مشہور تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی اور پھر صدیوں تک لڑائیوں اور نفرتوں کا سلسلہ جاری رہتا مگر جو خوش نصیب حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں باہم محبت پیدا فرما دی اور یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ساری دنیا کا مال و متاع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں محبت اور اتفاق کو نہ تو دولت سے خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی طاقت کے زور پر پیدا کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ مخلص لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے، لہٰذا آج مسلمانوں کو چاہیے کہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے باہمی محبت اور اتفاق کی دعا مانگا کریں اور آپس میں برداشت اور محبت پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یا اللہ تعالیٰ! تو کریم ہے مسلمانوں پر کرم فرما اور ان کو آپس میں اتحاد اور محبت کی نعمت عطا فرما۔ آمین!

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾

۶۴۔ اے نبی ﷺ! آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اہل ایمان جنہوں نے آپ کی پیروی کی۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

۶۵۔ اے نبی ﷺ! اہل ایمان کو جنگ کی ترغیب دو، اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو (کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

۶۶۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے، [۴۸] اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے، سو اگر تم میں سو آدمی صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار (صبر کرنے والے) ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ

۶۷۔ کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس جنگی قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں (کافروں کا) اچھی

[۴۸] ابتدا میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں اور میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ اب حالات کے پیش نظر اس تعداد میں تخفیف کر دی گئی ہے یعنی اپنے سے دوگنا لشکر کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

کیونکہ کفار صرف ظاہری کامیابی کے لئے لڑتے ہیں اور اپنی زندگی پر حریص ہوتے ہیں اور جب بظاہر فتح کے امکانات نہ ہوں تو وہ بزدلی دکھاتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں مگر مسلمان صرف دنیاوی فتح و نصرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں اور آخرت میں اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں اس لئے وہ ثابت قدمی اور پوری سرگرمی سے لڑتے ہیں۔ نیز کافروں کو صرف ظاہری اسباب پر بھروسہ ہوتا ہے جبکہ مسلمانوں کو ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾

طرح خون بہادے، تم دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔[۴۹]

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

۶۸۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے (مالِ غنیمت کے حلال ہونے کا) حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع

۶۹۔ سو تم اس میں سے کھاؤ جو حلال اور پاکیزہ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۵۰]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾

۷۰۔ اے نبی! جو قیدی آپ کے ہاتھ میں ہیں ان سے فرمایئے: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں بھلائی جان لی تو تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو تم سے (فدیہ کی صورت میں) لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۵۱]

---

[۴۹] جنگِ بدر میں جب کفار شکست کھا کر بھاگنے لگے تو مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے اور کفار کو قیدی بنانے میں سرگرم ہو گئے۔ اس دوران بہت سے کفار جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور سالہا سال تک مسلمانوں کے لئے تکلیف کا باعث بنے رہے۔ اگر اس روز مالِ غنیمت جمع کرنے کی بجائے کفار کا تعاقب کر کے پہلے ان کا قلع قمع کر دیا جاتا تو کفر کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی۔

یہاں ذکر تو نبی کریم ﷺ کا ہے مگر حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب کیا جا رہا ہے کہ انہیں پہلے کفار کا تعاقب کرنا چاہیے تھا اور بعد میں مالِ غنیمت اکٹھا کرنا چاہیے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے چونکہ بدر والے مجاہدین کی مغفرت اور مالِ غنیمت حلال ہونے کا فیصلہ پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا تھا اس لئے انہیں اس کوتاہی پر گرفت نہیں کی گئی۔

[۵۰] یعنی اے مسلمانو! مالِ غنیمت تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے مگر دشمنوں کا تعاقب اور ان کا قلع قمع پہلے کیا کرو اور اس کے بعد مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہوا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن دوبارہ مجتمع ہو کر تم پر اچانک حملہ کر دے اور تمہاری جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل دے۔

[۵۱] جنگِ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر جب آزاد کیا جانے لگا تو ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں کے خلاف نہ لڑنے کا

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝

۷۱۔ اور (اے محبوب!) اگر وہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو وہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانت کر چکے ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض پر (آپ کو) قدرت عطا فرما دی اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وعدہ کیا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا: اگر تم اسلام پر قائم رہے تو جتنا مال تم نے فدیہ میں دیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے زیادہ عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا اور اگر وہ مکہ جا کر عہد شکنی کریں گے تو اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کر چکے ہیں یعنی مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے وعدے کرتے ہیں اور جب مصائب دور ہو جائیں تو پھر بتوں کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں، لہٰذا آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں، جس طرح جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار پر قدرت عطا فرمائی اسی طرح آئندہ بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کفار پر قدرت عطا فرمائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے:

جنگِ بدر میں جس شخص نے حضرت عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کیا وہ ابو الیسر کعب بن عمرو تھا۔ اُن سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے ابو الیسر! تم نے اس کو کیسے گرفتار کیا تھا؟ ابو الیسر نے کہا: اس کو گرفتار کرنے میں ایک ایسے شخص نے میری مدد کی جس کو میں نے نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ بعد میں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری مدد ایک مکرم فرشتے نے کی اور حضرت عباس سے فرمایا: تم اپنا فدیہ بھی دو اور دو بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی دو۔ حضرت عباس نے ان کا فدیہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا: میں اس غزوہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ کو بہتر جانتا ہے اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزا دے گا مگر تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو، سو تم اپنا فدیہ ادا کرو اور رسول اللہ ﷺ ان سے بیس اوقیہ سونا (بہ طور مالِ غنیمت) پہلے وصول کر چکے تھے، حضرت عباس نے کہا: یا رسول اللہ! اس بیس اوقیہ سونا کو میرے فدیہ میں شمار کر لیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں یہ وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں تم سے لے کر دیا ہے۔ (یعنی وہ تو مالِ غنیمت تھا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس اور مال نہیں ہے، آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا، اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا اور تم نے یہ کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں فوت ہو گیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو، اتنا قثم کو اور اتنا عبد اللہ کو دینا۔ تب حضرت عباس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

(مسند احمد: جلد اول: ص ۳۵۳)

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہ خدا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے، جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ذکر کیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ سوال کیا کہ مجھ سے جو بیس اوقیہ لیے گئے ہیں ان کو فدیہ کی رقم میں شمار کر لیا جائے تو رسول

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۷۲

۷۲۔ بے شک جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جولوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو وہ اس وقت تک تمہاری ولایت (سرپرستی) میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں، [۵۲] اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بیس اوقیہ کے بدلے میں بیس غلام عطا کئے جن میں سے ہر ایک میرے مال کی تجارت کرتا ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید بھی رکھتا ہوں۔

(المعجم الکبیر: جلد ۱۱: ص ۱۷۱: حدیث نمبر ۱۱۳۹۸)

[۵۲] اس آیت میں مسلمانوں کی داخلہ اور خارجہ پالیسی پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی جو مسلمان اسلامی ملک میں آباد ہیں ان میں کامل بھائی چارہ ہوگا اور ان پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد اور حفاظت لازم ہوگی لیکن جو مسلمان اپنی خوشی سے کسی کافر حکومت میں رہائش پذیر ہوں اور انہیں وہاں دینی لحاظ سے کوئی تکلیف پہنچے اور وہ مسلمان حکومتوں سے اس غیر مسلم حکومت کے خلاف مدد مانگیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر اس کافر حکومت سے اسلامی حکومت کا کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کرے حتیٰ کہ طاقت کا استعمال کرنا پڑے تو بھی کرے۔

۲۔ اور اگر اس کافر حکومت کے ساتھ دوستی اور امن کا معاہدہ ہو تو پھر معاہدہ کا احترام ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''عہد پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (قرآن: ۱۷ : ۳۴) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی معاہد (جس سے معاہدہ ہو) کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔'' (بخاری: کتاب الجزیہ: باب ۵) ''اور جو اپنے عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔'' (مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۳۵) اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ کے وقت ابوجندل کی مدد نہیں فرمائی: ''حضور اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین شرائط پر صلح کی: مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف مدینہ آئے گا وہ اس کو واپس کر دیں گے اور مسلمانوں کی طرف سے جو مشرکین کے پاس مکہ آئے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور یہ کہ مسلمان آئندہ سال (عمرہ کے لئے مکہ) آئیں گے اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں گے اور اپنے ہتھیار یعنی تلوار اور تیر وغیرہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، [۵۳] اے مسلمانو! اگر تم (احکام الٰہی پر) عمل نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ

۷۴۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور

میان میں رکھ کر آئیں گے۔ اس دوران حضرت ابوجندل ؓ (جو کہ مسلمان ہو چکے تھے) بیڑیوں میں چلتے ہوئے مسلمانوں کی طرف آئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا۔" (بخاری: کتاب الصلح: باب ۷) "جس وقت رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو صلح نامہ لکھ رہے تھے اس وقت سہیل کے بیٹے ابوجندل بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے سامنے آئے۔ ۔۔۔ جب سہیل نے اپنے بیٹے ابوجندل کو دیکھا تو وہ ابوجندل کے پاس گیا اور ان کے منہ پر تھپڑ مارا اور ان کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور کہا: اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آنے سے پہلے معاہدہ ہو چکا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، پھر وہ حضرت ابوجندل ؓ کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹنے لگا تا کہ قریش کی طرف لے جائے اور حضرت ابوجندل ؓ بلند آواز سے فریاد کرنے لگے: اے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا، یہ مجھے میرے دین کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ مسلمانوں کو ان کی فریاد کی وجہ سے اور زیادہ تکلیف ہوئی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوجندل! صبر کرو اور اجر و ثواب کی نیت کرو۔ تمہیں اور تمہارے دوسرے کمزور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نجات دینے والا ہے اور ان کے لئے کشادگی کرنے والا ہے اور میں ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان سے عہد شکنی نہیں کروں گا، پھر حضرت ابوجندل ؓ دل شکستہ ہو کر اپنے باپ کے ساتھ چلے گئے اور معاہدہ پورا ہو گیا۔" (سیرت ابن ھشام: جلد ۳: ص ۲۰۴)

۳۔ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرے شامل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اور میرے والد حسیل دونوں (مکہ سے) نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا: ہم ان کے پاس نہیں جانا چاہتے، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہم سے یہ عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ جائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: تم لوٹ جاؤ، ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۷۸۷: کتاب الجهاد: باب ۳۵)

[۵۳] جو لوگ اسلام کا انکار کر دیں ان کو کافر یعنی غیر مسلم کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم سارے ایک دوسرے کے دوست اور ایک ہی ملت ہیں۔

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

ان کی مدد کی وہی لوگ سچے مؤمن ہیں، ان کے لئے بخشش اور باعزت رزق ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

۷۵۔ اور جو لوگ ان کے بعد ایمان لائے اور ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا تو وہ بھی تم ہی میں سے ہیں، اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، [۵۴] بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

[۵۴] ہجرت کے بعد مدینہ میں حضورِ اکرم ﷺ نے انصار و مہاجرین میں جو بھائی چارہ قائم کیا اس کو اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی کہ انصار نے اپنے مال و اسباب میں سے آدھا آدھا حصہ اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیا اور وفات کی صورت میں میراث میں بھی حصہ دیتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: باہمی اخوت سے ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری اور قابل اجر و ثواب ہے مگر وراثت کے اصل حقدار قریبی رشتہ دار ہی ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین

سورہ انفال کی تفسیر کی ابتدا بروز منگل ۲۴ جنوری ۲۰۰۶ء ایٹن ہال جامعہ الکرم، انگلینڈ میں ہوئی۔

اور اختتام ۲۳ فروری ۲۰۰۶ء بروز جمعرات دربار عالیہ منگانی شریف ضلع جھنگ پاکستان میں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبۃ (۹)

نام : یہ سورت مدنی ہے اور اس کے زیادہ مشہور نام دو ہیں: ایک ''توبہ'' کیونکہ اس میں بعض اہل ایمان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے اور دوسرا ''براءت'' کیونکہ اس کی ابتدا میں مشرکین عرب سے براءت کا اعلان کیا گیا ہے۔

بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ: اس سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی جاتی۔ مفسرین نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں مگر صحیح بات وہی ہے جو امام رازیؒ نے لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت سے پہلے بسم اللہ شریف لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ (تفسیر کبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورت براءت سے پہلے بسم اللہ شریف کیوں نہیں لکھی گئی؟ انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان ہے اور سورت براءت تلوار لے کر نازل ہوئی ہے جس میں امان نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی) یعنی بسم اللہ شریف میں رحمت ہے جو امان کی موجب ہے اور اس سورت میں مشرکین سے قطع تعلقی اور ناراضگی کا اعلان ہے جو امان کی ضد ہے اس لئے اس سورت سے پہلے بسم اللہ شریف کا لکھنا مناسب نہیں تھا جیسے کسی جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام تو لیا جاتا ہے مگر الرحمٰن الرحیم ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ جانور کے لئے رحمت اور امان کا وقت نہیں بلکہ اس کے لئے سختی کا وقت ہوتا ہے۔

سورہ توبہ اور دہشت گردی

ابتدا میں تو صرف اہل مکہ ہی مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن جب مدینہ سے اسلام کی روشنی چار سو پھیلنے لگی تو دیگر کئی قبائل اور ممالک مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں سرگرم ہو گئے۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری آٹھ نو سال جنگوں میں بسر ہوئے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی سورہ توبہ کا نزول بھی ہے جس میں جنگ تبوک اور مشرکین کو قتل کرنے کا بیان ہے، لہٰذا اس دور میں جو احکام نازل ہوئے انہیں اسی جنگی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اگر ان احکام کو کسی اور عینک کے ساتھ دیکھا جائے گا تو یہ قرآن مجید کے ساتھ زیادتی اور دیانت کا خون ہوگا۔

یہاں ایک لطیفہ ملاحظہ کریں جو سورہ نساء کی آیت نمبر ۴۳ سے متعلق ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔'' اب اگر کوئی بے نماز آیت کے پہلے حصہ کو سیاق سے نکال کر یہ کہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ: ''نماز کے قریب نہ جاؤ۔'' تو کیا اس بے نماز کا یہ دعویٰ کسی بھی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، یہ قرآن مجید کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے۔

اس حقیقت کو مزید اجاگر کرنے کے لئے بائبل اور برٹش تاریخ سے دو اقتباسات ملاحظہ کریں :

"Don't imagine that I came to bring peace to the earth! No, rather, a sword. I have come to set a man against his father, and a daughter against her mother, and a daughter-in-law against her mother-in-law."
(Matthew : 10 : 34-35 : The Living Bible, British Edition 1975)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ خیال نہ کرو کہ میں زمین پر امن قائم کرنے آیا ہوں۔نہیں بلکہ تلوار (چلانے آیا ہوں)۔میں اس لئے آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ کے خلاف کردوں، بیٹی کو اس کی ماں کے خلاف کردوں اور بہو کو اس کی ساس کے خلاف کردوں۔

"I have nothing to offer but blood, toil, tears and sweat.You ask, what is our policy? I will say: It is to wage war, by sea, land and air, with all our might. You ask, what is our aim? I can answer in one word: Victory - victory at all costs, victory, however long and hard the road may be." (Winston Churchill speaking in the House of Commons, 13 May 1940. Modern World History, Page 123)

برطانیہ کے وزیر اعظم نیول چیمبرلین نے جب دس مئی ۱۹۴۰ء کو استعفیٰ دے دیا تو متحدہ حکومت کے سربراہ ونسٹن چرچل نے تیرہ مئی ۱۹۴۰ء کو ہاؤس آف کامنز میں کہا: میرے پاس خون، سخت مشقت، آنسو اور پسینہ کی تجویز کے سوا کچھ بھی نہیں جو پیش کر سکوں۔اگر آپ پوچھیں کہ ہماری پالیسی کیا ہے؟ تو میں کہوں گا: ہمیں اپنی پوری طاقت کے ساتھ سمندر، فضا اور زمین میں جنگ کرنا ہے، اور اگر آپ پوچھیں کہ ہمارا مقصد کیا ہے؟ تو میں ایک لفظ میں جواب دے سکتا ہوں: فتح، فتح ہر قیمت پر فتح چاہے راستہ کتنا ہی دشوار اور لمبا کیوں نہ ہو۔

ان دو اقتباسات کو دیکھنے سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ونسٹن چرچل دونوں دہشت گرد اور ظالم ہیں، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ سیاق وسباق کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے افراد کو تنبیہ کر رہے تھے کہ اگر وہ باطل نظریات کو نہیں چھوڑیں گے تو انہیں اپنے ان قریبی رشتہ داروں سے جدا ہونا پڑے گا جو حق کو قبول کریں گے اور ونسٹن چرچل جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر رہے تھے۔اسی طرح سورہ توبہ اور دیگر اس قسم کی آیات کا تعلق حالت جنگ سے ہے اور ان آیات کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

اس سورت میں زیادہ تر جنگ اور اس کے متعلقات کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی تفسیر سے پہلے جہاد اور قتال کے متعلق بھی کچھ بیان کردیا جائے۔

جہاد اور قتال

جہاد کی تعریف

جہاد کا لغوی معنیٰ ہے پوری کوشش کرنا۔(بدائع الصنائع: جلد ۹: ص ۳۷۹) یعنی کسی کام یا مقصد کے حصول کے لئے

دل ودماغ اور علم وہنر کی ساری صلاحیتیں، جان ومال اور زبان وہاتھ کی ساری توانائیاں صرف کر دینا۔

یہ کوشش نیکی کی راہ میں بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا: میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے ہاں میں جواب دیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ ان کی خدمت کرنے میں جہاد کر۔ (بخاری۔ کتاب الأدب: باب ۳) اور یہ کوشش برائی کی راہ میں بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ہاں اگر والدین یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اسے شریک بناؤ جس کا تجھے علم نہیں تو والدین کا کہانہ مانو۔'' (قرآن: ۲۹:۸) یعنی والدین اگرچہ قابل احترام ہیں مگر جب وہ شرک یا برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں تو ان کی بات بھی نہ مانی جائے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اسلامی جہاد کے ساتھ ''فی سبیل اللہ'' (اللہ کی راہ میں) کے الفاظ کا اضافہ کردیا۔ (قرآن: ۲:۲۱۸) تاکہ کسی ذاتی خواہش، دنیاوی لالچ، ہوس ملک گیری، عداوت یا برائی کا جذبہ اس جہاد میں داخل نہ ہوسکے اور صرف وہی جہاد مراد لیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہو۔

جہاد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اپنی ہر امکانی قوت صرف کر دینے کو جہاد کہتے ہیں اور جہاد کی تین قسمیں ہیں: ظاہری دشمن کے خلاف جہاد، شیطان کے خلاف جہاد اور اپنے نفس کے خلاف جہاد۔ (مفردات)

جہاد فی سبیل اللہ

شریعت میں جہاد سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے جان، مال اور زبان وغیرہ کو پوری طاقت اور وسعت سے خرچ کرنا۔ (بدائع الصنائع: جلد ۹: ص ۳۷۹) اصطلاح میں جہاد کے معنیٰ اس محنت اور کوشش کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اسلام کے لئے، نظام ملت کے لئے یا اس کے استحکام کے لئے کی جائے خواہ وہ مال سے ہو، جان سے یا کسی اور طریقے سے ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ استحکام ملت کی ہر کوشش کو جہاد کہا گیا ہے۔ علم کے لئے جدوجہد، اپنے مال کو اسلام کے استحکام پر خرچ کرنے کی کوشش بلکہ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا بھی جہاد میں شامل ہے۔ قتال جہاد میں شامل ہے اور یہ اس کی ایک آخری اور انتہائی صورت ہے۔
(اسلامی انسائیکلوپیڈیا: جلد اول: ص ۴۴۷ اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: پنجاب یونیورسٹی، پاکستان)

الغرض نیکی کی طرف بلانے اور برائی سے روکنے کی مسلسل جدوجہد کا نام جہاد ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جب تمام پرامن کوششیں ناکام ہوجائیں اور مظالم ناقابل برداشت ہوجائیں تو ایسی صورت میں مسلح جہاد فرض ہوجاتا ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں قتال کہا جاتا ہے۔ اسلام میں قتال کی وہی حیثیت ہے جو میڈیکل سائنس میں جراحت کو حاصل ہے یعنی مریض کا اپریشن اس وقت کیا جائے جب ہر دوا آزمالی جائے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ہیں

ایک قسم جہاد اصغر جو ظاہری دشمن یعنی کافروں کے خلاف کیا جائے اور دوسری قسم جہاد اکبر جو اپنے نفس کے خلاف کیا جائے۔

(تفسیر روح البیان: جلد اول: ص ۳۴۷)

۱۔ جہاد اصغر: کافروں کے خلاف باقاعدہ لڑائی کرنے کو جہاد اصغر یعنی قتال کہا جاتا ہے۔ عام حالات میں یہ فرض کفایہ ہے مگر جب دشمن حملہ کردے یا اسلامی حکومت کا سربراہ جہاد کا عام اعلان کردے تو پھر یہ جہاد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال اور جہاد اکبر سے بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے اور ہر مکلف مسلمان پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

۲۔ جہاد اکبر: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سا جہاد افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور خواہش کے خلاف جہاد کرے۔ (کنز العمال: جلد ۴: ص ۶۱۶) ایک غزوہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں سے فرمایا: تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آگئے ہو۔ عرض کیا گیا: وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جہاد کرنا۔ (خطیب بغدادی فی تاریخہ: جلد ۱۳: ص ۵۲۳، کنز العمال: جلد ۴: ص ۶۱۶) چونکہ مال اور جان کے ساتھ جہاد کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے لیکن اپنے نفس کے خلاف جہاد ہمہ وقتی عمل ہے اس لئے اسے جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے افضل اور سب سے بڑا جہاد ہے۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۹، ترمذی: ابواب الفتن: باب ۱۳)

جہاد کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ اور مشرکین سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی جائز نہیں۔ (قرآن: ۲: ۱۹۳) اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(قرآن: ۲: ۱۹۱)

۲۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کئی بے بس مرد، عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو فریاد کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

(قرآن: ۴: ۷۵)

۳۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (قرآن: ۲: ۱۹۰)

۴۔ اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔

(قرآن: ۹: ۱۲)

مذکورہ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد سے مراد وہ جدوجہد ہے جس کے ذریعہ خدا کی اس زمین پر دین حق کا غلبہ ہو، فتنہ وفساد اور ظلم وستم کا خاتمہ ہو، عہد شکنوں کو سزا ملے اور ملک وملت کا دفاع مضبوط ہو۔ اس تفصیل کو صاحب ہدایہ نے مختصر طور پر اس طرح بیان کیا ہے: دین حق کو غالب کرنے اور مخلوق خدا سے شر کو دور کرنے کے لئے جہاد فرض کیا گیا ہے۔ (الھدایہ: کتاب السیر)

جہاد کی ابتدا

قتال کا آغاز ہجرت مدینہ کے بعد ہوا لیکن جہاد کا سفر نزول قرآن کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ اسلام کے مجاہد اول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پہلے اپنے خویش واقارب کو اور پھر تمام لوگوں کو اعلانیہ پیغام الٰہی پہنچانے کا جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں درج ذیل تین مکی آیات ملاحظہ ہوں جن میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان سے جہاد کریں، بڑا جہاد۔ (قرآن: ۲۵:۵۲)

۲۔ اور جو جہاد کرتا ہے وہ اپنے ہی بھلے کے لئے جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (قرآن: ۲۹:۶)

۳۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ (قرآن: ۲۹:۶۹)

یہ تینوں آیات ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئیں، اس لئے ان آیات میں بیان ہونے والے جہاد سے تلوار والا جہاد نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات کی پر امن تبلیغ والا جہاد مراد ہے، جس کے لئے مسلمانوں نے مکہ میں ۱۳ سال تک کفار کے مظالم کو صبر واستقامت سے برداشت کیا اور تلوار نہیں اٹھائی۔ قرآن مجید نے اس پر امن جہاد کو بڑا جہاد قرار دیا ہے اور اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اپنے رب کی طرف بلاؤ دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو'' (قرآن: ۱۶:۱۲۵) یہ آیت بھی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی تلوار اٹھانے کا اشارہ تک نہیں ہے۔

قتال کی ابتدا

کفار مکہ ۱۳ سال تک مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے لیکن مسلمان صبر کے پہاڑ بن کر برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تو وہاں بھی کفار کے مظالم میں کمی نہ آئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قتال (مسلح جہاد) کی اجازت فرمائی تاکہ وہ کفار کے مظالم کا جواب طاقت سے دے سکیں۔ قتال کی اجازت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

اگر کفر واسلام کی پہلی تین جنگوں کے محل وقوع اور مسلمانوں کی تعداد پر غور کیا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کفار

اور ان کے حلیف مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ان پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں نے مدافعت کے لئے تلوار اٹھائی، مثلاً دوسری ہجری میں جنگِ بدر مدینہ سے نوے میل کے فاصلہ پر لڑی گئی جس میں کفار کی تعداد ایک ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی، تیسری ہجری میں جنگ احد مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر لڑی گئی جس میں کافر تین ہزار اور مسلمان صرف سات سو تھے اور پانچویں ہجری میں جنگِ احزاب مدینہ کے دروازے پر لڑی گئی جس میں کفار کی تعداد دس ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ کفار کے ان جارحانہ عزائم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (قرآن: ۲:۱۹۰) یعنی جنگ کی نوبت آجائے تو صرف ان لوگوں پر تلوار اٹھائی جائے جو تمہارے خلاف لڑائی میں شریک ہوں۔ ان کے علاوہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی مقتول کی لاش کا مثلہ نہ کیا جائے، حتیٰ کہ جانوروں، سرسبز کھیتوں اور پھلدار درختوں کو بھی بلا ضرورت نقصان نہ پہنچایا جائے۔ (موطا امام مالک: کتاب الجہاد: باب ۳) یعنی عین جنگ کے عالم میں جہاں جذبات پر قابو نہیں رہتا اور آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے وہاں بھی اسلام مجاہدین کو عدل و انصاف اور قواعد و ضوابط کا پابند بناتا ہے، تاکہ کسی کے ساتھ زیادتی اور بے انصافی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ کیا آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کوئی قوم ایسی موجود ہے جس نے حالت جنگ میں قانون اور عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا ہو؟ آج تو جنگ شروع ہوتے ہی شہروں اور آباد بستیوں کو بموں سے اڑا دیا جاتا ہے۔ پرامن شہریوں، عورتوں، کمسن بچوں اور بوڑھوں کسی سے درگزر نہیں کی جاتی۔ ہسپتالوں، عبادت خانوں اور درسگاہوں تک کو مسمار کر دیا جاتا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جو عین میدان جنگ میں بھی جبکہ جذبات بے قابو ہوتے ہیں کسی بے گناہ پر زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر اس وقت مسلمانوں کو حق کی سربلندی اور اپنے دفاع کے لئے قتال کی اجازت نہ دی جاتی تو آج دنیا میں مسلمانوں کا شاید نام تک نہ ہوتا۔

جہاد اور قتال میں فرق

جہاد اور قتال میں کل اور جز کا رشتہ ہے۔ جہاد کل ہے اور قتال اس کا ایک حصہ اور جز ہے۔ ظلم و فساد کے خاتمے اور ملک و ملت کو استحکام بخشنے کے لئے کی جانے والی ہر کوشش جہاد کہلاتی ہے۔ قتال اس کی آخری اور انتہائی صورت ہے، گویا جہاد کی پہلی سیڑھی پرامن کوشش اور آخری سیڑھی قتال ہے جبکہ قتال اول و آخر قتال ہی ہے۔

قرآن و حدیث میں جہاد کا لفظ قتال کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں یا جہاد صرف قتال ہی ہے کیونکہ کل کا جز کے معنیٰ میں استعمال ہر لغت میں عام ہے، اور اگر جہاد کو صرف قتال کے ساتھ مختص کر دیا جائے تو مکہ میں مسلمانوں کے ابتدائی ۱۳ سال جہاد سے خالی ہو جائیں گے جہاں قتال کی اجازت نہیں تھی حالانکہ وہ ۱۳ سال جہادِ اکبر اور جہادِ اعظم کا اعلیٰ نمونہ تھے جن میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اس جہاد میں کئی مسلمان شہید بھی ہوئے۔

قتال کی ضرورت

اسلام کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے وہ کسی نہ کسی کافر سے قتال شروع کر دے بلکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حق کی سربلندی اور ملک و ملت کی حفاظت کے لئے جہاں اور بہت سی کوششیں کرنی پڑتی ہیں وہاں کبھی قتال کی نوبت بھی آجاتی ہے کیونکہ باطل جب معقولیت کے سارے دروازے بند کر دے تو پھر حق کو تلوار اٹھانا ہی پڑتی ہے۔ یہ ایک ایسی عالمگیر صداقت ہے جس کو دنیا کی ہر قوم تسلیم کرتی ہے۔ ہر قوم اپنے دفاع اور اپنے حق کے حصول کے لئے آخری حربہ کے طور پر قتال کو جائز سمجھتی ہے۔ غیر مسلم صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان قتال چھوڑ دیں کیونکہ جب مسلمان قتال پر آجائے تو پھر شہادت کے شوق میں جس دلیری سے مسلمان قتال کرتا ہے دوسری قومیں نہیں کرسکتیں، اور اگر قتال بذات خود بری چیز ہوتی تو پھر غیر مسلم خود قتال ترک کر دیتے۔

قتال کا اعلان

قتال کا اعلان اسلامی حکمران کے اجتہاد پر منحصر ہے اور رعایا پر اس اعلان کی اطاعت لازم ہے۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: جلد ۶: ص ۴۱۹) قتال فرض کفایہ ہے، اگر بعض مسلمان اس میں شریک ہو جائیں تو باقی سب کی طرف سے بھی یہ فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو جائے تو پھر ہر مکلف مسلمان پر قتال فرض عین ہو جاتا ہے۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: جلد ۶: ص ۴۱۶) ایسے عالم میں ہر مؤمن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک اور مذہب کی حفاظت کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائے اور جو خود لڑنے کے قابل نہیں وہ اپنے مال، جان، ہاتھ اور زبان سے مجاہدین کی مدد کرے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کے خلاف اپنے مال، جان، ہاتھ اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔
(مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۵۳)

جہاد اور قتال کا حکم دائمی ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے۔ (ابو داؤد: کتاب الجہاد: باب ۳۵) لہٰذا آج بھی جہاں جہاد اور قتال کرنے کے اسلامی تقاضے پورے ہوں اس میں شریک ہونا اسی طرح فرض ہے جیسے چودہ سو سال پہلے فرض تھا۔

اسلامی جنگیں جارحانہ تھیں یا مدافعانہ

عہد رسالت میں حالات کے مطابق کچھ جنگیں مدافعانہ تھیں جیسے بدر، احد اور خندق وغیرہ جن میں کفار حملہ آور ہوئے اور کچھ جنگیں جارحانہ تھیں جیسے فتح مکہ کے وقت مسلمان حملہ آور ہوئے کیونکہ مشرکین نے عہد شکنی کی تھی اور تبوک میں بھی مسلمانوں نے لشکر کشی کی کیونکہ رومی لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جارحیت کا ذکر معذرت خواہانہ انداز میں کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ باطل کی سرکوبی کے لئے کبھی جارحیت ضروری ہوتی ہے تاکہ باطل کے ناپاک

عزائم خاک میں مل جائیں اور فتنے سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں۔

اسلام جنگ پر صلح کو ترجیح دیتا ہے

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، وہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف اسی وقت دیتا ہے جب انسانیت کے امن و سکون کو خطرہ لاحق ہو اور جنگ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو اور میدانِ جنگ میں بھی اگر دشمن جنگ کا ارادہ ترک کر دے اور صلح کی درخواست کرے تو اسلام کا حکم یہی ہے کہ مسلمان بھی جنگ بند کر کے صلح کر لیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف لڑنے کا کوئی جواز نہیں رکھا۔ (قرآن: ۴: ۹۰) ایک اور مقام پر فرمایا: اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں بے شک وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (قرآن: ۸: ۶۱) حضور اکرم ﷺ نے قتال سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کرام ؓ لڑنے مرنے کی بیعت کر چکے تھے مگر حضور اکرم ﷺ نے صلح کو ترجیح دی حالانکہ اکثر صحابہ کرام ؓ اس کے حق میں نہ تھے۔ ایک دفعہ جہاد کے سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو اور جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر اور استقامت سے مقابلہ کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔
(بخاری: کتاب الجہاد: باب ۱۵۶)

کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟

بعض لوگ جہاد اور قتال جیسے مقدس فریضہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ دراصل وہ مکہ میں اسلام کے ابتدائی ۱۳ سالوں کی تاریخ سے یا تو ناواقف ہیں یا دانستہ حقائق کو چھپانے کے مجرم ہیں، کیونکہ مکہ میں جو خواتین اور مرد حضرات اسلام قبول کرتے ایک طرف تو کفار ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیتے اور دوسری طرف انہیں اپنے دفاع کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں تھی جس کے نتیجہ میں بالآخر انہیں مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ کیا معترضین یہ بتا سکتے ہیں کہ تلوار تو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہجرت کے بعد آئی مگر وہ سینکڑوں مسلمان جو عین مظلومی کی حالت میں مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے تھے انہوں نے کس کی تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا؟ اس وقت تلوار تو کفار مکہ کے ہاتھ میں تھی۔ ظاہر ہے یہ لوہے کی تلوار نہیں تھی بلکہ حضور اکرم ﷺ کے حسن اخلاق کی تلوار تھی جس کی وجہ سے چند سالوں میں سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اسلام میں جبر نہیں ہے۔ (قرآن: ۲: ۲۵۶) اسلام مذہبی آزادی کا احترام کرتا ہے۔ اگر اسلام میں جبر کی اجازت ہوتی تو قرونِ وسطیٰ کے سپین میں اور مغلیہ دور کے ہندوستان میں کوئی غیر مسلم باقی نہ رہتا، سب کو زبردستی مسلمان کر لیا جاتا

حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ نیز آج اسلام امریکہ اور یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ترقی پذیر ہے، یہاں کے اصل باشندے بھی اسلام قبول کر رہے ہیں، اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تھا تو آج تلوار تو امریکہ اور یورپ کے پاس ہے مسلمان تو یہاں ایک مزدور اور محکوم کی حیثیت سے آئے ہیں تو پھر یہاں کے اصل باشندوں کو اسلام کی طرف کس تلوار نے مائل کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ لوہے کی تلوار نہیں بلکہ اسلام کی فطری تعلیمات کی تلوار ہے جو عقل سلیم کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو کسی قوم یا قبیلے کا دین بدلنے کے لئے ہوئی ہو۔ نیز کوئی قوم صرف طاقت کے ڈر یا دولت کے لالچ میں اپنا مذہب نہیں بدلتی، پھر بھی اگر کسی کو شک ہے تو وہ تلوار اور دولت دکھا کر تجربہ کر لے، کوئی قوم اپنا مذہب نہیں چھوڑے گی۔ آج ۵۶ اسلامی ممالک کے علاوہ دنیا کے ہر ملک میں مسلمان آباد ہیں مگر آج تک کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسے جبر یا لالچ دے کر مسلمان کیا گیا ہے۔

ایاتہا ۱۲۹ ۹ سورۃ التوبۃ مدنیۃ ۱۱۳ رکوعاتہا ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①

۱۔ (اے مسلمانو!) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے براءت کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔[۱]

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②

۲۔ (اے مشرکو!) پس تم چار ماہ اس ملک میں چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

[۱] رجب ۹ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ رومی لشکر کے مقابلہ کے لئے تبوک روانہ ہوئے تو مشرکین کو یقین تھا کہ اب مسلمانوں کا زوال شروع ہو گیا ہے اور رومی لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دے گا مگر ان کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ مسلمانوں نے بیس دن تبوک میں قیام کیا، رومی لشکر کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی اور اسلامی لشکر صحیح و سلامت واپس آ گیا۔ مشرکین کی بار بار کی عہد شکنی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پہلے ان مارہائے آستین سے عرب کو پاک کرو۔ جب بھی کسی بیرونی دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے یہ گھر سے مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق ہر روز کے خطرات سے بچنے کے لئے مشرکین کے معاہدوں کو منسوخ کر دیا گیا اور اسی سال حج کے موقع پر مجمع عام میں اس کا اعلان کر دیا گیا تا کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

اس حج کے امیر تو حضرت ابوبکر ؓ تھے مگر اس اعلانِ براءت کے لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی ؓ کو حکم فرمایا کیونکہ اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ معاہدہ کرنے یا معاہدہ توڑنے کا اعلان یا تو قبیلے کا سردار خود کرتا ہے یا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار۔ اب چونکہ حضور اکرم ﷺ خود تو وہاں موجود نہیں تھے اس لئے آپ نے حضرت علی ؓ کا نام منتخب فرمایا۔ (تفسیر خازن)

یہاں بعض اہل سنت نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق ؓ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و جمال کے مظہر تھے اس لئے انہیں مسلمانوں کے امور کا امیر بنایا گیا اور حضرت علی ؓ اللہ تعالیٰ کے شیر اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ جلال کے مظہر تھے اس لئے انہیں مشرکین سے عہد توڑنے کا امیر بنایا گیا۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت علی ؓ نے اس سورت کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں جن کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ جن مشرکین کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے معاہدے ہیں اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو ان کے معاہدے پورے کئے جائیں گے اور ان کے ساتھ مقررہ مدت تک کوئی لڑائی نہیں ہو گی جیسا کہ آگے چوتھی آیت میں مذکور ہے، لیکن جو مشرک قبائل معاہدوں کی خلاف ورزیاں کرتے رہے ہیں ان کے معاہدے آج منسوخ کر دیئے گئے ہیں مگر ان پر اچانک حملہ نہیں کیا جائے گا۔ انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے، اس دوران یا تو وہ اسلام قبول کر کے اسلامی حکومت کا حصہ بن جائیں اور اسی ملک میں باعزت زندگی گزاریں یا پھر جزیرہ نمائے عرب کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اور وہاں پر امن زندگی بسر کریں وگرنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں تا کہ جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

۳۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کے دن سب لوگوں کے لئے اعلان عام ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بے زار ہے اور اس کا رسول بھی، اب بھی اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور (اے نبی!) کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

۴۔ بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انہوں نے (اس معاہدہ کے پورا کرنے میں) تمہارے ساتھ کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو تم ان سے ان کے معاہدہ کو اس کی مدت معینہ تک پورا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ

۵۔ پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں [۲] تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، [۳] اور ان کو گرفتار کرو اور ان کا

پاک کر دیا جائے۔ (اردو ترجمہ و تفسیر: باہتمام شاہ فہد بن عبدالعزیز: سعودی عرب) اس اعلان کے جواب میں مشرکین نے کہا: اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (رسول اللہ ﷺ) کو ہمارا پیغام پہنچا دو کہ ہم نے بھی معاہدوں کو پس پشت ڈال دیا ہے، اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلواریں اور نیزے فیصلہ کریں گے۔ (تفسیر کبیر)

[۲] حج اور عمرہ کے لئے حرمت والے مشہور چار مہینوں سے مراد ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳۶ میں آ رہا ہے، مگر اس آیت میں حرمت والے مہینوں سے مراد وہ چار ماہ ہیں جو اعلانِ براءت کے بعد مشرکین کو بطور مہلت دیئے گئے تھے۔ یہ چار ماہ ۱۰ ذوالقعدہ سے ۱۰ ربیع الاول تک تھے کیونکہ ۹ ھ میں حج ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور کفار نے نسیء کی وجہ سے اس سال ذوالقعدہ کا نام ذوالحجہ رکھ دیا تھا (روح المعانی) چونکہ ان چار ماہ میں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ مشرکین پر حملہ کریں اس لئے انہیں بھی حرمت والے مہینے کہا گیا ہے۔ (تفسیر بحر محیط و قرطبی) نسیء کی تفصیل آگے آیت نمبر ۳۷ کی تفسیر میں ملاحظہ کریں۔

[۳] قرآن مجید میں مشرکینِ عرب کے خلاف یہ سخت ترین آیت ہے یعنی انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو، اور اسی لئے اس کو تلوار والی آیت کہا جاتا ہے۔ (تفسیر منیر) کچھ لوگ جب اس آیت کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پڑھتے ہیں تو یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام بڑا سخت مذہب

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ تعالی غفور رحیم ہے۔

ہے جو کافروں کے قتلِ عام کا حکم دیتا ہے، حالانکہ ایسی تاویل نصِ قرآن کے خلاف ہے اور اگر ہر کافر کو قتل کر دینے کا مطلق حکم ہوتا تو خلفائے راشدین کے ادوار میں اسلامی حکومتوں میں آباد سب کافروں کو قتل کر دیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا، لہٰذا اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے درج ذیل چند نکات غور طلب ہیں:

١۔ مشرکینِ عرب میں سے اکثر مکہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے تھے۔ انہوں نے ہی مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکالا، ان کی جائیدادیں ضبط کرلیں، مسلمان جہاں بھی گئے ان پر حملے کئے اور فتح مکہ کے بعد بھی جو مشرکین مسلمان نہ ہوئے وہ بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آئے تو وہ معاہدے توڑ دیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ختم کر دیں جیسا کہ آگے آیات نمبر ٧ تا ١٠ میں مذکور ہے۔ (تفسیر منیر) اس وقت عرب میں یہ اسلام کی پہلی حکومت تھی اور اس کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسلام کے ان ازلی دشمنوں اور آستین کے سانپوں یعنی مشرکوں کو عرب سے نکال دیا جائے اور جو نہ نکلیں انہیں قتل کر دیا جائے۔

٢۔ گذشتہ آیات میں مشرکین کو وارننگ دی گئی تھی کہ وہ چار ماہ کے اندر یا اسلام قبول کرلیں اور یا پھر عرب چھوڑ کر باہر کسی اور ملک میں چلے جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا، لہٰذا یہ قتل کا حکم صرف ان مشرکین کے لئے تھا جنھوں نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ عرب کو چھوڑ کر باہر گئے بلکہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے معاہدے توڑنے کا اعلان بھی کر دیا۔ حاشیہ نمبر ایک میں اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

٣۔ اس آیت میں دنیا کے تمام مشرکین کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ حکم صرف مشرکینِ عرب کے لئے تھا دوسرے ممالک کے مشرکین اس حکم میں شامل نہیں تھے۔ (احکام القرآن للجصاص)

٤۔ یہ حکم صرف مشرکینِ عرب کے لئے تھا، اس میں عرب کے اہلِ کتاب اور دیگر کافر شامل نہیں تھے کیونکہ وہ جزیہ کا اقرار کر کے امان حاصل کر سکتے تھے، جیسا کہ اسی سورت میں آگے آیت نمبر ٢٩ میں مذکور ہے۔

٥۔ یہ حکم مستقل اور دائمی نہیں تھا بلکہ وقتی اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک نافذ العمل رہا۔ یہ ساری مدت تقریباً ایک سال بنتی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس ایک سال میں ایک بھی مشرک سرزمین عرب پر قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے اور باقی عرب چھوڑ کر باہر چلے گئے اور جب عرب میں کوئی مشرک باقی ہی نہ رہا تو اس حکم کی ضرورت ہی ختم ہو گئی۔

٦۔ وہ مشرکینِ عرب جن کو قتل کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا اگر ان میں سے کوئی مشرک عرب چھوڑ کر باہر چلا جائے اور چار ماہ کی مہلت بھی ختم ہو جائے اور اس کا مسلمانوں سے کوئی عہد بھی نہ ہو پھر بھی اگر وہ واپس آ کر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع

٦۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو آپ اُسے پناہ دیں [۴] حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے، پھر آپ اُسے اس کی امن کی جگہ پہ پہنچا دیں، یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ لوگ ایک بے علم قوم ہیں۔

کرنا چاہے تو اسے پناہ دی جائے اور اسلامی معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے بلکہ اسے واپس بحفاظت اس کے گھر میں پہنچایا جائے۔ (صفوۃ التفاسیر و تفسیر قرطبی) جیسا کہ آگے آیت نمبر چھ میں مذکور ہے۔

مذکورہ نکات سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف مشرکین عرب کے لئے تھا تا کہ اسلام کے مرکز کو مشرکین سے پاک کر دیا جائے اور آسمانی مذاہب میں یہ کوئی نیا حکم نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے تورات میں اسرائیل کو مشرکوں سے پاک کرنے کا حکم جاری کیا گیا تھا، مثلاً

اگر تمہارے ملک (اسرائیل) کے کسی دیہات میں کوئی مرد یا عورت خدا کے ساتھ تمہارے عہد کی خلاف ورزی کرے یعنی وہ سورج، چاند یا ستاروں کی پرستش کرے جس کو میں نے سختی سے منع کر رکھا ہے، پہلے اس افواہ کی پوری احتیاط سے تحقیق کرو، اگر یہ سچ ثابت ہو جائے تو پھر اس مرد یا عورت کو شہر سے باہر لایا جائے اور پتھر مار مار کر اسے قتل کر دیا جائے۔ بہر حال صرف ایک آدمی کی گواہی پر کسی آدمی کو کبھی قتل نہ کرو۔ کم از کم دو یا تین گواہ ضروری ہیں۔ (دی لیونگ بائبل: استثناء: ۱۷: ۲-۶) اگر مدعا علیہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ جج یا پادری کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دے تو اس کی سزا قتل ہے کیونکہ ایسے گناہگاروں سے اسرائیل کا پاک ہونا ضروری ہے۔ (استثناء: ۱۷: ۱۲)

[۴] وہ مشرکین جن کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے چار ماہ گزرنے کے بعد اگر ان میں سے کوئی مشرک اسلامی حکومت میں آنا چاہے تا کہ کلام الٰہی سن کر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے کیونکہ وہ بے علم قوم ہیں تو آپ اسے پناہ دیں۔ (تفسیر قرطبی) اس کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کریں اور اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اس کو اس کی امن کی جگہ یعنی اس کے ملک بحفاظت پہنچا دو تا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کر دے کیونکہ عرب میں تو اس کے قتل کا اعلان ہو چکا ہے۔

یہ آیت ان مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو ٹی وی پر ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں بندوق لہرا کر غیر مسلم دنیا کو تشدد کا تاثر دیتے ہیں اور یہ آیت ان غیر مسلموں کو بھی دعوت فکر دیتی ہے جو اسلام پر دہشت گردی اور انتہا پسندی کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس مشرک کا ذکر ہے جس کا جرم ثابت ہو چکا ہے اور اس کے قتل کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا کہ اگر وہ کبھی اتفاق سے آپ کے پاس آ جائے اور کلام الٰہی سننے کے لئے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیں اور اسلام کی تبلیغ کریں، پھر بھی اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو اسے قتل نہ کریں بلکہ اسے بحفاظت واپس اپنے گھر پہنچا دیں۔ ذرا غور سے فیصلہ کریں اس سے بڑا پر امن مذہب اور کیا ہوگا؟

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

۷۔ ان (عہد شکن) مشرکین کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیونکر ہو سکتا ہے [۵] سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا، تو جب تک وہ تمہارے معاہدہ پر قائم رہیں تم بھی ان کے لئے قائم رہو، بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

۸۔ ان کے معاہدہ کا لحاظ کیونکر رکھا جائے حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کا، وہ تمہیں صرف اپنے منہ (کی باتوں) سے راضی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۹۔ انہوں نے تھوڑی سی قیمت کے بدلے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو فروخت کر دیا، پھر لوگوں کو اس کے راستہ سے روکا، بے شک بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

۱۰۔ وہ کسی مؤمن کے بارے میں نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی معاہدہ کا، اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

[۵] اس سورت کی پہلی آیت میں مشرکین سے قطع تعلق کا جو اعلان کیا گیا تھا ان چار آیات (۷ تا ۱۰) میں اس کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ (تفسیر منیر) یعنی جب وہ معاہدہ کرتے تو وہ صرف زبانی باتوں سے خوش کرتے تھے۔ ان کے دل میں اس معاہدہ کو پورا کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ مخالفت کارفرما ہوتی تھی اور جب بھی انہیں موقع ملتا وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کسی خونی رشتہ داری یا معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ نیز وہ اپنی خواہشات کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرتے، دنیاوی مال و دولت کے لالچ میں معاہدوں کو توڑ دیتے اور دوسرے لوگوں کو بھی راہ راست سے روکنے میں کوشاں رہتے تھے، لہٰذا ان مشاہدات کے بعد بھی ان پر اعتماد کرنا یا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ جاری رکھنا بہت بڑی خود فریبی اور نافرمانی تھی، البتہ بنی کنانہ اور بنی ضمرہ وغیرہ (تفسیر کبیر) جیسے قبائل جن کے ساتھ مسجد حرام کے پاس معاہدہ ہوا تھا انہوں نے اب تک کوئی عہد شکنی نہیں کی تو جب تک وہ اپنے معاہدہ پر قائم ہیں تم بھی ان کے لئے معاہدہ پر قائم رہو اور عہد شکنی نہ کرو۔

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، [۶] اور ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو، [۷] بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آ جائیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول ﷺ کو (وطن سے) نکال دینے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے ہی پہلی مرتبہ تم سے جنگ کی ابتدا کی تھی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم

[۶] یعنی اگر یہ مشرکین توبہ کرلیں اور نماز روزہ کی پابندی کر کے اپنی توبہ کا عملی ثبوت مہیا کریں تو وہ تمہاری طرح اسلامی برادری کا حصہ ہیں اور ان کے حقوق بھی وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔

[۷] اگر کوئی شخص اسلام لانے کا عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالے یعنی مرتد ہو جائے اور اس پر مستزاد وہ تمہارے دین میں نقص نکالے اور اس کا مذاق اڑائے تو ایسے لوگ کفر کے امام ہیں کیونکہ انہوں نے اسلام کو سمجھنے اور اپنانے کے بعد دوبارہ کفر اختیار کیا جیسے مسیلمہ، اسود اور منکرین زکوۃ وغیرہ، لہٰذا ان سرغنوں سے لڑائی کرو اور ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہ کرو مگر اس لڑائی کا فیصلہ صرف اسلامی حکومت ہی کر سکتی ہے کسی کو انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ مذہب یا مذہب کی مقدس ہستیوں کی توہین کرنے والوں کے متعلق بائبل میں لکھا ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے:

۱۔ جو خداوند کی توہین کرے وہ جان سے مارا جائے گا ساری جماعت اسے سنگسار کرے گی۔ یہ قانون ہر اس شخص کو شامل ہوگا جو خداوند کی توہین کرے خواہ وہ اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی۔ (دی لیونگ بائبل: احبار: ۱۶:۲۴)

۲۔ اگر مدعا علیہ خداوند کے مقرر کردہ قاضی یا مذہبی رہنما کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دے تو اس کی سزا موت ہے اور اسرائیل کو ایسے گناہ گاروں سے پاک ہونا ضروری ہے تا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ جو خدا کے فیصلے کو نہیں مانتا اُسے قتل کر دیا جائے گا، اس طرح آئندہ لوگ قاضی کے فیصلے کے انکار کی جرأت نہیں کریں گے۔ (دی لیونگ بائبل: استثناء: ۱۷:۱۳-۱۲)

ایمان والے ہو۔[۸]

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور اہل ایمان کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائے گا۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور ان کے دلوں کا غصہ دور فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

[۸] صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے ہر قبیلہ اپنی دوستی میں آزاد تھا، چنانچہ بنو کنانہ نے قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ طے کر لیا۔ قریش نے بنو کنانہ کے ساتھ مل کر عہد شکنی کی اور رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے حدودِ حرم میں داخل ہوئے مگر حملہ آوروں نے حدودِ حرم کا بھی پاس نہ کیا اور ان کو بے دریغ قتل کرتے رہے۔ (تفسیر منیر)

بنو خزاعہ کے وفد نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قریش کی عہد شکنی اور ظلم و تعدی کی داستان سنائی تو حضور اکرم ﷺ نے ضمرہ نامی اپنے ایک صحابی کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا تا کہ ان کے سامنے یہ تین تجاویز پیش کرے:

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔

۲۔ بنو بکر سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کر دیں۔

۳۔ یا صلح نامہ حدیبیہ کو اعلانیہ طور پر کالعدم قرار دیں۔

ضمرہ ؓ نے مکہ پہنچ کر قریش کے سامنے یہ تین تجاویز پیش کیں تو قریش نے کہا: پہلی دو تجاویز ہمارے لئے قابل قبول نہیں، البتہ تیسری تجویز ہمیں منظور ہے۔ ہم اعلانیہ صلح حدیبیہ کو ختم کرتے ہیں۔ اس اعلانیہ عہد شکنی سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اہل مکہ پھر کہیں بدر و اُحد کی طرح مدینہ پر حملہ نہ کر دیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے حلیفوں کا بدلہ لینے اور آئندہ کے خطرات سے بچنے کے لئے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی اور اس تیاری کو مخصوص مسلمانوں کے علاوہ عام لوگوں سے مخفی رکھا گیا، مگر قریش کعبہ کے متولی تھے اور اہل عرب کے دلوں میں ان کا ایک روایتی احترام اور رعب و دبدبہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے بعض مسلمان ان پر حملہ کرنے میں کچھ کمزوری اور گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے تو اس وقت ان آیات کا نزول ہوا جن میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے تین جرائم کا ذکر فرمایا: کیا تم ان قریش پر حملہ آور ہونے سے پس و پیش کر رہے ہو جنہوں نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ دیا، نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور پہلی مرتبہ میدانِ بدر میں حملہ کی ابتدا بھی انہوں نے ہی کی۔ (تفسیر منیر) ان تینوں جرائم میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ اس کے بدلہ میں قریش پر حملہ کیا جائے۔ کیا تم ایسے عہد شکن ظالموں سے ڈرتے ہو حالانکہ اہل ایمان کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع

۱۶۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا[۹] اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار نہیں بنایا، اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

۱۷۔ مشرکین کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں،[۱۰] ان کے اعمال ضائع ہوئے اور وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ میں رہنے والے ہیں۔

ڈرنا چاہیے، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان پر حملہ کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، تمہیں مکہ پر فتح عطا فرمائے گا اور تمہارے ہاتھوں اہل مکہ کو ذلیل و رسوا کرے گا، اس طرح وہ کمزور مسلمان جو ابھی تک مکہ میں ان کے مظالم برداشت کر رہے ہیں ان کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچے گی اور مسلمانوں کے حلیف قبائل جن پر ان عہد شکن اہل مکہ نے ظلم کیا ان کا غصہ بھی دور ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور قریش مکہ کو بغیر لڑائی کے سخت ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

[۹] جو لوگ ماضی قریب کے زمانہ میں اسلام لائے اور جہاد میں حصہ لینے سے گھبرا رہے تھے اس آیت میں انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اسلام اس وقت کفر کے ساتھ حالت جنگ میں ہے اور تمہیں جہاد میں شریک ہو کر اپنے اخلاص کا عملی ثبوت فراہم کرنا ہوگا تا کہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سچے دل سے مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے احکام اور اہل ایمان کے مفادات سب سے زیادہ عزیز ہیں، نیز انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ایسے حالات میں دشمنوں (غیر مسلموں) کو راز دار بنانا بہت بڑا جرم ہے، اور آج کی مہذب دنیا بھی ملک و ملت کے راز بیچنے والوں اور دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے والوں کو کسی صورت برداشت نہیں کرتی۔

[۱۰] مسجد اس عبادت خانہ کو کہتے ہیں جس میں ایک خدا یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں یا بتوں کی عبادت کر کے خود اپنے کفر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مساجد کے متولی بنیں۔ اگرچہ یہ حکم عام ہے مگر یہاں اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جو بیت اللہ کے متولی بنے ہوئے تھے، لہٰذا اب وقت آ گیا تھا کہ بیت اللہ سے مشرکین کا قبضہ ختم کر دیا جائے اور مسلمان اس کا انتظام سنبھال لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد وہی کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہوں۔ مشرکین کو اپنے اعمال پر فخر تھا کہ وہ کعبہ اور حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جو لوگ بظاہر اچھے کام کریں حتیٰ کہ وہ بیت اللہ کی خدمت اور اس کا حج ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان نہیں لائیں گے ان کے اعمال اکارت ہوں گے اور ان کے اعمال قیامت کے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط اول ہے۔

مساجد کی تعمیر وترقی، آبادی اور دیکھ بھال کی فضیلت سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے چھوٹی یا بڑی مسجد بنوائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

(ترمذی: ابواب الصلوٰۃ: باب ۲۳۷)

۲۔ ایک عورت مسجد نبوی سے کوڑا کرکٹ اٹھایا کرتی تھی، وہ فوت ہوگئی اور نبی کریم ﷺ کو اس کے دفن کی اطلاع نہ دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی فوت ہو تو مجھے اطلاع دیا کرو (مجھے اس عورت کی قبر پر لے چلو)، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کے لئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا: میں نے اس کو جنت میں دیکھا ہے وہ مسجد سے کوڑا کرکٹ اٹھا رہی ہے۔

(الترغیب والترھیب: تنظیف المساجد: حدیث ۳)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں پابندی سے جاتا ہے تو تم اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مساجد صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔

(تفسیر درمنثور)

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو تو ان میں چرا کرو۔ کہا گیا: یارسول اللہ ﷺ! جنت کے باغات کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مساجد، پوچھا گیا: ان میں چرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھا کرو۔ (ترمذی: کتاب الدعوات: باب ۸۳)

۵۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! میں زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں، پھر میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آباد رکھتے ہیں اور جو میری وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور سحری کے وقت اٹھ کر مجھ سے استغفار کرتے ہیں تو میں ان سے عذاب کو پھیر دیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

۶۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ کہے: (اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ) یا اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور جب مسجد سے نکلے تو کہے: (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ) یا اللہ میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ (نسائی: کتاب المساجد: باب ۳۶)

۷۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے گھر میں وضو کیا، پھر مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔

(تفسیر درمنثور)

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زمین پر مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، وہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔

(تفسیر درمنثور)

۱۰۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد میں قندیل لٹکائی ستر ہزار فرشتے اس کے لئے اس وقت تک دعا اور استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک وہ قندیل روشنی کا کام دیتی رہتی ہے۔

(تفسیر درمنثور)

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا اجر ملتا ہے اور قبیلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا اجر ملتا ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے پچاس

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہوں، نماز کے پابند اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، [۱۱] پس امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے برابر کر دیا جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ (دونوں قسم کے) لوگ برابر نہیں ہیں، [۱۲] اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا اجر ملتا ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا اجر ملتا ہے۔ (ابن ماجة: کتاب الصلوٰة: باب ۱۹۸)

۱۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے فاختہ یا کبوتری کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ (ابن ماجة: ابواب المساجد: باب ۱) کبوتری کا گھونسلا زیادہ سے زیادہ آدھی اینٹ کے برابر ہوتا ہے جس میں ایک پاؤں نہیں آ سکتا تو نمازی دوسرا پاؤں کہاں رکھے گا اور سجدہ کہاں کرے گا؟ مطلب یہ ہے کہ جس نے آدھی اینٹ یا اس سے بھی کم سرمایہ مسجد میں لگایا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں پورا گھر بنائے گا اور جنت کے گھر کی شان یہ ہوگی کہ اس کائنات کے سارے گھروں کا حسن و جمال اگر اکٹھا کر لیا جائے تو جنت کے ایک گھر کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ جنت کی ہر چیز کی خوبی ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہوگی۔

[۱۱] اس آیت سے معلوم ہوا کہ مساجد کے متولی اور منتظم بننے کا حق صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جن میں درج ذیل تین صفات پائی جائیں:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر یعنی جملہ اسلامی عقائد پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔

۲۔ وہ نماز، زکوٰۃ یعنی جملہ اسلامی فرائض کے پابند ہوں۔

۳۔ کردار کے اعتبار سے اتنے مضبوط ہوں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں کسی اور سے خوفزدہ نہ ہوں۔

لہٰذا آج مساجد کی انتظامیہ مقرر کرتے وقت ہمیں ان صفات کا خاص خیال رکھنا چاہیے جو عمل اور کردار کے اعتبار سے مضبوط ہوں اور اگر بے عمل اور کردار کے اعتبار سے کمزور لوگوں کو مساجد کا متولی بنایا گیا تو وہ مساجد کو آباد کرنے کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔

[۱۲] مشرکین مکہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ انہیں مسجد حرام اور حاجیوں کی خدمت کا اعزاز حاصل ہے اس لئے وہ مسلمانوں سے کسی درجے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے، اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۲۱﴾

۲۱۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت، خوشنودی اور ایسی جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اے ایمان والو! اپنے باپ دادا اور اپنے بھائیوں کو بھی دلی دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں،[۱۳] اور تم میں سے جو لوگ ان کو دلی دوست بنائیں گے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

۲۴۔ (اے رسول مکرم!) آپ فرمایئے: اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خطرہ ہے اور وہ مکانات

میں بھی کم نہیں ہیں۔ اس آیت میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے یعنی شرک کی وجہ سے تمہارے یہ کام ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، ان کے لئے بڑے درجات اور جنتوں کی خوش خبری ہے جبکہ تمہارے اعمال شرک کی وجہ سے اکارت ہو گئے۔

[۱۳] جو لوگ کافر ہیں اور اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہیں چاہے وہ تمہارے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ دلی دوستی اور رازداری کے ایسے تعلقات استوار نہ کرو جو کسی وقت مسلمانوں کے لئے نقصان کا سبب بن سکیں، لہٰذا ایسے کافروں کو رازدار دوست بنانا مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہوگی، البتہ پر امن اور معتدل مزاج کافروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا اچھی بات ہے۔

كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۠ ؏

جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے، [۱۴] اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

[۱۴] والدین، اولاد، بھائی، بیوی اور رشتہ داروں سے محبت کرنا انسانی فطرت ہے اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے مال، کاروبار اور مکان کا ہونا از بس ضروری ہے۔ اسی لئے اسلام اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان اپنے خویش و اقارب سے محبت کرے اور رزق حلال کمانے میں پوری کوشش کرے لیکن ان میں سے کوئی چیز اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ یا اس کے راستے میں جہاد سے رکاوٹ بنے تو پھر بندۂ مؤمن پر واجب ہے کہ وہ ان محبتوں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت کو ترجیح دے اور احکام الٰہی کو بجالانے کی پوری کوشش کرے لیکن خدانخواستہ اگر کوئی بدنصیب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت کے مقابلے میں مال و دولت یا خویش و اقارب کو ترجیح دے تو پھر اس نافرمان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیے جو کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل ایمان سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (قرآن: ۲:۱۶۵) حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

أُحِبُّکَ حُبَّیْنِ حُبَّ الْھَوٰی
وَحُبًّا لِاَنَّکَ اَھْلٌ لِذَاکَ

اے میرے رب! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے، دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (تفسیر المنار)

دوسری جگہ آپ عرض کرتی ہیں: اے اللہ تعالیٰ تیری قسم! میں جنت کے لالچ یا دوزخ کے ڈر سے تیری عبادت نہیں کرتی بلکہ اس لئے کرتی ہوں کہ تو ہی عبادت کے لائق ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ (بخاری: کتاب الایمان: باب ۸)

زہرہ بن معبد رضی اللہ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ﴿۲۵﴾

۲۵۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور (جنگ) حنین کے دن بھی جبکہ تمہاری کثرتِ (تعداد) نے تمہیں گھمنڈ میں ڈال دیا تھا حالانکہ اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ [۱۵]

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اور ایمان لانے والوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر اُتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا، اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! (تو اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا) جب تک تو مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اب اے عمر! (تم کامل مؤمن ہو)۔ (بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب ۳)

[۱۵] اعلان براءت کے بعد بعض ذہنوں میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب پورے عرب میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ان خدشات کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں یعنی تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں اس سے پہلے کئی مشکل مواقع پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی ہے۔ ان میں سے جنگ حنین تو ابھی گذشتہ سال کی بات ہے جس میں تم دشمن کے تیروں سے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور تمہاری شکست کو فتح میں بدل دیا، لہٰذا تم اپنی ظاہری کثرتِ تعداد پر گھمنڈ نہ کیا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا کرو وہ آئندہ بھی تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔

جنگ حنین کا مختصر تعارف

۸ھ میں مکہ فتح ہوا، پندرہ دن تک مسلمان مکہ میں ٹھہرے رہے اور طواف کعبہ کی حسرتوں کو پورا کیا۔ اس دوران حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ بارہ ہزار کا لشکر لے کر ان قبائل کی طرف روانہ ہوئے، اس میں دس ہزار تو انصار و مہاجرین تھے جو مدینہ سے آئے تھے اور دو ہزار نو مسلم تھے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ (تفسیر ابن جریر طبری) مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ میں یہ ان کا سب سے بڑا لشکر تھا اس لئے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ گھمنڈ آ گیا کہ آج کوئی طاقت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی۔ اس گھمنڈ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کثرتِ تعداد نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور جب دشمن نے اچانک ان پر تیروں کی بارش برسائی تو حنین کا وسیع میدان ان کے لئے تنگ ہو گیا اور وہ ایسے گھبرائے کہ

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق نصیب فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ

۲۸۔ اے ایمان والو! بے شک مشرکین ناپاک ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں، [۱۶] اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ

میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر حضور اکرم ﷺ تقریباً ایک سو ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں ثابت قدم رہے اور اعلان کر رہے تھے:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ''میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اس میں ذرا جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا فرزند ہوں''

اسی حالت میں حضور اکرم ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینکی جس نے کفار کی آنکھوں کو بھر دیا۔ (تفسیر کبیر) پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں پر تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کی گھبراہٹ ختم ہو جائے اور وہ واپس میدان جنگ میں آ کر داد شجاعت دیں اور آسمان سے فرشتوں کے لشکر بھیجے تاکہ وہ مومنوں کے دلوں کو مضبوط اور کفار کے دلوں کو کمزور کریں۔ (تفسیر قرطبی) اس کے بعد جونہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے انصار و مہاجرین کو پکارا تو وہ پروانہ وار میدان جنگ کی طرف لوٹے اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اور کفار جس عذاب کے مستحق تھے وہی ان پر نازل ہوا یعنی ستر (۷۰) کافر مارے گئے، ہزاروں کی تعداد میں قیدی بنا لئے گئے اور باقی اپنے اہل و عیال، مال مویشی اور ہتھیار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس فتح کے بعد قبیلہ ہوازن کے چند لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے اور جب حضور اکرم ﷺ نے ان کے قیدی بلا معاوضہ آزاد کر دیئے تو اس وسیع ظرفی اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بقیہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

[۱۶] نجاست کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی جیسے پیشاب اور پاخانہ وغیرہ، دوسری حکمی جیسے جنابت اور بے وضو ہونا وغیرہ۔ اس آیت میں مشرکین کی حکمی نجاست مراد ہے یعنی ان کے جسم تو پاک ہیں مگر ان کے اندر شرک والا عقیدہ ناپاک ہے، اس لئے بطور مذہب ان کو ناپاک کہا گیا ہے۔ (تفسیر خازن) یعنی مشرکین کے عقائد ناپاک ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، نیز ان کے اعمال بھی ناپاک ہیں کیونکہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد مسجد حرام سے تمام بتوں کو نکال دیا گیا تھا لیکن پھر بھی مشرکین کو اپنے طریقوں کے مطابق وہاں عبادت اور طواف کرنے کی اجازت تھی اور سن ۹ھ میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی اپنے طریقوں کے مطابق حج کیا لیکن ایک ہی جگہ پر دو مذاہب کی مختلف عبادتیں دونوں کے لئے تکلیف دہ تھیں اس لئے آئندہ سال سے مشرکین کو حج کرنے سے روک دیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو جس طرح فتح مکہ کے دن بتوں سے پاک کر دیا گیا تھا اسی طرح اب اس کو بت پرستی اور شرک سے بھی پاک کر دیا جائے اور

يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

تم کو عنقریب اپنے فضل سے غنی کر دے گا، [۱۷] بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے۔

کیا غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں؟

مالکی فقہاء کے نزدیک کوئی بھی مشرک نہ تو مسجد حرام میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی دوسری مساجد میں، البتہ مجبوری کی صورت میں داخل ہو سکتا ہے جیسے کسی ذمی کو مسجد میں جا کر قاضی کے سامنے اپنا دعویٰ دائر کرنے کی اجازت ہے۔ (تفسیر منیر)

شافعی فقہاء کے نزدیک یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے یعنی کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن دوسری مساجد میں داخل ہونا ممنوع نہیں ہے۔ (تفسیر منیر)

حنفی فقہاء کے نزدیک مشرکین تمام مساجد اور مسجد حرام میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حج اور عمرہ ادا کرنے کے لئے حرم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (روح المعانی) اور یہی قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین مساجد میں عدالت لگاتے تھے اور وہاں غیر مسلم بھی حاضر ہوتے تھے، نیز عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے مسجد میں خیمہ لگوایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ناپاک لوگ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کی ناپاکی مسجد کی زمین پر نہیں لگتی، ان کی ناپاکی ان میں ہی رہتی ہے۔'' (احکام القرآن للجصاص) اس میں دلیل ہے کہ کفر کی نجاست کافر کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کرتی۔

(احکام القرآن للجصاص)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی مشرک مسجد کے پاس نہ جائے بجز اس کے کہ وہ کسی مسلمان کا غلام یا اس کی کنیز ہو تو وہ ان کو کسی ضرورت کے لئے مسجد میں داخل کر سکتا ہے۔'' (تفسیر قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ صرف شرک کی وجہ سے مشرکین کو مسجد سے نہیں روکا گیا ورنہ مشرک غلام اور کنیز کو بھی مسجد میں جانے کی اجازت نہ ہوتی۔ دراصل مقصد یہ ہے کہ وہ حج اور مشرکانہ رسوم ادا کرنے کے لئے مساجد میں داخل نہ ہوں۔ غلام اور کنیز کو اس لئے اجازت دے دی گئی کیونکہ وہ مساجد میں مشرکانہ رسوم ادا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

[۱۷] پورے عرب سے بہت سے لوگ حج کے موقع پر مکہ آتے اور اپنے اپنے علاقوں کا سامان تجارت بھی ساتھ لے آتے۔ اس طرح خرید و فروخت سے اہل مکہ کو بہت نفع حاصل ہوتا مگر اس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ جب سارے مشرک آئندہ سال حج کے لئے نہیں آئیں گے تو ہماری تجارت کو بہت نقصان ہوگا اور ہم غربت کا شکار ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ تمہیں غنی کر دے گا یعنی مشرکین کی بجائے کثیر تعداد میں مسلمان حاجی مکہ آئیں گے جن کی وجہ سے تمہاری تجارت پہلے سے زیادہ ترقی کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس دن سے لے کر

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

۲۹۔ اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں (ان سے جنگ کرو) یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر (اپنے) ہاتھ سے (تم کو) جزیہ ادا کریں۔ [۱۸]

آج تک حاجیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور مکہ دنیا کی اہم ترین تجارتی منڈیوں میں سے ایک ہے۔

[۱۸] جزیرہ نمائے عرب کے بیشتر حصہ پر جب اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو قیصر روم کو اسلام کی روز افزوں قوت سے خطرات پیدا ہونے لگے اور اس نے اسلام کو کچلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اب جزیرۂ عرب سے باہر کی رومی فوجیں مسلمانوں کے خلاف صف بستہ ہو رہی تھیں، اس لئے ضروری تھا کہ پہلے جزیرۂ عرب کے اندر اسلام دشمن قوتوں سے نمٹا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب باہر سے رومی فوجیں حملہ کریں تو اندر سے یہ بغاوت کر دیں اور مسلمانوں کو کچل کے رکھ دیں۔

چنانچہ سب سے پہلے مشرکین عرب سے اعلان براءت کیا گیا کہ تم چار ماہ میں عرب چھوڑ کو چلے جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اور تم سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تمہاری بار بار کی عہد شکنیوں کی وجہ سے ہمیں تم پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ مشرکین کے علاوہ اہل کتاب بھی اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لئے کوشاں تھے (قرآن: ۹:۳۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اہل کتاب تمہارے عقائد و اعمال اور تمہارے دین کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے تم اہل کتاب کو بھی اعلان کر دو کہ تم اسلام کی مخالفت چھوڑ کر اس کی بالادستی قبول کر لو اور جزیہ ادا کر دو تو تم مکمل مذہبی آزادی کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو اور ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے اور اگر جزیہ دینے کی شرط منظور نہیں ہے تو پھر تم بھی قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ابتدا میں یہ حکم صرف یہود و نصاریٰ کے لئے تھا، بعد میں تمام غیر مسلموں کے لئے اس حکم کو عام کر دیا گیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری مشرکین سے ملاقات ہو تو انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ کا سوال کرو، اگر وہ جزیہ دینے کا اقرار کر لیں تو ان سے قتال نہ کرو۔ (تفسیر منیر)

اسی سورت کی آیت نمبر ۵ میں مشرکین کو قتل کرنے کا حکم تھا مگر یہاں دوسرے تمام غیر مسلموں کے لئے قتال کا حکم ہے اور قتال اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف طاقت کے استعمال پر آمادہ ہوں، اس لئے اگر کوئی غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے جزیہ کا انکار کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملکی قانون سے بغاوت کر کے خانہ جنگی کی خود دعوت دے رہا ہے، لہٰذا اس باغی کو قانون کا پابند بنانے کے لئے اس کے خلاف طاقت کا استعمال ضروری ہے۔ آج بھی اگر کوئی انسان ملک کے قانون کو چیلنج کر دے تو اس حکومت کا فرض ہے کہ وہ اسے قانون کا پابند بنانے کے لئے طاقت کا استعمال کرے۔

جزیہ کیا ہے؟

کسی بھی ملک میں رہنے کے لئے وہاں کی امیگریشن شرائط پورا کرنا ضروری ہوتی ہیں اور آج کل برطانیہ میں رہنے کی صرف درخواست دینے کے لئے 500£ پہلے ادا کرنا پڑتے ہیں اور سالانہ آمدنی کے مطابق ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے۔ اسی طرح اس وقت اگر کوئی غیر مسلم کسی اسلامی ملک میں رہنا چاہتا تو اسے جزیہ دینا پڑتا تھا۔

جزیہ سے مراد وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم اسلامی حکومت کو ادا کرتا ہے۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت اس کی جان، آبرو اور دولت کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرتی ہے گویا اسے اسلامی ملک میں پر امن رہنے کا گرین کارڈ جاری کر دیتی ہے اور اس غیر مسلم کو اسلامی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے۔

ہر حکومت اپنی رعایا سے کچھ رقم وصول کرتی ہے جس کے ذریعہ وہ ملک وملت کی حفاظت اور عوام کی فلاح و بہبود کے کام سرانجام دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ، جانوروں کی زکوٰۃ، زمینی پیداوار کا عشر اور صدقات وغیرہ ادا کرتے ہیں اور جنگ کی صورت میں مال وجان کی قربانیاں اور فوجی خدمات پیش کرتے ہیں جبکہ ذمی ان میں سے کسی چیز کے پابند نہیں ہوتے اور وہ صرف جزیہ کی معمولی سی رقم ادا کر کے مسلمان شہریوں کی طرح ہر قسم کی سہولت اور حفاظت کے مستحق قرار پاتے ہیں اور اگر کہیں مسلمانوں کی حکومت ختم ہو جاتی اور وہ ذمیوں کے جان ومال کی حفاظت نہ کر سکتے تو ان کے جزیہ کی رقم انہیں واپس کر دی جاتی۔

قرآن مجید نے جزیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی، اس لئے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے جو کم از کم ایک دینار ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی) امام احمد ؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ ذمیوں کی مالی حیثیت کے لحاظ سے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے اور یہ امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ (تفسیر زاد المسیر) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ کو ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا اور فرمایا: جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کو ناقابل برداشت کام پر مجبور کرے گا تو قیامت کے دن میں اس غیر مسلم کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

جزیہ صرف آزاد، بالغ اور امیر مرد سے لیا جائے گا، عورتوں، بچوں، غلاموں، لونڈیوں، بوڑھوں، راہبوں اور عاجز فقیروں سے نہیں لیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی وروح المعانی)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم اگر جزیہ دینے کا اقرار کر لیں تو ان سے لڑائی نہ کی جائے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (بخاری: کتاب الایمان: باب ١٧) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ کی گنجائش نہیں ہے یعنی اسلام یا جنگ۔ اس حدیث اور آیت کریمہ میں علماء نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ اس حدیث میں لوگوں سے مراد وہ مخصوص مشرکین عرب ہیں جن کا ذکر آیت نمبر پانچ میں گزرا ہے۔ (تفسیر منیر) یعنی ان کی بار بار کی عہد شکنی اور چار ماہ میں ملک نہ چھوڑنے کی وجہ سے اب اسلام یا جنگ کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا اور وہ وقتی حکم تھا، چار ماہ کے دوران اکثر مشرکین نے اسلام قبول کر لیا اور بقیہ عرب چھوڑ کر باہر چلے گئے اور اس کے بعد اس حکم کی ضرورت ہی ختم ہو گئی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

۳۰۔ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ کی کہی ہوئی بات ہے، یہ ان لوگوں کی بات کی نقل اتار رہے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں[۱۹]

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

۳۱۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور راہبوں کو خدا بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اس سے پاک ہے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ [۲۰]

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

۳۲۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر نہ رہے گا اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں۔ [۲۱]

---

[۱۹] بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے (تفسیر منیر) اور اکثر نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے۔ اگرچہ یہ ان کا اصلی عقیدہ نہیں تھا مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ پہلے کافروں کا شرک ان پر اثر انداز ہو گیا اور یہ ان کی نقل کرتے ہوئے بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرنے لگے جیسے بعض کفارِ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ بہت افسوس ہے اہل کتاب پر کہ انہیں انبیائے کرام علیہم السلام نے توحید کا درس دیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی توحید کی دعوت دی مگر یہ پھر بھی شرک کی طرف بھٹکے جا رہے ہیں۔

[۲۰] اس آیت میں یہودی علماء اور عیسائی راہبوں کو خدا اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اہل کتاب ان کی اس طرح اطاعت کرتے تھے جیسے خدا کی اطاعت کی جائے۔ جس کو وہ حلال یا حرام قرار دیتے یہ اسی پر عمل کرتے خواہ ان کا حکم خدا کے حکم کے خلاف ہوتا اور انہی کے کہنے پر مسیح ابن مریم کو بھی خدا کہنے لگے۔

[۲۱] ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کفار نے کئی بار یہ کوشش کی کہ کسی طرح اسلام کی شمع کو بجھا دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اسلام کا نور روز افزوں ترقی پذیر رہے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) اب اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس نور کو بجھانا چاہے گا تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے سورج کو بجھانا چاہے تو وہ خود تو بجھ سکتا ہے مگر سورج کو نہیں بجھا سکتا۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔ [۲۲]

النصف

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اے ایمان والو! بے شک (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور راہب، لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں، [۲۳] اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ سب سے پہلے اہل عرب نے اس کی مخالفت کی مگر ۲۳ سالوں میں عرب کی غالب اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور آج بھی جو قومیں اسلام کی مخالفت کر رہی ہیں ان کے اپنے لوگوں میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔

[۲۲] اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو دین اسلام دے کر بھیجا، اس دین میں ہدایت اور صداقت ہے۔ طلب حق کے ارادے سے جب کوئی انسان مذاہب عالم کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے سب سے زیادہ سچائی جس دین میں نظر آتی ہے وہ اسلام ہے۔

دلائل و براہین کے اعتبار سے اسلام کو دیگر مذاہب پر ہمیشہ غلبہ حاصل رہا ہے اور کئی غیر مسلم مصنفین نے بھی اسلامی تعلیمات کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ اسلامی اصولوں میں دلکشی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے ماننے والوں کے دلوں پر غالب رہتا ہے۔ آج مادی اعتبار سے مسلمان حکومتیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں مگر مسلمانوں کے دلوں پر اسلام کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔

[۲۳] بنی اسرائیل کے کچھ مذہبی رہنما حق پرست اور صالح تھے۔ (تفسیر منیر) مگر ان میں سے اکثر لوگوں کی خواہشات کے مطابق غلط مسائل بتا کر ناجائز طریقوں سے ان کے مال کھاتے اور اس طرح اصل احکام الٰہی پر عمل کرنے کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے۔ بظاہر تو اس آیت کا تعلق بنی اسرائیل کے مذہبی رہنماؤں سے ہے مگر حقیقت میں وہ مسلمان مذہبی رہنما بھی اس میں شامل ہیں جو غلط فتوے جاری کر کے ناجائز دولت کماتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (تفسیر منیر) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عالم دین کا طبیب ہے اور درہم دین کے لئے بیماری ہے، جب طبیب درہم کو اپنی طرف کھینچے تو وہ دوسروں کا علاج کیسے کرے گا۔ (الكواكب الدرية: جلد اوّل: ص ۳۰۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر علماء اپنے علم کی حفاظت کرتے اور جو علم کا اہل ہو اسی کو تعلیم دیتے تو وہ اپنے زمانہ

يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، [۲۴] پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، (اور انہیں کہا جائے گا:) یہ ہے وہ (مال و دولت) جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

والوں کے سردار ہوتے، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کے حصول کے لئے دنیاداروں پر خرچ کیا تو وہ دنیاداروں کی نظر میں بے وقعت ہو گئے اور میں نے تمہارے نبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے تمام تفکرات کو صرف ایک فکر آخرت بنا دیا اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی فکر کے لئے کافی ہو گا اور جس نے تمام تفکرات کو دنیاوی احوال میں مبتلا کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ کون سی وادی میں جا گرتا ہے۔ (ابن ماجۃ: ۲۵۷: کتاب السنۃ: باب ۲۳)

[۲۴] جو لوگ مال و دولت اور سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (تفسیر ابن ابی حاتم) انہیں دردناک عذاب کی وارننگ دی جا رہی ہے یعنی قیامت کے دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا: یہ ہے وہ سونا اور چاندی جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو، لیکن جو لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اگر مال جمع نہ کیا جائے تو زکوٰۃ اور وراثت کا نظام ہی بے معنی ہو جائے گا اور حج کرنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

زکوٰۃ کا حکم

اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن میں سے ایک زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ہر اس مسلمان مرد اور عورت پر فرض عین ہے جو آزاد، عاقل اور بالغ ہو۔ وہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اور اس مال پر قمری سال بھی گزر جائے۔ جب کسی شخص پر زکوٰۃ فرض ہو جائے تو اس کو فوراً ادا کرنا واجب ہے، بلا عذر زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر گناہ ہے اور بلا عذر تاخیر کرنے والے کی گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ جس غریب کو وہ زکوٰۃ دینے والا ہے ہو سکتا ہے اُسے بیماری کے علاج یا خوراک کیلئے اشد اور فوری ضرورت ہو اور یہ اس کا حق بلا وجہ روک کر اس پر ظلم کر رہا ہے۔

زکوٰۃ کے فوائد اور حکمتیں

۱۔ زکوٰۃ دینے سے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان کے دل کو سکون ملتا ہے اور اس کے اندر اطاعتِ خداوندی کا جذبہ ترقی پذیر رہتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ دینے سے انسانی طبیعت میں سخاوت اور ہمدردی جیسی اعلیٰ صفات پروان چڑھتی ہیں اور زکوٰۃ نہ دینے سے انسان کنجوسی اور خودغرضی جیسی گھٹیا عادات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے اور محتاجوں، معذوروں، یتیموں اور بیوہ عورتوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

۳۶۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بارہ ماہ ہے [۲۵] جس دن سے اس نے

۴۔ زکوٰۃ کی وجہ سے رفاہ عامہ کے کام تکمیل پاتے ہیں جن پر قومی زندگی کی خوشحالی کا دارومدار ہوتا ہے۔

۵۔ زکوٰۃ مال ودولت کو چند امیر اور تاجر لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکتی ہے تاکہ وسائل زیست ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

۶۔ زکوٰۃ دینے والے کو دعائیں ملتی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب امام صدقہ وصول کرے تو اس کے لئے سنت ہے کہ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے اور کہے: جو مال تو نے دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے اور تیرے باقی مال میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ (فقہ السنہ: جلد اول ص ۲۸۶) جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے زکوٰۃ میں ایک خوبصورت اونٹنی بھیجنے والے کے لئے اس طرح دعا فرمائی: اے اللہ اپنے اس بندے کی ذات اور اس کے اونٹوں میں برکت عطا فرما۔

(نسائی: کتاب الزکوٰۃ: باب ۱۲)

۷۔ زکوٰۃ دینے سے بقایا مال پاک اور بابرکت ہوجاتا ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے سارا مال ناپاک اور بے برکت ہوجاتا ہے۔

۸۔ زکوٰۃ کا تھوڑا سا مال قیامت کے دن بہت زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوگا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک کھجور کے برابر صدقہ قیامت کے دن پہاڑ کے برابر ظاہر ہوگا۔ (بخاری: کتاب الزکوٰۃ: باب ۸) اور روٹی کا ایک لقمہ اُحد پہاڑ کے برابر ظاہر ہوگا۔

(ترمذی: ابواب الزکوٰۃ: باب ۲۸)

زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ ہر مال دار آدمی جو اپنے خزانے کا حق ادا نہیں کرتا اس کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر آئے گا۔ اس نے اپنا منہ کھول رکھا ہوگا، جب (خزانے کا بنا ہوا سانپ) اس مال دار شخص کے پاس آئے گا تو وہ اس سے دور بھاگے گا۔ سانپ اسے آواز دے گا، اپنا خزانہ جسے تو چھپا چھپا کے رکھتا تھا لے لے کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ جب وہ مال دار شخص بچ نکلنے کا کوئی چارہ نہیں دیکھے گا تو اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں ڈال دے گا اور سانپ اس کے ہاتھ کو یوں چبا ڈالے گا جیسے سانڈ کوئی چیز چباتا ہے۔

(مسلم: کتاب الزکوٰۃ: باب ۶)

۲۔ دو عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس چیز کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا کرو جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ (احمد: جلد ۲: ص ۱۷۸)

۳۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! سونے چاندی کا حال تو معلوم ہوگیا تو پھر کون سا مال اچھا ہے جس کو ہم جمع کریں؟ فرمایا: ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور ایماندار بیوی جو خاوند کی اس کے ایمان میں مدد کرے۔

(ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: باب ۱۰)

[۲۵] ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اہل عرب میں حضرت

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۬ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۞

آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی دین مستقیم ہے، سوتم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تمام مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں، اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ع

۳۷۔ (حرمت والے مہینوں کا) آگے پیچھے کرنا تو کفر میں اور اضافہ کرنے والی بات ہے [۲۶] اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے، وہ ایک سال کسی مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینے کو حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ وہ ان مہینوں کی تعداد پوری کرلیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، پھر حلال کرلیں اس مہینہ کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ان کے برے اعمال ان کے لئے آراستہ کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ابراہیم علیہ السلام کے دور سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ انہوں نے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کے مہینے حج کے لئے خاص کر رکھے تھے اور رجب کا مہینہ عمرہ کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ ان چار مہینوں میں جنگ وجدال، لوٹ مار اور قتل وغارت ممنوع تھی تاکہ زائرین کعبہ امن وامان سے بیت اللہ تک جاسکیں اور حج یا عمرہ کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوسکیں، اسی لئے ان کو حرمت والے مہینوں کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ دین الٰہی کا حکم یہی تھا کہ ان مہینوں کا احترام کرو اور ان میں قتال کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، لیکن اگر مشرکین ان مہینوں کا احترام نہ کریں اور تمہارے ساتھ لڑائی شروع کردیں تو پھر تم بھی اپنے دفاع کے لئے ان سے جنگ کرسکتے ہو۔

[۲۶] اہل عرب اپنی خواہشات کے مطابق حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کرلیتے تھے۔ جب کوئی بڑا اور زور آور قبیلہ حرمت والے مہینے مثلاً محرم میں جنگ کرنا چاہتا تو وہ اعلان کردیتا کہ اس سال محرم کی جگہ صفر حرمت والا مہینہ ہوگا، لہٰذا محرم میں جنگ ہوسکتی ہے۔ اس طرح وہ حرمت والے چار مہینوں کی گنتی تو پوری کرلیتے مگر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوقات میں ردوبدل کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے۔ اسی طرح حج کے ایام بھی ان کے لئے تجارت اور روزگار کے لئے بہت اہم تھے، لہٰذا جس سال حج سخت گرمیوں میں ہوتا تو حج کا مہینہ اپنے مادی مفادات کے لئے بدل دیتے تاکہ زیادہ لوگ حج میں شامل ہو کر تجارت کو کامیاب بناسکیں، مگر سن ۱۰ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تو وہ اپنے اصلی وقت کے مطابق ذوالحجہ میں ہوا۔ (تفسیر بحر محیط) جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمانہ گھوم کر پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔[۲۷]

بارہ مہینے ہیں ان میں چار حرمت والے ہیں، تین مہینے متواتر یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ الگ یعنی رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ (بخاری: کتاب تفسیر القرآن: سورہ توبہ: باب ۸)

[۲۷] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے شام میں ایک لشکر جرار اکٹھا کر لیا ہے اور وہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس وقت شام رومن سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس سے پہلے کہ رومی فوجیں مدینہ پر حملہ کریں ہم وہاں جا کر ان کا مقابلہ کریں گے۔ سخت گرمی کے دن، کھجور پکنے کا موسم، پورے عرب میں قحط سالی اور سات سو کلومیٹر کا طویل سفر، پھر روم کی مسلح فوج سے مقابلہ، ان مشکلات کی وجہ سے منافقین نے تو حیلے بہانے کر کے معذرت کر لی اور بعض مسلمانوں کو بھی ابتدا میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم جہاد سے گھبرا رہے ہو اور دنیا کی زندگی اور دنیا کے مال و دولت کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہو۔ یاد رکھو! اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو تمہاری یہ زندگی اور تمہارا یہ مال و متاع تمہیں آخرت میں کام نہیں آئے گا بلکہ تمہارے لئے دردناک عذاب کا ذریعہ بنے گا۔ اس دردناک عذاب کے اصل مستحق منافقین ہیں کیونکہ وہ بھی بظاہر اہل ایمان میں شمار ہوتے تھے اور انہی کے حیلے بہانوں سے متاثر ہو کر بعض مسلمان بھی سستی دکھانے لگے تھے۔ نیز اگر تم رومیوں کے مقابلہ میں نہ نکلے تو وہ تم پر غالب آ جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا جو مسلمان ہو کر اسلام کا پرچم بلند کرے گی اور تم اس سعادت سے محروم رہ جاؤ گے۔ ابھی ماضی قریب کا واقعہ تمہیں یاد نہیں ہے جب اہل مکہ نے اسلام کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو اسلام کا پاسبان بنا دیا۔ وہ قادر مطلق ہے تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ تم پچھتاؤ گے کہ کاش ہم اس وقت بزدلی نہ دکھاتے۔

اس آیت سے لے کر آخر سورت تک جنگ تبوک اور اسکے متعلق واقعات کا ذکر ہے۔ رجب سن ۹ ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر شام روانہ ہوئے۔ جب رومیوں کو اس لشکر کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے کہ اتنی دور ہم پر حملہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں، ظاہر ہے انہیں اپنے لشکر پر مکمل بھروسہ ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے مقام پر بیس دن تک ٹھہرے رہے مگر رومیوں کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی۔ تبوک میں اگرچہ جنگ نہیں ہوئی مگر پورے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

جنگ تبوک کے لئے چندہ کی اپیل

جنگ تبوک کو جیش عسرت یعنی تنگی کے زمانے کا لشکر بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ پورا عرب قحط سالی کا شکار تھا، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اگر تم (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، تم اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

نے مجمع عام میں اعلانیہ چندہ کی اپیل کی تا کہ مجاہدین کے لئے خورد و نوش اور سواریوں کا بندوبست کیا جا سکے۔ اس اپیل کے جواب میں شمع رسالت کے پروانوں نے ایثار و قربانی کی جو مثالیں قائم کیں ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ اپیل میرے مالی حالات کے مطابق تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اگر میں کبھی حضرت ابوبکر ﷺ سے (نیکی کے کاموں میں) آگے بڑھ سکتا ہوں تو آج ایسا ممکن ہوگا، پس میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم نے اپنے اہل خانہ کے لئے کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: آدھا، پھر حضرت ابوبکر ﷺ اپنا سارا مال لے کر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! تم نے اپنے اہل خانہ کے لئے کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوبکر ﷺ نے عرض کیا: میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر حضرت عمر ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کبھی بھی حضرت ابوبکر ﷺ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(ترمذی: مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما)

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا، حضرت ابوبکر ﷺ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جبہ پہنا ہوا تھا جس کو کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا تھا۔ اس اثناء میں جبریل امین ﷺ آئے اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پڑھ سنایا اور کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں کہ ابوبکر ﷺ نے ایسا جبہ پہنا ہوا ہے جس کو کانٹوں سے جوڑا گیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! ابوبکر ﷺ نے فتح سے پہلے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ابوبکر ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچائیں اور ان سے پوچھیں: کیا تو اس فقر و تنگ دستی پر مجھ سے راضی ہے یا ناراض؟ سو نبی کریم ﷺ ابوبکر ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابوبکر ﷺ! یہ جبریل امین ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلام کہتے ہیں اور تیرا رب تجھ کو فرماتا ہے: کیا تو اس فقر و تنگ دستی پر مجھ سے راضی ہے یا ناراض؟ حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا: میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں! میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر ﷺ! اللہ تعالیٰ تجھے فرماتا ہے: تحقیق میں تجھ سے راضی ہو گیا ہوں جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر ﷺ رو پڑے۔ جبریل امین ﷺ نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! جب سے آپ کے یار نے جبہ پہنا ہے حاملین عرش بھی اسی قسم کے جبے پہنے ہوئے ہیں۔

(تفسیر منیر و تفسیر قرطبی: سورہ الحدید: زیر آیت نمبر ۱۰)

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

۴۰۔ اگر تم ان (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس وقت مدد فرمائی جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا تھا، آپ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ جنگ تبوک کے لئے برانگیختہ فرمارہے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجاووں اور کمبلوں سمیت ایک سو اونٹ پیش کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پھر برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجاووں اور کمبلوں سمیت دو سو اونٹ پیش کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پھر لشکر تبوک کے لئے برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کجاووں اور کمبلوں سمیت تین سو اونٹ پیش کرتا ہوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر سے اُترے تو فرمارہے تھے: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ (ترمذی: مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برائی سے محفوظ رکھے گا۔

حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مالی تعاون کی تلقین کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے گھر پر نظر ڈالی تو گھر میں کوئی چیز نہ تھی جو وہ پیش کرسکتے۔ وہ ایک یہودی کے پاس گئے اور اس کے ساتھ یہ طے کیا کہ وہ کنوئیں سے ڈول نکال کر اس کے باغ کو سیراب کریں گے اور وہ انہیں دو صاع کھجور دے گا۔ ساری رات آپ ڈول نکالتے رہے۔ صبح کے وقت تک انہوں نے سارے باغ کو سیراب کردیا۔ اس یہودی نے آپ کو دو صاع کھجوریں دیں۔ آپ ایک صاع کھجوریں اپنے اہل وعیال کے لئے گھر چھوڑ آئے اور ایک صاع لشکر تبوک کے لئے نذر کردیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کرتے ہوئے ایک صحابی کو حکم دیا کہ یہ کھجوریں جو ابوعقیل لے کر آیا ہے ان کو سامانِ خورد ونوش کے ڈھیر کے اوپر بکھیر دو۔ اس کے خلوص اور ایثار کی برکت سے اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے صدقات کو قبول فرمائے گا۔

(ضیاء النبی: جلد ۴: ص ۵۹۶)

الغرض تمام مسلمانوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق تعاون پیش کیا اور خواتین نے بھی اپنے زیور، سونے کے کڑے، گلوبند، پازیب اور انگشتریاں جو کچھ زیور کسی نے پہن رکھا تھا اس نے اتار کر مجاہدین کی خدمت کے لئے بارگاہ نبوت میں پیش کردیئے۔

(ضیاء النبی: جلد ۴: ص ۵۹۵)

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ہے،[۲۸] پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جن کو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی بات ہی بلند ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

[۲۸] یعنی اگر تم نے لشکر جوک کے لئے رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی رات رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی اسی طرح اب بھی وہ آپ ﷺ کا حامی و ناصر ہے۔

ہجرت کا واقعہ

مشرکین مکہ کی زبردست مخالفت کے باوجود اسلام کی روشنی جب مدینہ منورہ تک پہنچ گئی تو اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک رات قریشی نوجوانوں کو تلواریں دے کر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ صبح سویرے جب رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلیں تو انہیں تلواروں سے شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم ہوا اور آپ ﷺ سورہ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے ان نوجوانوں کے درمیان سے گزر کر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے گھر گئے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو ساتھ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاشانہ نبوت سے روانگی کا واقعہ سورہ انفال (۸) آیت نمبر ۳۰ حاشیہ نمبر ۲۴ میں ملاحظہ کریں۔

غار ثور کے واقعات

رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر ؓ کو ساتھ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکر ؓ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے بڑے غور سے دیکھتے کہ کہیں کوئی دشمن نہ آ رہا ہو۔ جب غار ثور کے دروازے پر پہنچے تو ابو بکر صدیق ؓ نے عرض کی: آپ باہر تشریف رکھیں میں پہلے اندر کا جائزہ لیتا ہوں۔ تاریک رات پھر غار کا اندھیرا، کچھ بھائی نہیں دیتا تھا، ساری غار کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا، جہاں کوئی سوراخ معلوم ہوا اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر اُسے بند کیا۔ چادر ختم ہو گئی لیکن دو سوراخ پھر بھی باقی رہ گئے۔ ان پر اپنے پاؤں رکھ کر بیٹھ گئے اور حضور اکرم ﷺ کو اندر آنے کی دعوت دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک حضرت ابو بکر ؓ کی گود میں رکھا اور سو گئے۔ ایک سوراخ سے سانپ نے ابو بکر صدیق ؓ کو کاٹا مگر ابو بکر صدیق ؓ نے اپنے پاؤں کو جنبش نہ دی تاکہ حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل نہ آئے۔ سانپ کے زہر کی وجہ سے ابو بکر صدیق ؓ کے آنسو نکل کر حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر گرنے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے ابو بکر صدیق ؓ سے وجہ پوچھی تو حضرت ابو بکر ؓ نے عرض کی: مجھے سانپ نے ڈسا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے سانپ کے ڈسنے کی جگہ پر لعاب دہن لگایا اور حضرت ابو بکر ؓ کی تکلیف ختم ہو گئی۔ (تفسیر خازن)

ادھر مکہ میں صبح کا اُجالا ہوا تو حضور اکرم ﷺ کے بجائے بستر سے حضرت علی ؓ اٹھے۔ یہ دیکھ کر رات بھر محاصرہ کرنے والوں کے اوسان خطا ہو گئے، جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر مکہ کے گھر گھر پہنچ گئی کہ محمد (ﷺ) رات کو مکہ سے نکل گئے ہیں۔ کفار مکہ نے اعلان کر دیا جو حضور اکرم ﷺ کو زندہ پکڑ کر لائے یا شہید کر دے اسے ایک سو اونٹنی کا انعام دیا جائے گا۔ مشرکین کے گروہ

حضورِ اکرم ﷺ کی تلاش میں ہر طرف پھیل گئے، کفار کا ایک گروہ غارِ ثور کے دروازے پر پہنچ گیا جس کے اندر حضورِ اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی یوں ظاہر کی کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ نیز جنگلی کبوتری نے غار کے دروازے پر گھونسلا بنا کر اس میں انڈے دے دیئے اور ان انڈوں کو سینے کے لئے ان پر بیٹھ گئی۔

(تفسیر منیر و تفسیر قرطبی)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب دشمنوں کو غار کے دروازے پر دیکھا تو بے چین ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! اگر انہوں نے جھک کر دیکھا تو وہ ہمیں پالیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ (بخاری: کتاب فضائل اصحاب: باب ۲) آپ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس قدر عظیم توکل کا اعلان اللہ تعالیٰ کا نبی ہی کر سکتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی جس کا فیضان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچا اور ان کی پریشانی دور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کیلئے فرشتوں کو بھی بھیجا جنہوں نے کفار کو غار میں جھانکنے سے روکے رکھا اور ہو سکتا ہے کبوتری کو گھونسلا بنانے میں بھی فرشتوں نے مدد کی ہو کیونکہ اتنے مختصر عرصہ میں کبوتری گھونسلا نہیں بنا سکتی، نیز اس کے بعد جنگِ بدر میں بھی فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ چنانچہ کفار کبوتری کے انڈے اور مکڑی کا جالا دیکھ کر واپس چلے گئے۔ سبحان اللہ! مکڑی کا جالا جو خود تھوڑی سی ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ ایک آہنی دروازے کا کام دے گیا جس کو دیکھ کر دشمن واپس چلا گیا۔ کفار کی کوشش تو یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کو شہید کر کے اسلام کا پرچم سرنگوں کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے کفار کو نیچا دکھا کر اسلام کو سربلند کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے کوئی اس کو نیچا نہیں دکھا سکتا۔

حضورِ اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن غارِ ثور میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا غار میں کھانا پہنچاتیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ کی خبریں پہنچاتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شام کو بکریاں ادھر لا کر تازہ دودھ پیش کرتا تھا۔ (تفسیر منیر، سیرت ابن ھشام) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلوص جن بلندیوں پر محوِ پرواز ہے وہاں تو ہمارا طائرِ خیال بھی نہیں جا سکتا مگر ان کے خاندان بلکہ غلام تک کا خلوص کتنا عظیم ہے کہ کسی نے راز فاش نہیں کیا اور سو اونٹنیوں کا انعام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام کے دل کو بھی للچا نہیں سکا۔ اللہ تعالیٰ اس سارے خاندان پر رحمتوں کی بارش فرمائے۔ آمین

کسی نے کیا خوب کہا:

عاشقاں از خوباں خوب تر خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

فضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جمہور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد انسانوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سلسلہ میں چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب فضائل اصحاب کے باب نمبر چار کا عنوان بنایا ہے: ”فضل ابی بکر بعد النبی“ نبی کے

بعد ابوبکر کی فضیلت کا باب۔ اس باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو۔

(بخاری: فضائل اصحاب: باب ۴)

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: وعلی ھذا اھل السنہ والجماعۃ۔ اہل سنت و جماعت اسی عقیدہ پر ہیں۔ (عمدۃ القاری: جلد ۱۶: ص ۱۷۷) اور امام ابن حجر عسقلانی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: (اجمع الصحابۃ و أتباعھم علی افضلیۃ ابی بکر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ (فتح الباری: جلد ۷: ص ۱۷)

۲۔ عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: (خیر الناس بعد رسول اللہ ابوبکر) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں سے بہتر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(ابن ماجہ: مقدمہ: حدیث نمبر ۱۰۶)

۳۔ محمد بن الحنفیہ یعنی محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں سے بہتر کون ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے عرض کیا پھر کون بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ، پھر مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں کہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کون بہتر ہے تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے اس لئے میں نے پوچھا: میرے اباجان! پھر عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں میں سے ایک عام انسان ہوں۔

(ابو داؤد: کتاب السنۃ: باب ۸: حدیث نمبر ۴۶۲۹)

۴۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کہا کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر)، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

(ابو داؤد: کتاب السنۃ: باب ۸: حدیث نمبر ۴۶۲۸)

۵۔ گذشتہ حدیث کے آخر میں کچھ اضافے کے ساتھ طبرانی بیان کرتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کہا کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے کہ اس امت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری یہ بات سنا کرتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کا انکار نہیں فرمایا۔ (عمدۃ القاری: جلد ۱۶: ص ۱۷۷)

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ دونوں اہل جنت کے اولین و آخرین پختہ عمر لوگوں کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔ (ترمذی: ابواب المناقب: باب ۱۶)

۷۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہو سکتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں عمر رضی اللہ عنہ (کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں)، میں نے پوچھا: تو میرے باپ کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک عمر رضی اللہ عنہ کی

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، [۲۹] یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

ساری نیکیاں ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کی طرح ہیں۔ (مشکوۃ: مناقب ابی بکر و عمر: فصل ثالث)

۸۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری ساری عمر کی نیکیاں حضرت ابوبکرؓ کی ایک دن یا ایک رات کی نیکی کی طرح ہو جائیں۔ رات سے مراد غارِ ثور کی قربانی اور دن سے مراد فتنہ مرتدین سے مقابلہ میں جرأت کا مظاہرہ ہے۔
(تفسیر خازن)

۹۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور ہم سے بہتر ہیں اور ہم سب سے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ محبوب ہیں۔ (ترمذی: ۳۶۵۶: ابواب المناقب: باب ۱۴)

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: --- مگر اے ابوبکرؓ! بے شک میری امت سے آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔
(ابو داؤد: کتاب السنۃ: باب ۹)

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابوبکرؓ کے، اس کا ہمارے پاس ایسا احسان ہے کہ اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے نفع دیا۔ اگر مجھے کوئی خلیل بنانا ہوتا تو میں یقیناً ابوبکرؓ کو اپنا خلیل بناتا مگر غور سے سن لو تمہارا اصاحب اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔
(ترمذی: ابواب المناقب: باب ۱۵)

۱۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: --- قیامت کے دن جنت میں نمازی کو باب صلاۃ سے، مجاہد کو باب جہاد سے، صدقہ دینے والے کو باب صدقہ سے اور روزہ دار کو باب صیام سے بلایا جائے گا --- ابوبکرؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا بھی خوش نصیب ہوگا جو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اور اے ابوبکر! میں امید رکھتا ہوں کہ تم بھی ان میں سے ہو گے۔
(بخاری: فضائل اصحاب: باب ۵)

۱۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ۳۶۰ خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں توحید کے ساتھ ان میں سے ایک بھی پائی جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ان میں سے کوئی مجھ میں بھی پائی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم میں وہ سب کی سب موجود ہیں، اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت سب سے زیادہ محبوب ہے۔
(تفسیر روح البیان: سورۃ ن و القلم (۶۸): زیر آیت نمبر ۴: جلد ۱۰: ص ۱۰۷)

[۲۹] جب کسی اسلامی ملک کا سربراہ جہاد کا اعلانِ عام کر دے تو پھر تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی جہاد کا حکم دیا جا

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ (اے رسول مکرم!) اگر مال نزدیک اور سفر آسان ہوتا تو یہ (منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے، لیکن ان کو مسافت طویل نظر آئی، اور ابھی یہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے: اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے، [۳۰] وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کیا، آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی [۳۱] یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔

رہا ہے۔ ہلکے اور بوجھل ہونے سے مراد یہ ہے کہ معقول عذر کے بغیر چاہے تمہارا دل مانے یا نہ مانے اور چاہے تمہارے ظاہری حالات سازگار ہوں یا ناسازگار دونوں صورتوں میں تمہیں جہاد کے لئے نکلنا ہوگا۔ اگر مال کی فراوانی ہے تو وہ بھی خرچ کرو اور اگر مال نہیں تو جسمانی توانائیاں اسلام کی سربلندی کے لئے خرچ کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

[۳۰] میرے پیارے نبی ﷺ! اگر مال غنیمت کی قوی اُمید ہوتی اور سفر بھی مختصر ہوتا تو یہ منافقین دنیاوی مفادات کے لئے آپ کے ساتھ روانہ ہو جاتے مگر تبوک تو یہاں سے 690 کلو میٹر دور ہے۔ (تفسیر منیر) پھر قحط سالی اور رومی فوج بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ منافق وہاں جانے والے نہیں بلکہ عنقریب وہ آپ کے پاس آکر قسمیں اُٹھائیں گے اور جھوٹے حیلے بہانے بیان کر کے رخصت چاہیں گے، لہٰذا تم ان کی قسموں سے دھوکہ نہ کھانا یہ جھوٹے ہیں اور اپنے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں کیونکہ جنگ پر نہ جانے سے سب مسلمانوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ واقعی منافق ہیں۔

[۳۱] لشکر تبوک جب روانہ ہونے لگا تو منافقین رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور جہاد میں شریک نہ ہونے کیلئے بہانے پیش کئے۔ گو حضور اکرم ﷺ جنگ اُحد وغیرہ کے تجربات کی وجہ سے خوب جانتے تھے کہ یہ منافقین جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں اور اس سے پہلے کوئی ایسا حکم الٰہی بھی موجود نہیں تھا کہ بہانہ سازوں کو اجازت نہ دی جائے۔ نیز طبعی شرم وحیا اور فطری رحم وکرم کی وجہ سے بھی آپ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے منافقین کو پیچھے رہنے کی اجازت دے دی اور یہ کوئی گناہ نہیں تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے استفسار سے مراد یہ ہے کہ اے پیارے نبی ﷺ! اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تب بھی جیسا کہ آپ کو علم ہے وہ تبوک جانے والے نہیں تھے اور جب وہ آپ کے اجازت نہ دینے کے باوجود تبوک نہ جاتے تو آپ کے سامنے ان کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جاتا اور سب کو ان کے نفاق کا علم ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا سا شکوہ بھی حضور اکرم ﷺ کے تقویٰ پر

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں مانگیں گے کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد (نہ) کریں، اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ آپ سے صرف وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں مبتلا ہیں، [۳۲] پس وہ اپنے شک میں سرگرداں ہیں۔

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور اگر ان کا نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لئے کچھ سامان تیار کرتے، [۳۳] لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا جنگ پر جانا پسند ہی نہیں فرمایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پست ہمت کر دیا اور انہیں کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

گراں گزرتا اور آپ پریشان ہو جاتے، اس لئے حفظِ ماتقدم کے تحت حضور اکرم ﷺ کی تسلی اور عزت افزائی کے لئے پہلے ہی معافی کا اعلان کر دیا، یعنی اگر آپ اجازت نہ دیتے تو بہتر تھا اور اب اجازت دے دی ہے تو آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

[۳۲] لشکر تبوک میں شریک نہ ہونے کے بہانے صرف وہی لوگ کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ نہ تو وہ دل سے ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی زبان سے کفر کا اظہار کرتے ہیں اس لئے وہ زبان و دل کے درمیان عجیب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

[۳۳] منافقین نے کہا: ہم تبوک جانے کے لئے بالکل تیار تھے مگر اچانک فلاں مجبوری پیش آگئی اس لئے ہم کو یہاں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ان کے جھوٹے بہانے ہیں، پہلے دن سے ان کی کوئی نیت اور تیاری نہیں تھی۔ اگر ان کا جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ ہوتا تو انہوں نے کچھ سامان تو تیار کیا ہوتا حالانکہ انہوں نے کچھ بھی تیار نہیں کیا۔ دراصل ان کے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو پسند ہی نہیں تھا کہ وہ اس طویل سفر میں ساتھ جاتے کیونکہ اگر وہ ساتھ جاتے تو فائدے کی بجائے نقصان ہی پہنچاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پست ہمت بنا دیا اور حضور اکرم ﷺ نے انہیں گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اگر یہ (منافقین) تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر فساد ہی کا اضافہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے اور تم میں ان کے جاسوس اب بھی موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ [۳۴]

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ بے شک اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنہ پھیلانے کی کوششیں کی ہیں اور آپ کے لئے کئی تدبیریں الٹ پلٹ کیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہوا حالانکہ وہ ناخوش تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں: مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے، خبردار! وہ تو فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں، [۳۵] اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

---

[۳۴] گذشتہ آیات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے منافقین کو گھر میں رہنے کی اجازت دے دی اور اللہ تعالیٰ کو بھی ان کا جنگ پر جانا پسند نہیں تھا۔ اس اجازت اور ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ لشکر میں شریک ہوتے تو فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کرتے جیسے اب بھی ان کے جاسوس مختلف غلط افواہوں کے ذریعہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ پہلے بھی فتنہ پھیلانے کی کئی کوششیں کر چکے ہیں مگر ہر بار ان کی سازشیں ناکام ہوئیں اور ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی حق غالب آ گیا اور آئندہ بھی یہ ظالم ناکام ہی رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[۳۵] منافقین کے بہانے بھی بڑے عجیب تھے، کوئی کہتا: اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو بھی میں جنگ جانے والا نہیں ہوں، لہٰذا آپ مجھے حکم ہی نہ دیں تاکہ میں نافرمانی کے فتنہ سے بچ جاؤں، کوئی کہتا، میری کھجوروں کی فصل تیار ہے اگر میں جنگ چلا گیا تو بعد میں یہ فصل ضائع ہو جائے گی اس لئے آپ مجھے اجازت دے دیں اور مالی نقصان کی آزمائش میں نہ ڈالیں حتیٰ کہ ایک منافق جس کا نام قیس تھا وہ کہنے لگا: میں عورتوں کے بارے میں کمزور واقع ہوا ہوں، تو وہاں رومی عورتوں کو دیکھ کر کہیں میرا قدم پھسل نہ جائے اس لئے مجھے اجازت دے دیں اور اس گناہ کے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی فطری شرم و حیا کے باعث اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور اسے اجازت دے دی۔ (ابن ابی حاتم اور دیگر تفاسیر) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! غور سے سنو، بظاہر تو یہ فتنے سے بچنے کی باتیں کر رہے ہیں مگر حقیقت میں پہلے ہی بڑے بڑے فتنوں یعنی کفر، نفاق، جہاد سے فرار، مال کا لالچ اور جھوٹ وغیرہ میں گھرے ہوئے ہیں جن کے باعث وہ جہنم سے نہ بچ سکیں گے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰

۵۰۔ اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں: ہم نے تو اپنا کام پہلے ہی درست کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے ہوئے لوٹتے ہیں۔[۳۶]

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱

۵۱۔ آپ فرمایئے: ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔[۳۷]

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲

۵۲۔ آپ فرمایئے: کیا تم ہمارے متعلق دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں عذاب پہنچاتا ہے یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلواتا ہے)؟ پس تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔[۳۸]

---

[۳۶] اکثر منافقین جنگوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لئے مسلمانوں کو جب فتح نصیب ہوتی اور مال غنیمت حاصل ہوتا تو منافقین کو سخت ناگوار گزرتا اور وہ حسد سے جلنے لگتے اور اگر مسلمانوں کو بظاہر شکست کا سامنا کرنا پڑتا اور بعض مجاہدین شہید ہو جاتے تو منافقین خوشیاں مناتے اور اپنی دور اندیشی پر فخر کرتے ہوئے کہتے کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ ان کو نقصان ہونے والا ہے اسی لئے ہم جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔

[۳۷] آپ ان منافقین کو فرما دیں کہ تمہارے جہاد میں شریک ہونے یا شریک نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارا کارساز اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں۔ نیز ہم پر صرف وہی مصیبت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر کر دی اور ہم اس پر صبر کرتے ہیں کیونکہ اس میں ہمارے لئے یا تو آنے والی کسی کامیابی کی نوید ہوتی ہے یا گزرنے والی کسی کمزوری کی نشاندہی ہوتی ہے تاکہ ہم آئندہ محتاط رہیں۔

[۳۸] مسلمان جب جنگ پر روانہ ہوتے تو منافقین یہ خبر سننے کے لئے بے چین ہو جاتے کہ مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے یا شکست۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی! ان کو فرما دیجئے کہ جن دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ظہور کا تمہیں انتظار ہے ہمارے لئے تو وہ دونوں خیر ہی خیر ہیں یعنی ہم فتح حاصل کریں تو غازی بن جائیں یا شکست کھا کر شہید ہو جائیں۔ دونوں صورتوں میں اجر عظیم کے امیدوار ہوں گے لیکن

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ آپ فرمائیے: تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔ [۳۹]

وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور ان کے صدقات کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور نماز کے لئے بڑی سستی کے ساتھ آتے ہیں اور بڑی ناخوشی سے خرچ کرتے ہیں۔ [۴۰]

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ سو ان کی اولاد اور ان کے مال آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ [۴۱]

اے منافقو! ہم تمہارے متعلق جن دو چیزوں میں سے ایک کے منتظر ہیں وہ دونوں تمہارے لئے بری ہیں یعنی تمہارے نفاق کے باعث یا تو اللہ تعالیٰ خود تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا یا ہمارے ہاتھوں تمہیں شکست دلوائے گا ان دونوں میں سے جو بھی سزا تمہیں ملے وہ تمہارے لئے بری ہے، لہٰذا تم اپنی کسی ایک برائی کا انتظار کرو اور ہم اپنی کسی ایک اچھائی کا انتظار کرتے ہیں۔

[۳۹] جنگ تبوک میں جانے کے لئے تو کوئی منافق تیار نہیں تھا، البتہ ان میں سے بعض منافقین نے جنگ کے لئے مالی تعاون پیش کیا جن میں جد بن قیس بھی شامل تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر) یعنی اگر تم خوشی سے خرچ کرو تو بھی نامقبول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے لئے ایمان شرط اوّل ہے، جس سے تم محروم ہو جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے، اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال تو ویسے ہی مردود ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور یہاں نیت ہی مفقود ہے۔

[۴۰] اس آیت میں منافقین کے صدقات قبول نہ ہونے کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں: ایک ان کا کفر یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے منکر ہیں، دوسرا نماز میں ان کی سستی یعنی نماز پر ثواب کی امید نہیں رکھتے بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مسجد میں چلے آتے ہیں، تیسرا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو ان کے نفاق کا پتہ نہ چلے۔ ان تینوں میں سے صرف ایک وجہ بھی عمل کی عدم قبولیت کے لئے کافی ہے۔ جہاں تینوں وجوہات جمع ہو جائیں اس عمل کے نامقبول ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

[۴۱] منافقین کی دنیاوی خوشحالی کہیں تمہیں اس شبہ میں نہ ڈال دے کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے اور اسی لئے ان کے ہاں اولاد اور مال کی فراوانی ہے۔ دراصل یہ مال اور اولاد ان کے لئے عذاب بنے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے انہیں صدقات اور

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں لیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں۔[۴۲]

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو بڑی تیزی سے اس کی طرف بھاگیں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ ﷺ پر طعن کرتے ہیں، اگر ان کو ان صدقات سے دے دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان سے نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔[۴۳]

زکوٰۃ کی صورت میں مال دینا پڑتا ہے حالانکہ وہ اس کو عذاب سمجھتے ہیں اور ان کی اولاد سے اکثر صحیح مسلمان ہو چکے ہیں جیسے عبداللہ بن اُبی کا بیٹا عبداللہ ؓ مخلص مسلمان تھا اور یہ نوجوان اسلام کی سربلندی کے لئے جنگوں میں دادِ شجاعت دیتے تھے تو ان کے لئے اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا کہ جس اسلام کو وہ مٹانا چاہتے ہیں اس کی خاطر ان کی اولاد جانیں قربان کر رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی اولاد اور دولت کی محبت میں یوں مدہوش رہیں گے کہ عمر بھر انہیں اسلام قبول کرنے کی فرصت نہیں ملے گی اور اسی کفر پر ان کی جانیں نکلیں گی۔ اب جو مال اور اولاد اپنے خالق حقیقی سے غافل کر دے وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ نیز یہ بھی کوئی معمولی عذاب نہیں ہے کہ انسان کسی کو دھوکہ دینے کے لئے ساری عمر ایسا طرزِ زندگی اختیار کرے جو اس کے اپنے عقیدے اور پسند کے خلاف ہو۔ دنیاوی شان و شوکت کے لئے سورہ آل عمران (۳) آیت نمبر ۱۹۶ کا حاشیہ نمبر ۱۴۰ بھی ملاحظہ کریں۔

[۴۲] منافقین قسمیں اٹھا کر مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ وہ بھی مسلمان ہیں مگر اس آیت نے واضح کر دیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، درحقیقت وہ ڈرپوک اور بزدل لوگ ہیں۔ دل کی بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ انہیں اگر آج بھی کوئی اور جائے پناہ مل جائے تو یہ مسلمانوں کو چھوڑ کر وہاں بھاگ جائیں گے۔

[۴۳] رسول اللہ ﷺ کے پاس جب صدقات اور زکوٰۃ جمع ہوتے تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مستحقین میں اس کو تقسیم فرما دیتے مگر بعض منافقین ایسے تھے کہ اگر انہیں اپنی خواہش کے مطابق مال مل جاتا تو وہ خوش ہو جاتے اور اگر کبھی ان کی خواہش کے مطابق نہ ملتا تو ناراضگی کا اظہار کرتے اور حضور اکرم ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے لگتے، حالانکہ انہیں اتنا ہی ملنا تھا جتنا ان کا حصہ بنتا تھا، نیز اس مال سے حضور اکرم ﷺ خود تو کچھ نہیں لیتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے خاندان اور آپ کی آل کے لئے صدقات و زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور اگر وہ اس پر خوش ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائیں گے، بے شک ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ [۴۴]

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ بے شک زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے جو زکوٰۃ کے کام پر مامور ہوں اور جن کی تالیف قلوب مطلوب ہو، نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، [۴۵] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

[۴۴] حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے منافقین کو جو مال عطا فرمایا تھا اگر وہ اس پر خوش رہتے اور کسی دوسرے موقع پر مزید مال کی امید رکھتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا مگر انہوں نے اعتراض کر کے اپنے نفاق کو ظاہر کر دیا۔

اس آیت میں اہل ایمان کو تلقین کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو کچھ عطا ہو چاہے وہ ظاہری مال و دولت ہو یا روحانی تقویٰ و سکون، اس پر صابر و شاکر رہیں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتے ہوئے اس کے مزید فضل و کرم کے طالب اور امیدوار رہیں کیونکہ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہو جاتا ہے۔ (قرآن: ۶۵:۳)

[۴۵] گذشتہ آیات میں بتایا گیا کہ بعض منافقین نے زکوٰۃ کی تقسیم میں حضور اکرم ﷺ پر اعتراض کیا تھا، اس آیت میں ان کے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ صرف ان لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستحق قرار دیا ہے اور وہ صرف آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ ان کے علاوہ کسی پر زکوٰۃ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کے خاندان اور آل کے لئے بھی زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔ (مسلم: کتاب الزکوٰۃ: باب ۵۱) اس آیت میں صدقات سے مراد زکوٰۃ ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

زکوٰۃ کے مستحق

۱۔ فقیر: فقیر وہ ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن زکوٰۃ کے نصاب سے کم ہو۔ نیز عالم فقیر کو زکوٰۃ دینا جاہل فقیر کو زکوٰۃ دینے سے بہتر ہے۔ (الفتاوی العالمگیریہ: باب مصارف زکوٰۃ) کیونکہ عالم جب فکر روزگار سے آزاد ہو گا تو دوسرے لوگوں کو فقیروں کی امداد کی ترغیب دے گا اور اس طرح کئی اور فقیروں کی مدد کرانے کا ذریعہ بنے گا۔

۲۔ مسکین: مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور اسے کھانے کے لئے روٹی اور پہننے کے لئے کپڑا مانگنے کی ضرورت ہو۔ ایسے شخص کے لئے ان چیزوں کا سوال کرنا حلال ہے۔ (فتاوی عالمگیریہ: باب مصارف زکوٰۃ)

۳۔ شعبہ زکوٰۃ کے کارکن: زکوٰۃ کے عامل سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو حکومت زکوٰۃ کی وصولی، اس کی حفاظت، اس کی تقسیم اور اس کا حساب وکتاب رکھنے کے لئے مقرر کرے۔ ان ملازمین کی تنخواہ، زکوٰۃ کی مد میں سے ادا کی جائے گی اگرچہ وہ مالدار ہوں کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اس کی کفالت ضروری ہے۔ (روح المعانی)

۴۔ جن کی دل داری مقصود ہو: تین قسم کے لوگ اس زمرے میں آتے تھے:

۱۔ وہ کافر جو اسلام میں دلچسپی رکھتے تھے انہیں مزید اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ انہیں زکوٰۃ کے مال سے تحفے دیا کرتے تھے۔

۲۔ وہ نومسلم جن کا ایمان ابھی کمزور تھا اور حضور اکرم ﷺ ان کے دلوں میں اسلام کو راسخ کرنے کیلئے انہیں زکوٰۃ دیتے تھے۔

۳۔ وہ کافر جو اسلام کی دشمنی میں سرگرم تھے حضور اکرم ﷺ انہیں زکوٰۃ سے تحفے دیا کرتے تھے تا کہ ان کی مخالفت میں کمی واقع ہو اور مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ اسلام کے غلبہ کے بعد اس قسم کے لوگوں کا حصہ ختم کر دیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔ (تفسیر روح المعانی)

قاضی ابن عربی نے فرمایا کہ میری دانست میں جب اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا کرے تو ان کا حصہ موقوف کر دیا جائے اور جب ان کی ضرورت محسوس ہو تو انہیں ان کا حصہ دیا جائے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ دیا کرتے تھے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ: ''اسلام غریب ہی شروع ہوا اور پھر اسی حالت پر آئے گا جس پر اس کی ابتدا ہوئی۔ (تفسیر قرطبی) نیز علماء کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ حکم ساقط نہیں ہوا بلکہ ان کا حصہ باقی ہے اگر مسلمانوں کو اب بھی اس کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔''

(تفسیر روح المعانی و تفسیر فتح القدیر)

۵۔ گردنوں کی آزادی: گردنوں کو آزاد کرانے سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ بعض علماء نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیا ہے جس نے آزادی کے لئے اپنے مالک کے ساتھ ایک مخصوص رقم طے کر لی ہو، مگر امام شوکانی کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ جس طرح آیت میں مطلق غلام کی آزادی کا ذکر ہے اسی طرح اس سے مراد بھی صرف مکاتب نہ لیا جائے بلکہ ہر قسم کے غلام کو آزاد کرانا مراد لیا جائے۔ (تفسیر فتح القدیر) غلامی کو بتدریج ختم کرنے کے لئے اسلام نے جو اقدامات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کی تفصیل کے لئے سورۃ نساء (۴) کی آیت نمبر ۲ کا حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ کریں۔

۶۔ مقروض: مقروض سے مراد وہ شخص ہے جس پر قرض ہو اور اس کے پاس اتنی دولت نہ ہو کہ قرض کی ادائیگی کے بعد نصاب زکوٰۃ پورا ہو سکے۔

(مراقی الفلاح: باب مصارف زکوٰۃ)

۷۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں: اس سے مراد وہ مجاہد ہے جو جنگی ساز وسامان اور سواری نہ ہونے کے باعث لشکر اسلام کے ساتھ جانے سے قاصر ہو، یا اس سے مراد وہ شخص ہے جس پر حج فرض ہوا لیکن جب حج کی استطاعت تھی اس وقت اس نے حج نہ کیا، پھر وہ فریضہ حج ادا

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ کانوں کا کچا ہے،[۴۶] آپ فرمایئے: وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہر ایک کی بات سنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اہل ایمان کی باتوں پر یقین کرتا ہے اور وہ تم میں سے اہل ایمان کے لئے رحمت ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ (اے مسلمانو!) منافقین تمہارے سامنے تمہیں خوش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے راضی کریں اگر وہ مومن ہیں۔[۴۷]

کرنے کی استطاعت سے محروم ہو گیا۔ اسے اس قدر زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے جس سے وہ فریضہ حج ادا کر سکے۔ بعض کے نزدیک زکوٰۃ کی اس مد کے مستحق طالب علم ہیں اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لئے ہیں اور صاحب بدائع کے نزدیک اس مد سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہو سکے۔ (تفسیر روح المعانی)

۸۔ مسافر: اس سے مراد وہ مسافر ہے جو شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے سفر کر رہا ہو، اگر اس کے پاس زاد راہ ختم ہو جائے تو ایسے مسافر کی زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے اگرچہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

[۴۶] منافقین اپنی نجی محفلوں میں حضور اکرم ﷺ کے خلاف باتیں کرتے اور جب کوئی کہتا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو تمہاری ان باتوں کا علم ہو گیا تو تمہارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو وہ کہتے کہ حضور اکرم ﷺ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں، اگر کسی نے ہماری شکایت کر دی تو کوئی فکر کی بات نہیں ہم جب ان باتوں کی جھوٹی تاویلیں کریں گے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں تھا تو وہ ہماری بات بھی مان جائیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ کا تمہاری جھوٹی باتیں سن لینا اور پھر خاموش رہنا تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تمہارا راز فاش نہ ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں تمہاری باتوں پر یقین ہے اور وہ تمہارے نفاق کو نہیں جانتے۔ دراصل وہ اپنے کریمانہ اخلاق کے باعث ہر ایک کی باتیں ضرور سنتے ہیں مگر یقین صرف ان لوگوں پر کرتے ہیں جو سچے ایمان والے ہیں۔

[۴۷] جب کبھی منافقین کا نفاق ظاہر ہوتا تو وہ مسلمانوں کو اپنے اسلام کا یقین دلاتے اور قسمیں اٹھا کر انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے حالانکہ اگر یہ منافقین اپنے نفاق سے سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی کوشش کریں تو مسلمان خود بخود راضی ہو جائیں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت جاری رکھیں گے تو ان کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہو گا اور یہ دنیا کی رسوائی سے

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡیُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے تو بے شک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ کردی جائے جو مسلمانوں کو ان باتوں سے آگاہ کردے جو منافقین کے دلوں میں ہیں، آپ فرمائیے: تم مذاق اڑاتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو۔[۴۸]

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَ نَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور اگر آپ ان سے سوال کریں تو وہ کہیں گے: ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کر رہے تھے، آپ فرمائیے: کیا تم اللہ تعالیٰ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟[۴۹]

بڑی رسوائی ہوگی۔

[۴۸] منافقین کو اکثر یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہماری منافقت کا پردہ چاک کردے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا: تم بے شک مذاق اڑاتے رہو ایک دن اللہ تعالیٰ تمہارے نفاق کو ظاہر فرما دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو منافقین کے نام اور ان کے حالات کا علم عطا فرما دیا۔ (تفسیر قرطبی) اور حضور اکرم ﷺ نے ان کی بنائی ہوئی مسجد کو بھی مسمار کرا دیا جس کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۰۷ میں آ رہا ہے۔

[۴۹] منافقین اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑاتے اور جب ان سے اس منافقت پر باز پرس کی جاتی تو بہانہ سازی کرتے اور کہتے: ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس ہنسی مذاق کے لئے اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کا رسول ﷺ ہی رہ گیا ہے؟ لہٰذا بہانے مت بناؤ۔ پہلے بھی منافقت کی وجہ سے تم صرف نام کے مسلمان تھے اب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑانے کے بعد گویا ظاہری اسلام لانے کے بعد اعلانیہ کفر کا ارتکاب کر چکے ہو، لہٰذا تم میں سے جو گروہ بچی توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے اسے تو ہم معاف کر دیں گے مگر جو کفر و نفاق پر اڑے رہے انہیں ہم ضرور عذاب میں مبتلا کریں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝٦٦

٦٦۔ اب بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ہم دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٦٧

٦٧۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نظر انداز کر دیا، بے شک منافقین ہی فاسق ہیں۔[٥٠]

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝٦٨

٦٨۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

٦٩۔ (اے منافقو! تم) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ تم سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال اور اولاد والے تھے، سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا، پھر تم نے بھی اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا تھا اور تم بھی فضول کاموں میں مشغول ہو گئے جیسا کہ وہ فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے، ان لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت

[٥٠] منافق مرد ہوں یا عورتیں سب کا مزاج اور مشن ایک جیسا ہے۔ برائی سے لگاؤ، نیکی کرنے اور نیک کاموں میں خرچ کرنے سے فرار ان کا معمول ہے گویا اللہ تعالیٰ اور اس کی باز پرس کو بالکل بھلا دیا ہے، تو جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش کر دیا اس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن انہیں اپنے رحم و کرم سے محروم کر دے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

میں ضائع ہو گئے [۵۱] اور وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ کیا ان لوگوں کے پاس ان سے پہلے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی، نوح علیہ السلام کی قوم کی اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم علیہ السلام کی اور اصحاب مدین کی اور (قوم لوط کی) جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا، ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے، پس اللہ تعالیٰ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ [۵۲]

---

[۵۱] اے منافقو! تم بھی پہلے زمانے کے کافروں کی طرح ہو، وہ بھی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایات کو چھوڑ کر دنیاوی خواہشات میں مگن رہے اس لئے ان کے اعمال ضائع ہو گئے، تم بھی ان کی طرح ہدایت کو چھوڑ کر دنیاوی لذات میں گھرے ہوئے ہو، لہٰذا تمہارے اعمال بھی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اکارت جائیں گے۔ تم سے پہلے کافروں کے پاس تو قوت اور مال و دولت بھی تم سے زیادہ تھی، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے اور تم جبکہ ان کی بہ نسبت کمزور ہو تو تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے؟ لہٰذا آج وقت ہے توبہ کر کے سچے مسلمان بن جاؤ ورنہ یہ تمہاری ظاہری نمازیں اور نیکیاں اکارت جائیں گی۔

[۵۲] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جن قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان میں سے چھ قوموں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے:

۱۔ قوم نوح علیہ السلام: عراق میں آباد تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو پانی میں غرق کر دیا۔ (قرآن: ۷:۶۴)

۲۔ قوم عاد: جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام بھیجے گئے وہ یمن میں آباد تھی اور اس کو آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ (قرآن: ۷:۷۲)

۳۔ قوم ثمود: کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، وہ حجاز و شام کے درمیان آباد تھی، اس کو زلزلہ سے تباہ کر دیا گیا۔ (قرآن: ۷:۷۸)

۴۔ قوم ابراہیم علیہ السلام: عراق کے شہر بابل میں آباد تھی، اس کے بادشاہ، نمرود کے دماغ پر مچھر مسلط کر دیا گیا اور اس کی قوم کو نعمتوں سے محروم کر کے اسے ہلاک کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر)

۵۔ اصحاب مدین: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی، یہ بحر احمر کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق میں آباد تھے، ان کو ایک زبردست زلزلہ نے فنا کر دیا۔ (قرآن: ۷:۹۱)

۶۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم: شام کے جنوب میں آباد تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا۔ (قرآن: ۷:۸۴) اور ان کی زمین کو الٹ کر ان کو تباہ کر دیا۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

۷۱۔ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان ہی لوگوں پر عنقریب اللہ تعالی رحم فرمائے گا، بے شک اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

۷۲۔ اللہ تعالی نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اُن جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نیز سدا بہار جنتوں میں پاکیزہ مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ تعالی کی رضا ان سب سے بڑی نعمت ہے، [۵۳] یہی بڑی کامیابی ہے۔

ان قوموں کے پاس ان کے انبیاء کرام علیہم السلام روشن معجزات لے کر آئے مگر ان قوموں نے معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالی نے ان پر مختلف عذاب نازل فرمائے اور آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

یہ قومیں عرب کے آس پاس آباد تھیں۔ عرب والے اپنے تجارتی سفروں میں ان کی برباد بستیوں اور ویران مکانات کو دیکھتے تھے نیز ان قوموں اور بستیوں کی تباہی کے واقعات عرب میں مشہور تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے منافقین عرب کو تنبیہ فرمائی کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور اپنی جانوں پر ظلم کر کے اللہ تعالی کے عذاب کو دعوت نہ دیں اور اگر انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی مخالفت جاری رکھی تو پہلی قوموں کی طرح ان کا ٹھکانہ بھی جہنم ہوگا۔

[۵۳] اللہ تعالی کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے، تو نے ہمیں اتنا عطا فرمایا جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا، وہ عرض کریں گے: اس سے افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالی فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کر دوں گا، اس کے بعد تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری: کتاب التوحید: باب ۳۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: اللہ تعالی کی رضا سے اہل جنت کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوگی وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوگی۔ (تفسیر بحر محیط) اگرچہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی فلاح اور سعادت اللہ تعالی کی رضا کا مظہر ہے مگر اس کا مظہر اتم حسنِ ازل کا دیدار ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم عنقریب (جنت میں) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے، [۵۴] ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا

۷۴۔ وہ (منافق) اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے [۵۵] اور اپنے اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد کفر (ظاہر) کیا اور انہوں نے اس چیز کا ارادہ بھی کیا جس کو وہ نہ

طرح تم چودہویں کے چاند کو دیکھتے ہو۔ (بخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ: باب ١٦)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب کھول دے گا اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔ (مسلم: کتاب الایمان: باب ٨٠)

[۵۴] منافقین کی سازشوں کے باوجود حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ اکثر درگزر سے کام لیتے رہے۔ ان کے جنگوں میں شریک نہ ہونے پر بھی سخت گیری نہیں کی بلکہ ان کے عذروں کو قبول کر لیتے کیونکہ مسلمانوں کی طاقت اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ بیرونی دشمنوں سے لڑنے کے ساتھ ساتھ اندرونی دشمنوں سے بھی میدان جنگ گرم کر دیتے مگر سن ۹ھ میں جب پورے عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور عرب سے باہر کی طاقتوں سے کشمکش کا سلسلہ شروع ہو رہا تھا اب ان آستین کے سانپوں کا سر کچلنا ضروری ہو گیا تھا تا کہ یہ لوگ بیرونی طاقتوں سے ساز باز کر کے اسلامی مملکت میں کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا کر سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی ﷺ! آخرت میں منافقین کا ٹھکانہ تو جہنم ہی ہوگا مگر اب اس دنیا میں بھی ان کے خلاف جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ یہاں پر منافقین کے ساتھ جہاد سے مراد قتال نہیں ہے بلکہ ان کی سازشوں پر سخت گیر موقف اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (تفسیر قرطبی) کیونکہ منافقین نے نو سال کی نرمی اور درگزر کی کوئی قدر نہیں کی۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے تبوک سے واپسی پر منافقین کی مسجد ضرار کو گرانے کا حکم دے دیا تا کہ وہ مسلمانوں کے اندر انتشار پیدا نہ کر سکیں۔

[۵۵] مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن میں منافقین نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے لیکن جب رسول اکرم ﷺ نے استفسار کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ انہوں نے ایسے گستاخانہ کلمات نہیں کہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تصدیق کر دی کہ واقعی ان منافقین نے گستاخانہ کلمات کہے تھے۔ پہلے بھی منافقت کی وجہ سے وہ صرف ظاہری طور پر نام کے مسلمان تھے اور حقیقت میں کافر تھے لیکن اب تو رسول اکرم ﷺ کی گستاخی کی وجہ سے ان کا کفر ظاہر ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے اور گستاخی کرنے والا

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

پا سکے،[۵۶] اور ان کی دشمنی صرف اس وجہ سے تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا،[۵۷] پس اگر وہ توبہ کریں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کے لئے زمین میں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔

مسلمان نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف نے فرمایا: جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے، آپ ﷺ کی تکذیب کرے، آپ ﷺ میں نقص نکالے یا آپ ﷺ کی شان میں کمی کرے وہ اللہ تعالیٰ کا منکر اور کافر ہو جاتا ہے۔ (کتاب الخراج: امام ابو یوسف: ص ۱۹۹)

[۵۶] تبوک سے واپسی پر ۱۵ منافقین نے رات کے وقت ایک گھاٹی میں حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا مگر آپ کی حفاظت پر مقرر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان نقاب پوش منافقوں کو آتے دیکھ کر للکارا تو وہ واپس بھاگ گئے۔ (تفسیر بحر محیط) اور اپنے ناپاک ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فرمایا: منافقین پر سختی کرو اور اس آیت میں فرمایا: منافقین گستاخانہ کلمات کہنے کی وجہ سے ظاہراً بھی کافر ہو چکے ہیں، نیز انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بھی بنایا جس میں وہ ناکام ہو گئے۔ یہ دونوں آیتیں ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ منافق کہتے ہیں۔ اگر ان میں نفاق ہوتا تو حضور اکرم ﷺ ان پر سختی کر کے ان کے کفر کا اعلان کر دیتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات حضور اکرم ﷺ کے سب سے زیادہ قابل اعتماد وزیر اور مشیر تھے اور ان کی خلوص بھری خدمات کے صلہ میں حضور اکرم ﷺ نے ایک کو صدیق اور دوسرے کو فاروق کا خطاب عطا فرمایا۔ منافقین تو اسلام کو مٹانے میں ناکام ہو گئے مگر ان دو حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسلام کو پھیلانے میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے دو وزیر اہل آسمان سے اور دو وزیر اہل زمین سے ہوتے ہیں۔ میرے دو وزیر اہل آسمان سے جبرائیل و میکائیل ہیں اور اہل زمین سے ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (کنز العمال: حدیث نمبر ۳۲۶۴۷: جلد ۱۱: ص ۵۶۰)

[۵۷] انصار کی طرح مدینہ کے منافقین بھی غریب لوگ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے مدینہ ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا اور مختلف اطراف سے کثرت سے لوگ مدینہ آنے لگے جس سے اہل مدینہ کی تجارت کو عروج ملا، نیز مال غنیمت کی وجہ سے بھی مسلمانوں کی طرح منافقین بھی دولت مند ہو گئے کیونکہ بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں بھی مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ منافقین حضور اکرم ﷺ کی آمد کا شکریہ ادا کرتے مگر وہ احسان فراموشی کرتے ہوئے الٹا دشمنی پر اتر آئے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝

۷۵۔ اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔[۵۸]

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝

۷۶۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور (اپنے عہد سے) پھر گئے اور وہ روگردانی کرنے والے تھے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝

۷۷۔ سو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق ڈال دیا جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔[۵۹]

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝

۷۸۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اب بھی اگر وہ توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ اور اللہ کا رسول پہلے کی طرح ان پر مہربانی فرماتے ہوئے ان کی توبہ قبول فرمالے گا اور اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو آخرت میں دردناک عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔

[۵۸] بعض غریب منافقین نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت عطا کیا تو ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم اس دولت سے ضرور صدقہ وخیرات کیا کریں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت سے نوازا تو وہ بخیل بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں سے منحرف ہو گئے۔

[۵۹] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب ایک خطا کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے اس خطا سے باز آجائے تو اس کا دل پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ خطا کرے (اور بار بار کرتا رہے) تو وہ سیاہی بھی بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (ترمذی: تفسیر القرآن: باب ۷۵) پھر اس دل کے اندر ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت ختم

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

۷۹۔ جو (منافق) لوگ ان اہل ایمان پر (ریا کاری کا) الزام لگاتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں، اور جن (اہل ایمان) کے پاس (صدقہ کے لئے) ان کی محنت کی مزدوری کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو یہ (منافق) ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس مذاق کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔[۶۰]

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع

۸۰۔ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی مغفرت طلب کریں تو بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔[۶۱]

ہوجاتی ہے۔اسی طرح ان منافقوں نے بار بار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کذب بیانی اور عہد شکنی کر کے اپنے دلوں کو نفاق کا ایسا عادی بنا دیا ہے کہ پھر مرنے تک اس نفاق سے نجات حاصل نہ کر سکے۔

[۶۰] ایک دن حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطاب میں چندہ کی ترغیب دی تو صحابہ کرام ؓ نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر چندہ دیا۔ جب امیر صحابہ کرام ؓ نے کثیر مال پیش کیا تو منافق کہنے لگے: یہ ریا کاری کر رہے ہیں اور جب غریب صحابہ کرام ؓ اپنی استعداد کے مطابق چند کھجوریں پیش کرتے تو منافق ان کا مذاق اڑانے لگے کہ چند کھجوروں سے کیا بنے گا اللہ تعالیٰ ان کھجوروں سے بے نیاز ہے۔(تفسیر منیر) الغرض کوئی تھوڑی خیرات کرتا یا زیادہ یہ منافق دونوں کو اپنے طعن کا نشانہ بناتے۔اس طعن کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں جہنم رسید کرے گا حالانکہ اس دنیا میں بھی وہ ہر وقت پریشان رہتے ہیں کہ کہیں ان کی منافقت کا راز فاش نہ ہوجائے۔

[۶۱] یعنی جو منافق توبہ کر کے صحیح مسلمان بن جائیں ان کی تو مغفرت ہوجائے گی لیکن جو منافق اپنے کفر یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے انکار پر مرتے دم تک قائم رہیں ان کے لئے جتنی بار بھی مغفرت طلب کی جائے اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔اس وقت تک منافقوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا ممنوع نہیں تھا، بعد میں آیت نمبر ۸۴ کے ذریعہ منافقوں کا جنازہ پڑھنا اور ان کی قبر پر جانا منع کر دیا گیا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾

٨١۔ جن لوگوں کو (جنگ تبوک سے) پیچھے رہ جانے کی اجازت دی گئی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کی (جہاد پر) روانگی کے بعد (اپنے گھر) بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے (دوسروں کو بھی) کہا کہ گرمی میں (لڑائی کے لئے) نہ نکلو، آپ فرمایئے: دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے، کاش! وہ سمجھتے۔ [٦٢]

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

٨٢۔ پس انہیں چاہیے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ، یہ ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے۔ [٦٣]

[٦٢] منافقین نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور جھوٹے عذر پیش کر کے لشکر تبوک کے ساتھ نہ جانے کی اجازت لے لی اور وہ اس کو اپنی کامیابی سمجھ کر بڑے خوش تھے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو دھوکہ دے کر جنگ اور گرمی کی تکلیفات سے اپنے آپ کو بچا لیا ہے، نیز دوسروں کو بھی تبوک جانے سے روکتے کہ گرمی میں اتنے لمبے سفر پر نہ جاؤ بہت تکلیف اٹھاؤ گے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان کر دیا کہ منافقین بڑے جاہل ہیں کیونکہ جہاد سے انکار کی وجہ سے جس دوزخ کی آگ کے وہ مستحق قرار پائے ہیں وہ اس سے بہت زیادہ گرم ہوگی، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری اس دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہی آگ کافی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس پر انہتر حصہ زیادہ کر دی گئی ہے، ان میں سے ہر حصہ میں اتنی ہی گرمی ہے۔ (بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ١٠)

[٦٣] حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔
(ترمذی: ابواب الزھد: باب ٩: حدیث نمبر ٢٣١٣)

منافقین لشکر تبوک میں شریک نہ ہونے پر بڑے خوش تھے لیکن ان کے یہ خوشی کے دن بہت تھوڑے ہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ روتے رہیں گے کیونکہ جہاد سے انکار کی وجہ سے ان کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: دنیا چند روزہ ہے، اس میں جتنا چاہو ہنس لو، پھر جب دنیا ختم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگے تو رونا شروع ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! روؤ، اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخی دوزخ میں روئیں گے حتیٰ کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح بہیں گے گویا کہ وہ نہریں ہیں یہاں تک کہ ان کے آنسو ختم ہو جائیں گے، پھر ان کا خون بہنے لگے گا۔ (مجمع الزوائد: جلد ١٠: ص ٣٩١)

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ اے رسول! اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور وہ آپ سے جہاد پر نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ فرمایئے: اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے، اور کبھی بھی میری معیت میں کسی دشمن سے قتال نہ کر سکو گے، تم نے پہلی مرتبہ گھر میں بیٹھے رہنا خود پسند کیا تھا تو اب پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ [۶۴]

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور (اے رسول!) ان منافقوں میں سے جو کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، [۶۵] بے شک انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حالت میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔

---

[۶۴] پیارے نبی ﷺ! جب آپ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائیں اور لشکر تبوک میں شریک نہ ہونے والے منافقین آپ سے آئندہ کسی غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں تو انہیں واضح اعلان کر دو کہ اب تم کبھی بھی میری معیت میں کسی غزوہ میں نہ جا سکو گے کیونکہ تم نے لشکر تبوک میں شریک نہ ہو کر اپنے نفاق کو ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا تم عورتوں اور معذوروں کی طرح گھروں میں ہی بیٹھو۔ ویسے بھی منافقوں کو جنگوں میں ساتھ رکھنا خطرات سے خالی نہ ہوگا۔

[۶۵] علامہ فخر الدین رازی نے حضرت ابن عباس ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہوا تو حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس نے عرض کیا کہ جب وہ مر جائے تو حضور اکرم ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں، پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ میرے کفن کے لئے آپ اپنی قمیص مجھے عطا فرمائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے وہ قمیص واپس بھجوا دی اور عرض کیا کہ مجھے وہ قمیص عنایت فرمائیں جو آپ کے جسد اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمر ؓ پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک انسان کو اپنی پاک قمیص کیوں عطا فرماتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری قمیص اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کرے گی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو اسلام میں داخل کر دے گا۔'' بہت سے منافقین ہر وقت عبداللہ بن ابی کے پاس رہتے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سردار آخری وقت میں حضور اکرم ﷺ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے اور امید رکھتا ہے کہ یہ قمیص اس کو قبر میں فائدہ دے گی تو اس دن ان میں سے ایک ہزار منافقین نے سچے

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔[۶۶]

وَ اِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو تو ان میں سے طاقت والے آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں۔[۶۷]

دل سے اسلام کو قبول کر لیا۔ (تفسیر کبیر)

جب عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کو حضور اکرم ﷺ کی قمیص میں کفن دیا گیا، پھر حضور اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے جنازہ کے ساتھ چلے اور اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے اور جب آپ اس کی قبر سے واپس ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے منافق کی نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر جانے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کبھی بھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ ہی کسی منافق کی قبر پر تشریف فرما ہوئے۔ (تفسیر ابن جریر) آیت نمبر ۸۰ سے معلوم ہوا تھا کہ منافقین کے لئے طلب مغفرت کرنے سے اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا تو پھر آپ ﷺ نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی جبکہ نماز جنازہ میں دعائے مغفرت بھی ہوتی ہے؟ اہل علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس جنازہ پڑھانے کا مقصد اس کی مغفرت کا حصول نہیں تھا کیونکہ منافقین کے لئے شفاعت فائدہ مند نہیں ہوتی۔ دراصل اس کا مقصد ایک ہزار منافقین کا اسلام تھا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے خود واضح فرمایا کہ میری قمیص اس سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کرے گی لیکن مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو اسلام میں داخل کر دے گا۔ اور فی الواقع اسی دن جنازہ کے بعد ایک ہزار منافقین نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔ (تفسیر کبیر) نیز اس وقت تک منافقین کا جنازہ نہ پڑھانے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا۔

[۶۶] اس آیت کی تفسیر کے لئے آیت نمبر ۵۵ کا حاشیہ نمبر ۴۱ ملاحظہ کریں۔

[۶۷] جب کبھی ایسی آیت نازل ہوتی جس میں یہ حکم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ پر خالص ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کے ہمراہ جہاد کرو تو منافقین میں سے اچھے خاصے صحت مند اور مال و دولت والے جہاد پر نہ جانے کے بہانے بناتے اور معذوروں کی طرح گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتے۔ چونکہ انہوں نے خود جہاد کی خلاف ورزی کو پسند کیا اس لئے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دی گئی

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ لیکن رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

۸۹۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ دیہاتیوں میں سے بہانہ بنانے والے آئے تاکہ انہیں بھی (جہاد سے) اجازت مل جائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے، [۶۸] ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

۹۱۔ کمزور اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں (اگر یہ جہاد میں شریک نہ ہوں تو) ان پر کوئی

کہ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو نہیں سمجھتے۔

[۶۸] جس طرح اہل مدینہ میں مخلص مسلمان بھی تھے اور منافق بھی اسی طرح مدینہ کے اردگرد دیہاتوں میں بھی کچھ سچے اہل ایمان تھے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۹۹ میں آ رہا ہے لیکن ان دیہاتوں میں منافقین بھی رہتے تھے جن میں سے بعض ایسے منافق تھے جو جھوٹے بہانے بنا کر جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے کی اجازت مانگنے لگے اور بعض ایسے منافق تھے جنہوں نے بہانہ بنانے کی بھی پرواہ نہ کی اور از خود جہاد میں شریک نہ ہوئے اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پہلے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا جھوٹ بولا تھا۔ درحقیقت وہ کافر ہی تھے اور ان منافقین میں سے جو آخر دم تک کفر سے چمٹے رہیں گے انہیں آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا البتہ جو سچے دل سے توبہ کر لیں گے وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۹۱﴾

حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخلص ہوں، ایسے نیکوکاروں پر الزام کی کوئی گنجائش نہیں، [۶۹] اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۭ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انہیں (جہاد کے لئے) سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ [۷۰]

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ البتہ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں، انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، پس وہ کچھ نہیں جانتے۔ [۷۱]

---

[۶۹] یعنی کمزور، بیمار یا جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخلص ہیں، تو ایسے نیک لوگ اگر جہاد میں شریک ہونے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

[۷۰] نیز ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے جو سواری نہ ملنے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ تبوک بہت دور تھا اور سواری کے بغیر اتنا لمبا سفر مشکل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کسی نیک کام میں شریک ہونے کا دلی ارادہ رکھتے ہوں اور کسی حقیقی مجبوری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں اور انہیں اس میں شریک نہ ہو سکنے کا دلی غم ہو تو ایسے خوش نصیب لوگوں کو گھر بیٹھے ہوئے بھی اس نیک کام میں شرکت کا ثواب مل جاتا ہے، جیسا کہ تبوک سے واپسی پر دورانِ سفر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جو سفر بھی کیا اور تم جس وادی میں بھی گئے وہ اس جہاد کے اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا مدینہ ہی میں رہتے ہوئے؟ فرمایا: ہاں مدینہ میں رہتے ہوئے کیونکہ انہیں مجبوری نے روک لیا تھا۔

(ابن ماجہ: ابواب الجہاد: باب ۶)

[۷۱] اس کی تفسیر کے لئے حاشیہ نمبر ۶۷ ملاحظہ کریں۔

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ (اے مسلمانو!) جب تم (تبوک سے) لوٹ کر ان (منافقین) کی طرف جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے بہانے پیش کریں گے، [۷۲] (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ فرما دیجیے کہ بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری بات کا ہرگز یقین نہیں کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، پس تم ان سے منہ پھیر لو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، یہ بدلہ ہے ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں۔ [۷۳]

يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ وہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا۔ [۷۴]

[۷۲] تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو منافقین تمہارے پاس آئیں گے اور لشکر تبوک میں شریک نہ ہونے کے بہانے پیش کریں گے لیکن تم انہیں صاف صاف کہہ دینا: اب بہانے بنانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے اصل حالات اور خفیہ ارادوں سے آگاہ کر دیا ہے، لہٰذا ہم تمہاری باتوں پر یقین نہیں کریں گے، نیز آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے احوال دیکھ رہے ہیں، اگر تم توبہ کر کے سچے مسلمان بن جاؤ تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے ورنہ یہ جھوٹے حیلے بہانے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے اور قیامت کے دن جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے تمہارے سارے کرتوت کھول کر بیان کر دے گا۔

[۷۳] تبوک سے واپسی پر منافقین مدینہ تمہارے پاس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر بہانے پیش کریں گے تاکہ تم انہیں معاف کر دو لیکن تم ان کی پرواہ نہ کرو اور ان سے اجتناب کرو کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور اپنے ناپاک عقائد و اعمال کی وجہ سے ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

[۷۴] منافقین مدینہ قسمیں کھا کر تمہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اگر یہ تم کو دھوکہ دے کر راضی کر بھی لیں تب بھی یہ اللہ تعالیٰ کو

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ یہ دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں [۷۵] اور وہ اسی لائق ہیں کہ ان احکام سے جاہل رہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآٮِٕرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآٮِٕرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں [۷۶] اور تم (مسلمانوں) پر (زمانہ کی) گردشوں کے منتظر رہتے ہیں حالانکہ بری گردش تو انہی پر مسلط ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ

۹۹۔ اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے قرب اور رسول ﷺ کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، [۷۷] سنو! یہ (راہِ خدا میں خرچ

دھوکہ نہیں دے سکتے اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک وہ فسق اور نفاق سے سچی توبہ نہ کرلیں۔

[۷۵] مدینہ کے ارد گرد رہنے والے دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں شہریوں کی نسبت زیادہ سخت تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دیہات میں رہنے کی وجہ سے ان کو مدینہ میں آنے اور قرآن و حدیث سننے کا موقع بہت کم ملتا تھا اس لئے ان کا اسلامی احکام سے ناواقف رہنا ایک فطری امر تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ دیہات کے سخت ماحول کی وجہ سے ان کے دل سخت اور ان کے مزاج کرخت ہوتے ہیں اس لئے نئی دعوت کی طرف ان کا مائل ہونا آسان نہیں تھا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص دیہات میں رہتا ہے وہ سخت دل ہوتا ہے۔" (ترمذی: ابواب الفتن: باب ۶۹) ایک دفعہ نبی ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا (نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا)، اس دیہاتی نے پوچھا: کیا تم بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ ہم تو ان کو بوسہ نہیں دیتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم و شفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟ (بخاری: کتاب الأدب: باب ۱۸)

[۷۶] بعض دیہاتی اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے راہ خدا میں خرچ تو کرتے مگر اسے تاوان سمجھتے اور اس انتظار میں رہتے کہ کسی طرح مسلمان مصائب کا شکار ہو کر ذلیل و خوار ہو جائیں تاکہ اس تاوان سے ہماری نجات ہو جائے لیکن انہیں کیا خبر مصیبت تو ان پر آنے والی ہے کیونکہ اسلام غالب ہوگا اور منافقین رسوا ہوں گے۔

[۷۷] یعنی سارے دیہاتی ایک جیسے نہیں، ان میں بعض خوش نصیب دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر سچے دل سے ایمان رکھتے

سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

کرنا اور رسول ﷺ کی دعائیں لینا) یقیناً ان کے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور مہاجرین وانصار میں سے سب سے پہلے سبقت لے جانے والے اور جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے [۷۸] اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

ہیں اور جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اسے تاوان نہیں سمجھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور رسول ﷺ کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ صدقہ دینے والے کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمایا کرتے اور رسول اکرم ﷺ کی دعا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے بلند ترین مقصد ہے اور حضور اکرم ﷺ کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

[۷۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے مسلمانوں کو جنت اور اپنی رضا کی خوش خبری سنائی ہے:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخش دیا اور ان کے لئے جنت اور اپنی رضا کو واجب کر دیا۔ (تفسیر روح المعانی) اللہ تعالیٰ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ صرف راضی ہوا بلکہ ان کے ایمان اور عمل صالح کو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے ایک معیار قرار دیا۔

(۲) دیگر مسلمان: اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو بھی جنت اور اپنی رضا کی خوش خبری سنائی مگر ساتھ شرط یہ لگائی کہ وہ ایمان اور عمل صالح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کریں اور ان پر زبان طعن دراز نہ کریں۔ (تفسیر روح المعانی)

صحابی کی تعریف: صحابی اس خوش نصیب انسان کو کہتے ہیں جو ایمان کی حالت میں نبی آخر الزمان ﷺ کی صحبت یا زیارت سے فیض یاب ہوا، پھر ایمان پر قائم رہا اور اس کی وفات بھی ایمان کی حالت میں ہوئی۔

حضور اکرم ﷺ کی پوری امت میں سب سے افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(فتح الباری: جلد ۷: ص ۱۷)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔۛ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور (اے مسلمانو!) تمہارے گرد و پیش دیہاتیوں میں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، [۷۹] آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں، عنقریب ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ میرے صحابہ کی تعظیم کرو کیونکہ وہ تم سے بہتر ہیں۔ (مشکوٰۃ: باب مناقب صحابہ: فصل ثانی)

۲۔ اس مسلمان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو (ایمان کی نظر سے) دیکھا۔
(ترمذی: حدیث نمبر ۳۸۵۸: ابواب المناقب: باب ۵۷)

۳۔ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو کہو: تمہارے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔
(ترمذی: حدیث نمبر ۳۸۶۶: ابواب المناقب: باب ۶۰)

۴۔ میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے تو وہ میرے صحابہ کے ایک کلوگرام بلکہ آدھا کلوگرام (جو خیرات کرنے کے اجر) کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (بخاری: فضائل اصحاب: باب ۵)

۵۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی پیروی کرلو ہدایت پا جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ: مناقب صحابہ: فصل ثالث)

[۷۹] گذشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو چکا تھا۔ اس آیت میں ان ماہر منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق ابھی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی تھا مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفاق سے بھی آگاہ فرما دیا۔ ان شاطر منافقین کو قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے دو قسم کے عذابوں سے واسطہ پڑے گا۔ ایک تو دنیا میں ہر وقت اپنے نفاق کو چھپانا اور اسلام سے انتہائی بغض رکھنے کے باوجود بظاہر اس پر عمل کرنا بھی کچھ کم عذاب نہیں تھا کہ ایک دن جمعہ کے اجتماع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کے نام لے کر انہیں مسجد سے نکال دیا اور دوسرا قبر کا عذاب ہے جو قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ان کو پہنچے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اے فلاں! تو مسجد سے نکل جا کیونکہ تو منافق ہے، اے فلاں! تو مسجد سے نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کر دیا۔ اس دن کسی کام کی وجہ سے اس وقت تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے۔ جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو منافقین مسجد سے نکل رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ جمعہ کی نماز ہو چکی ہے اور یہ لوگ جمعہ پڑھ کر واپس جا رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اجتناب کیا اس شرمندگی کی وجہ سے کہ وہ جمعہ میں شریک نہیں ہو سکے اور منافقین نے

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ اور بعض دوسرے وہ (مسلمان) ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے انہوں نے نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں کے ساتھ ملا دیا، [۸۰] امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ

۱۰۳۔ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے [۸۱] جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک اور صاف فرمائیں اور ان

حضرت عمرؓ سے اجتناب کیا، ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کو ان کے معاملہ کا علم ہوگیا ہے، لیکن جب حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو ابھی تک لوگوں نے نماز جمعہ ادا نہیں کی تھی۔ ایک مسلمان نے حضرت عمرؓ سے کہا: آپ کو خوش خبری ہو اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو رُسوا کر دیا ہے، تو ان پر پہلا عذاب یہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد سے نکالا اور دوسرا عذاب انہیں قبر میں ہوگا۔ (تفسیر ابن جریر) اس دن حضور اکرم ﷺ نے 36 منافقین کا نام لے کر انہیں مسجد سے نکال دیا۔

(تفسیر روح المعانی)

[۸۰] منافقین تو دانستہ لشکر تبوک میں شریک نہ ہوئے اور جھوٹے بہانے بنائے مگر دس مسلمان محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے لشکر تبوک میں شریک نہ ہوئے حالانکہ اس سے پہلے وہ جہاد میں شریک ہوتے اور نیک کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ اس دفعہ لشکر تبوک میں شریک نہ ہو کر وہ برے کام کا ارتکاب تو کر بیٹھے مگر جب حضور اکرم ﷺ تبوک سے واپس آئے تو ان میں سے سات یعنی ابولبابہؓ اور دیگر چھ مسلمان بہت نادم ہوئے، سچے دل سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ انہیں معاف کر کے خود نہیں کھولیں گے وہ اسی طرح بندھے رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہ دے گا۔ بالآخر یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھولنے کا حکم دیا اور انہیں معاف کر دیا۔ (تفسیر قرطبی) یہ آیت اگرچہ چند مخصوص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کا حکم قیامت تک کے لئے عام ہے۔ آج جو مسلمان نیکیوں کے ساتھ برائیاں بھی کرتے ہیں اگر وہ برائیوں سے سچی توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔ (تفسیر بحر محیط)

[۸۱] حضرت ابولبابہؓ اور ان کے چھ ساتھیوں کی توبہ قبول ہوگئی اور جب انہیں مسجد کے ستونوں سے کھول دیا گیا تو وہ اپنے اپنے گھر گئے۔ اپنا سارا مال و متاع اٹھا کر لے آئے اور عرض کی: اے نبی مکرم ﷺ! یہ ہے ہمارا مال و متاع جس نے ہمیں جہاد میں شرکت سے محروم رکھا، آپ اس کو راہِ خدا میں تقسیم کر کے ہمیں پاک کریں اور ہمارے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ (حاشیہ صاوی) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا۔ بالآخر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے دو تہائی مال انہیں واپس کر

سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

کے لئے دعا فرمائیں، [۸۲] بے شک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

۱۰۴۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

دیا اور ایک تہائی مال خیرات کے لئے قبول کر لیا اور اگر ان کا صدقہ قبول نہ کیا جاتا تو شاید انہیں گراں گزرتا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ توبہ قبول ہونے سے وہ گناہوں سے تو پاک ہو چکے پھر صدقہ لے کر پاک کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ سے گناہ تو معاف ہو گیا یعنی اس پر مؤاخذہ باقی نہیں رہتا لیکن بعض طبیعتوں پر ایک قسم کا روحانی بوجھ باقی رہ سکتا ہے جو گناہ کا طبعی اثر ہے یعنی اس کے دل میں کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ کاش! وہ یہ گناہ نہ کرتا مگر جب صدقہ دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس نے توبہ کے ساتھ اپنے گناہ کا کفارہ بھی ادا کر دیا ہے، اس طرح صدقہ اس کے لئے مزید اطمینانِ قلب کا باعث بنتا ہے اور اس کو گناہ کے اثرات سے بھی پاک کر دیتا ہے۔ اسی مقصد کے لئے حضرت ابولبابہ ﷜ اور ان کے ساتھی اپنا مال صدقہ کرنے کے لئے لائے تھے۔

[۸۲] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کریں۔ چنانچہ یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے کہ آپ صدقہ دینے والے کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ ابو اوفیٰ ﷜ کے بیٹے نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی آدمی نبی پاک ﷺ کے پاس صدقہ کا مال لاتا تو آپ ﷺ (یوں دعا) فرماتے: اے اللہ تعالیٰ! اس پر رحمت نازل فرما۔ ایک دفعہ میرا باپ (ابو اوفیٰ ﷜) اپنے صدقہ کا مال لایا تو نبی اکرم ﷺ نے (اللہ کے حضور) عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! ابو اوفیٰ ﷜ کی آل پر رحمت نازل فرما۔ (بخاری: کتاب الدعوات: باب ۳۳) اس سے معلوم ہوا کہ آج بھی جو خدا کی رضا کے لئے صدقہ خیرات کرے حضور اکرم ﷺ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں گے اور رسول اکرم ﷺ کی دعا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے بلند ترین مقصد ہے، حضور اکرم ﷺ کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی: سورہ توبہ: زیر آیت نمبر ۹۹) نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، ہر صبح اور ہر شام تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ میں تمہارے اچھے اعمال پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں اور تمہارے برے اعمال پر تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

(حاشیہ صاوی و مجمع الزوائد: ۹: ۲۴)

اس آیت کے ضمن میں اہل علم لکھتے ہیں کہ صدقہ لینے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے والے کو یہ کہا جائے: جو مال تو نے دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے۔ اس صدقہ کے ذریعہ تجھے پاک کرے اور باقی مال میں برکت عطا فرمائے۔ (تفسیر روح المعانی)

صدقہ دینے کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ جو شخص حلال کی کمائی سے ایک کھجور کے دانہ کے برابر صدقہ کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ اور حلال صدقہ ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ صدقہ کو اپنے دستِ قدرت کے ساتھ قبول فرماتا ہے، پھر اس صدقہ کو صدقہ دینے والے کے لئے بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ صدقہ کھجور کی مانند بڑھ کر (قیامت کے دن) پہاڑ کے برابر بن جائے گا۔ (بخاری: کتاب الزکوۃ: باب ۸)

۲۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بُرے انجام سے بچالیتا ہے۔ (ترمذی: ابواب الزکوۃ: باب ۲۸)

۳۔ صدقہ سے اپنے مریضوں کا علاج کرو کیونکہ صدقہ تمہاری بیماریوں اور مشکلات کو دور کرتا ہے اور تمہاری نیکیوں اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔ (کنز العمال: حدیث نمبر ۱۶۱۱۳: جلد ۶: ص: ۳۷۱)

۴۔ صدقہ کرنے میں جلدی کرو کیونکہ صدقہ آنے والی مصیبت کے راستہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

(کنز العمال: حدیث نمبر ۱۶۲۴۳: جلد ۶: ص: ۳۹۹)

۵۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے اور اس کی مصیبت دور کی جائے وہ کسی تنگدست کے لئے کشادگی کرے۔

(احمد: جلد دوم: ص ۲۳)

۶۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! کس صدقہ کا زیادہ ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تو تندرست بخیل ہے، فقر سے ڈرتا ہے اور مالدار ہونے کی امید رکھتا ہے اور اتنا انتظار نہ کر کہ جب جان حلق تک پہنچ جانے کے قریب ہو اور تو کہے کہ فلاں کے لئے اتنا مال ہے اور فلاں کے لئے اتنا مال ہے حالانکہ مال فلاں کا ہو چکا ہے۔

(بخاری: کتاب الزکوۃ: باب ۱۱)

صدقہ دینے کا وقت

صدقہ دینے کا بہترین وقت موت سے پہلے ہے۔ چونکہ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے اس لئے صدقہ دینے میں جلدی کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو اس وقت وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کیوں مہلت نہ دی تا کہ میں صدقہ کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ (قرآن: ۶۳: ۱۱-۱۰) اسی لئے بزرگ کہتے ہیں نیکی کا خیال آجائے تو فوراً کرلو کسی سے مشورہ نہ کرو ممکن ہے کوئی غلط مشورہ دے کر تمہیں نیکی سے محروم کردے لیکن برائی کا خیال آئے تو دوستوں سے مشورہ کرو ممکن ہے کوئی اچھا مشورہ دے اور تو برائی سے بچ جائے۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور آپ ﷺ فرما دیجئے: تم عمل کرتے رہو، [۸۳] پھر تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور مؤمنین (سب ہی) دیکھ لیں گے، اور عنقریب تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں ان کاموں کے بارے میں بتا دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور بعض دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے، چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے ان کی توبہ قبول فرمالے، [۸۴] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ

۱۰۷۔ اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور مؤمنوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے اور اس شخص کی کمین گاہ بنانے کے لئے جو پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہا ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف

[۸۳] جن خوش نصیب لوگوں کی توبہ اور صدقات اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالئے انہیں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اب تم نیک اعمال میں سرگرم رہو کیونکہ بالآخر تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جو تمہارے ہر ظاہر اور ہر باطن کو جانتا ہے۔

[۸۴] دس مسلمان جو بغیر کسی عذر کے لشکرِ تبوک میں شریک نہ ہوئے ان میں سے سات نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ کر اپنی ندامت کا پورا اظہار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی جس کا ذکر آیت نمبر ۱۰۲ میں گزر چکا ہے۔ باقی تین مسلمانوں (کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم) نے اپنے گناہ کا اقرار تو کر لیا مگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کی طرح اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ ان تینوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقاطعہ کا حکم دے دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام وکلام نہ کرے اور سب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کریں۔ آخر پچاس دنوں کے صبر آزما انتظار کے بعد ان کی توبہ بھی قبول ہوگئی جس کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۱۸ میں آئے گا۔ (صفوۃ التفاسیر) یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترکِ سلام وکلام بالکل درست ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ترکِ کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو۔ (تفسیر ماجدی)

يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾

بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ صاف جھوٹے ہیں۔[۸۵]

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۸۔ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، [۸۶] اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

[۸۵] اس آیت میں ان منافقوں کا ذکر ہے جنہوں نے مسجد ضرار بنائی۔ اس سلسلہ میں اکثر مفسرین نے جو واقعات نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ہجرت سے پہلے قبیلہ خزرج کے ایک آدمی ابو عامر نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور ترکِ دنیا کر کے راہب بن گیا تھا۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ ابو عامر کے بڑے معتقد تھے مگر ہجرت کے بعد جب مدینہ میں اسلام کا نور پھیلنے لگا اور اس کی عقیدت و تعظیم میں کمی آگئی تو وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ غزوۂ بدر کے بعد وہ کفارِ مکہ سے جا ملا اور اسلام کے خلاف ساری جنگوں میں شریک ہوا۔ جنگ حنین کے بعد ابو عامر کو یقین ہو گیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو وہ شام چلا گیا اور قیصر روم کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے پر اکسایا جس کے تدارک کے لئے حضور اکرم ﷺ لشکر لے کر تبوک روانہ ہوئے۔ شام سے ابو عامر نے منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم کو مدینہ پر چڑھائی کے لئے تیار کر رہا ہوں مگر تم اپنی کوششوں کو منظم کرنے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ایک مسجد بناؤ تا کہ جب وہ قیصر روم کے ہمراہ مدینہ پر حملہ آور ہو تو اس مسجد کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ چنانچہ منافقین مدینہ نے مسجد قبا کے قریب ایک مسجد بنائی اور حضور اکرم ﷺ سے عرض کی: ہم نے بارش اور سردی کے موسم میں کمزور اور بیمار آدمیوں کی سہولت کے لئے قبا میں ایک اور مسجد بنائی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں تشریف لائیں اور ایک نماز ادا کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو ان کے نفاق سے آگاہ فرما دیا اور حضور اکرم ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام ﷡ نے اس مسجد کو گرا کر آگ لگا دی۔ (جملہ تفاسیر) منافقین نے بڑی قسمیں کھائیں کہ ہم نے بھلائی کے ارادہ سے یہ مسجد تعمیر کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ یہ منافقین صاف جھوٹے ہیں۔

[۸۶] یعنی وہ مسجد جو اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو پھیلانے، مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن کی کمین گاہ کے لئے بنائی گئی ہے آپ اس میں کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں۔ آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے خواہ وہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا کیونکہ ان دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور ان کو آباد کرنے والے ایسے پاکباز لوگ ہیں جن کے جسم اور اعمال بھی پاک ہیں اور ان کے دل اور عقائد بھی پاک ہیں اور ایسے ہی ظاہر و باطن کے پاکباز بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

مدینہ منورہ کی فضیلت

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایمان مدینہ طیبہ کی طرف یوں جاتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف جاتا ہے۔

(بخاری: کتاب فضائل مدینہ: باب ٦)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے لئے ممکن ہو کہ اسے مدینہ میں موت آئے تو وہ کوشش کرے کہ اس کی موت مدینہ طیبہ میں ہو کیونکہ جو مدینہ طیبہ میں وفات پائے گا اس کی میں شفاعت کروں گا۔ (ترمذی: ابواب المناقب: باب ٦٨)

۳۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت کا مرتبہ عطا فرما اور میری موت اپنے حبیب ﷺ کے مقدس شہر میں مقدر فرما۔ (بخاری: کتاب فضائل مدینہ: باب ١٢)

مسجد قبا کی فضیلت

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا جاتے تھے، خواہ پیدل یا سوار اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(مسلم: حدیث نمبر ١٣٩٩: کتاب الحج: باب ٩٧)

۲۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے برابر ہے۔

(ترمذی: حدیث نمبر ٣٢٤: ابواب الصلوٰۃ: باب ٢٤٢)

مسجد نبوی کی فضیلت

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کا ثواب ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کا ثواب ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔

(ابن ماجہ: حدیث نمبر ١٤١٣: ابواب اقامۃ الصلاۃ: باب ١٩٨)

۲۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور اس عرصہ میں کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو اس کے لئے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ وہ عذاب سے بھی چھٹکارا پا جاتا ہے اور نفاق سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

(احمد: جلد ٣: ص ١٥٥)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ (بخاری: کتاب فضائل مدینہ: باب ١٢)

روضہ رسول ﷺ کی فضیلت

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(دار قطنی: جلد ٢: ص ٢٧٨)

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾

۱۰۹۔ تو کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تقویٰ اور اس کی رضا پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد وادی کے ایک کھوکھلے کنارے پر رکھی جو گرنے ہی والا ہے، [۸۷] پھر وہ عمارت اس کو لے کر جہنم کی آگ میں جا گری؟ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ع

۱۱۰۔ یہ عمارت جو ان (منافق) لوگوں نے بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی یہاں تک کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، [۸۸] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد حج کر کے میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (دار قطنی: جلد ۲: ص ۲۷۸)

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔
(الاحکام الفقہیہ: احمد محمد عساف: ص ۴۰۷)

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کرۂ ارضی کے تمام شہروں سے افضل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ۔ بعض کہتے ہیں مکہ مکرمہ افضل ہے اور بعض کہتے ہیں مدینہ منورہ افضل ہے۔ ترجیح یافتہ قول یہی ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ یہ اختلاف حضور اکرم ﷺ کی قبر انور کے علاوہ باقی جگہ میں ہے۔ جہاں تک اس مبارک قطعہ زمین کا تعلق ہے جو نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کے متصل ہے وہ ہر جگہ حتیٰ کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔ (ردالمحتار: باب الھدی: جلد ۲: ص ۶۲۶) روضہ رسول ﷺ کی زیارت افضل ترین مستحبات میں سے ہے اور صاحب استطاعت مسلمانوں کے لئے اس کا حکم واجب کے قریب ہے۔ (الفتاوی العالمگیریہ: کتاب المناسک: باب ۱۷: جلد ۱: ص ۲۶۵)

[۸۷] اس آیت میں مسجد قبا اور مسجد ضرار کے ذریعہ اہل ایمان کے اخلاص اور اہل نفاق کے دھوکہ کی ایک تشبیہ بیان کی گئی ہے یعنی وہ شخص جو اپنے دین کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا جوئی پر رکھتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو اپنے دین کی بنیاد خدا سے بے خوفی اور اس کی رضا سے بے نیازی پر رکھتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دریا کے گرنے والے کھوکھلے کنارے پر عمارت بناتا ہے اور جب وہ عمارت گرتی ہے تو وہ خود بھی اپنے مال و متاع سمیت اس دریا میں غرق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اس دنیا میں خدا سے بے خوف اور اس کی رضا سے بے نیاز ہو کر اپنے اعمال کی عمارت تعمیر کرتا ہے وہ دراصل جہنم کے گرنے والے کنارے پر اپنی عمارت تعمیر کر رہا ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے اعمال بد کی اس عمارت سمیت جہنم کی آگ میں جا گرے گا۔

[۸۸] منافقین مدینہ نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے مسجد ضرار بنائی مگر حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مسجد کو

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

١١١۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے، [٨٩] وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہے، پس تم اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ

١١٢۔ (یہی لوگ ہیں) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے

مسمار کرا دیا جس سے منافقین کو سخت تکلیف ہوئی اور جب تک موت نے ان کے دلوں کو پاش پاش نہ کر دیا وہ اس ناکامی پر بے چین اور افسردہ رہیں گے۔

[٨٩] جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ دراصل اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے ہاں فروخت کرنے کا اعلان کرتا ہے یعنی جب کبھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و دولت خرچ کرنے کا موقع آیا تو وہ اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اسی لئے حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں: روئے زمین پر جو بھی مومن ہے وہ اس بیع میں داخل ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) اس پیمان جاں نثاری کے عوض اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے، اور یہ وعدہ صرف قرآن مجید میں امت مسلمہ سے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں پہلی امتوں سے بھی یہی وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ بائبل میں آج بھی اس کے اشارات موجود ہیں:

١۔ جس کسی نے اپنے گھروں، بھائیوں، بہنوں، باپ، ماں، بیوی، بچوں یا جائیداد کو میری اطاعت میں چھوڑ دیا اس کو اس کے بدلہ میں ١٠٠ گنا زیادہ ملے گا اور وہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔ (دی لیونگ بائبل: متی: ١٩: ٢٩)

٢۔ اگر تو اپنی زندگی کو بچائے گا تو اسے کھو دے گا لیکن اگر تو اس زندگی کو میرے لئے قربان کر دے گا تو تو اس زندگی کو بچالے گا۔

(دی لیونگ بائبل: متی: ١٠: ٣٩)

٣۔ مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے۔

(دی لیونگ بائبل: متی: ٥: ١٠)

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

والے اور (اے رسولِ مکرم!) آپ ان مؤمنین کو خوش خبری سنادیں۔[۹۰]

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ نبی ﷺ اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں[۹۱] اگر چہ وہ مشرک رشتہ دار ہی ہوں جبکہ ان پر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں۔

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے،[۹۲] بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل بہت بردبار تھے۔

[۹۰] گذشتہ آیت میں جن اہل ایمان کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے اس آیت میں ان کی مزید ۹ صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ ان کے پیمان جاں نثاری کی مظہر ہیں۔

[۹۱] اس آیت کے ذریعہ ان مشرکین کے لئے استغفار سے منع کیا گیا ہے جن کے متعلق یہ واضح ہو جائے کہ وہ دوزخی ہیں یعنی ان کی موت کفر و شرک کی حالت پر واقع ہوئی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے زندہ اور مرنے والے کافر رشتہ دار دونوں کے لئے استغفار کرتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد انہوں نے مرنے والے کفار کے لئے تو استغفار بند کر دیا مگر زندہ کفار کے لئے استغفار جاری رکھا (تفسیر ابن ابی حاتم) اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائے۔

[۹۲] آزر کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا کرنا اس لئے تھا کہ انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کریں گے اور وہ اس امید پر استغفار کیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کفر کو معاف کر کے اس کو اسلام کی ہدایت نصیب فرمائے مگر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ آزر کی موت اللہ تعالیٰ کی دشمنی اور کفر پر ہوگئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور اس کے لئے استغفار بند کر دیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی زندہ کافر و مشرک کی ہدایت کے لئے استغفار کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔
(بخاری: کتاب الانبیاء: باب ۵۴)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گمراہ کردے حتیٰ کہ ان کے لئے کھول کر بیان کردے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا چاہیے، [۹۳] بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ان مہاجرین اور انصار پر فضل فرمایا جنہوں نے تنگی کے وقت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، [۹۴] پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا بہت مہربان ہے۔

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا یا چچا؟ آزر مسلمان تھا یا کافر؟ کسی نبی کا باپ کافر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مؤمن تھے یا نہیں؟ ان سوالات کے جوابات کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۷۴ اور حاشیہ نمبر ۶۹ ملاحظہ کریں۔

[۹۳] ابتداء میں مسلمان اپنے فوت شدہ مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے مگر جب اس سورت کی آیات نمبر ۱۱۳ اور ۱۱۴ میں ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا تو انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اس ممانعت سے پہلے جو وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے کہیں اس پر گرفت نہ ہو جائے۔ اس اندیشہ کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کو گمراہی قرار نہیں دیتا یہاں تک کہ اس سے بچنے کی وضاحت کر دے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ واضح اعلان فرماتا ہے کہ ان کاموں سے بچو پھر اس ممانعت کے بعد جو لوگ ان کاموں کا ارتکاب کریں تو وہ گمراہ اور مجرم قرار پائیں گے لیکن اس ممانعت سے پہلے جن لوگوں نے وہ کام کئے تھے ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ اس وقت تک ان کاموں کا کرنا منع نہیں تھا۔

[۹۴] تنگی کے وقت سے مراد غزوۂ تبوک کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں یعنی گرمی، طویل سفر اور وسائل کی شدید قلت تھی، دس آدمیوں کی سواری کے لئے صرف ایک اونٹ اور دو آدمیوں کے کھانے کے لئے روزانہ صرف ایک کھجور میسر تھی۔ (تفسیر منیر) ان مشکل حالات کے باوجود مہاجرین وانصار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے ساتھ تبوک روانہ ہو گئے، البتہ بعض

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور ان تین شخصوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا، [۹۵] یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

مسلمانوں کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ بھی بالآخر جہاد میں شریک ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان میں سے ایک ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو لشکر تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ نہ ہو سکے۔ جب وہ اپنے باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی خوبصورت بیوی نے سایہ میں ان کے لئے بستر بچھا رکھا ہے۔ تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی بھی ساتھ موجود ہے۔ جب انہوں نے یہ سہولیات دیکھیں تو کہنے لگے: یہاں میرے لئے ٹھنڈے سائے میں تازہ پکی ہوئی کھجوریں، ٹھنڈا پانی اور خوبصورت بیوی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ اور گرم ہوا میں ہو یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے تلوار اور نیزہ اٹھایا اور اونٹنی پر سوار ہو کر تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے کسی سوار کو آتے دیکھا تو فرمایا: یہ ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہوگا۔ جب وہ قریب آیا تو وہ واقعی ابوخیثمہ ہی تھا۔ ان کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

(تفسیر منیر)

اس آیت کے ابتدائی الفاظ کا لفظی ترجمہ کچھ اس طرح ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔" اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار و مہاجرین نے لشکر تبوک کے بارے میں کوئی گناہ کیا تھا جس کی توبہ قبول کی گئی ہے بلکہ یہ تو بہت بڑا اعزاز تھا کہ وہ پہلی ہی دعوت پر لشکر تبوک میں شریک ہو گئے۔ دراصل توبہ صرف اس لئے نہیں کی جاتی کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہے بلکہ درجات کی بلندی اور قرب خداوندی کے لئے بھی توبہ کی جاتی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ سو مرتبہ توبہ کیا کرتے تھے حالانکہ آپ معصوم تھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں اس کی طرف سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔"

(مسلم: حدیث نمبر ۲۷۰۲: کتاب الذکر: باب ۱۲)

[۹۵] تین شخصوں سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ تینوں مخلص مسلمان تھے اور سستی کی وجہ سے لشکر تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنی کوتاہی کا صاف اقرار کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سوشل بائیکاٹ کا حکم دے دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام و کلام نہ کرے اور ان کی توبہ کے بارے میں سب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کریں۔ ایک طرف گناہ کے احساس نے دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بائیکاٹ نے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

۱۱۹۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔[۹۶]

ان تینوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا تھا۔ مدینہ کی زمین اور مدینہ کے مسلمانوں میں وہ اپنے آپ کو اجنبی تصور کرنے لگے اور رات دن پریشان رہتے۔ آخر پچاس دنوں کے صبر آزما انتظار کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں اور حضورِ اکرم ﷺ نے انہیں خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی ہے۔

[۹۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور سچے لوگوں کے ساتھ رہیں۔ علامہ صابونی لکھتے ہیں: سچے لوگوں سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جن کی نیت بھی سچی ہو، بات بھی سچی ہو اور کام بھی سچے ہوں۔ (صفوۃ التفاسیر) کیونکہ جس کی بات سچی ہے نیت سچی نہیں یعنی زبان پر اسلام کا اقرار ہے اور دل میں کفر ہے تو وہ عقیدے کا منافق ہے اور جس کی بات سچی ہے مگر کام سچے نہیں ہیں یعنی زبان سے کہتا ہے کہ نماز فرض ہے مگر نماز پڑھتا نہیں ہے تو وہ عمل کا منافق ہے اور جس کے کام سچے ہیں مگر بات سچی نہیں یعنی نماز بھی پڑھتا ہے اور سارا دن جھوٹ بھی بولتا ہے تو وہ قول کا منافق ہے۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ منافق چاہے عقیدے کا ہو یا قول و عمل کا اس سے بچو اور جس کا عقیدہ بھی سچا ہو اور قول و عمل بھی سچا ہو اس کا ساتھ دو اور اس کی صحبت اختیار کرو۔

سچ اور جھوٹ کے بارے میں چند احادیث

۱۔ رسول اللہ نے فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (مسلم: ۶۶۳۹: کتاب البر: باب ۲۹)

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چار خصلتیں جب آدمی کے اندر پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت موجود ہے حتیٰ کہ وہ اسے ترک کردے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں:) جب اس کو امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔
(بخاری: کتاب الایمان: باب ۲۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: کہ سچے بنو بلکہ فرمایا سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی منشا تو یہی ہے کہ سارے لوگ سچے بن جائیں مگر سچے بننے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ پہلے سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ ان کے ہاں سچائی کا عملی مشاہدہ کرنے کے بعد تمہارے لئے سچائی کا راستہ اختیار کرنا آسان ہو جائے گا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بری سوسائٹی سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک سوسائٹی بہتر ہے۔ (شعب الایمان: بیہقی: حدیث ۴۹۹۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دور میں سچے لوگ کہاں ہیں؟ یہ درست ہے کہ آج کل جعلی سچوں کی بہتات ہے مگر اصلی سچے بھی ہر دور میں موجود ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے تو اس کا لازمی

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اہل مدینہ اور ان کے اردگرد دیہاتی لوگوں کے لئے مناسب نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور نہ یہ کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان سے زیادہ اپنی جانوں کی فکر کرتے، [۹۷] یہ اس لئے ہے کہ انہیں جب بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیاس لگتی ہے یا تھکاوٹ ہوتی ہے یا بھوک لگتی ہے یا وہ ایسی جگہ جاتے ہیں جس سے کفار کو غصہ آئے یا جب بھی وہ دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں تو ان کے لئے ہر کام کے بدلے میں ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ اور وہ جب بھی کوئی تھوڑا یا زیادہ خرچ کرتے ہیں یا کسی وادی کو طے کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کاموں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ

۱۲۲۔ اور اہل ایمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ (جہاد کے لئے) سارے کے سارے نکل کھڑے ہوں، [۹۸] تو

نتیجہ یہ ہے کہ ہر دور میں صادقین موجود ہوتے ہیں۔ نیز یہ سچے لوگ جب کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو ان کا فیصلہ درست ہوتا ہے (اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے) اور یہ اس چیز کا بھی ثبوت ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ (تفسیر کبیر)

[۹۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک میں شرکت کے لئے عام اعلان کر دیا تھا اس لئے شرعی معذورین کے علاوہ سب کے لئے اس میں شرکت لازمی تھی لیکن پھر بھی جو اہل مدینہ اور ان کے اردگرد کے دیہاتی لوگ اس لشکر میں شریک نہیں ہوئے اور اپنے آرام کو ترجیح دی، انہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جا کر اپنے سے زیادہ ان کی حفاظت اور راحت کا اہتمام کرنا چاہیے تھا۔ نیز اس لئے بھی انہیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیاس، تھکاوٹ اور بھوک وغیرہ جو تکلیفیں آتی ہیں ان میں سے ہر ایک کو نیکی شمار کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی نیکی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

[۹۸] جہاد کی دو قسمیں ہیں:

لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلیں تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں [۹۹] اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئیں تو انہیں (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے) ڈرائیں تا کہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں۔

۱۔ فرضِ عین: اگر اسلامی حکومت کا سربراہ جہاد بالسیف کا عام اعلان کردے یا دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو جائے تو پھر ہر مکلف مسلمان پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: جلد ۶: ص ۴۱۷) ایسے عالم میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک اور مذہب کی حفاظت کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائے اور جو خود لڑنے کے قابل نہیں وہ اپنے مال، جان، ہاتھ اور زبان سے مجاہدین کی مدد کرے جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کے خلاف اپنے مال، جان، ہاتھ اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۵۳)

۲۔ فرضِ کفایہ: اگر جہاد بالسیف کا عام اعلان نہ ہو تو یہ فرضِ کفایہ ہے یعنی جب بعض مسلمان اس میں شریک ہو جائیں تو باقی سب کی طرف سے بھی یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ: جلد ۶: ص ۴۱۶) کیونکہ اگر سارے مسلمان جہاد پر چلے جائیں تو امت کی فلاح و بہبود کے دیگر کام معطل ہو جائیں گے اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت ناقص ہو جائے گی، لہٰذا کچھ مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنا چاہیے، کچھ کو علم دین کے حصول کے لئے نکلنا چاہیے اور کچھ مسلمانوں کو عورتوں اور شہروں کی حفاظت کے لئے گھر رہنا چاہیے۔

(تفسیر منیر)

غزوۂ تبوک کے لئے حضورِ اکرم ﷺ نے جہاد کا عام اعلان کر دیا تھا اس لئے لشکر تبوک میں شریک ہونا ہر مسلمان پر فرضِ عین تھا۔ تبوک سے واپسی پر جب اللہ تعالیٰ نے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کو زجر و توبیخ فرمائی تو اہل ایمان نے قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ کسی غزوہ یا سریہ سے پیچھے نہیں رہیں گے، چنانچہ جب حضورِ اکرم ﷺ نے غزوہ تبوک کے بعد مسلمانوں کو سریہ پر روانہ کیا تو سارے مسلمان جہاد پر روانہ ہو گئے اور حضورِ اکرم ﷺ تنہا مدینہ میں رہ گئے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) یعنی جب جہاد کا عام اعلان ہو جائے تو پھر سب لوگوں کا جہاد پر جانا ضروری ہے جیسا کہ غزوہ تبوک میں ہوا تھا مگر عام حالات میں یا معمولی سی کسی سرحدی جھڑپ کے لئے جہاد فرضِ کفایہ ہوتا ہے، اس کے لئے صرف مخصوص مجاہدین ہی کافی ہوتے ہیں سب کا جانا ضروری نہیں ہے، لہٰذا عام حالات میں کچھ لوگ جہاد پر جائیں، کچھ لوگ علم دین حاصل کریں اور کچھ لوگ گھروں، بچوں اور شہروں کی حفاظت کریں۔

[۹۹] حصولِ علم دین کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فرضِ عین: صحیح عقائد اور ضروری اعمال مثلاً طہارت، نماز، روزہ، حلال اور حرام وغیرہ کا علم حاصل کرنا ہر مکلف مسلمان پر فرضِ عین ہے، جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے خنزیروں کو جواہر، موتی اور سونے کے ہار ڈال دیئے جائیں (ابن ماجۃ: ۲۲۴: کتاب السنۃ: باب ۱۷)

۲۔ فرضِ کفایہ: جس طرح میت کی نماز جنازہ اور اس کی تدفین، مساجد کی تعمیر اور ان کی نگرانی اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت وغیرہ

سب فرضِ کفایہ ہیں اسی طرح اسلام کے تمام عقائد اور اعمال کا تفصیلی علم حاصل کرنا بھی فرضِ کفایہ ہے یعنی بعض مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا فرض ہے تاکہ عوام کو جس عملی یا اعتقادی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ دلائل کے ساتھ اس کا حل پیش کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم خود نہیں جانتے تو علم والوں سے دریافت کرو۔ (قرآن: ۱۶: ۴۳) اس لئے ہر شہر میں کم از کم ایک مکمل عالم دین کا ہونا فرضِ کفایہ ہے۔ سب کا مکمل عالم دین بننا ضروری نہیں کیونکہ اگر سارے شہر والے اس تفصیلی علم کو حاصل کرنے میں مصروف ہو جائیں تو پھر زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور دیگر روزمرہ کے تمام کام معطل ہو جائیں گے۔

یہ آیت حصولِ علم دین کے واجب ہونے کی اصل اور بنیاد ہے۔ (تفسیر قرطبی) اور اس سے مراد اسلامی عقائد و اعمال کا تفصیلی علم حاصل کرنا ہے جو کہ فرضِ کفایہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو اس کے لئے نکلنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان میں سے ایک جماعت پر یہ فرض عائد کیا ہے تاکہ وہ دین کی تفصیلی سمجھ حاصل کریں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اسی طرح سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اچھائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (قرآن: ۳: ۱۰۴) جو لوگ دین کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے بعد تدریس، تبلیغ، تحریر یا تقریر کے ذریعہ لوگوں کو اچھائی کی طرف نہیں بلاتے وہ حصولِ علم کی نعمت کا حق ادا نہیں کرتے۔ اس آیت کے اندازِ بیان سے حصولِ علم دین کی اہمیت کا اندازہ کریں کہ اگر مسلمان جہاد جیسے اہم فرض میں دشمنوں سے برسرِ پیکار ہوں تو ایسے حالات میں بھی حصولِ علم دین کو معطل کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ جب کچھ لوگ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلیں تو کچھ لوگ حصولِ علم دین کے لئے بھی نکلیں بلکہ بعض حالات میں حصولِ علم دین، جہاد سے بھی افضل ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: طالب علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ (کنز العمال: ۲۸۷۲۷: جلد ۱۰: ص ۱۴۳) کیونکہ دلیل کے ساتھ جہاد کرنا تلوار کے جہاد سے افضل ہے۔ (بحر محیط) نیز دین کا تفصیلی علم جہادِ اکبر ہے کیونکہ دلیل کے ساتھ مباحثہ کرنا دین کی اصل اور بنیاد ہے اور نبی ﷺ کو مبعوث کرنے کا ایک مقصد بھی یہی ہے۔
(تفسیر بیضاوی)

علم دین پڑھنے اور پڑھانے والوں کے اخراجات

اس آیت میں حصولِ علم کے لئے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو آدمی علم پڑھنے اور پڑھانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے اس کے پاس روزگار کمانے کا وقت نہیں ہوتا اس لئے اس کے اخراجات کی ذمہ داری دیگر مسلمانوں پر ہوتی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں سینکڑوں اصحابِ صفہ کے اخراجات اہل مدینہ اور مخیر حضرات مہیا کرتے تھے۔ اس کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۲۷۳ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم (مسجد نبوی کے طالب علم) فقیر لوگ تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے تیسرا (طالب علم) لے جائے اور اگر چار کا کھانا ہو تو پانچواں لے جائے یا چھٹا بھی لے جائے۔ اس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین (طالب علموں) کو لے گئے اور نبی کریم ﷺ

دس (طالب علموں) کو لے گئے۔۔۔ (بخاری: ۲۰۶: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب ۴۱)

علم کی فضیلت کے متعلق چند احادیث

۱۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے، ایک عالم تھا جو نماز پڑھتا، پھر لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے کے لئے بیٹھ جاتا تھا، دوسرا دن بھر روزہ رکھتا اور رات کو عبادت میں کھڑا رہتا تھا۔ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس عالم کی فضیلت جو نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ (تفسیر قرطبی)

۲۔ ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ شدید ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۸۱: ابواب العلم: باب ۱۹) اس حدیث کی تشریح کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ کریں: ایک دن شیاطین نے ابلیس سے پوچھا کہ تم عالم کی موت پر جتنا خوش ہوتے ہو اتنا عابد کی موت پر خوش نہیں ہوتے اس کی کیا وجہ ہے؟ ابلیس نے انہیں کہا: تم میرے ساتھ چلو، چنانچہ وہ ایک عابد کے پاس گئے جو نماز پڑھ رہا تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو ابلیس نے عابد سے پوچھا: کیا تمہارا رب ساری دنیا کو ایک انڈے میں بند کر سکتا ہے؟ تو عابد نے کہا: نہیں تو ابلیس نے شیاطین سے کہا: کیا تم نے دیکھا وہ ایک لحہ میں کافر ہو گیا، پھر وہ ایک عالم کے پاس گئے اور ابلیس نے عالم سے پوچھا: کیا تمہارا رب ساری دنیا کو ایک انڈے میں بند کر سکتا ہے؟ عالم نے کہا: ہاں! تو ابلیس نے پوچھا: کیسے؟ عالم نے کہا: میرا رب جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے (جامع بیان العلم وفضلہ: ص ۴۲: روایت نمبر ۱۱۶) ذرا اندازہ کریں عابد اپنے آپ کو نہ بچا سکا اور عالم نے شیطان کو بھی لاجواب کر دیا۔

۳۔ عالم اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ایک گھڑی کے لئے جب اپنے علم میں غور وفکر کرتا ہے تو ایک عابد کی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(کنز العمال: ۲۸۷۸۹: جلد ۱۰: ص ۱۵۴)

۴۔ جس شخص کے قدم طلبِ علم میں غبار آلود ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے اور دو فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اگر وہ اسی طلبِ علم کے دوران فوت ہو جائے تو اس کی موت، شہادت کی موت ہوتی ہے اور اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے، اس کی قبر تا حد نظر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اس کے آس پاس دائیں طرف چالیس قبروں کو، بائیں طرف چالیس قبروں کو، پیچھے چالیس قبروں کو اور سامنے چالیس قبروں کو منور کر دیا جاتا ہے۔ عالم کا سونا عبادت ہے، اس کی گفتگو تسبیح ہے، اس کی جان صدقہ ہے اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والا ہر آنسو جہنم کے ایک گڑھے کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ جس نے عالم کی توہین کی اس نے علم کی توہین کی، اور جس نے علم کی توہین کی اس نے نبی ﷺ کی توہین کی اور جس نے نبی ﷺ کی توہین کی اس نے جبرائیل امین علیہ السلام کی توہین کی اور جس نے جبرائیل امین علیہ السلام کی توہین کی اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی اور جس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا۔ (تفسیر کبیر: سورہ بقرہ: زیر آیت نمبر ۳۱)

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قرآن کا علم حاصل کرو اور دوسروں کو سکھاؤ اور اگر اسی عالم میں تیری موت واقع ہوئی تو تیری قبر کی زیارت کے لئے فرشتے اس طرح آئیں گے جیسے بیت اللہ کی زیارت کی جاتی ہے۔

(کنز العمال: ۲۹۳۷۷: جلد ۱۰: ص ۲۵۹)

۶۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہوں، میں تمہیں علم سکھاتا ہوں۔
(ابو داؤد: حدیث نمبر ۸: کتاب الطھارۃ: باب ۴)

۷۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے علماء، بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔'' یعنی وہ علمائے ربانی جو دنیا سے بے نیاز ہو کر صرف رضائے حق کے طالب ہیں۔ (تفسیر روح البیان سورہ الانبیاء: زیر آیت نمبر ۲۴) اس حدیث کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں مگر اہل علم اس کو معنیٰ کے اعتبار سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے علم حاصل کر رہا تھا جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ (سنن دارمی: مقدمہ: باب ۳۲)

۹۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ جواد کون ہے؟ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ جواد اللہ تعالیٰ ہے اور بنی آدم میں سب سے زیادہ میں جواد ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ جواد وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلایا، قیامت کے دن وہ ایک امیر اور ایک امت کی صورت میں تشریف لائے گا۔ (شعب الایمان: بیہقی: جلد ۲: ص ۲۸۱)

علم قرآن کے محافظ علمائے کرام ہیں: قرآن مجید کے الفاظ کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (قرآن: ۱۵:۹) اور قرآن مجید کا علم اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو عطا فرمایا جس کے محافظ علمائے کرام ہیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء دینار اور درہم کی میراث نہیں چھوڑتے وہ صرف علم کی میراث چھوڑتے ہیں، سو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔ (ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹) اسی لئے قرآن کے الفاظ میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن کے علم میں اختلاف ہے کیونکہ اس کے محافظ علماء ہیں مگر اہل علم کا اختلاف رحمت ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا اختلاف رحمت ہے (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۳۶) لہٰذا آج قرآن، حدیث اور شریعت کا جتنا علم موجود ہے یہ علمائے کرام کا مرہونِ منت ہے اور تمام مسلمانوں کو علمائے کرام کا احسان مند ہونا چاہیے مثال کے طور پر اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس نے اسلام کو علمائے کرام سے نہیں بلکہ بخاری شریف سے سیکھا ہے تو بخاری شریف بھی دراصل ایک عالم دین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن علماء (کے قلم) کی سیاہی اور شہیدوں کے خون کا وزن کیا جائے گا اور علماء (کے قلم) کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بھاری ہوگی۔ (کنز العمال: جلد ۱۰: ص ۱۴۱) شہداء بھی دراصل علماء کے احسان مند ہیں کیونکہ انہوں نے علماء سے شہادت کی فضیلت سنی اور پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جام شہادت نوش کیا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: قیامت کے دن چار آدمی یعنی شہید، حاجی، سخی اور عالم بغیر حساب کے جنت کے دروازے پر آئیں گے اور جنت میں پہلے داخل ہونے کے لئے ان میں اختلاف ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل امین علیہ السلام کو بھیجے گا تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ جبریل امین علیہ السلام شہید سے پوچھے گا: تو نے دنیا میں کیا کام کیا جس کی بناء پر تو جنت میں پہلے داخل ہونا چاہتا ہے۔ شہید کہے گا: میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جنگ میں قتل کیا گیا۔ جبریل

امین علیہ السلام پوچھیں گے: تو نے کس سے سنا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ شہید کہے گا: اس نے علماء سے سنا تھا تو جبریل امین علیہ السلام کہیں گے: ادب کا خیال رکھو اور اپنے استاد سے آگے نہ بڑھ، پھر جبریل امین علیہ السلام سخی اور حاجی سے اسی طرح سوال کریں گے اور ان دونوں سے کہیں گے: تم دونوں بھی ادب کا خیال رکھو اور اپنے استاد یعنی عالم سے آگے نہ بڑھو، پھر عالم کہے گا: اے میرے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر اس سخی کی سخاوت نہ ہوتی تو میں علم حاصل نہ کرسکتا اور تو نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: عالم نے سچ کہا، اے رضوان! جنت کا دروازہ کھول اور سب سے پہلے سخی کو جنت میں داخل کر۔

(تفسیر روح البیان: جلد ۳: ص ۳۱۴)

نیز حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں نہ جانے کتنے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جام شہادت نوش کیا ہوگا، وہ خود تو جنت کے مستحق قرار پائے ہوں گے مگر آج ہمیں ان کا نام تک معلوم نہیں ہے جبکہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قلم کی سیاہی کی وجہ سے آج بھی اہل ایمان کے دلوں میں زندہ ہیں اور انہوں نے بخاری شریف میں جو احادیث لکھی ہیں وہ سینکڑوں سالوں سے لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی بلکہ علم ایسی لازوال اور بے مثال دولت ہے کہ جنت میں بھی اہل جنت کو علماء کی ضرورت پڑے گی کیونکہ اہل جنت ہر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو چاہو مجھ سے تمنا کرو تو اہل جنت علماء کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی تمنا کریں تو علماء کہیں گے: فلاں فلاں چیز کی اللہ تعالیٰ سے تمنا کرو، لہٰذا جنت میں بھی اہل جنت علماء کی رہنمائی کے محتاج ہوں گے جس طرح دنیا میں ان کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

(کنز العمال: ۲۸۷۶۷: جلد ۱۰: ص ۱۵۰)

اہل علم کے لئے لمحات فکریہ

۱۔ عالم دو قسم کے ہیں: ایک عالم وہ ہے جو اپنے علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہے، علم کے بدلے میں نہ لالچ کرتا ہے اور نہ اس کی قیمت لیتا ہے اور دوسرا عالم وہ ہے جو اپنے علم کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے۔ علم کے بدلے میں لالچ کرتا ہے، اس کی قیمت وصول کرتا ہے اور علم کی بات بتانے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے عالم کو آگ کی لگام ڈالیں گے اور ایک فرشتہ اعلان کرے گا: لوگو! غور سے سنو! یہ فلاں بن فلاں ہے، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کو علم عطا فرمایا مگر اس نے لالچ کیا اور معمولی قیمت کے بدلے بیچ ڈالا۔ (کنز العمال: ۲۹۰۸۲: جلد ۱۰: ص ۲۰۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک ہزار پیشوں کا علم عطا کیا اور فرمایا: اپنی اولاد کو بتادو! اگر تم صبر نہ کرسکو تو ان پیشوں کے ذریعہ دنیا کو طلب کرو اور دنیا کو دین کے ذریعہ ہرگز طلب نہ کرو کیونکہ دین خالصتاً صرف میرے لئے ہے اور اس عالم کے لئے خرابی اور جہنم ہے جو دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا ہے۔ (کنز العمال: ۲۹۰۹۱: جلد ۱۰: ص ۲۰۶، البدر المنیر: امام شعرانی: ص ۲۸۹)

۳۔ بعض جنتی لوگ بعض علماء کو جہنم میں جلتے دیکھیں گے تو کہیں گے: تم جہنم میں کس وجہ سے داخل ہوئے، بخدا! ہم تو جنت میں صرف اس علم کی وجہ سے داخل ہوئے جو ہم نے تم سے سیکھا تھا، وہ کہیں گے: بے شک ہم کہتے تھے مگر اس پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

(کنز العمال: ۲۸۹۹۱: جلد ۱۰: ص ۱۸۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳۔ اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں[۱۰۰] اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۴۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس سورت نے زیادہ کیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔[۱۰۱]

۴۔ (قیامت کے قریب) اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں سے علم کو نہیں نکالے گا بلکہ علماء کو نکال لے گا۔ جب علماء چلے جائیں گے تو لوگ جاہلوں کو سربراہ بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے تو جاہل بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (کنز العمال: ۲۹۰۹۵: جلد ۱۰: ص ۲۰۷)

۵۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن نا اہل کو علم دینا ایسے ہے جیسے سور کے گلے میں بیش قیمت جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دینا۔ (ابن ماجة: حدیث نمبر ۲۲۴: مقدمة: باب ۱۷)

۶۔ حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ قیامت کے نزدیک سب سے زیادہ بُرا وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ (سنن دارمی: مقدمہ: باب ۲۷)

[۱۰۰] اس آیت کی ظاہری تفسیر یہ ہے کہ جو دشمن تمہارے قریب ہیں پہلے ان سے جنگ کرو اور اگر تم نے دور والے دشمنوں سے پہلے جنگ شروع کر دی تو قریب والے دشمن پیچھے سے حملہ کر کے تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بہرحال جب دشمن سامنے آجائیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پوری جرأت، قوت اور سختی سے ان کا مقابلہ کرو تا کہ وہ تمہاری سختی سے مرعوب ہو جائیں اور اگر تم نے بزدلی، کمزوری اور نرمی کا مظاہرہ کیا تو ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور وہ تمہیں شکست دے سکتے ہیں، اور اگر اس آیت کو بعد والی آیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہاں کفار سے مراد منافقین ہیں جو تمہارے اندر رہتے ہیں، لہٰذا پہلے ان آستین کے سانپوں کی سرکوبی کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اب ان کے خلاف جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اسکی تفصیل کے لئے آیت نمبر ۷۳ اور حاشیہ نمبر ۵۴ ملاحظہ کریں۔

[۱۰۱] جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو منافقین ازراہِ مذاق سادہ لوح مسلمانوں سے پوچھتے کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے؟ اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ جب بھی کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کا نیا کلام سنتے ہیں تو یقیناً ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، البتہ جن کے دلوں میں نفاق اور کفر کی بیماری ہے وہ پہلی

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی (سابقہ) نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ کفر کی حالت میں ہی مر گئے۔

اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ کیا وہ (منافق) نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔[۱۰۲]

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ (منافق) ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں، کیا تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھ تو نہیں رہا، پھر پلٹ جاتے ہیں،[۱۰۳] اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔

سورتوں کی طرح اس کا بھی انکار کر کے نفاق میں مزید اس طرح پختہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کے معدہ میں بیماری جڑ پکڑ جائے تو وہی غذائیں جو دوسرے لوگوں کے لئے طاقت اور صحت کا باعث بنتی ہیں وہ اس کی بیماری میں مزید اضافہ اور اس کی موت کا سبب بنتی ہیں۔

[۱۰۲] منافقین کو ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ایسی آزمائش میں ڈالا جاتا جو ان کے نفاق کے غلط ہونے کی نشاندہی کرتی مثلاً وہ جہاد سے بچنے کے لئے جھوٹے بہانے بناتے جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا، ان کے خلاف آیاتِ قرآنیہ نازل ہوتیں جن سے ان کی سازشیں بے نقاب ہو جاتیں، وہ جنگوں میں مسلمانوں کی شکست کی امید کرتے مگر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی، حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا مشاہدہ کرتے جو حضور اکرم ﷺ کی صداقت کا ثبوت تھے اور وہ اسلام کو مٹانے میں سرگرم رہتے، اس کے باوجود اسلام تیزی سے پھیلتا۔ یہ ساری باتیں ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھیں مگر وہ اپنی ضد اور منافقت میں اتنے پختہ ہو چکے تھے کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

[۱۰۳] جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور منافقین اس مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الٰہی کا سننا ان پر شاق گزرتا خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے نفاق کا راز فاش کیا جاتا تو وہاں سے بھاگنے کے لئے وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب دیکھتے کہ صحابہ کرام ؓ تو پوری توجہ کے ساتھ کلام الٰہی سننے میں مستغرق ہیں تو وہ ان کی نظروں سے بچ کر خاموشی سے کھسکنا شروع ہو جاتے تاکہ مسلمانوں کو ان کے جانے کا علم نہ ہو اور ان کا نفاق چھپا رہے۔ بہر حال جب منافقین نے کلام الٰہی سننے سے دانستہ روگردانی کی تو

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک (عظیم الشان) رسول آئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر گراں گزرتا ہے تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہے، مومنوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہیں۔[۱۰۴]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹۔ اب اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے[۱۰۵] اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے محروم کر دیا۔

[۱۰۴] تمہارے پاس حضرت محمد ﷺ کی صورت میں ایک عظیم الشان رسول ﷺ تشریف لائے ہیں۔ ہر وہ کام جس سے تمہیں دنیا میں تکلیف پہنچے یا آخرت میں جہنم کا باعث ہو وہ حضور اکرم ﷺ پر گراں گزرتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ تم ایسے غلط کاموں سے اجتناب کرو اور ہر وہ کام جو دنیا میں تمہیں نفع دے اور آخرت میں جنت کا باعث ہو اس کے لئے حضور اکرم ﷺ بہت حریص ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم ایسے نیک کاموں میں سبقت حاصل کرو۔

جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

میری اور تمہاری (تمام لوگوں کی) مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو یہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو اس آگ میں گرنے سے روک رہا تھا، اور وہ اس پر غالب آ کر اس آگ میں گر رہے تھے، اسی طرح میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی آگ میں گر رہے ہو۔ (بخاری: حدیث نمبر ۶۴۸۳: کتاب الرقاق: باب ۲۶)

[۱۰۵] آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو تسلی دی کہ تم ان کو تکلیف اور جہنم سے نکال کر راحت اور جنت کی طرف لانا چاہتے ہو، پھر بھی اگر وہ تم سے روگردانی کرتے ہیں تو تم ان کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اس آیت کے آخری حصہ کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص ہر صبح اور ہر شام کو سات مرتبہ یہ پڑھے: حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم۔ اس کے دنیا اور آخرت کے اہم کاموں میں اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۵۰۸۱: کتاب الادب: باب ۱۱۰)

بروز پیر ۷، اگست ۲۰۰۶ء جامعہ الکرم، ایٹن ہال، انگلستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ یونس (۱۰)

یہ سورت مکی ہے کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت کا نام ''یونس'' ہے کیونکہ اس کی آیت نمبر ۹۸ میں قوم یونس کی نجات کا ذکر ہے۔

کفار عرب ایک طویل عرصہ سے سینکڑوں خداؤں کی پرستش کرتے آ رہے تھے۔ ان کے لئے ایک خدا پر ایمان لانا اور ایک انسان کو خدا کا رسول مان لینا آسان نہیں تھا اس لئے وہ نبی کریم ﷺ کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے اور جو بھی اسلام قبول کرتا اس پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیتے۔

اس سورت میں ایک طرف تو مسلمانوں کو مشکلات و مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے دوسری طرف کفار کے لئے توحید و رسالت اور قرآن و آخرت کے دلائل بیان کئے گئے ہیں اور حضور اکرم ﷺ سے پہلے جن قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا انکار کیا ان کے برے انجام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تا کہ کفار اپنے کفر سے باز آ جائیں۔ نیز انہیں بتایا گیا کہ صرف اسی دنیاوی زندگی پر خوش نہ رہو بلکہ آخرت کی اصل زندگی کے لئے بھی غور و فکر کرو۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم
بروز پیر ۱۲ ستمبر ۲۰۰۶ء بعد از نماز فجر

ایاتھا ۱۰۹ ۱۰ سورۃ یونس مکیۃ ۵۱ رکوعاتھا ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ①

۱۔ الف لام را [۱] یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔[۲]

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ②

۲۔ کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد (کامل) کی طرف وحی نازل کی [۳] کہ آپ (غافل) لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو خوش خبری سنائیں کہ ان کے رب تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بلند مرتبہ ہے، کفار نے کہا: بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِہٖ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ

۳۔ بے شک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ گر ہوا [۴] وہی ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے، [۵] اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی تفسیر سورہ بقرہ (۲) کے حاشیہ نمبر ایک میں ملاحظہ کریں۔

[۲] قرآن مجید حکمت والی کتاب ہے، اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہے یعنی ہر بات حق اور علم وعقل کے مطابق ہے۔

[۳] یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان کو نبی بنایا بلکہ یہ حکمت کے عین مطابق ہے کیونکہ اگر ہم کسی فرشتہ یا جن کو نبی بنا کر بھیجتے تو وہ تمہیں نظر نہ آتا اور تم اس سے استفادہ نہ کر سکتے لیکن کفار مکہ جب قرآنی دلائل کا جواب نہ دے سکے تو حضور اکرم ﷺ پر جادوگری کا الزام عائد کر دیا جو کہ بذاتِ خود بڑی تعجب کی بات تھی کیونکہ جس شخص کو وہ ساری عمر صادق اور امین کہتے رہے وہ یک دم جادوگر کیسے بن سکتا ہے؟

[۴] اس کی تفسیر سورت اعراف (۷) کے حاشیہ نمبر ۳۹ میں ملاحظہ کریں۔

[۵] یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے بعد ان سے تعلق منقطع نہیں کیا بلکہ ساری کائنات کا نظم و نسق اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اسی کے حکم اور اسی کے اذن سے انجام پاتا ہے۔

فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

[۶] یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے، سوتم اس کی عبادت کرو[۷] کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

۴۔ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،[۸] اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، بے شک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر (قیامت کے دن) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں انصاف کے ساتھ جزا دے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

[۶] مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ قیامت کے دن یہ بت ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑوالیں گے۔ اس آیت میں ان کا رد کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن صرف وہی منتخب لوگ شفاعت کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ وہ نیک بندے شفاعت کریں گے جنہیں شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ (تفسیر بیضاوی)

[۷] یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، لہٰذا تم عقل وخرد سے کام لو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

[۸] مشرکین مکہ کا خیال یہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا۔ اس آیت میں تخلیق اوّل کے ذریعہ دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل قائم کی گئی ہے یعنی جس ہستی نے انسان کو پہلی مرتبہ بغیر کسی مادہ اور بغیر کسی سابقہ شکل وصورت کے پیدا کیا اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کو فنا کر کے پھر اسی شکل وصورت میں دوبارہ زندہ کر دے تا کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا ملے۔ اس دن کو قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔ اس دن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

قیامت پر ایمان

ایک دن جبریل امین انسانی شکل میں آئے اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ لیں (یعنی حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس طرح بیٹھے جیسے شاگرد اپنے استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے) اور کہنے لگے۔ یا محمد! مجھ کو ایمان کے بارے میں بتائیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کو سچے دل سے مانو اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان رکھو۔'' (مسلم: کتاب الایمان) اس حدیث پاک میں ایمان کے چھ ارکان کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک قیامت ہے۔

قیامت کا دن

قیامت سے مراد یہ ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب یہ کائنات اور اس میں بسنے والی ہر چیز فنا ہو جائے گی، صرف ازلی اور ابدی خدا ہی باقی رہے گا جو مُردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اس قادر مطلق خدا کی عدالت لگے گی جس میں ہر آدمی کی زندگی کا پورا ریکارڈ پیش ہوگا اور اس کے اعمال کے نتیجہ میں جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ قیامت پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، اس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوسکتا۔

دارالجزا

ہماری زندگی دو حصوں پر مشتمل ہے: ایک دنیوی اور دوسرا اُخروی۔ دنیوی زندگی دارالعمل ہے جس میں ہم عمل کرتے ہیں اور اخروی زندگی دارالجزا ہے جس میں ان اعمال کا بدلہ ملے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (المقاصد الحسنۃ: ص ۲۲۷) یعنی دنیوی زندگی کی مثال ایک کھیت کی سی ہے جس کی کاشت ہماری مرضی پر منحصر ہے۔ اب یہ ہمارے انتخاب کی بات ہے کہ کس چیز کی کاشت کریں۔ بہر حال نتیجہ واضح ہے، اگر اچھے اعمال کاشت کریں گے تو کل قیامت میں اچھے ثمرات سے خوش ہوں گے اور اگر برے اعمال کی کاشت کریں گے تو کل کڑوے پھلوں سے پریشان ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا اس شخص کے لئے بہترین گھر ہے جو اس دنیا سے اپنی آخرت کے لئے توشہ تیار کرتا ہے۔ (المقاصد الحسنۃ: ص ۲۲۷)

اقرار قیامت کا فائدہ

یہ عقیدہ انسان کو ہر وقت متنبہ کرتا رہتا ہے کہ اس کی ہر حرکت نوٹ ہو رہی ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس ہوگی، گویا اقرار قیامت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک ایسی احتساب کمیٹی کے حوالے کر دیتا ہے جو ہر گھڑی اس کی حرکات کی نگران رہتی ہے۔ صرف روشنی اور مجلس ہی نہیں بلکہ اندھیروں اور تنہائیوں میں بھی اس کو رسائی حاصل ہے اور لطف یہ ہے کہ صرف افعال نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے اٹھنے والے خیالات پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کے سارے فیصلے قطعی درست اور عدل وانصاف کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ ذرہ برابر کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کا امکان نہیں۔ حق پرست بے خوف وخطر ہوگا مگر باطل پرست سزا سے نہ بچ سکے گا۔

ایسے عقیدہ کی موجودگی میں بھلا کوئی انسان اپنے حقوق سے تجاوز کرنے کا تصور کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! قیامت پر یقین رکھنے والا خواہ حکومت کے سپاہیوں کی زد میں ہو یا نہ ہو عقیدہ قیامت ہر جگہ اس کو برائیوں سے باز رکھتا ہے۔ اگر اس سے بشری کمزوری کی وجہ سے کوئی غلط حرکت سرزد ہو بھی جائے تو حکومت کو مجرم تلاش کرنے میں دقت پیش نہیں آئے گی بلکہ قیامت کا یقین خود اس کو عدلیہ کے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ دنیا کے کسی نظام میں ایسی خود احتسابی کا تصور نہیں ہے۔ یہ صرف امت مسلمہ کا اعزاز ہے جو اسے خالق کائنات نے عطا فرمایا ہے۔

انکار قیامت کا نقصان

اگر فرض کر لیا جائے کہ انسانی زندگی کی آخری منزل صرف موت ہے اور بس۔ مرنے کے بعد کوئی ایسا دور نہیں آئے گا جس میں

حساب وکتاب اور جزا وسزا کی باری آئے تو پھر ہر انسان کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ اس مختصر زندگی کو زیادہ سے زیادہ پرلطف بنائے اور حصول لذات کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ مقصد براری کے لئے حق و باطل کا امتیاز مٹ جائے گا۔ الغرض جسم و دماغ کی جملہ صلاحیتیں جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر مفاد عاجل کے حصول میں لگ جائیں گی۔ اگر آپ دماغ پر تھوڑا سا زور دیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ یہی تصور تھا جس نے فرعون اور نمرود کو جنم دیا۔ اسی نظریہ سے قارون وشداد پیدا ہوئے جنہوں نے انجام سے بے نیاز ہو کر مظالم کے بازار گرم کئے اور انسانیت کو پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا۔

ضرورتِ قیامت

(۱) قانون کی دسترس

ہر حکومت جرائم کی روک تھام کے لئے قوانین مرتب کرتی ہے اور اصلاح مجرم کے لئے ہر ممکن قوت استعمال میں لاتی ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ جن ممالک میں قوانین نافذ العمل ہیں وہاں بھی جرائم ترقی پذیر ہیں۔ اس لئے نہیں کہ قانون کے محافظ کمزور یا لاپرواہ ہیں بلکہ اس لئے کہ قانون کی دسترس محدود ہے۔ دنیاوی قانون انسان کے ظاہر اور جلوت پر تو پہرے بٹھا سکتا ہے لیکن اس کے باطن اور خلوت پر غالب نہیں آسکتا۔ مجرم ہمیشہ قانون کی نگاہ سے چھپ کر جرم کیا کرتا ہے۔ یہ وہ مشکل ہے جس کے حل کے لئے قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ عقیدۂ قیامت ایک ایسا ہمہ گیر قانون ہے جس کی دسترس ظاہر تک محدود نہیں بلکہ تنہائی اور دل کی گہرائی تک کو حاوی ہے۔

(۲) پوشیدہ جرائم

اگر کسی مجرم کو کامل یقین ہو جائے کہ وہ سزا سے نہ بچ سکے گا تو میرے خیال میں غالب اکثریت جرم کی جرأت نہ کر سکے۔ دنیا کے ننانوے فیصد مجرم اس امید پر جرم کا ارتکاب کرتے ہیں کہ ان کے جرائم ظاہر نہیں ہوں گے، اور بالفرض پکڑے بھی گئے تو رشوت یا دھوکہ بازی سے گلوخلاصی ہو جائے گی۔ اس زعم باطل کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسے روز قیامت پر ایمان لایا جائے جس میں نہ تو رشوت کام آسکے اور نہ ہی کوئی جرم پوشیدہ رہ سکے۔

آج ہم اپنی کوتاہیاں دوستوں سے چھپاتے ہیں تا کہ شرمندگی نہ ہو مگر اس دن کیا بنے گا جب ہماری برائیاں سب کے سامنے عیاں کر دی جائیں گی۔ کاش! آج ہم برائی کرنے سے پہلے اس دن کو یاد رکھیں جس میں ہماری چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔

(۳) حق و باطل

اس فانی دنیا میں ہر جماعت اور ہر انسان اس بات کا مدعی ہے کہ حق پر صرف وہی ہے حتیٰ کہ مشرک بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس مختصر زندگی میں تو اس کا تصفیہ ہوتا نظر نہیں آتا، لہٰذا کوئی ایسا دن ضرور آنا چاہیے جب کہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے یہاں تک کہ باطل پرست بھی تسلیم کر لیں کہ حق وہ ہے جو نبی پاک ﷺ اور آپ کے غلاموں نے اختیار کیا۔

(۴) شہید کا صلہ

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کو اپنی جد و جہد اور محنت و مشقت کا صلہ ملنا چاہیے، مگر کئی اعمال ایسے بھی ہیں جن کا بدلہ اس

دنیا میں ممکن نہیں۔مثال کے طور پر وہ مرد مجاہد جس نے حق کی سربلندی کے لئے اپنی رگوں کا خون بہادیا اور ملک وملت کی آبرو پر اپنی جان تک قربان کردی جن میں شہید اعظم حضرت امام حسین ﷺ کا نام سرفہرست ہے۔اگر دوبارہ زندگی نہ ہوتو آپ ان شہیدان وفا کو کیا بدلہ دے سکیں گے۔

محض یہ کہہ دینا کہ تاریخ میں ان کا نام زندہ رہے گا۔آئندہ نسلیں ان کا نام عزت واحترام سے لیں گی۔میری ناقص عقل کے مطابق یہ صلہ کافی نہیں بلکہ ناانصافی کے مترادف ہے۔جان جیسی عزیز ترین چیز کا صلہ صرف تاریخی شہرت،کوئی عقل سلیم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں،اس لئے ضروری ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو جہاں شہیدان ملت کو ان کے شایان شان اجر عظیم سے نوازا جائے۔

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیش قیمت رائے

میرے شیخ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں کئی مقامات پر قیامت کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔آپ کے سنہری الفاظ میں حکمت قیامت کا ایک تجزیہ ہدیہ ناظرین ہے :

ایک آدمی حق کا علم اٹھائے اور ساری دنیا کی آفتیں اس پر ٹوٹ پڑیں اور اس گناہ کی پاداش میں کہ وہ حق کو حق کیوں کہتا ہے،اسے گھر سے نکال دیا جائے،اسے مال ومتاع سے محروم کردیا جائے،اسے تختہ دار پر کھینچ دیا جائے اور اس کے بعد کوئی ایسا دن نہ آئے جب اس کو اس کی حق کیشی،جرأت مندی اور ثابت قدمی کا صلہ دیا جاسکے۔دوسرا شخص قہر وظلم کی بجلی بن کرتباہی مچاتا رہے،حقوق تلف کرتا رہے،وادعیش دیتا رہے اور یہ باغی جب یہاں سے جائے تو کیا اس کو فراموش کردیا جائے اور اس کی عمر بھر کی بدکاریوں اور دل آزاریوں کی اسے کوئی سزا نہ دی جائے۔ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اور عقل سلیم اس کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں۔

(ضیاء القرآن:سورہ رعد:۵)

قرآن مجید اور قیامت

قرآن مجید نے عقیدہ قیامت کو اس قدر زوردار الفاظ میں روشناس کرایا ہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔قرآن مجید کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں کسی نہ کسی انداز میں اس عقیدہ کا تذکرہ نہ ہو۔بطور مثال چند آیات ہدیہ ناظرین ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،وہ تمہیں قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (قرآن:۴:۸۷)

(۲) ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (قرآن:۳:۲۵)

(۳) اور یقیناً قیامت آنے والی ہے،اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں۔ (قرآن:۲۲:۷)

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝۵

۵۔ وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم سالوں کی گنتی اور (تاریخوں کا) حساب جان لو، [۹] اللہ تعالیٰ نے یہ سب حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے وہ ان علم والوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے۔

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ۝۶

۶۔ بے شک رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو متقی ہیں۔ [۱۰]

---

(۴) اور انہوں نے (از راہ انکار) کہا کہ جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، فرمایئے: (یقیناً ایسا ہی ہو گا) خواہ تم پتھر، لوہا یا ایسی چیز بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہو، اس پر وہ دریافت کریں گے کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کر کے لوٹائے گا؟ فرمایئے کہ وہی جس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔
(قرآن: ۱۷: ۴۹۔۵۱)

[۹] زمین و آسمان کا یہ حسین نظام کسی دھماکہ کی پیداوار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تدبیر کا شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روشن بنایا اور روشنی اس کی ذات میں رکھی اور چاند کو بھی روشن بنایا مگر اس کی روشنی سورج سے مستفاد ہے۔ (تفسیر منیر)

اللہ تعالیٰ نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں۔ وہ روزانہ ایک منزل کی مسافت طے کرتا ہے۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ چودھویں رات کو مکمل نظر آتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آخر میں ۲۹ دنوں کا مہینہ ہو تو ایک رات اور تیس دنوں کا مہینہ ہو تو دو راتیں چھپا رہتا ہے اور پھر ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے۔ ان منازل کا فائدہ یہ ہے کہ تم سالوں کی گنتی اور مہینوں کا حساب کر سکو۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے برحق پیدا فرمائی ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں۔ علم والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ وہ ان میں غور و فکر کر کے نفع اٹھائیں۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: یہ آیت مواقیت، حساب، تاریخ اور منازل قمر کے علوم کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔
(تفسیر منیر)

[۱۰] گردش لیل و نہار اور زمین و آسمان میں بے شمار ایسی چیزیں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں مگر یہ انہیں نظر آتی ہیں جو متقی ہوں اور غلط روش سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں لیکن غیر مسلم سائنسدان جب ان چیزوں میں غور کرتے ہیں تو چونکہ ان کے دل میں تلاش حق کا جذبہ نہیں ہوتا اس لئے وہ خالق حقیقی کے عرفان سے اکثر محروم رہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷

۷۔ بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸

۸۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔[۱۱]

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۹

۹۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کے باعث انہیں نعمت کے باغوں میں پہنچائے گا جہاں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰ ع

۱۰۔ جنتوں میں ان کی صدا یہ ہوگی: اے اللہ! تو پاک ہے، اور وہاں ان کی آپس کی دعا ''سلام'' ہوگا اور ان کا آخری کلام یہ ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔[۱۲]

وَ لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ

۱۱۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ حصولِ بھلائی کے لئے کرتے ہیں تو ان کی موت

[۱۱] جو لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان نہیں رکھتے وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل رہتے ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا کیونکہ وہ احکام الٰہی سے غافل اور عقیدۂ آخرت کے منکر تھے۔

[۱۲] علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ اہل جنت اپنے کلام کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح یعنی "سبحانک اللھم" سے کریں گے اور اپنے کلام کا اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد یعنی "الحمدللہ رب العالمین" پر کریں گے، ان دونوں کے درمیان آپس میں سلام، دعا اور جو بات کرنا چاہیں گے کریں گے۔

(تفسیر مظہری)

جنتی ماحول کی کچھ باتیں اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر بھی رکھ دی ہیں تاکہ مؤمن اس دنیا میں بھی جنت کے ماحول کا کچھ مزہ حاصل کر سکے مثلاً ہر نماز کی ابتدا "سبحانک اللھم" سے، پھر ہر رکعت میں "الحمدللہ رب العالمین" کا تلاوت کرنا اور دونوں طرف سلام کے ساتھ نماز کو ختم کرنا یہ سارے جنتی معمولات ہیں، لہٰذا مومن کی جنت اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا، [۱۳] سو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے گویا جب اس کو وہ تکلیف پہنچی تھی تو اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا، [۱۴] اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے لئے وہ کرتوت مزین کر دیئے گئے ہیں جو وہ کیا کرتے تھے۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور ہم نے تم سے پہلے ان قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں تھے اور ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ [۱۵]

---

[۱۳] جتنا جلد لوگ اپنی بھلائی کا صلہ چاہتے ہیں اتنا ہی جلد اگر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے جرائم کی سزا دیتا تو وہ بہت پہلے سے ہلاک ہو چکے ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ تو انہیں بھی مہلت دیتا ہے تا کہ وہ غور کریں اور کفر سے باز آ جائیں اور اگر وہ باز نہ آئیں تو خوب سرکشی کر لیں تا کہ قیامت کے دن سزا کے وقت وہ اپنی سرکشی سے انکار نہ کر سکیں۔

[۱۴] اکثر انسانوں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں اور پختہ وعدے کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ مشکل آسان فرما دے ہم ہمیشہ تیرے شکر گزار رہیں گے اور کبھی نافرمانی نہیں کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی مشکل آسان فرما دیتا ہے تو وہ اسے اس طرح فراموش کر دیتے ہیں جیسے انہوں نے اسے کبھی پکارا ہی نہیں تھا اور پھر انہیں وہی سابقہ برائیاں اور زیادتیاں ہی خوش نما نظر آتی ہیں جو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔

[۱۵] کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے جن قوموں نے ظلم کیا اور انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہ لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے مظالم کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا، پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا جانشین بنایا ہے، لہٰذا تم گزشتہ قوموں کی تاریخ سے سبق حاصل کرو اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی کا سبب بنیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور جب انہیں ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہمیں ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اسی کو تبدیل کر دیں، آپ ﷺ فرما دیں: مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو تبدیل کر دوں، میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، [۱۶] اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ آپ فرما دیجئے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمہیں سناتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ فرماتا، پھر میں تو اس سے پہلے عمر کا ایک حصہ (چالیس سال) تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ [۱۷]

---

[۱۶] مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ہم آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں جس میں ہمارے بتوں اور ہمارے رسم و رواج کے خلاف کوئی بات نہ ہو یا اسی قرآن میں ہماری مرضی کے مطابق تبدیلی کر دیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلان کر دیا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں تبدیلی کا مجھے اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیروکار ہوں۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

[۱۷] یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ تمہیں قرآن مجید سے آگاہ فرماتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے وہی میں تمہیں سناتا ہوں مگر مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ وہ خود اپنی طرف سے کلام بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نزول قرآن سے پہلے میں نے تمہارے درمیان اپنی زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں میری صداقت اور دیانت کے تم خود شاہد ہو اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اُمّی ہوں اور میں نے کسی ظاہری اُستاد کی شاگردی اختیار نہیں کی تو تم خود غور کرو کہ جس نے چالیس سال تک نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لکھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُمّی شخص اچانک ایک ایسا معجزانہ کلام

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ پھر اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔[۱۸]

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، آپ فرما دیجئے: کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔[۱۹]

پیش کر دے جو فصاحت و بلاغت اور حکمت و فراست میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے انسان کا کلام نہیں ہے۔ نیز جس نے چالیس سال تک کسی انسان کے بارے میں ایک دفعہ بھی جھوٹ نہ بولا ہو العیاذ باللہ! وہ اللہ تعالیٰ کی طرف روزانہ جھوٹا کلام کیسے منسوب کر سکتا ہے، لہٰذا قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے لئے نبی کریم ﷺ کی زندگی ایک ایسا ناقابل تردید ثبوت ہے جس کے مشرکین مکہ خود شاہد ہیں۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں: جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے ایک کافر اخنس نے ایک دن تنہائی میں ابو جہل سے پوچھا: کیا محمد (ﷺ) تیرے خیال میں جھوٹے ہیں؟ اس پر ابو جہل نے کہا: ''محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں حالانکہ ہم خود انہیں صادق اور امین کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن بات یہ ہے کہ ان کے خاندان کے پاس پہلے ہی حاجیوں کی میزبانی اور مشورہ کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں۔ اب اگر نبوت بھی ان میں آجائے تو ہمارے لئے کیا باقی رہے گا۔'' یہ سن کر اخنس کفار کا لشکر چھوڑ کر واپس چلا گیا اور جنگ بدر میں شریک نہ ہوا۔ (امتاع الأسماع: جلد اوّل: ص ۹۱)

قرآن مجید نے اپنی صداقت کے لئے نبی کریم ﷺ کی اعلانِ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی کو بطور دلیل پیش کیا ہے یعنی نبی کریم ﷺ کہیں باہر سے تشریف نہیں لائے وہ تمہارے اندر پیدا ہوئے، ان کا بچپن اور جوانی، ان کا کاروبار اور شادی الغرض ان کی زندگی کی کتاب کا ہر ورق تمہارے سامنے عیاں ہے، کہیں کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں تم کسی نقص کی نشاندہی کر سکو۔ دوسرے لفظوں میں قرآن اعلان کر رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے چالیس سال قرآن بن کے دکھایا ہے اور بقایا ۲۳ سال قرآن پڑھ کے سنایا ہے۔

[۱۸] اس کی تفسیر کے لئے سورہ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۲۲ ملاحظہ کریں۔

[۱۹] مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں عقائد غلط اور بے بنیاد ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو ایسی خبر دینے کے مترادف ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بت پرستی کو نہیں جانتا بلکہ

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ اور ابتدا میں سارے لوگ ایک ہی اُمت پر تھے، پھر انہوں نے اختلاف کیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔[۲۰]

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ اور کہتے ہیں: اس (رسول ﷺ) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی، پس آپ فرما دیجئے کہ غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔[۲۱]

اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس نے بتوں کی عبادت اور ان کی سفارش کا کوئی حکم نازل نہیں کیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ کوئی ایسا عقیدہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے، یہ صرف ان مشرکین کے ذہنوں کی پیداوار ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے۔

[۲۰] ابتدا میں سارے لوگ ایک ہی دین پر تھے جس کی تبلیغ حضرت آدم علیہ السلام نے کی، پھر جب نسل انسانی میں اضافہ ہوا تو ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات کے قطعی اور آخری فیصلہ کے لئے پہلے سے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے جس میں حساب و کتاب کے بعد جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ اگر قیامت کا دن پہلے سے طے شدہ نہ ہوتا تو ان اختلافات کرنے والوں کا فیصلہ بہت پہلے سے ہو چکا ہوتا اور انہیں اسی دنیا میں جنت اور دوزخ نظر آ جاتا۔

[۲۱] نبی کریم ﷺ کی صداقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئی معجزات ظاہر فرمائے جن میں آپ پر اُمی ہونے کے باوجود فصاحت و بلاغت سے لبریز قرآن مجید کا نزول سرفہرست ہے۔ نیز آپ کا صداقت و امانت سے بھرپور چالیس سالہ کردار بھی کسی معجزہ سے کم نہیں ہے جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ کفار مکہ اگر انصاف سے کام لیتے تو آپ کی ذاتِ مقدسہ کے علاوہ انہیں اور کسی معجزہ کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کی ذات سب سے بڑا معجزہ (الآیۃ الکبریٰ) ہے۔ جس نے آپ کو دیکھا اور آپ کے احوال کا تجربہ کیا وہ آپ کی رسالت کا انکار نہیں کر سکتا۔ (تفسیر روح المعانی)

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے
ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

لیکن کفار مکہ ان معجزات سے آنکھیں بند کر کے یہ مطالبہ کرتے کہ ہمارے لئے ان پہاڑوں کو سونا بنا دو اور ہمارے مرے ہوئے آباء و اجداد میں سے کسی کو زندہ کر دو۔ (تفسیر قرطبی) دراصل ان کا مقصد ایمان لانا تو تھا نہیں بلکہ نئے نئے معجزات کا مطالبہ کر کے اپنے عناد اور تعصب کا اظہار کرنا تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر جو وحی کی گئی تھی وہ میں نے تم تک پہنچا دی ہے اور جو میری

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں میں مکروفریب کرنے لگتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے میں زیادہ تیز ہے، بے شک ہمارے فرشتے تمہارے مکروفریب کو لکھ رہے ہیں۔[۲۲]

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ لے کر چلنے لگتی ہیں اور لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں کہ اچانک تیز ہوا ان کشتیوں کو آلیتی ہے اور (سمندر کی) موجیں انہیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (طوفان میں) گھر گئے ہیں تو اس وقت دین میں اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں: اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچالیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔[۲۳]

طرف وحی نہیں کیا گیا وہ میرے لئے غیب ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی پہلے سے نازل شدہ وحی کو نہیں مانتے اور اپنے نئے مطالبات پر اصرار کرتے ہو تو پھر تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ تمہارے اس عناد اور انکار پر اللہ تعالیٰ تمہیں کب اور کون سی سزا دیتا ہے۔

[۲۲] ایک دفعہ مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ سات سالوں تک کوئی بارش نہ ہوئی۔ اشیائے خورد و نوش نایاب ہوگئیں اور جب لوگ سخت مجبور ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لئے عرض کی اور وعدہ کیا کہ اگر قحط سالی ختم ہوگئی تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے جب بارشیں ہونے لگیں اور قحط سالی دور ہوگئی، تو اب وعدہ کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ مسلمان ہو جاتے لیکن وہ اپنے کفر سے باز نہ آئے اور پھر پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں مکروفریب کرنے لگے۔ (صفوۃ التفاسیر) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے میں زیادہ تیز ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تمہیں تمہارے مکروفریب کی فوراً سزا دے دیتا مگر وہ تمہیں غور و فکر کی مزید مہلت دیتا ہے تاکہ تم توبہ کر لو ورنہ یاد رکھو تمہارے ہر مکروفریب کو فرشتے نوٹ کر رہے ہیں اور قیامت کے دن تم اس کی سزا سے نہ بچ سکو گے۔

[۲۳] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکروفریب کرتے ہیں ان آیات میں ان کی چند مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ گذشتہ آیات میں قحط سالی کی مثال

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں بچا لیتا ہے تو وہ پھر زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر پڑے گا دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھا لو، پھر تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر ہم تمہیں آگاہ کریں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

بیان کی گئی اور اس آیت میں ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی جو سمندر میں کشتی پر سوار ہیں، ہوا خوش گوار اور موافق ہے اور سارے مسافر خوشی کے ساتھ پرسکون ماحول سے لطف اندوز ہو رہے ہیں کہ اچانک تیز ہوائیں اور سمندر کی موجیں انہیں گھیر لیتی ہیں۔ جب انہیں ڈوبنے کا یقین ہو جاتا ہے اور زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی تو پھر بتوں کو چھوڑ کر پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں اور پکے وعدے کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طوفان سے بچا لیا تو وہ ضرور اس کے شکر گزار بندے بن جائیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طوفان سے بچا لیا اور وہ خیریت کے ساتھ ساحل پر پہنچ گئے تو اپنے وعدہ کو بھول گئے اور پھر پہلے کی طرح سرکشی کرنے لگے لیکن وہ کان کھول کر سن لیں کہ وہ اپنی سرکشی سے اس دنیا کا تھوڑا سا فائدہ تو اٹھا سکتے ہیں مگر بالآخر انہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے جہاں انہیں سرکشی کی سزا ضرور ملے گی۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے خدا کے وجود پر دلیل طلب کی۔ آپ نے پوچھا: تمہارا پیشہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: اس کا پیشہ سمندری تجارت ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اپنی زندگی کا کوئی خاص واقعہ سناؤ۔ اس نے کہا: ''ایک دفعہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان سے میری کشتی ٹوٹ گئی اور میں ایک لکڑی کے تختے کے سہارے تیر رہا تھا کہ اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں۔'' اسی اثناء میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے اس تاجر سے پوچھا: ''سچ بتاؤ جب تمہاری کشتی ٹوٹ چکی تھی اور تمہارا تختہ طوفانی موجوں کے رحم و کرم پر تھا کیا اس وقت تمہارے دل میں کسی برتر ہستی کے حضور عجز و نیاز اور دعا کے جذبات پیدا ہوئے تھے جو تمہیں اس مشکل سے نجات دلائے؟'' تاجر نے اثبات میں جواب دیا تو امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس انتہائی مصیبت کے وقت جس ہستی کے لئے تمہارے دل میں نیاز مندی اور عاجزی کے جذبات پیدا ہوئے تھے وہی تمہارا حقیقی معبود اور خدا ہے۔'' (تفسیر کبیر) توحید پر مزید دلائل کے لئے میری تصنیف ''اسلامی عقائد'' ملاحظہ کریں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ چیز انسان کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ مصیبت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی دعا قبول کرتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اس وقت سارے جھوٹے سہارے ختم ہو چکے ہوتے ہیں اور صرف ایک خدا کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی) ایک مافوق الفطرت عظیم ہستی کا تصور ہر شخص کی فطرت اور اس کے تحت الشعور میں موجود ہے کیونکہ ہر انسان کو اسلام کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ (بخاری: کتاب الجنائز: باب ۸۰) انسان ماحول سے متاثر ہو کر اکثر اس فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن مصیبت میں یہ فطرت ابھر کر سامنے آجاتی ہے، اسی لئے مشرکین بھی جب مصائب میں گھر جاتے ہیں تو بتوں کی بجائے صرف ایک خدا کو پکارتے ہیں۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ دنیوی زندگی کی مثال اس پانی کی سی ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کی وجہ سے زمین کی نباتات گھنی ہو کر نکلی جس کو انسان اور جانور سب کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالکوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ اس پر قادر ہیں تو اچانک رات یا دن کے وقت اس پر ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا، پس ہم نے اسے اس طرح کاٹ کے رکھ دیا جیسے کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، اس طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ [۲۴]

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا تو یہ وہاں سے فرار ہوگئے۔ کسی دوسرے ملک جاتے ہوئے کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آگئی جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا: اب ایک خدا کو اخلاص کے ساتھ پکارو تمہارے خدا یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا اگر ایک خدا کے بغیر مجھے سمندر میں کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے بغیر مجھے کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ایمان لے آؤں گا اور میں انہیں ضرور معاف کرنے والا اور کریم پاؤں گا، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو جب اس طوفان سے نجات ملی تو وہ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (سنن نسائی: کتاب تحریر الدم: باب ۱۴)

ابن سعد نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب عکرمہ رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی کو آندھی اور طوفان نے گھیر لیا تو کشتی والے اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے اور اس کی توحید کا اقرار کرنے لگے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا: اے عکرمہ! یہ ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نفع نہیں دے سکتا تو عکرمہ رضی اللہ عنہ بولے: یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلاتے ہیں تو آؤ واپس چلتے ہیں، چنانچہ جب طوفان سے نجات ملی تو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

(تفسیر روح المعانی)

[۲۴] جو لوگ دنیاوی خواہشات اور لذات کے لئے آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں ان کی مثال ان کسانوں کی طرح ہے جن کی زمین میں نباتات کثرت سے پیدا ہوئی، ہر طرف سرسبز و شاداب فصلیں دیکھ کر کسان خوش ہیں کہ وہ عنقریب ان فصلوں سے منافع اور فوائد حاصل کریں گے، پھر اچانک ژالہ باری، ٹڈی، آندھی یا سیلاب کا ایسا عذاب آتا ہے کہ ساری فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور کسان غم و افسوس میں ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں، اسی طرح دنیاوی ساز و سامان بھی سرسبز فصلوں کی طرح ناپائیدار ہے اور جو لوگ آخرت سے

وَاللّٰهُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔[۲۵]

لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ ؕ وَ لَا یَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ جن لوگوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور مزید فضل بھی، ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت، یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[۲۶]

وَ الَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثۡلِهَا ۙ وَ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ

۲۷۔ اور جن لوگوں نے برے کام کئے انہیں برائی کی سزا ان کی برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی،

بے نیاز ہو کر دنیاوی مال ومتاع اور دولت اکٹھی کر لیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ اب وہ جی بھر کر اپنی دنیاوی خواہشات پوری کر سکیں گے، پھر اچانک ان کی موت آجاتی ہے، ایک طرف تو وہ دنیاوی مال و دولت سے محروم ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف آخرت میں اجر و ثواب سے محروم ہو کر کف افسوس ملتے رہ جائیں گے، لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ کائنات میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اُخروی نعمتوں کے حصول کی کوشش کریں جو کبھی فنا نہیں ہوں گی۔

[۲۵] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنتیں سات ہیں: دارُ الجلال، دارُ السلام، جنت عدن، جنتُ الماویٰ، جنتُ الخلد، جنتُ الفردوس اور جنتُ النعیم۔ (تفسیر قرطبی) یہ ساری جنتیں اعلیٰ مقامات ہیں جن میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دار السلام کی طرف بلایا ہے جو کہ سارے انسانوں کے لئے دعوتِ عام ہے لیکن دار السلام میں عملاً وہی خوش نصیب جا سکیں گے جو اس دنیا میں صراطِ مستقیم یعنی اسلام پر عمل پیرا ہوں گے۔

[۲۶] اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی اچھی جزا دے گا اور ان پر مزید فضل و احسان بھی فرمائے گا یعنی ایک نیکی کی جزا دس گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ قیامت کے دن ان کے چہروں پر مایوسی کی سیاہی اور ذلت نہیں ہوگی بلکہ رحمتِ خداوندی کی نورانیت اور مسرت ہوگی۔

اچھی جزا سے مراد جنت اور مزید فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی لیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جنت میں انہیں اپنا دیدار بھی کرائے گا اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم یہاں کوئی مزید چیز بھی چاہتے ہو؟ اہل جنت کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی؟ پھر اللہ تعالیٰ حجاب کھول دے گا اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(مسلم: حدیث نمبر ۲۹۷: کتاب الایمان: باب ۸۰)

مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

ان کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے، وہی دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [۲۷]

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمہارے شریک (معبودانِ باطلہ) اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ، پھر ہم ان کے درمیان تفرقہ ڈال دیں گے اور ان کے شریک (معبودانِ باطلہ) کہیں گے: تم ہماری تو عبادت نہیں کرتے تھے۔ [۲۸]

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔

[۲۷] اللہ تعالیٰ برے لوگوں کو ان کے برے اعمال کی اتنی ہی سزا دے گا جتنی برائی انہوں نے کی ہوگی۔ ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی لیکن انہیں اس سزا سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن ان کے کفر اور نافرمانی کی وجہ سے ان کے چہروں پر مایوسی کی ذلت اور رات جیسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی۔

[۲۸] مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے اور ان کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ بتوں کو قوت گویائی عطا فرما کر مشرکین کے سامنے لاکھڑا کرے گا۔ (تفسیر قرطبی و تفسیر منیر) اس وقت مشرکین بتوں سے کہیں گے: ہم نے ساری زندگی تمہاری عبادت کی، لہٰذا اب خدا کے ہاں ہماری سفارش کرو۔ بت کہیں گے: ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمہیں نہیں جانتے، تم جھوٹ کہتے ہو کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے کیونکہ ہم تو عبادت کے لائق نہیں ہیں۔ اس کے باوجود اگر تم ہماری عبادت کرتے تھے تو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہم تو بے زبان اور بے جان پتھر تھے، نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا اور نہ ہی ہمیں تمہاری عبادت کی کوئی خبر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے شریکوں سے مراد فرشتے اور انبیاء نہیں ہیں کیونکہ یہ حضرات تو مشرکین کی عبادت سے باخبر تھے، پھر وہ ان کی عبادت سے کیسے انکار کر سکتے تھے، نیز یہ آیت مکی ہے، اس میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے اور مشرکین مکہ انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتے تھے تو پھر وہ انبیاء علیہم السلام کی عبادت کیسے کر سکتے تھے۔ یہ دو آیات ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں جو بتوں کو خدا کے ہاں سفارشی سمجھتے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ بتوں کو چھوڑ کر اللہ والوں یعنی انبیاء، علماء، شہداء اور حفاظ کی پیروی کریں جو اس دنیا میں صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں اور آخرت میں اہل ایمان کی شفاعت کریں گے۔ اہل ایمان کی شفاعت کے بارے میں سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۱۴۱ اور حاشیہ نمبر ۲۱۷ اور سورہ یونس (۱۰) کا حاشیہ نمبر ۶ ملاحظہ کریں۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ

۳۰۔ وہاں ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا، [۲۹] اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے

[۲۹] میدانِ حشر میں جب سارے انسان اپنے مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے تو ہر انسان اپنے اعمال کو جانچ لے گا اور اسے صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ اس نے کتنے اچھے کام کئے اور کتنے برے کام کئے اور اپنے برے کاموں کی سزا دیکھ کر پچھتائے گا مگر اس وقت کا پچھتانا بے سود ہوگا، لہٰذا آج ہر انسان کو کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے انجام کو جانچ لینا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا: اپنے آپ کا (اس دنیا میں) محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ (کل روزِ قیامت) تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ (حلیۃ الاولیاء: جلد اول: ص ۸۸) حضرت عمر فاروق ؓ کی احساسِ ذمہ داری کے چند واقعات ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا: اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک بکری یا بھیڑ کا ایک بچہ لا پرواہی یعنی بھوک یا پیاس سے ہلاک ہو گیا تو مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس فرمائے گا۔

(کنز العمال: ۱۴۲۹۴: جلد ۵: ص ۷۵۶، حلیۃ الاولیاء: جلد اول: ص ۸۹)

۲۔ ایک رات ایک تجارتی قافلہ نے مسجد نبوی کے قریب قیام کیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے عبد الرحمٰن بن عوف ؓ کو فرمایا: آؤ آج رات اس قافلہ کا پہرہ دیں تاکہ کوئی ان کا سامان چوری نہ کرے۔ اس دوران حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپ اس کی ماں کے پاس آئے اور اسے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بچے کو بہلا کر خاموش کرو۔ کچھ دیر بعد بچہ پھر رویا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے پھر اس کی ماں سے کہا کہ اپنے بچے کو بہلاؤ۔ رات کے آخری حصہ میں پھر جب رویا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے سختی سے فرمایا: تو بڑی بے رحم ماں ہے، اسے بہلاتی کیوں نہیں۔ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے بندے! تم خواہ مخواہ مجھے تنگ کرتے ہو، دراصل میں اس کا دودھ چھڑاتی ہوں کیونکہ خلیفہ عمر ؓ اس وقت تک بچے کا وظیفہ مقرر نہیں کرتا جب تک وہ بچہ ماں کا دودھ پینا چھوڑ نہ دے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق ؓ پر رقت طاری ہو گئی اور صبح کی جماعت کرانے کے فوراً بعد فرمایا: ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی وقت منادی کرا دی: خبردار! بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، آج کے بعد جس دن بچہ پیدا ہوگا اسی دن اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔

(طبقات لابن سعد: جلد ۳: ص ۲۸۰)

۳۔ اسلم (جو حضرت عمر فاروق ؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق ؓ رات کو گشت کے لئے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، آپ نے اس کے پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے، حضرت عمر فاروق ؓ اسی وقت اٹھے، مدینہ میں آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا: میں لئے چلتا ہوں، فرمایا: ہاں! لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور اس عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر فاروق ؓ خود چولہا پھونکتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا: خدا تم کو جزائے خیر دے، سچ تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر ؓ۔

(الفاروق: شبلی نعمانی: ص ۳۳۰، کنز العمال: ۳۵۹۷۸: جلد ۱۲: ص ۶۴۸)

النصف ع ٨

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ؏ ⓷⓪

جو ان کا مالک حقیقی ہے اور جو جھوٹ وہ باندھا کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا۔[۳۰]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ⓷①

۳۱۔ آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور بے جان سے جاندار کو کون نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے؟ اور امور (کائنات) کی تدبیر کون کرتا ہے؟ تو وہ (جواب میں) کہیں گے: اللہ تعالیٰ، پس آپ فرمایئے: پھر تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔[۳۱]

۴۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا کر بیٹھے تو اچانک خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون روتا ہے؟ اس نے کہا: میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر پر آئے اور اپنی زوجہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا اور بدو سے اجازت لے کر اپنی بیوی کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پکارا کہ امیر المؤمنین! اپنے ساتھی کو مبارک باد دو۔ امیر المؤمنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فکر نہ کرو، کل میرے پاس آنا، میں اس بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔ (الفاروق: شبلی نعمانی: ص۳۳۱)

[۳۰] اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن چیزوں کی اس دنیا میں عبادت کی جاتی ہے میدانِ حشر میں وہ چیزیں اپنے ماننے والوں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گی کہ ہم نے کبھی معبود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اگر یہ مشرکین ہمیں خدا سمجھتے تھے تو یہ ان کا اپنا گھڑا ہوا جھوٹ ہے۔

اس دنیا کا تجربہ بھی یہی ہے کہ جو انسان غلط کاروں کے ساتھ مل کر غلطی کرتا ہے جب وہ پکڑا جاتا ہے تو اپنی غلطی کی سزا اُسے خود بھگتنا پڑتی ہے اس وقت غلط کار اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ غلطی اس نے خود کی ہے اور ہمارے اوپر جھوٹا بہتان لگا رہا ہے۔

[۳۱] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مشرکین سے پوچھا جا رہا ہے کہ آسمان سے بارش کا پانی اور سورج کی حرارت کون اتارتا ہے؟ زمین سے فصلیں اور درخت کون اگاتا ہے جن کے ذریعہ تمہیں خوراک مہیا ہوتی ہے؟ کان میں قوت سماعت اور آنکھ میں قوت بصارت کس نے پیدا کی ہے؟ وہ کون ہے جو بے جان نطفے سے انسان کو اور انسان سے نطفہ کو پیدا کرتا ہے اور وہ کون ہے جو بے جان انڈے سے پرندے کو اور پرندے سے انڈے کو پیدا کرتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو سارے امور کائنات کی تدبیر کرتا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں مشرکین یہی کہیں گے کہ یہ سارے عظیم الشان کام واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تو اب انہیں

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ پس یہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے، حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں پھرائے جا رہے ہو؟ [۳۲]

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اس طرح فاسقوں پر آپ کے رب کی بات حق ثابت ہو گئی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ [۳۳]

تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ زمین و آسمان سے رزق دینے والا، انسان کو حواس دینے والا، موت و حیات کو پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کائنات کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور اس کے شریک نہ بناؤ۔

[۳۲] گذشتہ آیت میں جن عظیم الشان صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، لہٰذا وہی تمہارا حقیقی رب اللہ تعالیٰ ہے اور صرف وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اب حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اگر تم حق پر ایمان نہ لائے تو پھر تمہیں گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا، لہٰذا عقل سے کام لو اور گمراہ لوگوں کے فریب سے بچو۔ اس آیت کے ضمن میں قاضی ابوبکر بن العربی نے غناء یعنی گانے کے متعلق جو تحقیق کی ہے اس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

"اکثر علماء کے نزدیک جن میں امام مالک ؒ بھی ہیں، غناء ایک ایسا لہو ہے جو دلوں میں ہیجان پیدا کرتا ہے لیکن قرآن و سنت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ ایک صحیح حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بُعاث کے بارے میں کہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے (ناراضگی اور غصے کے انداز میں) فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کا کاشانۂ اقدس اور اس میں شیطان کے آلات۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! ان کو گانے دو کیونکہ آج عید کا دن ہے۔" اگر غناء حرام ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے تو اس غناء کو بند کرنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے گانے کی رخصت دے دی اور لوگوں سے نرمی فرمائی تا کہ وہ اس سے اپنے دلوں کو بہلا سکیں کیونکہ سارے انسان ہمیشہ ایسے زہد اور ایسی پابندی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے کہ آج عید کا دن ہے انہیں گانے سے نہ روکو۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ غناء سننا مکروہ ہے مگر خاص خاص تقریبات مثلاً عید، شادی، کسی مسافر کی واپسی وغیرہ جیسے مواقع پر اس کی رخصت ہے اور غناء کی حرمت پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے یا معنیٰ کے اعتبار سے قابل التفات نہیں ہیں۔

(تفسیر احکام القرآن: قاضی ابو بکر بن العربی)

[۳۳] جو لوگ نافرمانی کی اس انتہا کو پہنچ جاتے ہیں کہ حق کو سمجھ لینے کے بعد بھی صرف تعصب کی وجہ سے حق کو تسلیم نہیں کرتے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان یہی ہے کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یہ بات ابوجہل اور ابولہب پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیات نمبر ۶ اور ۷ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے! کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرے، پھر (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ زندہ کرے، آپ فرما دیجئے! اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے اور وہی (فنا کے بعد) اس کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔[۳۴]

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے! کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے، پس تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسے (غلط) فیصلے کرتے ہو۔[۳۵]

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ ان میں سے اکثر لوگ صرف وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں، بے شک وہم وگمان حق کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دیتا، [۳۶] بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

---

[۳۴] مشرکین کو اس بات کا تو اقرار تھا کہ ساری مخلوق کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ یہ بت تو انہوں نے پتھروں کو کاٹ کر اب بنائے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ان بتوں سے بہت پہلے پیدا کیا تھا لیکن قیامت کا دن اور دوبارہ زندہ ہونا انہیں مشکل نظر آتا تھا۔ اس آیت میں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو پہلی بار پیدا فرمایا وہی اس پر قادر ہے کہ فنا کے بعد دوبارہ اس کو زندہ کر سکے، لہٰذا اس خالق حقیقی کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

[۳۵] اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیجا جو لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس لئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔ بت تو مجبور محض ہیں اور اپنی حرکت کے لئے بھی تمہارے محتاج ہیں، جب تک تم انہیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہ رکھو یہ خود تو اپنی جگہ بدلنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے، پھر وہ تمہاری رہنمائی کیسے کر سکیں گے، لہٰذا عقل سے کام لو، اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے فرق کو سمجھو اور غلط فیصلوں سے اپنی آخرت برباد نہ کرو۔

[۳۶] مشرکین کے پاس شرک پرستی کے لئے کوئی یقینی دلیل نہیں ہے یعنی انہیں اپنے عقیدہ پر کامل یقین نہیں ہے صرف وہم وگمان اور اپنے

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ تعالیٰ (کی وحی) کے بغیر اس کو گھڑ لیا جائے بلکہ یہ تو پہلے سے موجود وحی کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔[۳۷]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کتاب کو خود گھڑ لیا ہے؟ آپ فرمایئے: اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو تو تم بھی اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا (اپنی مدد کے لئے) جن کو تم بلا سکتے ہو ان کو بھی بلا لو۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جس کو وہ پوری طرح جان نہ سکے اور ابھی تک ان کے پاس اس (کے جھٹلانے) کا انجام نہیں آیا، اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے، پھر دیکھ لو ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ [۳۸]

باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں اور جب کبھی مصائب میں گھر جائیں تو پھر اپنے وہم وگمان اور شرک سے دست بردار ہو کر ایک خدا کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہم وگمان انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ حق تک پہنچنے کے لئے یقین محکم اور عمل پیہم کا ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ یقین کو چھوڑ کر صرف وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت خوب جانتا ہے اور یقین کی پیروی نہ کرنے پر انہیں سزا دے گا۔

[۳۷] قرآن مجید کی تعلیمات اور اس میں بیان کردہ احکام ایسے نہیں جن کو کوئی انسان گھڑ سکے کیونکہ یہ پہلی آسمانی کتابوں یعنی تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور حلال وحرام کی تفصیل بیان کرتا ہے، لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب کائنات کی طرف سے نازل ہوا ہے لیکن پھر بھی اگر تمہیں اصرار ہے کہ قرآن کو نبی کریم ﷺ نے خود گھڑا ہے تو تم بھی اہل زبان ہو۔ وہ تو ایک ہے، تم ساری دنیا کے اہل زبان جمع کر لو اور اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو اور اگر تم سارے مل کر اس جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے تو نبی کریم ﷺ تنہا سارا قرآن کیسے بنا سکتے ہیں۔ بہر حال جس طرح ساری دنیا مل کر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے سورج اور چاند کے مقابلہ میں دوسرا سورج اور چاند نہیں بنا سکتی اسی طرح ساری دنیا مل کر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن جیسا کلام بھی نہیں بنا سکتی۔

[۳۸] مشرکین نے قرآن مجید کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان میں غور وفکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی صرف تعصب اور عناد کی وجہ سے فوراً اس کو

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ع

۴۰۔ ان میں سے بعض لوگ اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، تم میرے عمل کے ذمہ دار نہیں اور میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں [۳۹]

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور ان میں سے بعض (بظاہر) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں؟ [۴۰]

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور ان میں سے بعض (بظاہر) آپ کی طرف دیکھتے ہیں، تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے خواہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں؟ [۴۱]

جھٹلا دیا، اور اس جھٹلانے کا برا انجام بھی ابھی تک ان کے سامنے نہیں آیا، لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے بھی بعض قوموں نے آسمانی کتابوں کو جھٹلایا اور ان پر ایسے عذاب نازل ہوئے کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا، لہٰذا موجودہ مشرکین کو چاہیے کہ سابقہ ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور قرآن مجید پر ایمان لا کر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچائیں۔

[۳۹] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اس کے باوجود اگر یہ مشرکین مسلمان نہیں ہوتے تو آپ فکرمند نہ ہوں آپ کو اپنی تبلیغ کا ثواب ملے گا اور ان کو اسلام قبول نہ کرنے کی سزا ملے گی کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔

[۴۰] ان مشرکین میں سے بعض ایسے ہیں جو بظاہر تو آپ کی تبلیغ خوب کان لگا کر سنتے ہیں مگر انہوں نے اپنے دل کے کانوں پر تعصب کے پردے ڈال رکھے ہیں اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے حالانکہ بعض بہرے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دل عاقل ہوتے ہیں اور مشاہدات کی بناء پر حق سمجھ لیتے ہیں مگر ان مشرکین کی حالت ان بہروں کی سی ہے جو کانوں سے بھی بہرے ہیں اور عقل سے بھی کورے ہیں، نہ کانوں سے حق بات کو سن سکتے ہیں اور نہ ہی دل سے حق بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

[۴۱] اسی طرح ان مشرکین میں بعض ایسے ہیں جو بظاہر تو آپ کے معجزات اور کمالات بڑے غور سے دیکھتے ہیں مگر انہوں نے اپنے دل کی

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

۴۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ [۴۲]

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾

۴۵۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ خیال کریں گے کہ) گویا وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے تھے وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ [۴۳]

وَ إِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾

۴۶۔ اور اگر ہم آپ کو (اس عذاب کا) کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا آپ کو (پہلے ہی) اپنے پاس بلا لیں، بہر حال انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان کاموں پر شاہد ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ [۴۴]

آنکھوں پر تعصب کے پردے ڈال رکھے ہیں اس لئے ان کا دیکھنا اور نہ دیکھنا برابر ہے حالانکہ بعض اندھے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دل عاقل ہوتے ہیں اور وہ دلائل میں غور وفکر کر کے حق کو سمجھ لیتے ہیں مگر ان مشرکین کی حالت ان اندھوں کی سی ہے جو عقل سے بھی کورے ہیں یعنی نہ آنکھوں سے حق کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ دل سے حق کو سمجھ سکتے ہیں۔

[۴۲] اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے عقل ودماغ دیا تاکہ ان کی مدد سے وہ حق وباطل میں تمیز کر سکیں لیکن جو لوگ ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

[۴۳] میدان حشر کی سختیاں دیکھ کر کفار کو دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور آخرت کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں انہیں دنیا کا قیام صرف ایک آدھ گھڑی کے برابر نظر آئے گا۔ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچان لیں گے اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کا نقصان اور عذاب جب انہیں نظر آئے گا تو پھر آپس میں ایک دوسرے پر الزام عائد کریں گے کہ تم نے مجھے گمراہ کیا تھا لیکن جو آخرت پر ایمان لا کر نیک اعمال کرتے ہیں وہ جنت کی خوش خبری سن کر آپس میں ایک دوسرے کی تعریف اور سفارش کریں گے۔

[۴۴] اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا کہ ہم نے مشرکین کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب کرنے کے جو وعدے کئے ہیں وہ بہر حال پورے ہوں گے خواہ ان میں سے بعض آپ کی موجودگی میں پورے ہو جائیں جیسے فتح بدر اور فتح مکہ وغیرہ یا آپ کے انتقال کے بعد پورے ہوں جیسے خلفاء راشدین کے دور میں اسلام کو غلبہ ملا۔ اور اگر کسی حکمت کے تحت دنیا میں انہیں پوری سزا نہ ملی تو آخرت میں ضرور ملے گی کیونکہ سب کو اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹنا ہے، وہ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے اور ان کے جرائم کے مطابق انہیں سزا دے گا۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔[۴۵]

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ آپ فرما دیجئے: میں اپنی جان کے لئے نہ ضرر کا مالک ہوں اور نہ نفع کا مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے،[۴۶] ہر اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا وقت مقرر آجائے گا تو وہ ایک گھڑی بھی نہ دیر کر سکیں گے اور نہ جلدی کر سکیں گے۔[۴۷]

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا یَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ آپ فرما دیجئے: ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر اچانک رات کو یا دن کو آجائے تو (تم کیا کرلو گے؟) عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔[۴۸]

---

[۴۵] ہر امت کے پاس ایک رسول بھیجا گیا جس نے حق و باطل واضح کر دیا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کوئی باطل پرست لاعلمی کا عذر نہ کر سکے۔ نیز قیامت کے دن جب ہر اُمت کے پاس ان کا رسول آئے گا تو رسول کی موجودگی میں ان کا حساب و کتاب ہوگا اور سارے فیصلے عدل و انصاف کے مطابق ہوں گے کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

[۴۶] مشرکین مکہ نے کہا کہ ان کو جس عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں اگر تم واقعی سچے ہو تو پھر وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عذاب کا لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے میں تو اپنے نفع و نقصان کا بھی اسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ تعالیٰ چاہے۔ (اس کے لئے مزید سورہ اعراف (۷) آیت نمبر ۱۸۸ کا حاشیہ نمبر ۱۰۵ ملاحظہ کریں)

[۴۷] اللہ تعالیٰ ہر امت کو غور و فکر کے لئے کافی وقت دیتا ہے، جو امت اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتی اور اپنی اصلاح نہیں کرتی تو پھر اس کی بربادی کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو وقت مقرر ہے اس کا انتظار کیا جاتا ہے لیکن جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو پھر ایک لحہ بھی اس میں تقدیم اور تاخیر نہیں ہو سکے گی۔

[۴۸] یعنی اگر تم پر رات کو یا دن کو اچانک عذاب آجائے تو تم اس کو روک نہیں سکو گے اور وہ تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا، پھر تم مجرم لوگ

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ کیا جب عذاب واقع ہو چکے گا تب تم اس پر یقین کرو گے، اب (ایمان لاتے ہو؟) حالانکہ پہلے تم خود ہی اس عذاب کو جلدی مانگ رہے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا: اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کمایا کرتے تھے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع

۵۳۔ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا عذاب واقعی سچ ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم! بے شک عذاب سچ ہے، اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ [۴۹]

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور اگر ہر ظالم شخص کے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی تو وہ (عذاب سے بچنے کے لئے) ساری دولت بطور فدیہ دے دیتا، اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت کو چھپائیں گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ [۵۰]

اس عذاب کے جلدی آنے کا مطالبہ کیوں کر رہے ہو؟ شاید تم کو عذاب کے آنے کا یقین نہیں اور تم تجربہ کرنا چاہتے ہو کہ جب وہ عذاب آ گیا تو پھر ایمان لے آؤ گے، لیکن جب عذاب آ گیا تو مجرموں کو کہا جائے گا: پہلے تم اس وعدہ کا مذاق اڑاتے تھے اور عذاب کے جلد لانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اب عذاب آ چکا ہے اور تم عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لانا چاہتے ہو حالانکہ موت کو دیکھ کر یا آخرت میں عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول نہیں ہوتا، لہٰذا اب تم دائمی عذاب کا مزا چکھو اور یہ تمہارے جھٹلانے کی سزا ہے۔

[۴۹] یہ ظالم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کیا یہ واقعی سچ ہے کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دائمی عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا؟ پیارے نبی ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ ہاں مجھے میرے رب کی قسم ہے، یہ بالکل سچ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ نیک لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور ظالموں کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے گا اور اگر تم اپنے مظالم سے باز نہ آئے تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہ سکو گے۔

[۵۰] قیامت کے دن ظالم لوگ جب اپنے عذاب کو دیکھیں گے تو پچھتائیں گے اور اگر ان کے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی تو عذاب

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ غور سے سن لو! کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، غور سے سن لو! بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور یہ دل کی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔[۵۱]

سے بچنے کے لئے وہ ساری دولت بطور فدیہ دے دیتے لیکن وہاں کسی کے پاس اس دنیا کی دولت نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کے پاس عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ظالم لوگ ناحق فیصلوں کی وجہ سے اکثر اپنے مظالم کی سزا سے بچ جاتے ہیں مگر قیامت کے دن سارے فیصلے حق و انصاف کے مطابق ہوں گے اور کوئی ظالم اپنے مظالم کی سزا سے نہ بچ سکے گا۔

[۵۱] اس آیت میں قرآن مجید کی چار صفات کا ذکر ہوا ہے یعنی قرآن مجید میں نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے۔ جو مسلمان خلوص نیت کے ساتھ قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ خصوصی رحمت فرماتا ہے جس سے ان کے ظاہری افعال و اقوال میں صداقت اور باطنی عقائد و خیالات میں طہارت آجاتی ہے۔ ان کی جسمانی، قلبی اور روحانی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

قرآن مجید ایسی بابرکت کتاب ہے جس کی صرف تعلیمات ہی شفا کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے الفاظ بھی شفا کا اثر رکھتے ہیں اسی لئے اہل علم کے نزدیک قرآن مجید کے الفاظ سے دم کرنا اور اس کے الفاظ سے تعویذ بنانا جائز ہے۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں کہ احادیث اور علمائے امت کے بے شمار تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ قرآن مجید جیسے قلبی امراض کے لئے اکسیر اعظم ہے اسی طرح اس کی مختلف آیات مختلف قسم کی جسمانی بیماریوں کو بھی شفا دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں امام غزالی کی کتاب خواص قرآنی بہت مشہور و معروف ہے، جس کی تلخیص دیوبند کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اعمال قرآنی کے نام سے فرمائی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن)

دم اور تعویذ کرنے کا جواز

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور پھر کہتے "اَذْهِبِ الْبَاْسَ، رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا"

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ آپ فرمایئے! اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر ان کو خوشی منانی چاہیے، یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں۔ [۵۲]

(مسلم: حدیث نمبر ۵۷۰۷: کتاب السلام: باب ۱۹) اے انسانوں کے رب! تکلیفوں کو دور کر دے، شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا اور کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفا دے جس سے بیماری بالکل ختم ہو جائے۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے اہل میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس کے اوپر قل اعوذ برب الفلق ۔۔۔۔ اور قل اعوذ برب الناس ۔۔۔۔ پڑھ کر دم فرماتے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۵۷۱۴: کتاب السلام: باب ۲۰)

۳۔ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے حلق میں درد کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: تم قرآن پڑھنے کو لازم رکھو۔

(شعب الایمان: البیهقی: حدیث نمبر ۲۵۸۰)

۴۔ عوف بن مالک ؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے دم کے کلمات مجھے پڑھ کر سناؤ اگر اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں تو دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مسلم: حدیث نمبر ۵۷۳۲: کتاب السلام: باب ۲۲)

۵۔ حضرت شعیب ؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دُعا کرے: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" (میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے اس کے عقاب سے، اس کے بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں اور شیاطین کے حاضر ہونے سے اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں) تو پھر شیاطین اس کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور عبداللہ بن عمر ؓ اپنے بالغ بچوں کو یہ دعا سکھاتے اور جو نابالغ بچے تھے ان کے گلے میں یہ دعا لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۳۵۲۸: کتاب الدعوات: باب ۹۴)

[۵۲] اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہی اس لائق ہیں کہ ان پر خوشی منائی جائے اور یہ ان تمام مادی چیزوں سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں کیونکہ دنیا کا مال و متاع قلیل اور فانی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بے حساب اور دائمی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جوزی نے کئی اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی رحمت سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ (تفسیر زاد المسیر) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (قرآن: ۲۱: ۱۰۷) اسی طرح امام جلال الدین سیوطی نے بھی کئی اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کے فضل سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ (تفسیر در منثور) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ (قرآن: ۴: ۱۱۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے اور مذکورہ اقوال سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں، لہٰذا ماہِ رمضان میں جشن نزولِ قرآن منانے کی طرح ربیع الاوّل میں نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی منانا بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی رحمت کا شکر ادا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ اور محافلِ میلاد کے مقاصد

ولادت کے وقت یا ولادت کی جگہ کو عربی لغت میں مولد کہتے ہیں۔ اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے نورانی اور یادگار موقع کو مولد النبی ﷺ یا صرف مولد بھی کہا جاتا ہے۔ مغربی ایشیا کے مسلمان اس کو میلاد النبی ﷺ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

میلاد کا بیان

امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: اب میں تم کو اپنی پیدائش کے واقعات سناتا ہوں۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا اور یونہی انبیائے کرام علیہم السلام کی مائیں دیکھتی ہیں۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۱۲۷)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری پیدائش کے وقت میری ماں نے دیکھا کہ نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۶۲)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: محمد ﷺ کی ولادت کی رات میں نے ایک ایسا نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے یہاں تک کہ میں نے ان محلات کو دیکھ لیا۔ (المواهب اللدنیہ: جلد اوّل: ص ۱۲۸)

میلاد منانا

نبی کریم ﷺ اپنے میلاد کی خوشی میں ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے۔ امام مسلم نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے جب پیر کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھے مبعوث کیا گیا۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۱۶۲: کتاب الصیام: باب نمبر ۳۶)

محافلِ میلاد

نبی کریم ﷺ کی ولادت بارہ (۱۲) ربیع الاوّل کو ہوئی۔ اس لئے مسلمان ربیع الاوّل میں بالخصوص اور دیگر مہینوں میں بالعموم محافلِ میلاد کا انعقاد کرتے ہیں۔ ان محافل میں آپ کی ولادت کے واقعات اور آپ کے فضائل اور خصائل کا بیان ہوتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور نبی آخر الزمان ﷺ کی سنت ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی ولادت کے واقعات اور ان کے فضائل اور خصائل کا بیان کثرت سے موجود ہے۔

محافلِ میلاد کے مقاصد

۱۔ تسکین قلوب: ان محافل میں شریک ہو کر اہل ایمان کے دلوں کو اطمینان اور سکون ملتا ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے

واقعات دل کی تسکین کا باعث ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا: اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں سناتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ (قرآن:۱۱:۱۲۰)

۲۔ تکمیل ایمان: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ میں اُسے اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری: کتاب الایمان: باب ۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت رسول ﷺ روح ایمان ہے، محبت رسول ﷺ کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا محافل میلاد میں نبی کریم ﷺ کی ولادت کے غیر معمولی واقعات کا ذکر ہوتا ہے، آپ ﷺ کے پیارے بچپن کی بات ہوتی ہے اور آپ کے فضائل و کمالات کا بیان ہوتا ہے تو سوئی ہوئی محبت جاگ اُٹھتی ہے اور ایمان کی تازگی کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ اولاد کی تربیت: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کی تربیت تین چیزوں پر کرو، اپنے نبی ﷺ کی محبت سکھاؤ، اہل بیت نبوت کی محبت کا درس دو اور تلاوت قرآن کا شوق پیدا کرو۔ (کنزل العمال: حدیث نمبر ۴۵۴۰۹)

اس حدیث کے مطابق والدین پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا کریں۔ محافل میلاد اس واجب کی ادائیگی کا موثر ذریعہ ہیں۔ بچے جونہی ہوش سنبھالیں انہیں محافل میلاد کی ترغیب دی جائے۔ ایسی محافل میں سیرت طیبہ کا بیان ہو، بچوں سے نعتیں پڑھائی جائیں اور تقریری مقابلے ہوں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ بچوں کو ذہنی اور جذباتی وابستگی ہوجائے گی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کے قلبی تعلق کو فروغ ملے گا۔

۴۔ ایصال ثواب: ان محافل میں درود و سلام اور مختلف نفلی عبادات کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو ثواب کے ہدایا پیش کئے جاتے ہیں اور درود و سلام ایسی عبادت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (قرآن: ۳۳:۵۶)

۵۔ نعمتوں کا بیان: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اپنے رب کی نعمتوں کو خوب بیان کرو۔ (قرآن: ۱۱:۹۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ (بخاری: کتاب المغازی: باب ۸) لہٰذا آپ ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور صحت وغیرہ بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور کسی پر احسان نہیں جتلایا لیکن جب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو قرآن مجید میں اعلان کیا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (قرآن: ۳: ۱۶۴) اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لئے سب سے بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے کیونکہ آپ باطل عقائد سے پاک کرتے ہیں اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے ہیں جو دین و دنیا میں نفع بخش ہیں۔ (تفسیر کبیر)

۶۔ تجدید ذکر: جس طرح حج کے افعال، صفا و مروہ کی سعی اور طواف میں رمل وغیرہ صالحین کی یاد تازہ کرتے ہیں اسی طرح محفل میلاد بھی نبی کریم ﷺ کی یاد تازہ کرتی ہے۔

۷۔ فضائل نبوی کی تعلیم: قرآن وحدیث میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے واقعات اوران کے فضائل وخصائل مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگ تو مطالعہ کے دوران ان فضائل پر آگاہ ہوجاتے ہیں مگران پڑھ لوگوں کے لئے محفل میلاد ایک سنہری موقع ہے جس میں وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی ولادت کے واقعات اوران کے فضائل وخصائل سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

۸۔ تعظیم نبوت: میلادالنبی ﷺ کا مقصد نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم ایمان کی دلیل ہے اوران کی توہین کفر کا باعث ہے جیسا کہ سب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ان کو سجدہ کیا لیکن شیطان انکار تعظیم کی وجہ سے کافر ہوگیا۔

۹۔ حصول برکت: نبی کریم ﷺ ابھی شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ فرشتوں نے عرض کیا: یااللہ تعالیٰ! آپ کا یہ نبی یتیم ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کا کارساز، محافظ اور مددگار ہوں، (لہٰذا تم اس کی یتیمی کا فکر نہ کرو بلکہ) تم ان کے میلاد سے برکت حاصل کرو کیونکہ ان کا میلاد بڑا بابرکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے میلاد کے لئے آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ (الخصائص الکبری: جلد اول: ص ۴۷)

۱۰۔ عذاب میں تخفیف: نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے موقع پر ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو خبر سنائی کہ تیرے مرحوم بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ابولہب یہ خبر سن کر خوش ہوا اور انگلی کا اشارہ کرکے کہنے لگا: ثویبہ جا آج سے تو آزاد ہے۔ جب ابولہب مرگیا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے اس کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا اور اس سے پوچھا: تجھ پر کیا گزری؟ ابولہب نے کہا: تم سے علیحدہ ہو کر مجھے خیر نصیب نہیں ہوئی، البتہ اس انگلی سے مجھے پانی ملتا ہے (جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے) کیونکہ میں نے اس انگلی کے اشارہ سے ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (بخاری: کتاب النکاح: باب ۲۰)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن منیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قاعدہ یہی ہے کہ کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ مالک ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے اس قاعدہ سے مستثنیٰ کرکے اس کے عذاب میں تخفیف کردے۔

(فتح الباری: جلد ۹: ص ۱۴۶)

علامہ قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ ابولہب کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا جہنم میں ہوں لیکن ہر پیر کی رات میرے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور میں ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب ثویبہ نے محمد (ﷺ) کی ولادت کی مجھے بشارت دی اور اس نے آپ کو دودھ پلایا تو میں نے اسے آزاد کردیا تھا۔ علامہ ابن جزری کہتے ہیں کہ وہ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن مجید نازل ہوا، اس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کی رات خوشی منائی اور اسے اس کے صلہ میں انعام دیا گیا تو وہ شخص جو مسلمان ہو، توحید پرست ہو اور آپ کا اُمتی ہو اگر آپ کی ولادت کی خوشی منائے اور اپنی طاقت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی محبت میں خرچ کرے تو اس کی جزا کا کیا عالم ہوگا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے! اس کی جزا یہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(مواہب لدنیہ: جلد اوّل: ص ۱۴۷)

عید میلاد

نبی کریم ﷺ کی ولادت کے حوالے سے اہل ایمان خوشیاں مناتے ہیں جس کو "عید میلاد النبی ﷺ" کا نام دیا جاتا ہے۔

عید کے لغوی معانی

وہ دن جو ہر سال اپنے ساتھ نئی خوشیاں لائے۔ (لسان العرب) وہ دن جس میں لوگ جمع ہوں (لسان العرب) خوشی کا وہ دن جو بار بار آئے۔ (مفردات) وہ دن جس میں خوشی حاصل ہو۔ (مفردات) وہ دن جس میں کسی اہم واقعہ یا کسی فضیلت والی ہستی کا ذکر کیا جائے۔ (المنجد)

نزول مائدہ پر عیسائیوں کا عید منانا

قرآن مجید میں مذکور ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما تاکہ وہ ہم سب یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن ہو جائے۔ (قرآن: ۵: ۱۱۴) یعنی جس دن مائدہ نازل ہوگا وہ دن ہمارے لئے اور ہم سے بعد میں آنے والے سب عیسائیوں کے لئے عید کا دن ہوگا، چونکہ مائدہ اتوار کے دن نازل ہوا، اس لئے اتوار کا دن عیسائیوں کے لئے عید کی حیثیت رکھتا ہے۔ (تفسیر خازن: روح المعانی) جس دن آسمان سے مائدہ نازل ہوا گر وہ دن عیسائیوں کے لئے عید ہو سکتا ہے تو جس دن تمام جہانوں کی رحمت یعنی نبی کریم ﷺ کی ولادت ہو تو وہ دن مسلمانوں کے لئے یقیناً عید ہے۔

فرعون سے نجات پر یہودیوں کا عید منانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود دس محرم کا روزہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے دریافت کیا: تم عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ دن بڑا مبارک ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا (اس لئے ہم بھی اس دن بطور شکر روزہ رکھتے ہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تم سے زیادہ حق ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے دسویں محرم کا خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۶۹) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہود دسویں محرم کے دن کو عید شمار کرتے تھے۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب ۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جس دن کسی قوم یا نبی کو کوئی نعمت عطا ہو اس دن خوشی منانا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ نیز دسویں محرم کو عید منانے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی اور بارہ ربیع الاول کو عید منانے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن میں اس بابرکت ہستی کی ولادت ہوئی جس کی بدولت دنیا کو سب سے بڑے ظلم یعنی شرک سے نجات ملی، لہٰذا بارہ ربیع الاول اپنے پس منظر کے حوالے سے عید کہلانے کا یوم عاشوراء سے زیادہ حق دار ہے۔

حضرت آدم کے یوم پیدائش پر عید منانا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ (جمعہ کا دن) عید کا دن ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے (عید) بنایا ہے۔ (ابن

ماجۃ: ۱۰۹۸ : ابواب اقامۃ الصلاۃ : باب ۸۳) بے شک جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۳۰۳) اور تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا ہے کیونکہ اس میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کا وصال ہوا۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۸) مذکورہ دو احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کو عید منانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی حالانکہ ان کی وفات کا دن بھی یہی ہے۔ حضرت آدم صرف ایک ہی بار پیدا ہوئے مگر ہر جمعہ کے دن ان کی ولادت کا جشن منایا جاتا ہے۔ شریعت میں وفات کا سوگ تین دن تک منایا جاتا ہے یعنی تین دنوں تک میت کے وارث گھر میں بیٹھ کر اپنے غم پر صبر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دیگر رشتہ دار اور احباب آکر تعزیت کرتے ہیں لیکن اگر وہ ہمیشہ سوگ مناتے رہیں تو وہ مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور کاروبار زندگی سے بد دل ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس ولادت کی خوشی کو دوام بخشا گیا کیونکہ خوشی منانے سے ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور وہ کاروبار زندگی میں زیادہ دلچسپی لیں گے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کی خوشی ہر جمعہ کو منائی جاتی ہے، اس دن غسل کر کے اچھے کپڑوں اور خوشبو کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ان کی ولادت کے دن کو عید کا دن کہا جاتا ہے تو جس دن سارے نبیوں کے امام نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اس دن عید منانا بدرجہ اولی بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی اور ان کی وفات پر غم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اکثریت کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات دونوں کی تاریخ بارہ ربیع الاول ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یقیناً ہم پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہمارے لئے سب سے بڑی غم کی بات ہے۔ شریعت ہمیں نعمتوں پر شکر کے اظہار کی ترغیب دیتی ہے لیکن مصیبت کو چھپانے اور اس پر صبر کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اسی لئے شریعت نے ولادت کے وقت عقیقہ (جانور ذبح کرنے) کا حکم دیا ہے اور یہ بچے کی ولادت پر خوشی کا اظہار ہے لیکن موت کے وقت جانور ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ بے صبری اور نوحہ خوانی کے اظہار سے منع کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اظہار غم کے بجائے ان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنا اچھی بات ہے۔ (الحاوی للفتاوی: امام جلال الدین سیوطی: جلد اول: ص ۱۸۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سب سے بڑی نعمت ہے

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یقیناً ہم پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

(الحاوی للفتاوی: امام جلال الدین السیوطی: جلد اول: ص ۱۸۵)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے؟ (الحاوی للفتاوی: امام جلال الدین السیوطی: جلد اول: ص ۱۸۸) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پر خوشی منا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

میلاد کی موجودہ صورت اچھی بدعت ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بدعت کی دو قسمیں ہیں: جو کام کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف ہو وہ بری بدعت اور گمراہی ہے اور جو نیک کام ایجاد کیا جائے اور وہ کام کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف نہ ہو وہ اچھی بدعت ہے جیسا کہ باجماعت نماز تراویح کو دیکھ کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اچھی بدعت ہے۔ (الحاوی للفتاوی: جلد اوّل: ص ۱۸۵)

محفل میلاد میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف ہو تو یہ اچھی بدعت ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا: مولد کے حوالے سے لوگوں کا اکٹھا ہونا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے واقعات اور معجزات کا بیان کرنا اور کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانا بشرطیکہ اس میں کسی غلط چیز کا اضافہ نہ کیا جائے تو یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔ اس میں شریک ہونے والوں کو ثواب ملے گا کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار ہے (الحاوی للفتاوی: جلد اوّل: ص ۱۸۱) اچھی بدعت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے ثواب کے برابر اس کو بھی ثواب ملتا رہے گا (کیونکہ اس کی بنیاد اس نے رکھی تھی) اور نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(مسلم: کتاب العلم: باب ٦)

دراصل موجودہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی اجتماعی ہیئت کے اعتبار سے بدعت ہے۔ اپنے افراد کے اعتبار سے بدعت نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد عہد نبوی میں پائے جاتے ہیں یعنی میلاد میں ہونے والے سارے کام انفرادی طور پر دور رسالت میں موجود تھے حتیٰ کہ مدینہ تشریف آوری پر عظیم الشان جلوس میں جنگی کرتب دکھانا اور کمسن بچیوں کا دفیں بجا کر نعت خوانی کرنا بھی تاریخ وحدیث کی کتب میں محفوظ ہے۔

امام احمد قسطلانی لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے مہینے میں اہل اسلام ہمیشہ سے مولد کی محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانے پکاتے اور دعوتیں کرتے اور ان راتوں میں قسم قسم کے صدقے و خیرات کرتے اور خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد شریف کے پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ (المواہب اللدنیہ: جلد اوّل: ص ۱۴۸)

جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں تھا اگر اُسے بری بدعت اور حرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن مجید کا ایک کتاب میں جمع ہونا، اس پر اعراب لگانا، نماز تراویح باجماعت ادا کرنا، مدارس اور ہسپتال بنانا، حدیث اور فقہ کی کتابیں لکھنا، مساجد کے محراب اور مینار بنانا سب حرام ہو جائیں گے۔ توپ اور میزائیل کے مقابلہ میں تلوار اور تیر لے کر جنگ کرنا پڑے گی۔ ٹینک اور جنگی طیاروں کے مقابلہ میں پیدل اور اونٹنی پر سوار ہونا پڑے گا، پھر ائر کنڈیشنڈ، پکی اینٹوں اور کارپٹ والی مساجد کو چھوڑ کر کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں کی چھت والی مساجد میں نماز پڑھنا ہوگی جن میں بارش کا پانی ٹپکے اور زمین کو کیچڑ بنا دے، پھر سفر کے لئے کار اور ہوائی جہاز کو چھوڑ کر اونٹنی

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ آپ فرمایئے: بھلا بتاؤ جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نازل کیا، پس تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دیا، آپ پوچھئے: کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟ [۵۳]

وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے بارے میں کیا گمان ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ (اے نبی مکرم!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی قرآن سے تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے رب سے ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس ذرہ سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر یہ سب روشن کتاب (لوحِ محفوظ)

پر سفر کرنا پڑے گا۔ کیا آج لندن یا کراچی میں رہنے والے کسی مبلغ نے کبھی اونٹنی پر صرف ایک دو میل کا سفر بھی کیا ہے تاکہ پیارے نبی ﷺ کی اس دور کی سنت پر زندگی میں صرف ایک گھنٹے کے لئے ہی عمل ہو سکے۔ اگر ان سارے ارتقائی اور بدعتی افعال میں اصل مقصد بہتر طریقہ سے حاصل ہو رہا ہے تو موجودہ ارتقائی اور اجتماعی میلاد بھی نبی کریم ﷺ کی محبت اور عظمت کو اجاگر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

[۵۳] اے میرے پیارے نبی ﷺ! آپ ان مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں دیا ہے تم نے اس میں سے بعض کو بتوں کے نام کی طرف منسوب کر کے حرام اور بعض کو حلال قرار دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حلال و حرام کرنے کا اختیار دیا ہے تو کسی آسمانی کتاب میں دکھاؤ۔ ظاہر ہے تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو اور جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت ضرور آئے گی اور اس دن انہیں اس جھوٹ باندھنے کی بہت سخت سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے، اسی لئے وہ اس دنیا میں جلدی سزا نہیں دیتا بلکہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

میں ہے۔[۵۴]

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۵۵]

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ہمیشہ متقی رہے۔

---

[۵۴] اس آیت میں پہلے نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ تلاوتِ قرآن اور تبلیغ اسلام میں جن مشکلات کا آپ کو سامنا ہے وہ ہماری نگاہوں میں ہیں۔ آپ اپنی جد و جہد جاری رکھیں بالآخر فتح آپ کی ہوگی، پھر تمام انسانوں کو خطاب ہے کہ زمین و آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز ایسی نہیں جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر قسم کی نیکی اور برائی پر ہم شاہد ہیں بلکہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں درج ہے اور اس کے مطابق تمہیں جزا اور سزا ملے گی۔

[۵۵] اولیاء اللہ کی جد و جہد کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوتا ہے، اس لئے دنیاوی زندگی میں اگر وہ کسی مادی نعمت سے محروم رہے ہوں گے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دیکھ کر انہیں اس مادی نعمت کے فوت ہونے کا غم نہیں ہوگا اور نہ ہی میزان عدل میں کسی ناانصافی کا خوف ہوگا۔ ان کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کے جلال کا خوف ہوگا اور یہ خوف انسان کی عظمت اور عزت کی علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ (قرآن: ۴۹: ۱۳) اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۰: کتاب الایمان: باب ۱۳)

لغت میں ولی کی تعریف

قاموس میں ولی کا معنیٰ ہے: قریب، محب، دوست اور مددگار (تفسیر ضیاء القرآن) اللہ تعالیٰ اپنے علم اور مشاہدہ کے اعتبار سے ہر انسان بلکہ کائنات کے ہر ذرہ کے قریب تر ہے مگر اپنی محبت اور رحمت کے حوالے سے وہ صرف ان خاص بندوں کے قریب ہوتا ہے جو نیک اور متقی ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔ (قرآن: ۷: ۵۶) اس قرب کے بے شمار درجات ہیں۔ مؤمن جس قدر نیکیوں میں ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کے درجات بھی ترقی پذیر رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک دن قرب کے اس خاص مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی خاص برکت شامل ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ (بخاری: کتاب الرقاق: باب ۳۸)

قرآن میں ولی کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ (قرآن:۲:۲۵۷)

۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہے۔ (قرآن:۱۰:۶۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء صرف وہی ہیں جو (اس سے) ڈرتے ہیں۔ (قرآن:۸:۳۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ (قرآن:۳۵:۲۸)

ان چاروں آیات کو اکٹھا کرنے سے معلوم ہوا کہ ولی کے ابتدائی درجہ میں تو ہر وہ مسلمان شامل ہے جو اخلاص کے ساتھ ایمان لایا، پھر اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ عالم بھی ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عالم کا درجہ ایک عابد سے اتنا بلند ہے جتنا میرا درجہ تم میں سے کسی ادنیٰ انسان سے بلند ہے۔ (ترمذی: ابواب العلم: باب ۱۹) اور آخر میں سب سے اعلیٰ درجہ ان نفوسِ قدسیہ کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے منتخب فرمایا اور ان میں سب سے عظیم تر درجہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔

حدیث میں ولی کی تعریف

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے۔ (ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۰۴۵۵) یعنی ان کی شکل وصورت، کردار اور گفتار میں توحید پرستی کے آثار اس قدر غالب اور نمایاں ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھنے والے کے ذہن وضمیر میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

ولی کی فضیلت

۱۔ نبی کریم ﷺ نے (حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے) فرمایا: میرے اولیاء میرے بندے اور میرے محبوب ہیں، یہ میری مخلوق میں سے وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۴۳۰)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، پس جبریل اس سے محبت کرتا ہے، پھر وہ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اہل زمین میں اس کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۷۴۸۵: مسلم: حدیث نمبر ۲۶۳۷)

۳۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بتائیں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ نہ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور نہ ان کو ان سے کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ان کے چہرے منور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر تشریف فرما ہوں گے اور (ان کی شان یہ ہوگی کہ) جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں خوف نہیں

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی، اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہی بڑی کامیابی ہے۔[۵۶]

وَ لَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور آپ کو ان کی باتیں غمگین نہ کریں، بے شک ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔[۵۷]

ہوگا اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے تو انہیں غم نہیں ہوگا: پھر آپ نے اس آیت نمبر ۶۲ کو پڑھا یعنی اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۳۵۲۷: کتاب البیوع: باب ۷۸)

معجزہ اور کرامت

خلاف عادت امر اگر نبی کے ہاتھوں وقوع پذیر ہو تو اُسے معجزہ کہتے ہیں جیسے جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ کی مٹھی بھر خاک کفار کے ایک ہزار لشکر کی آنکھوں میں پہنچ گئی۔ اس کی تفصیل کے لئے سورہ انفال (۸) کی آیت نمبر ۱۷ اور حاشیہ نمبر ۱۱ ملاحظہ کریں۔

اور اگر یہ خلاف عادت امر کسی ولی اللہ یعنی غیر نبی مؤمن کی معرفت ظاہر ہو تو عرف عام میں اس کو کرامت کہتے ہیں جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو دربار میں حاضر کر دیا۔ (قرآن: ۲۷: ۴۰) اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے حجرہ میں بے موسم پھل پائے گئے۔ (قرآن: ۳: ۳۷) معجزہ نبی کی صداقت کے لئے وقوع پذیر ہوتا ہے جبکہ کرامت ولی اللہ کی بزرگی اور شرافت کو ظاہر کرتی ہے۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اولیاء اللہ سے کرامت کا صدور برحق ہے لیکن کرامت ولایت کا معیار نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ جس سے کرامت کا صدور ہو وہی ولی ہے اور جس سے کرامت کا صدور نہ ہو وہ ولی نہیں ہے۔ ولایت کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے۔ جس کا تقویٰ جتنا زیادہ ہوگا وہ اُتنا ہی بڑا ولی اللہ ہوگا۔

قاضی ثناءاللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عام لوگ کشف اور کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ بہت سے اولیائے کرام سے کشف وکرامت ثابت نہیں ہے جبکہ بعض ایسے لوگوں سے کشف اور خلاف عادت امر کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری) اسی لئے اہل علم کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہوا میں اُڑتا ہوا آرہا ہو اور نبی کریم ﷺ کی سنت کا تارک ہو تو وہ جادوگر تو ہوسکتا ہے ولی اللہ نہیں ہوسکتا۔

[۵۶] نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا وآخرت میں بشارت سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد نیک خواب ہیں جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھائے جاتے ہیں، یہ اس کی دنیا کی زندگی میں بشارت ہیں اور آخرت میں اس کی بشارت جنت ہے۔ (مسند احمد: جلد ۶: ص ۴۵۲)

[۵۷] مشرکین مکہ نے نہ صرف یہ کہ آپ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا بلکہ اسلام کی مخالفت میں بھرپور مہم شروع کر دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦۔ خبردار! جوکوئی آسمانوں میں ہے اور جوکوئی زمین میں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور صرف قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔[۵۸]

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

٦٨۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے، وہ پاک ہے، وہ تو بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟[۵۹]

آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: آپ ان کی دل آزار باتوں سے غمگین نہ ہوں بلکہ اپنی تبلیغ جاری رکھیں۔ یہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کیونکہ عزت اور سرفرازی کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ آپ کی مدد فرمائے گا اور بالآخر اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔

[۵۸] زمین و آسمان میں جو دنیا آباد ہے اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا خود ساختہ شریکوں کو پکارتے ہیں ان کے پاس اس شرک کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔

[۵۹] عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، یہودی یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور کفارِ مکہ یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر) اس آیت میں ان کا رد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح والدین سے پاک ہے اس طرح وہ اولاد سے بھی پاک ہے۔ نسل کی بقاء اور ملک کی ترقی کے لئے اولاد کا ہونا انسانی ضرورت ہے۔ اگر اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو ساری زمین انسانوں سے خالی ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کا ہمیشہ سے مالک ہے، کائنات کی ہر چیز اپنے وجود و بقا میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، اس لئے اس کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہیں ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہیں جن کا انہیں خود بھی کوئی علم نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ آپ فرمایئے! جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ یہ (چندروزہ) دنیا کی لطف اندوزی ہے، پھر ہماری ہی طرف انہیں لوٹنا ہے، پھر ہم ان کے کفر کے بدلے میں انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔[۶۰]

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور آپ ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ سنایئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے، تو میں نے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا ہے، پس تم بھی اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لو، پھر تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی نہ رہے، پھر (جو جی میں آئے) میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔[۶۱]

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ پھر بھی اگر تم منہ موڑے رہو تو میں نے تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا، میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔[۶۲]

[۶۰] جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اولاد کا جھوٹا بہتان لگاتے ہیں وہ کافر ہیں اور آخرت میں نجات نہیں پا سکیں گے، ہاں! اس چندروزہ زندگی میں اپنی جہد مسلسل کی وجہ سے وہ کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں مگر انجام کار انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے جہاں انہیں اس کفر کی سخت سزا دی جائے گی۔

[۶۱] یعنی مشرکین مکہ کو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سناؤ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میرا یہاں رہنا اور احکام الٰہی کی تبلیغ کرنا تمہیں گراں گزرتا ہے اور تم مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ تم اپنے سارے شریکوں کے ساتھ مل کر پورے غور و خوض کے بعد میرے خلاف جو بھی تمہارے امکان میں ہے کر گزرو۔ مجھے تو بہر حال اپنا فرض ادا کرنا ہے کیونکہ مجھے اپنے پیغام کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر پورا بھروسہ ہے۔

دوسرے لفظوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرکین مکہ کو کھلا چیلنج دے رہے تھے کہ جو بھی تمہارے امکان میں ہے میری مخالفت میں کر گزرو میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح نبی ہوں اور دعوت توحید سے کسی صورت میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔

[۶۲] میری تبلیغ کے بعد بھی اگر تم منہ موڑے رہو تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے، میں نے تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگا تھا کیونکہ

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

۷۳۔ سوانہوں نے ان کو جھٹلایا، پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے سب کو نجات دی اور ہم نے انہیں ان کا جانشین بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ہم نے غرق کر دیا، پس دیکھ لو ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا تھا۔ [٦٣]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٧٤﴾

۷۴۔ پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا، سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے وہ اس پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے، اسی طرح ہم سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ [٦٤]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾

۷۵۔ پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور ان کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تبلیغ کرتا ہوں اور میرا معاوضہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں، اس لئے نہ تو میں تم سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی تم سے کوئی لالچ رکھتا ہوں۔ بہر حال تم مانو یا نہ مانو میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام تھا، البتہ حالات کے مطابق بعض شرعی احکام مختلف تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور راہِ عمل بنائی ہے۔ (قرآن: ۵:۴۸)

[٦٣] حضرت نوح علیہ السلام نے سینکڑوں سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے مگر وہ اپنے کفر کے ساتھ چمٹے رہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دیا تو پھر عذاب الٰہی کا ایسا سیلاب آیا جس میں سارے منکرین غرق کر دیئے گئے اور صرف وہی لوگ بچے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور یہی بچ جانے والے چند لوگ ہی سب غرق ہو جانے والوں کے جانشین بنے، پھر انسانوں کی آئندہ نسل انہی لوگوں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی۔ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

[٦٤] حضرت نوح علیہ السلام کے وصال کے بعد شیطان نے لوگوں کو پھر گمراہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے جنہوں نے معجزات

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

۷۶۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔ [۶۵]

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝

۷۷۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم حق کے متعلق یہ کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

۷۸۔ انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس (دین) سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور (مصر کی) سرزمین میں صرف تم دونوں کے لئے بڑائی ہو جائے، اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ [۶۶]

دکھائے اور انہیں بتایا کہ وہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں مگر ان قوموں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جاہلانہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے اس انکار پر اس قدر پختہ ہو گئے کہ بعد میں جو بھی نبی آیا انہوں نے اس انکار کو جاری رکھا اور کسی نبی پر ایمان لانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ نیز جو لوگ مسلسل سرکشی اور ہٹ دھرمی کے پابند رہتے ہیں انجام کار ان کے دلوں سے حق کو قبول کرنے والی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے ان کے دلوں کو سیل کر دیا گیا ہے۔

[۶۵] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعونیوں کو توحید کی دعوت دی اور اپنی صداقت کے لئے معجزات دکھائے۔ (تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۱۳۳ اور حاشیہ نمبر ۶۵ ملاحظہ کریں) تو انہوں نے تکبر کیا اور معجزات کو جادو قرار دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم حق کو دیکھنے کے باوجود اس کو جادو سے تعبیر کر رہے ہو حالانکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے مگر منکرین کے پاس اپنے انکار کی کوئی معقول دلیل تو ہوتی نہیں اس لئے وہ اپنے ساتھیوں کو طفل تسلیاں دینے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام پر جادوگری کا الزام عائد کر دیتے ہیں۔

[۶۶] فرعون اور اس کے درباری جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے دلائل کا معقول جواب نہ دے سکے تو الزام تراشی پر اُتر آئے کہ تم ہمیں ہمارے باپ دادا کے راستہ سے ہٹانا چاہتے ہو اور مصر کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اس لئے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ اور فرعون نے حکم دیا: ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لے آؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ پس جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔

فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے، یقیناً ابھی اللہ تعالیٰ اس کو باطل کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کے کام سنوارا نہیں کرتا۔ [۶۷]

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

۸۲۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمات سے حق کو حق (ثابت) کر دکھاتا ہے خواہ مجرم اسے ناپسند ہی کریں۔

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پس (ابتدا میں) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے چند نوجوانوں کے علاوہ کوئی ان پر اس خوف سے ایمان نہ لایا کہ کہیں فرعون اور ان کے سردار انہیں مصیبت میں نہ ڈال دیں، اور واقعی فرعون سرزمین (مصر) میں بڑا سرکش تھا اور واقعی وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔ [۶۸]

[۶۷] فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ پورے ملک سے ہر ماہر جادوگر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے لے آؤ۔ جب سارے جادوگر آ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: تم پہلے اپنا کمال دکھاؤ۔ جادوگروں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں اور لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو وہ رسیاں سانپ نظر آنے لگیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جادو وہ نہیں تھا جو میں نے دکھایا دراصل جادو تو یہ ہے جو تم نے دکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ ابھی اس جادو کو باطل کر کے حق کو ثابت کرنے والا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا جو سب رسیوں کو نگل گیا اور جادو کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

[۶۸] ابتدا میں بنی اسرائیل کے صرف چند نوجوان ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اکثر لوگ فرعون کے ڈر کی وجہ سے ایمان نہ لائے کیونکہ فرعون بڑا سرکش اور ظالم بادشاہ تھا اور اپنے مخالفین کو تنگ کرنے میں حد سے بڑھنے والا تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی انقلاب میں جوانوں کا کردار نمایاں رہا ہے مثلاً ۱۴۰۰ سال پہلے سرزمین عرب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا اس کے پہلے مجاہدین بھی نوجوان عورتیں اور مرد تھے، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اُسی پر توکل کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ انہوں نے کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے لئے آزمائش (تختہ مشق) نہ بنا۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر مہیا کرو اور اپنے ان گھروں کو قبلہ (عبادت گاہ) قرار دو اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو خوش خبری دو۔ [۶۹]

مسعود رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا، جیسے لوگ قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر تھے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ عنہ، صہیب رومی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عمریں ۲۰ اور ۳۰ سال کے درمیان تھیں، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ابھی بچے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۸ سال تھی اور صرف دو شخصیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عمر کی تھیں: ایک آپ کی بیوی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور دوسرے عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ۔ یعنی ۸۰ فیصد ابتدائی مسلمانوں کی عمریں ۱۵ اور ۳۰ کے درمیان تھیں۔ آج امت مسلمہ جن مصائب و آلام میں گھری ہوئی ہے اور اس کا حال اور مستقبل جس طرح تاریک ہو گیا ہے ایسے میں نوجوان امید کی کرن ہیں۔ ان کا قومی فریضہ ہے کہ وہ اسلام پر عمل کرتے ہوئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھیں اور امت مسلمہ کو زوال سے نکال کر عروج کے راستہ پر گامزن کریں۔

[۶۹] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب نبوت کا اعلان کیا تو فرعون نے بنی اسرائیل پر مظالم میں اضافہ کر دیا، ان کے عبادت خانوں کو گرا دیا اور اعلانیہ مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینا بنی اسرائیل کے لئے مشکل ہو گیا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے گھروں کو ہی عبادت خانے بنالیں اور وہیں نماز ادا کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں وہ ان کی مدد فرمائے گا۔

مسلمانوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ گھر میں، مسجد میں، جنگل میں اور جہاں چاہیں ہر پاک جگہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں مگر پہلی امتوں میں نمازیں صرف عبادت خانوں میں پڑھی جاتی تھیں، البتہ فرعون کے مظالم کی وجہ سے بنی سرائیل کو گھروں میں چھپ کر نماز پڑھنے کی خصوصی اور عارضی اجازت دی گئی تھی۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے، اے ہمارے رب! (کیا ان کو مال اس لئے دیا تھا) کہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔[۷۰]

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، پس تم ثابت قدم رہنا اور جاہل لوگوں کے طریقہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا۔[۷۱]

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ

۹۰۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار کر دیا، پھر فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا،

[۷۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایمان نہ لائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: ان لوگوں نے تیری عطا کردہ دنیاوی شان وشوکت اور مال ودولت کا شکر ادا کرنے کی بجائے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا ہے، لہٰذا تو ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دلوں کو کفر پر پختہ کر دے تاکہ وہ اس دردناک عذاب کا مشاہدہ کر سکیں جو اس ناشکری کی لازمی سزا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہیں ساری زندگی ایمان لانے کی توفیق نہ ملی اور ڈوبتے وقت دردناک عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کا اظہار کیا مگر آخروقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ اگرچہ نبی ہدایت کی دعا دیتا ہے ہلاکت کی دعا نہیں دیتا لیکن جب کوئی قوم نافرمانی کی انتہا کو پہنچ جائے اور اس کی ہدایت کا کوئی امکان باقی نہ رہے تو پھر آخری چارہ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے، لہٰذا ان کی سزا کے طور پر گویا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے جو بے اختیار، نبی کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے سینکڑوں سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے خلاف یہ دعا فرمائی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ (قرآن:۷۱:۲۶)

[۷۱] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے مگر اس کا ظہور اپنے وقت مقررہ پر ہوگا، لہٰذا تم ناواقف لوگوں کی طرح اس کے جلد وقوع پذیر ہونے کے لئے بے قرار نہ ہونا بلکہ صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ تبلیغ کی جدوجہد جاری رکھنا، چنانچہ اس دعا کے بعد چالیس سال تک فرعون زندہ رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو غرق کر دیا۔ (صفوۃ التفاسیر)

اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بول اٹھا: میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ [۷۲]

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اب (ایمان لاتا ہے؟) حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

۹۲۔ سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچا لیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے، اور بے شک اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ [۷۳]

[۷۲] فرعونیوں نے بنی اسرائیل پر جب مظالم کی انتہا کر دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک رات کی تاریکی میں اپنی قوم کو لے کر مصر سے ہجرت کر گئے جب مہاجرین کا یہ قافلہ بحر قلزم کے کنارے پر پہنچا تو پیچھے سے فرعون کا لشکر بھی ان کے تعاقب میں پہنچ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے سمندر میں ضرب لگائی تو معجزانہ طور پر سمندر کا پانی رک گیا اور درمیان میں راستے بن گئے جن پر چل کر بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعونیوں نے بھی ان کے تعاقب میں انہی راستوں پر گھوڑے دوڑا دیئے تاکہ بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے دوبارہ قید غلامی میں لایا جائے اور پہلے کی طرح ان پر ظلم و زیادتی کا سلسلہ جاری رہے۔ مگر جب سارے فرعونی سمندر کے درمیان پہنچے تو رکا ہوا پانی پھر اصلی حالت پر چلنے لگا۔ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا کہ میں بھی بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ کسی حیلہ کے باعث غرق ہونے سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ حالتِ اضطرار اور آخری وقت میں ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا اس وقت تو نافرمانی اور فساد برپا کرتا رہا۔ لہٰذا اب تجھے غرق ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا چنانچہ فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جبریل علیہ السلام ایک دن فرعون کے پاس تشریف لائے اور کہا اے بادشاہ! اگر میں اپنے کسی غلام کو کسی علاقے کا بادشاہ بناؤں اور اسے اپنے خزانوں کی چابیاں عطا کر دوں لیکن اگر وہ میرا ہی دشمن ہو جائے اور میرے ہی دوستوں سے دشمنی کرنے لگے تو میں ایسے غلام سے کیا کروں؟ فرعون نے کہا اگر ایسا میرا غلام ہو تو میں اسے بحر قلزم میں غرق کر دوں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا اے بادشاہ! مجھے یہ فتویٰ تحریر کر دو چنانچہ فرعون نے لکھا: وہ غلام جو اپنے سردار کی نعمتوں کی ناشکری کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو بحر قلزم میں غرق کر دیا جائے اور جب فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو جبریل علیہ السلام اس کے سامنے وہی تحریر لائے جسے فرعون نے دیکھ کر پہچان لیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ تیری تحریر ہے اسی کے مطابق تجھے سزا دی گئی ہے۔ (تفسیر روح البیان)

[۷۳] اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کی موجوں نے فرعون کے مردہ جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا جس کو دیکھ کر ایک طرف تو فرعون کے

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾

۹۳۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو (رہنے کے لئے) عمدہ ٹھکانا دیا اور ہم نے ان کو (کھانے کے لئے) پاکیزہ چیزیں عطا کیں، پھر انہوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ ان کے پاس علم آ گیا، بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔[۷۴]

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾

۹۴۔ اور (اے سننے والے!) اگر تجھے اس میں کچھ شک ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔[۷۵]

مظالم سے بچ جانے والے بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ فرعون واقعی مر گیا ہے اور دوسری طرف وہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بن گیا کہ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے وہ آج خود مردہ پڑا ہوا ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں لیکن اکثر لوگ ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

میرے استاذِ گرامی حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مصر میں ایسے مسالے ایجاد ہو چکے تھے جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور امرا کی لاشوں کو ممی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ماہرین آثارِ قدیمہ نے مصر کے شاہی قبرستانوں سے متعدد ممی شدہ لاشیں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں۔ مصر کے عجائب گھر میں ایک لاش موجود ہے جس کے متعلق ماہرین اثریات کا خیال ہے کہ یہ فرعونِ موسیٰ کی لاش ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

فرعون کی لاش کو سمندر سے باہر پھینکنے کا ذکر نہ تو بائبل میں تھا اور نہ ہی دنیا کی کسی اور کتاب میں۔ قرآن مجید نے سب سے پہلے اس کا اعلان کیا جس کا اُس زمانہ میں کسی کو علم تک نہیں تھا اور آج واقعات نے اسے صحیح ثابت کر دیا ہے جو قرآن مجید کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا بین ثبوت ہے۔

[۷۴] فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے عمدہ ممالک یعنی مصر اور فلسطین کی حکومتیں عطا فرمائیں اور ان ممالک کی زرخیز زمین سے پیدا ہونے والی پاکیزہ خوراک مہیا فرمائی، لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپس میں اختلاف شروع کر دیا اور یہ اختلاف بھی کسی بے علمی یا جہالت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ تورات کے واضح احکام آ جانے کے بعد محض عناد اور تکبر کی وجہ سے تھا اور ان کے درمیان عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا جب اللہ تعالیٰ تورات کے پیروکاروں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور تورات کے احکام میں ہیر پھیر کرنے والوں کو جہنم رسید کرے گا۔

[۷۵] اس آیت کی تفسیر سمجھنے کیلئے آگے آیت نمبر ۱۰۴ بالکل واضح ہے "اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو"

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾

۹۵۔ اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

۹۶۔ بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

۹۷۔ اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔[۷۶]

(قرآن:۱۰:۱۰۴) یعنی شک کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ کسی نبی کو وحی کے بارے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید میں نہ شک کیا تھا اور نہ اہل کتاب سے سوال کیا تھا۔(تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۰۵۸۳) اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ذکر فرمایا: میں (قرآن میں) نہ شک کرتا ہوں اور نہ (اہل کتاب سے) سوال کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) دراصل اللہ تعالیٰ نبی کے اندر ایک ایسا ملکہ پیدا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے نبی کو کلام الٰہی اور ملک الوحی کے پہچاننے میں کوئی شک نہیں رہتا جیسا کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ میں ایسا ضروری علم پیدا فرما دیا جس کی وجہ سے آپ کو یقین تھا کہ جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہے، یہ نہ جن ہے اور نہ شیطان۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام میں بھی ایسا ضروری علم پیدا فرما دیا جس کی وجہ سے جبریل امین علیہ السلام کو یقین تھا کہ اس کے ساتھ بات کرنے والا اور اس کو بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی اور نہیں ہے۔ (المواہب اللدنیہ: جلد اول: ص ۱۹۹)

مندرجہ بالا آیات اور احادیث (یا نصوص) سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اگر تجھے اس کلام الٰہی میں شک ہے جس کو ہم نے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے بھی اس کی تصدیق کر سکتے ہو جو قرآن سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابوں کو پڑھتے ہیں کیونکہ ان کتابوں میں قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کی گئی ہیں اور کئی اہل کتاب علماء نے ان صفات کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا جبکہ کئی دوسرے علمائے اہل کتاب تعصب کا شکار رہے۔ بہرحال اے سننے والے! یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے اس میں شک کرنے یا اس کو جھٹلانے کی ہرگز کوشش نہ کرنا ورنہ خسارے میں رہو گے۔

[۷۶] جن بدنصیبوں نے مسلسل سرکشی کر کے اپنی خداداد صلاحیتوں کو مسخ کر دیا ہے اور ان کا کفر پر مرنا ثابت ہو چکا ہے تو ان کے پاس چاہے دلائل کا انبار لگا دیا جائے وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے لیکن جب دردناک عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور انہیں اس

فَلَوۡ لَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ (عذاب خداوندی کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آتی تو اس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا سوائے قوم یونس کے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان پر سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے ان کو ایک مدت تک زندگی سے لطف اندوز ہونے (کا موقع) دیا۔[۷۷]

وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔[۷۸]

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے، اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ تعالیٰ ان پر (کفر کی) نجاست ڈال دیتا ہے۔[۷۹]

سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو وہ اس وقت مجبوراً ایمان لانے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں مگر اس وقت کا ایمان قابل قبول نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو پھر ان کے ایمان لانے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔

(قرآن: ۴۰:۸۵)

[۷۷] سرکش قومیں اپنے مادی وسائل پر اس قدر متکبر ہوتی ہیں کہ عذاب کے آثار دیکھ کر بھی وہ ایمان لانے کی طرف مائل نہیں ہوتیں اور جب عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے تو پھر ایمان کی طرف راغب ہوتی ہیں حالانکہ آخری وقت کا ایمان بے سود ہوتا ہے۔ اکثر سرکش قوموں سے یہ سرکشی ہوئی جس کے نتیجے میں وہ خود بھی ہلاک ہوئے اور ان کی بستیاں بھی برباد کر دی گئیں لیکن قوم یونس علیہ السلام کی یہ خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے عذاب الٰہی کے آثار دیکھ کر توبہ کر لی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کی بستی سے عذاب کو دور کر دیا اور ایک مدت تک انہیں مزید زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے دیا۔ یہ قوم نینوا میں آباد تھی جو عراق کے علاقہ موصل میں تھا۔

[۷۸] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو مومن بنا دیتا مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ان کو تبلیغ کریں اور وہ اپنی مرضی سے ایمان لے آئیں اور اگر کوئی شخص آپ کی تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لاتا تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ کو اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان کو زبردستی مسلمان بنائیں۔

[۷۹] دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے مگر اس کی اجازت ایک حکیمانہ اور عادلانہ نظام کی پابند ہے یعنی جو لوگ

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾

١٠١۔ آپ فرمایئے: غور سے دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیسی نشانیاں ہیں، اور یہ نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ [٨٠]

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

١٠٢۔ پس یہ لوگ صرف اس طرح کے ایام کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلی قوموں پر گزر چکے ہیں، آپ فرمایئے کہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

١٠٣۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے ہیں، اسی طرح ایمان والوں کو بچالینا ہمارے ذمہ ہے۔ [٨١]

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ

١٠٤۔ آپ فرمایئے: اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو (سن لو) تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور تلاش حق میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایمان لانے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور جو لوگ عقل وفہم سے کام نہیں لیتے اللہ تعالیٰ انہیں کفر کی نجاست میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

[٨٠] زمین وآسمان میں بے شمار ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں مگر جن لوگوں نے جان بوجھ کر ایمان نہ لانے کا فیصلہ کر رکھا ہے ان پر کوئی دلیل یا رسولوں کی تنبیہ اثر انداز نہیں ہو سکتی اور ان کا حال اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ شاید وہ اس عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے سرکش قوموں پر نازل ہو چکا ہے۔ اگر ان کی شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کے لئے دنیا یا آخرت میں جو وقت مقرر کر رکھا ہے وہ بھی اس کا انتظار کریں اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ بالآخر حق اور باطل واضح ہو جائے گا۔

[٨١] پہلی قوموں پر جب عذاب آتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور مومنوں کو اس عذاب سے بچا لیتا جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعہ بچا لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو سمندر کا پانی روک کر بچا لیا کیونکہ اہل ایمان کو بچانا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے۔ اسی طرح ان کفار پر بھی دنیا میں یا آخرت میں جب عذاب آئے گا تو اہل ایمان اس سے محفوظ رہیں گے۔

يَتَوَفّٰكُمْ ۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے رہوں۔[۸۲]

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر اس دین کی طرف کر لے اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کر جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے، اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکتا ہے اور اگر تو نے ایسا کیا تو پھر تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہارے لئے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۸۳]

---

[۸۲] یعنی روشن دلائل اور واضح شواہد کے بعد بھی اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہو تو ہوتا رہے بہر حال مجھے تمہارے شرک کے غلط ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں، اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کر سکتا بلکہ میں اسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری زندگی اور موت کا مالک ہے اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہوں جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ میں یکسو ہو کر دین اسلام کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھوں اور شرک سے دور رہوں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں بتوں کی عبادت نہ کروں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ نیز ان کی عبادت کرنا شرک ہے اور شرک کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ ان تینوں آیات میں نبی کریم ﷺ کے ذریعہ امت کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پہلے سے ہی مومن ہیں اور شرک و ظلم سے معصوم ہیں۔

[۸۳] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا مکمل اختیار رکھتا ہے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسی سے ڈرا جائے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ آپ فرمایئے: اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے، اب جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے نقصان کے لئے گمراہی اختیار کرتا ہے اور میں تم پر کوئی نگران نہیں ہوں۔ [۸۴]

وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع

۱۰۹۔ اور آپ اسی کی پیروی کرتے رہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ [۸۵]

---

[۸۴] یعنی اے لوگو! قرآن مجید کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا پیغام آ چکا ہے جس نے حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔ اب میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں، تم خود اپنے مستقبل کا فیصلہ کرو لیکن یاد رکھنا جو اس قرآن پر ایمان لا کر ہدایت حاصل کرے گا اس میں اس کا اپنا فائدہ ہوگا اور جو قرآن کا انکار کر کے کفر کا راستہ اختیار کرے گا اس میں اس کا اپنا نقصان ہوگا کہ قیامت کو جہنم کی آگ میں جلے گا۔

[۸۵] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کفار مکہ کی مخالفتوں سے غمگین نہ ہوں اور صبر و تحمل کے ساتھ وحی کی تبلیغ جاری رکھیں۔ فیصلہ کی گھڑی قریب آ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

بروز بدھ ۸ نومبر ۲۰۰۶ بعد از نماز مغرب

جامعہ الکرم ایٹن ہال، یو کے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ ہود (۱۱)

یہ سورت مکی ہے کیونکہ یہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔اس سورت کا نام ''ہود'' ہے کیونکہ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔

گذشتہ سورت یونس اور اس سورت کا زمانہ نزول قریب قریب ہے اس لئے ان دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں، مثلاً سورہ یونس میں ارشاد ہوتا ہے: ''اگر تم سچے ہو تو تم بھی قرآن جیسی ایک سورت لے آؤ'' (قرآن: ۱۰:۳۸) اور اس سورت میں ارشاد ہوتا ہے: ''تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں لے آؤ'' (قرآن: ۱۱:۱۳)

چونکہ اہل مکہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اس لئے اس سورت کی ابتدا ہی قرآن مجید کے ذکر سے کی گئی۔''الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کردی گئی ہیں، پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔'' (قرآن: ۱۱:۱)

اس سورت کی ابتدا میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، وحی، رسالت، قیامت، جزا اور سزا کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے مگر کفار مکہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اسلام کی مخالفت میں وہ سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات اور ان کی قوموں کے حالات بیان کئے ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام بھی ایسی ہی مشکلات سے گزرے ہیں۔ نیز کفار کو بھی احساس ہو کہ اگر وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو پہلی قوموں کی طرح ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال سفید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بوڑھے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت، نے بوڑھا کردیا ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۳۲۹۷: ابواب تفسیر القرآن: باب ۵۷) مطلب یہ تھا کہ ان سورتوں میں گذشتہ قوموں کے واقعات اور آخرت کے احوال پڑھنے سے جو دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آج ہمیں اس حدیث پاک کی روشنی میں قرآنی آیات کی تلاوت کرنے کی ضرورت ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

۹ نومبر ۲۰۰۶ء، بروز جمعرات

بعد از نماز فجر، جامعہ الکرم، ایٹن ہال

آیاتہا ۱۲۳ — ۱۱ سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ — رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ۝۱

۱۔ الف لام را [۱] یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم کردی گئی ہیں، پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔ [۲]

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ۝۲

۲۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳

۳۔ اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو ایک وقت مقرر تک اچھا فائدہ پہنچائے گا اور ہر صاحب فضل کو اپنا فضل عطا کرے گا، اور اگر تم نے روگردانی کی تو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ [۳]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، ان کی تفسیر سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر ایک میں ملاحظہ کریں۔

[۲] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات کو اچھی طرح مضبوط کردیا ہے اور اس کی تعلیمات کو پوری تفصیل سے بیان کردیا ہے، لہٰذا ان میں کسی نقص یا شک کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: قرآن مجید اپنے الفاظ کے اعتبار سے مضبوط اور معانی کے اعتبار سے مفصل ہے، لہٰذا یہ الفاظ ومعانی دونوں اعتبار سے درجہ کمال پر فائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[۳] یعنی اے لوگو! اپنے گذشتہ گناہوں سے مغفرت طلب کرو اور آئندہ ان سے باز رہنے کا پختہ عزم کرو، اور اگر تم واقعی گناہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تو وہ تم کو ایک مقرر وقت تک اچھا فائدہ پہنچائے گا یعنی تمہاری بقیہ زندگی بڑی پاکیزہ اور اچھی بنادے گا اور تمہیں زیادہ نیک کام کرنے کی توفیق عطا کرے گا اور دنیا میں جو انسان جس قدر زیادہ نیکیاں کرے گا آخرت میں اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ فیضیاب ہوگا اور اے لوگو! اگر تم نے احکام خداوندی سے روگردانی جاری رکھی اور توبہ نہ کی تو پھر بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ آخر کار تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

۴۔ تم نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

۵۔ سنو! وہ اپنے سینوں کو دُہرا کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تو ان رازوں کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہیں۔ [۴]

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥

۶۔ اور زمین پر چلنے والا کوئی (جاندار) ایسا نہیں کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ (کرم پر) نہ ہو، اور وہ اس کے ٹھہرنے اور سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں (درج) ہے۔ [۵]

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

۷۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ تمہیں

[۴] امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض مشرکین کہتے تھے کہ جب ہم اپنے دروازے بند کرلیں، اپنے پردے لٹکا دیں، اپنے کپڑے اچھی طرح اوڑھ لیں اور محمد (ﷺ) کی دشمنی میں اپنے سینوں کو موڑ لیں تو پھر محمد (ﷺ) کو ہماری سازشوں کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟ (تفسیر کبیر) اس آیت میں انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق جو سازشیں وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح سے آگاہ ہے کیونکہ وہ ان رازوں کو بھی جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور جب وہ رات کے وقت بند اور تاریک کمروں میں اپنے لحافوں کو اچھی طرح لپیٹ کر سونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے تو پھر وہ اپنی سازشوں کو کیسے چھپا سکتے ہیں۔

[۵] اس زمین میں چھوٹے بڑے جتنے بھی جاندار ہیں ان سب کا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے ہر ایک کے لئے اس کے مزاج کے مطابق رزق کے اسباب اور سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ نیز وہ زمین میں ان کے ٹھہرنے کی جگہ اور ان کے مرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس آیت میں کفار کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ ہر مخلوق کے زندہ رہنے اور مرنے کی جگہ پر آگاہ ہے تو تم سینے موڑ کر اور کپڑے اوڑھ کر اس کی نگاہ سے کیسے چھپ سکتے ہو۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی سچی دعوت سے بلاوجہ روگردانی کر رہے ہو۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل نیک ہے، اور اگر آپ کہیں کہ یقیناً تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ [۶]

وَ لَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

۸۔ اور اگر ہم ایک معین مدت تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ سن لو جس دن ان پر وہ عذاب آئے گا تو پھر وہ ان سے دور نہیں کیا جائے گا اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے ان کو گھیر لے گا۔ [۷]

[۶] اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ یہاں ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں، مثلاً چھ دنوں سے کتنا وقت مراد ہے؟ کیونکہ اس لمحہ وقت کے تعین کا کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ نہ چاند اور سورج تخلیق ہوئے تھے اور نہ ہی دن اور رات کا سلسلہ تھا۔ اسی طرح چھ دنوں میں پیدا کیوں کیا؟ حالانکہ وہ صرف لفظ کن کے اشارے سے ایک لمحہ میں ساری کائنات پیدا کر سکتا ہے۔ نیز زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور اب آسمانوں کے اوپر کیوں ہے؟ ان سارے سوالات کا جواب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس آیت میں جو بات ہمارے لئے قابل توجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کا یہ سارا نظام اس لئے قائم کیا ہے تا کہ وہ انسانوں اور جنوں کی آزمائش کرے۔ جب کفار کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے اور مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا جہاں تم اپنے ان اعمال کے بارے میں جواب دہ ہو گے تو وہ کہتے ہیں: تمہارا یہ دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ ایک صریح جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب کر لیا ہے مگر ہم آپ کے اس جادو بھرے عقیدہ سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں۔

یہاں پر مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر مظہری کے حوالے سے ایک بڑا اچھا نکتہ نقل کیا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے اصل مقصود انسان ہے بلکہ انسانوں میں بھی اہل ایمان ہیں اور ان میں بھی وہ انسان جو سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ سارے بنی آدم علیہ السلام میں سب سے اچھا عمل کرنے والے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہوا کہ تمام کائنات کے پیدا کرنے کا اصل مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے۔ (تفسیر معارف القرآن)

[۷] منکرین اسلام کو جب تنبیہ کی جاتی کہ پہلی قوموں کی طرح سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر بھی عذاب آسکتا ہے اور پھر ان پر فوری طور پر عذاب نہ آتا تو وہ ازراہ مذاق طعنہ دیتے کہ وہ عذاب کہاں ہے؟ اس آیت میں انہیں جواب دیا گیا کہ تمہارے عذاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آ گیا تو وہ عذاب تمہیں اس طرح گھیر لے گا کہ کوئی اس کو دور نہیں کر سکے گا۔ اس عذاب سے مراد اگر تو دنیاوی عذاب تھا تو وہ غزوۂ بدر اور فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اگر آخرت کا عذاب مراد ہے تو وہ قیامت کے بعد ان پر مسلط کیا جائے گا۔

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨

۹۔ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں، پھر اس سے وہ رحمت چھین لیں تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔[۸]

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ⑩

۱۰۔ اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہم اسے کسی نعمت کا مزہ چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا کہ مجھ سے ساری تکلیفیں دور ہو گئیں، پھر وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا بن جاتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

۱۱۔ مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان ہی کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ

۱۲۔ پس کیا یہ ممکن ہے کہ جو وحی آپ کی طرف کی جاتی ہے اس میں سے کچھ حصہ آپ چھوڑ دیں[۹] اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہو کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ

[۸] ان دو آیات میں انسان کی ایک عمومی کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی انسان سے اپنی رحمت واپس لیتا ہے تو وہ اس قدر مایوس ہو جاتا ہے کہ پہلی نعمتوں کی بھی ناشکری کرنے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس خدا نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو تکلیف کے بعد اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ خوشی میں اس قدر آپے سے باہر ہو جاتا ہے کہ پہلی تکلیفوں کو بھول کر اترانے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ وہ دوبارہ بھی تکلیف کا شکار ہو سکتا ہے۔

اور تیسری آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو ان کمزوریوں سے پاک ہیں یعنی انہیں تکلیف پہنچے تو صبر کرتے ہیں اور نعمت ملے تو نیک کاموں کے ذریعہ شکر ادا کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش اور بڑا اجر ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لئے بہتر ہے اور یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ یعنی اگر اس کو راحت پہنچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ راحت اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لئے بہتر ہے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۹۹۹: کتاب الزھد: باب ۱۳) اہل علم کہتے ہیں: جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر کی توفیق ملے وہ نعمت اور مصیبت دونوں اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں اور جس نعمت کے بعد تکبر اور مصیبت کے بعد بے صبری کی نوبت آجائے وہ نعمت اور مصیبت دونوں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔

[۹] اس آیت کی تفسیر میں ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ بتوں کی مذمت چھوڑ

أَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۭ

کیوں نہ نازل کیا گیا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ [۱۰]

أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

۱۳۔ کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو آپ نے خود گھڑ لیا ہے، آپ فرمایئے! اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بھی لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ [۱۱]

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

۱۴۔ پس اگر وہ (تمہارے مددگار) تمہاری مدد کو نہ پہنچیں تو پھر جان لو کہ قرآن اللہ تعالیٰ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے [۱۲] اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا اب تم اسلام لے آؤ گے۔

دیں تو وہ بھی آپ کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ (تفسیر بحر محیط) یعنی جو وحی آپ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے اس میں سے بتوں کی مذمت والی آیات کی تبلیغ چھوڑ دیں اور مشرکین اپنے زعم میں یہ توقع رکھتے تھے کہ شاید نبی کریم ﷺ ان کے ایمان کے لالچ میں آ کر بتوں کی مذمت چھوڑ دیں گے مگر یہ مشرکین کی خام خیالی تھی کیونکہ احکام الٰہی میں کمی کرنا خیانت ہے اور کوئی نبی خیانت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر مظہری)

[۱۰] مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کے ساتھ سونے چاندی کے خزانے نازل کئے جاتے اور آپ ان کو لوگوں میں تقسیم کرتے یا آپ پر فرشتہ نازل کیا جاتا جو آپ کی تصدیق کے لئے ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو وہ ایمان پسند نہیں جو دولت کے لالچ میں لایا جائے یا فرشتے کے ڈر سے لایا جائے۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی دلجوئی کی گئی ہے کہ آپ مشرکین کے ایمان نہ لانے اور ان کے لایعنی مطالبات سے تنگ دل نہ ہوں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہیں، اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ خود ان کو سزا دے گا۔

[۱۱] مشرکین اکثر یہ اعتراض کرتے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کا اپنا کلام ہے۔ اس پر انہیں چیلنج کیا گیا کہ اگر یہ بشر کا کلام ہے تو تم بھی بشر ہو اس جیسی دس سورتیں بنا کر دکھا دو اور اس سلسلے میں اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلا لو اور اگر تم اور تمہارے سارے مددگار مل کر بھی اس جیسا کلام نہ بنا سکو تو پھر تم کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور کیا تم ایسی واضح دلیل دیکھ کر مسلمان ہو جاؤ گے یا اب بھی اپنی سرکشی پر قائم رہو گے؟

[۱۲] قرآن مجید میں پانچ مقامات پر اس کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہوتے ہیں ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور اس دنیا میں ان کا بدلہ کم نہیں کیا جاتا۔ [۱۳]

۱۔ اگر سارے انسان اور سارے جن اس قرآن کی مثل لانے پر اکٹھے ہو جائیں تو وہ اس کی مثل ہرگز نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ (سورہ بنی اسرائیل:۱۷:۸۸)

۲۔ تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں لے آؤ۔ (سورہ ہود:۱۱:۱۳)

۳۔ اگر تم سچے ہو تو تم بھی قرآن جیسی ایک سورت لے آؤ۔ (سورہ یونس:۱۰:۳۸)

۴۔ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات ہی لے آئیں۔ (سورہ طور:۵۲:۳۴)

۵۔ تم بھی قرآن جیسی ایک سورت لے آؤ۔ (سورہ بقرہ:۲:۲۳)

پہلے چار دفعہ مکہ مکرمہ میں اور پھر ایک دفعہ مدینہ منورہ میں اس چیلنج کو دہرایا گیا، لیکن یہ تصریح نہیں کہ کس بارے میں مثل لاؤ۔ فصاحت و بلاغت پر مبنی ظاہری اسلوب میں یا حق و صداقت پر منحصر جامع تعلیمات میں ۔۔۔ ؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے یہ آیت قابل غور ہے یعنی اگر مشرکین اپنے سارے مددگاروں کے ساتھ قرآن جیسی دس سورتیں نہیں لا سکتے "تو پھر جان لو کہ قرآن اللہ تعالیٰ ہی کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔" (قرآن:۱۱:۱۴) یعنی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے علم کی ایسی باتیں ہیں جو اس کے بتائے بغیر کسی بشر کے علم میں نہیں آسکتی تھیں مثال کے طور پر ارکان ایمان، جنت و دوزخ اور میدانِ حشر کی تفصیلات وغیرہ۔

بلاشبہ قرآن مجید کی لفظی فصاحت و بلاغت اور اس کا امتیازی اسلوب بیان بھی عدیم النظیر ہے لیکن اس کا اصل مطالبہ محض ظاہری الفاظ نہیں بلکہ یہ کہ ایسی سورتیں اور ایسی باتیں لاؤ جن میں خدائی علم جلوہ گر ہو اور ظاہر ہے یہ کسی بشر کے بس کا روگ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کو محیط ہے وہ کائنات کی ہر چیز کے ماضی، حال اور مستقبل کو جانتا ہے، ہر چیز کے ظاہر و باطن اور اس کے فائدہ و نقصان پر آگاہ ہے۔ اس لئے اس کا علم ہر غلطی سے پاک ہے اور سارا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اس لئے قرآن بھی غلطی سے پاک ہے اور وہ اپنی جامعیت، انقلابی تاثیر، علم و حکمت، علوم غیبیہ، دلائل قطعیہ، پیش گوئیوں، عدم تناقض، تصدیق کتب الٰہیہ اور قصص انبیاء وغیرہ میں اعجازی شان رکھتا ہے۔

[۱۳] جو لوگ اس دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں اور ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ ریاکاری یعنی دنیاوی منفعت، عزت اور نیک نامی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اچھے کاموں کا اچھا بدلہ اسی دنیا میں انہیں دے دیتا ہے اور ان کے بدلے میں کوئی کمی نہیں کی جاتی، لیکن آخرت میں انہیں نیک کاموں کا کوئی بدلہ نہیں ملتا کیونکہ اپنی نیت اور خواہش کے مطابق دنیا میں وہ اپنا بدلہ حاصل کر چکے تھے، لہٰذا ان کے وہ اعمال اب بے اثر ہیں، البتہ ان کے برے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عذاب انہیں ضرور دیا جائے گا اور یہ عذاب ان کی برائیوں کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ ریاکار لوگوں کے لئے درج ذیل حدیث پاک غور طلب ہے جس میں رسول

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ضائع ہوگیا اور جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے وہ سب باطل ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ علیہ السلام بھی ہو جو رہنما اور سراپا رحمت ہے؟ یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے، اور تمام فرقوں میں سے جس نے بھی اس کے ساتھ کفر کیا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے، پس (اے سننے والے!) تم اس کے متعلق شک میں نہ پڑنا، بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ [۱۴]

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے شہید کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں دکھا کر فرمائے گا: تو نے میری ان نعمتوں کے بارے میں کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے بلکہ تو نے اس لئے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے، سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں دکھا کر فرمائے گا: تو نے میری ان نعمتوں کے بارے میں کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو پڑھایا اور تیرے لئے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے بلکہ تو نے اس لئے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا یا کہ تو قاری کہلائے، سو تجھے قاری اور عالم کہا گیا، پھر اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا مال دیا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں دکھا کر فرمائے گا: تو نے میری ان نعمتوں کے بارے میں کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے بلکہ تو نے یہ کام اس لئے کئے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے، سو تجھ کو سخی کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۹۰۵: کتاب الامارۃ: باب ۴۳)

[۱۴] جو شخص اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو یعنی کائنات کے مشاہدہ سے اس کے دل میں توحید کا چراغ روشن ہو چکا ہو، پھر اس توحید کی مزید گواہی کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی اس کو پہنچ جائے اور اس سے پہلے سراپا رحمت کتاب موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بھی سن چکا ہو۔ جس شخص میں یہ تین صفات پائی جائیں تو کیا وہ بھی قرآن سے انکار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے ہی لوگ ہیں جو قرآن مجید

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتا ہے، یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، سنو ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔[۱۵]

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔

پر ضرور ایمان لائیں گے اور تمام فرقوں میں سے جس کسی نے بھی قرآن کا انکار کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق کتاب ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں کرنا چاہیے۔

[۱۵] گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا: ''بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔'' اب جو لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں، لہٰذا وہ سب سے بڑے ظالم ہیں۔ یہ لوگ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور فرشتے ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ واقعی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور راہِ حق میں کجی تلاش کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے تو اس گواہی کے بعد انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور منادی کرنے والا اعلان کرے گا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اس لئے پڑی ہے کیونکہ یہ ظالم تھے۔

قیامت کے دن کئی گواہ ہوں گے مثلاً فرشتے، انبیاء، انسان کے اعضاء (ہاتھ، پاؤں وغیرہ) زمین کے مقامات جہاں گناہ کیا گیا حتیٰ کہ دن اور رات بھی گواہی دیں گے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو دن ابن آدم پر آتا ہے اس میں آواز دی جاتی ہے (یعنی دن خود آواز دیتا ہے:) اے آدم زاد! میں نیا ہوں تو جو کچھ کرے گا کل میں تیرے لئے شہادت دوں گا اس لئے میرے اندر تو نیکی کرنا تاکہ کل میں تیرے لئے اچھی شہادت دوں۔ میں اگر گزر گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہیں دیکھے گا اور رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ (تفسیر مظھری) مزید گواہوں کے لئے سورہ نساء (۴) کی آیت نمبر ۱۷ کا حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ کریں۔

میدانِ حشر میں اہل ایمان کی پردہ پوشی کی جائے گی اور منکرین اسلام کی سرعام رسوائی ہو گی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے قریب کر کے پوشیدہ طور پر اسے فرمائے گا: کیا تو اپنا فلاں فلاں گناہ جانتا ہے۔ مومن عرض کرے گا: جی ہاں میرے رب! یہاں تک کہ مومن کے سب گناہوں کا اس سے اقرار کرا لے گا اور مومن اپنے دل میں خیال کرے گا کہ وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر نیکیوں کی تحریر اس کو دے دی جائے گی لیکن کفار اور منافقوں کو گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، لہٰذا ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(بخاری: کتاب تفسیر القرآن: سورھود، کتاب المظالم: باب ۲)

أُولَٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا۟ مُعْجِزِينَ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ۘ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا۟ يَسْتَطِيعُونَ ٱلسَّمْعَ وَمَا كَانُوا۟ يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰۔ یہ لوگ زمین میں (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے کوئی مددگار تھے، ان کے لئے عذاب دگنا کیا جائے گا، نہ وہ (حق بات) سن سکتے تھے اور نہ وہ (نورِ حق) دیکھ سکتے تھے۔[۱۶]

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

۲۱۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور وہ سب کچھ ان سے گم ہو گیا جو وہ گھڑا کرتے تھے۔[۱۷]

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ هُمُ ٱلْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲۔ بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَخْبَتُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٣﴾

۲۳۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی وہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ ٱلْفَرِيقَيْنِ كَٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْأَصَمِّ وَٱلْبَصِيرِ وَٱلسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ ع

۲۴۔ ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے؟ کیا تم (اس مثال میں) غور نہیں کرتے؟[۱۸]

---

[۱۶] جو لوگ محض ضد اور تعصب کی وجہ سے حق کی بات نہیں سنتے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو غور سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے اگر اللہ تعالیٰ انہیں اسی زمین میں عذاب دینا چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی ان کی مدد کر سکتا ہے اور اگر کسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں عذاب نہ دے تو بہرحال آخرت میں انہیں عذاب ضرور ملے گا اور وہ بھی دگنا۔ ایک اس لئے کہ وہ خود گمراہ تھے اور دوسرا اس لئے کہ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے اور جب انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔'' (قرآن: ۶۷:۱۰)

[۱۷] جو لوگ غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی سفارشوں کی امیدیں لگاتے ہیں وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے کیونکہ آخرت میں یہ معبودانِ باطلہ غائب ہو جائیں گے، وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہوگی جو ایک ہے اور لاشریک ہے۔

[۱۸] گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور منکرین کے اعمال اور انجام کا ذکر فرمایا۔ اب ان دونوں کی ایک مثال کے ذریعہ مزید

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ۝۲۵

۲۵۔ اور بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، (تو انہوں نے کہا) کہ میں تم کو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ۝۲۶

۲۶۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ۝۲۷

۲۷۔ تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم تو تمہیں اپنے جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ صرف ہمارے چند حقیر اور ظاہر بین لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ [۱۹]

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا

۲۸۔ نوح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو، پھر وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی ہو تو کیا ہم اسے زبردستی تم پر مسلط کر دیں

وضاحت فرمائی ہے، یعنی کافر دنیا میں حق کی دلیل سننے اور حق کی نشانی دیکھنے کی پرواہ نہیں کرتا اس لئے وہ اندھے اور بہرے کی طرح ہے جو دن کی روشنی میں بھی بھٹکتا پھرتا ہے، لیکن مومن حق کے دلائل سنتا ہے اور حق کی نشانیوں میں غور و فکر کرتا ہے اس لئے وہ سننے اور دیکھنے والے کی طرح ہے جو رات کی تاریکی میں بھی منزل کو تلاش کر لیتا ہے، تو ظاہر ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

[۱۹] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر کے بعد مبعوث ہوئے اور نو سو پچاس سال اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے اور طوفان کے بعد بھی ساٹھ برس دنیا میں رہے (اور دعوت کا سلسلہ بھی جاری رہا، اس طرح) آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال تھی۔ (تفسیر خازن) اور دعوت کا عرصہ ایک ہزار اور دس سال تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً دو ہزار سال بعد حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ اس طویل عرصہ میں لوگ توحید چھوڑ کر شرک اور گمراہی کا شکار ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا کہ میں تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، لہٰذا میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو تمہیں دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ ان کی قوم

كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾

جبکہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔[۲۰]

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

۲۹۔ اور اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ (کرم پر) ہے[۲۱] اور میں ان لوگوں کو نکالنے والا نہیں ہوں جو ایمان لائے ہیں، بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل ہو۔[۲۲]

کے سرداروں نے کہا: تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بشر ہی کو نبی بنانا تھا تو وہ ہم میں سے کسی سردار کو نبی بناتا کیونکہ ہم مال و دولت اور علم وعزت میں تم سے بہتر ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں نبی کیوں بنایا؟ ہمارے خیال میں تو تم جھوٹے ہو اسی لئے کسی عقل مند اور سردار نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی اور صرف چند حقیر اور کم عقل لوگوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کے لئے تسلی کا سامان موجود ہے کہ حق کے راستہ میں جو آج مشکلات پیش آتی ہیں یہ نئی نہیں ہیں بلکہ پہلے داعیانِ حق بھی اسی قسم کی مشکلات سے دو چار تھے۔

[۲۰] اے میری قوم! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے ایمان عطا فرمایا اور مجھے نبوت بھی عطا فرمائی مگر تم نے بلا سوچے سمجھے محض تعصب اور تکبر کی وجہ سے میرا انکار کر دیا جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کی بصیرت سلب کر لی اور میری حقیقت تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ اب اگر تم میری دعوت کو پسند نہیں کرتے تو میں اپنی دعوت زبردستی تم پر مسلط نہیں کر سکتا۔ میرا کام اظہارِ حق تھا، وہ کر دیا گیا، اب تم جانو اور تمہارا کام، تمہیں زبردستی مؤمن بنانا میری ذمہ داری نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں: ”اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام پیغمبر نبوت سے قبل اپنے غور وفکر سے ایمان بالغیب حاصل کر چکے ہوتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو منصب نبوت عطا کرتے وقت ایمان بالشہادۃ عطا کرتا تھا۔“ (تفہیم القرآن)

[۲۱] اے میری قوم! تمہاری ہدایت کے لئے میں جو رات دن جدوجہد کر رہا ہوں۔ اس پر میں تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا۔ تم چاہے میری دعوت کو مانو یا نہ مانو میں اپنے رب تعالیٰ کی رضا کے لئے اس تبلیغ میں سرگرم ہوں اور میرا اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ کرم پر ہے۔

[۲۲] امام ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا: اے نوح (علیہ السلام!) اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان نادار اہل ایمان کو نکال دیں کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور ہم کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اہل ایمان کو اپنی مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) نیز تمہارا یہ مطالبہ تمہاری جہالت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ تم انہیں اپنے سے کمتر سمجھتے ہو حالانکہ وہ تم سے بہتر ہیں اور اپنے ایمان کی بدولت اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی ملاقات کے راستے پر گامزن ہیں۔ آج اگر میں انہیں اپنی مجلس سے نکال دوں تو کل جب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری شکایت کریں گے تو پھر مجھے اللہ تعالیٰ کے غضب سے کون بچائے گا؟ لہٰذا یہ نادار اہل ایمان تو اس لائق ہیں کہ ان کی مجلس میں

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

۳۰۔ اور اے میری قوم! اگر میں ان اہل ایمان کو نکال دوں تو اللہ تعالیٰ سے مجھے کون بچائے گا؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟

وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

۳۱۔ اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں [۲۳] اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، (اگر بالفرض میں ایسا کہوں تو) میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔ [۲۴]

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲

۳۲۔ انہوں نے کہا: اے نوح تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، تو اب ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ [۲۵]

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳

۳۳۔ آپ (نوح علیہ السلام) نے کہا: اسے اللہ تعالیٰ ہی تم پر لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے نہ یہ کہ انہیں نکال کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دی جائے۔

[۲۳] اس آیت کے ابتدائی حصہ کی تفسیر کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۵۰ کا حاشیہ نمبر ۴۳ اور ۴۴ ملاحظہ کریں۔

[۲۴] یہ نادار اہل ایمان جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں میں تمہاری طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا کیونکہ دلوں کے راز اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اگر ان کے دلوں میں خلوص ہوا تو اللہ تعالیٰ ظاہری فقر کے باوجود ان کو خیر کثیر عطا فرمائے گا، پھر فرمایا: اگر میں ان کے ایمان ظاہر کو جھٹلا کر ان کے باطن پر الزام لگاؤں اور ان کو حقیر کہنے لگوں تو میں ظالموں میں شمار کیا جاؤں گا۔

[۲۵] حضرت نوح علیہ السلام نے سینکڑوں سال اپنی قوم کو توحید و نبوت کی تبلیغ کی لیکن وہ ایمان نہ لائے بلکہ کہنے لگے: ہم روز روز کی بحثوں سے تنگ آ چکے ہیں، لہٰذا لے آؤ اس عذاب کو جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرا کام تبلیغ کرنا ہے عذاب لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ قادر مطلق ہے، وہ جب چاہے گا عذاب لائے گا، پھر تم نہ اس عذاب کو روک سکو گے اور نہ اس سے بچ سکو گے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں تو میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو، وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔[۲۶]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

۳۵۔ کیا وہ (منکرین) یہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس (کلام) کو خود بنا لیا ہے؟ آپ فرمایئے: اگر (بالفرض) میں نے اس کو خود بنا لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔[۲۷]

وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۚ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ان کے علاوہ اب کوئی اور تمہاری قوم سے ایمان نہیں لائے گا، پس آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔[۲۸]

[۲۶] جب کسی انسان کی سرکشی اور گمراہی اس انتہا کو پہنچ جائے کہ جہاں سے واپس آنا ممکن نہ ہو تو اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے طور پر اس کے دل پر مہر لگا دینا یا اسے گمراہ کر دینا کہا جاتا ہے جس کے بعد اس کی ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بھی سرکشی کی اس آخری انتہا تک پہنچ چکے ہو تو پھر میں اگر تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں تو بھی میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ تمہاری گمراہی کی بیماری اس حد تک پہنچ چکی ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

[۲۷] یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا حضرت نوح علیہ السلام سے، دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ میں نے خود بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا تمہیں نہیں دی جائے گی لیکن غور سے سن لو! اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کر کے جو جرم تم کر رہے ہو اس کی سزا تمہیں ہی بھگتنا پڑے گی۔

[۲۸] حضرت نوح علیہ السلام کی سینکڑوں سالوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں گنتی کے چند لوگ ہی ایمان لائے، باقی ساری قوم آپ کی تکذیب اور ایذا رسانی میں سرگرم عمل رہی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ لا چکے اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے کیونکہ ان کی مسلسل سرکشی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اس لئے آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اب غمگین نہ ہوں، نیز اب ان ظالموں کو بہت جلد غرق کر دیا جائے گا، لہٰذا تم ہماری وحی کے مطابق اپنی اور اہل ایمان کی سواری کے لئے ایک کشتی تیار کر لو اور جب یہ ظالم غرق ہونے لگیں تو ان کی نجات کے لئے کوئی سفارش نہ کرنا کیونکہ یہ اپنی سرکشی کے باعث غرق ہونے کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔

وَ اصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَ وَحۡيِنَا وَ لَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا‌ ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق تیار کرو اور ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کرو کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔

وَ يَصۡنَعُ الۡفُلۡكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيۡهِ مَلَاٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ سَخِرُوۡا مِنۡهُ‌ ؕ قَالَ اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو وہ نوح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے، نوح علیہ السلام نے کہا: اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم (آج) ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ [۲۹]

فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَ يَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ‏ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ‌ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ‏ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور اُبلنے لگا تو ہم نے (نوح علیہ السلام سے) فرمایا کہ ہر جنس میں سے ایک ایک جوڑا اس کشتی میں سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن (کو غرق کرنے) کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے اور ایمان والوں کو بھی (سوار کر لو)، اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ [۳۰]

---

[۲۹] حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کشتی بنانی شروع کر دی۔ ان کی قوم کے سردار جب ان سے پوچھتے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو آپ جواب دیتے کہ پانی کا طوفان آنے والا ہے اس لئے کشتی تیار کر رہا ہوں۔ اس پر وہ سردار حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے کہ یہاں پینے کے لئے پانی مشکل سے ملتا ہے اور یہ بزرگ اس خشکی میں کشتی چلانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: آج تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو مگر غور سے سن لو عنقریب سیلاب آنے والا ہے اور تم اس میں غرق ہونے والے ہو۔ اس دن ہم بھی تمہیں بتائیں گے کہ یہ تمہارے مذاق کا انجام ہے یعنی اس دنیا میں تم ذلیل و رسوا ہو کر غرق ہو جاؤ گے اور آخرت میں دائمی عذاب سے واسطہ پڑے گا۔

[۳۰] جب عذاب کا وقت مقرر آ گیا تو ایک طرف آسمان سے بارش شروع ہو گئی اور دوسری طرف ساری زمین چشموں کی طرح اُبل پڑی حتیٰ کہ آگ کے تنوروں سے بھی پانی نکلنے لگا۔ (تفسیر ابن کثیر) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ہر جنس سے ایک ایک

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اور نوح علیہ السلام نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے، بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔[۳۱]

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی تھی اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ (ان سے) الگ تھا: اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔[۳۲]

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اس نے کہا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا، نوح علیہ السلام نے کہا: آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر وہ خود رحم فرمائے، اور اسی اثنا میں ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی، پس وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

جوڑا اس کشتی میں سوار کر لو، اپنے گھر والوں کو بھی اور جو تھوڑے سے لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں ان کو بھی کشتی میں سوار کر لو اور باقی لوگ جو آپ پر ایمان نہیں لائے ان کو سوار نہ ہونے دو کیونکہ ان کے غرق کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

[۳۱] حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنائی گئی ہے اور اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بھی اسی کے نام کی برکت سے ہے۔ بے شک میرا رب اہل ایمان کی کوتاہیاں بخشنے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں سلامتی کی جگہ پر اتارے گا۔

اس میں ایک اشارہ تو یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو بنانا اور ان کو استعمال کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے لیکن حقیقی بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے جس نے اسباب کو بنانے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو شروع کرنے لگے یا سواری پر بیٹھنے لگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے تا کہ اس نام کی برکت سے وہ کام آسان ہو اور انسان خیریت کے ساتھ اپنی منزل مقصود کو پا لے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ ذیشان کام جس کو بسم اللہ کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔ (کنز العمال: حدیث نمبر ۲۴۹۱: جلد ۱ ص ۵۵۵)

[۳۲] اس طوفانی سیلاب میں اتنی بڑی موجیں اٹھ رہی تھیں جیسے کوئی پہاڑ بڑھتا چلا آ رہا ہو۔ جو چیز سامنے آتی وہ غرق ہو جاتی مگر یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے سلامتی کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ اس دوران حضرت نوح علیہ السلام کو اپنا بیٹا نظر آیا جو آپ سے الگ تھا۔

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور حکم دیا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر ٹھہر گئی اور کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (رحمت سے) دوری ہے۔ [۳۳]

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ

۴۶۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح علیہ السلام! بے شک وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے کام اچھے نہیں ہیں، لہٰذا تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کیا کرو جس کا تمہیں علم نہ

آپ نے اس کو آواز دی: ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا غرق ہونے سے بچ جائے گا۔ سیلاب کا پانی ابھی پہاڑوں کی بلندیوں تک نہیں پہنچا تھا۔ کہنے لگا: مجھے آپ کی کشتی میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں، میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں صرف ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تجھ پر رحم فرمائے اور تجھے بچا لے۔ باپ بیٹے کی یہ گفتگو جاری تھی کہ اسی دوران ایک سخت موج آئی جس نے نوح کے بیٹے کو ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا۔

[۳۳] قوم نوح علیہ السلام کے سارے کافر جب غرق ہو گئے تو اعلان کر دیا گیا کہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کے باعث ایسے ہی دردناک عذابوں میں سے مبتلا کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش تھم گئی، زمین نے پانی کو نگل لیا اور کشتی جودی پہاڑ کے ساتھ لگ کر ٹھہر گئی اور اس طرح سارے اہل ایمان صحیح وسلامت بچ نکلے۔ جودی پہاڑ موصل میں بتایا جاتا ہے اور اسی پہاڑ کے ایک حصہ کو اراراط بھی کہا جاتا ہے۔ تورات کے مطابق کشتی کوہ اراراط پر رکی تھی، لہٰذا ان دونوں روایتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

اعجاز قرآن:

عباسی دور کے ایک نامور ادیب کا نام ابن مقفع ہے۔ وہ کسی مذہب پر ایمان نہیں رکھتا تھا مگر اپنے زمانے کا سب سے بڑا فصیح اور بلیغ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مروی ہے کہ ایک دفعہ اس نے قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک سورت بنائی۔ ایک دن وہ ایک مدرسہ کے پاس سے گزرا جس میں ایک بچہ سورہ ہود کی یہ آیت نمبر ۴۴ پڑھ رہا تھا، اسے سن کر ابن مقفع فوراً واپس گھر پہنچا اور اپنی بنائی ہوئی سورت کو مٹا دیا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن مجید کا کبھی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

(تفسیر روح المعانی)

الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶

ہو، بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں سے نہ ہو جانا۔ [۳۴]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۴۷

۴۷۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے، اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

[۳۴] حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا منافق تھا۔ وہ باپ کے سامنے کفر کو چھپاتا تھا اور ایمان کو ظاہر کرتا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کا گمان یہ تھا کہ ان کا بیٹا مومن ہے، اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا اور اسی لئے اس کو کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی اور اگر آپ کو اس کے کفر کا علم ہوتا تو آپ اس کی نجات کا سوال نہ کرتے کیونکہ ایک تو آپ خود کفار کی ہلاکت کی دعا کر چکے تھے اور دوسرا اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ظالموں کی سفارش کرنے سے منع فرما دیا تھا تو آپ اپنی ہی دعا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

(تفسیر قرطبی و تفسیر نسفی)

بیٹے کے ظاہری ایمان کی بنیاد پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ فرمایا ہے اور میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کا بیٹا آپ کے اہل سے خارج ہو چکا ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں یعنی اس کا عقیدہ خراب ہو چکا ہے، لہٰذا آئندہ ایسی لغزشوں سے بچنے کے لئے میری نصیحت یاد رکھو کہ پہلے حقیقت حال معلوم کیا کرو اور اس کے بعد مجھ سے سوال کیا کرو، چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پہلے اپنے بیٹے کے کفر کا علم نہیں تھا اس لئے بلا تحقیق اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک خلاف اولیٰ کام تھا یا ان کی اجتہادی خطا تھی اور یہ ان کے کمال تقویٰ کا اظہار تھا کہ انہوں نے اجتہادی خطا پر بھی فوراً معافی مانگی اور عرض کیا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔

اس میں ہمارے لئے بھی سبق ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے یا کسی دوست سے سفارش کرنے کی درخواست کرے تو پہلے تحقیق کر لینی چاہیے کہ دعا یا سفارش کرانے والا کسی ایسی چیز کے لئے تو نہیں کہہ رہا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسب کی فضیلت ایمان اور تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اصل چیز ایمان اور تقویٰ ہے، نسب کی فضیلت ثانوی چیز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔''

(قرآن: ۴۹:۱۳)

قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ فرمایا گیا: اے نوح ﷺ! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں، اور (آئندہ) کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم لطف اندوز کریں گے، پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔[۳۵]

تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ‌ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُكَ مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا‌ ؕ فَاصۡبِرۡ‌ ؕ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۹﴾ ع

۴۹۔ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس آپ صبر کریں بے شک اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔[۳۶]

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا‌ ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ‌ ؕ اِنۡ

۵۰۔ اور ہم نے عاد کی طرف ان کے قومی بھائی ہود ﷺ کو بھیجا،[۳۷] انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی

نیز حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، غور سے سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، کسی سرخ کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔
(شعب الایمان للبیہقی: حدیث نمبر ۵۱۳۷: جلد ۴: ص ۲۸۹)

[۳۵] جب زمین میں سیلاب کا پانی خشک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح ﷺ سے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں سمیت اب تم پہاڑ سے اتر کر زمین میں چلے جاؤ، وہاں سلامتی سے زندگی گزارو اور میری برکتوں اور نعمتوں سے استفادہ کرو۔ اب کوئی کافر زمین پر زندہ نہیں ہے۔ البتہ مستقبل میں آپ کی نسل سے ایسی جماعتیں پیدا ہوں گی جو کفر اختیار کر لیں گی۔ وہ دنیاوی زندگی میں تو اس زمین کی نعمتوں سے استفادہ کرتی رہیں گی مگر آخرت میں کفر کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

[۳۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے خطاب فرمایا: یہ واقعات آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے غیب کی خبریں ہیں۔ اہل عرب اگرچہ حضرت نوح ﷺ کے حالات سے اجمالی طور پر واقف تھے مگر ان تفصیلات سے بے خبر تھے اس لئے یہ واقعات ایک طرف تو آپ کی نبوت کا ثبوت ہیں کیونکہ ان کا علم وحی کے ذریعہ ہوا اور دوسری طرف ان میں آپ کے لئے تسلی کا سامان بھی ہے کہ جس طرح حضرت نوح ﷺ سینکڑوں سال اپنی قوم کی ایذا رسانی برداشت کرتے رہے آپ بھی صبر سے برداشت کریں۔ بالآخر اچھا انجام تو انہی کا ہوتا ہے جو متقی ہوں۔

[۳۷] قوم عاد کے متعلق سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۶۵ اور حاشیہ نمبر ۴۵ ملاحظہ کریں۔

اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم صرف بہتان باندھنے والے ہو۔ [۳۸]

یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس کے ذمہ (کرم پر) ہے جس نے مجھے پیدا کیا، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ [۳۹]

وَيٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا وَّيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ اے میری قوم! تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری طاقت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا اور مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔ [۴۰]

قَالُوۡا يٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحۡنُ بِتَارِكِىۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ انہوں نے کہا: اے ہود علیہ السلام! تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے اور تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ [۴۱]

---

[۳۸] حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ جو تم بتوں کی عبادت کرتے ہو یہ سب جھوٹ ہے جو تم نے خود گھڑ رکھا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔

[۳۹] ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ میں تبلیغ کے بدلے میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ کیا تم اتنی سادہ سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ جو شخص بغیر لالچ کے تمہاری خیر خواہی کی بات کرتا ہے وہ تمہارا دشمن نہیں ہو سکتا بلکہ وہی حقیقت میں تمہارا سچا خیر خواہ ہے جو تمہیں جہنم کے عذاب سے نکال کر جنت کے آرام میں پہنچانا چاہتا ہے۔

[۴۰] یعنی گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔ اس کی زمین پر خود بھی امن و سکون سے رہو اور کسی پر بھی زیادتی نہ کرو تو اللہ تعالیٰ خوش ہوگا، وہ بارشوں کے ذریعہ اچھی فصلیں پیدا کر کے تمہاری مالی طاقت میں اضافہ فرمائے گا اور اچھی خوراک سے تمہاری جسمانی طاقت اور افرادی قوت میں اضافہ فرمائے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی نہ کرو ورنہ مجرموں کی طرح بدحالی اور مصائب کا شکار رہو گے۔

[۴۱] جو لوگ محض تعصب کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں وہ دلائل سے آنکھیں بند کر کے ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ تمہارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے، لہٰذا صرف تمہارے کہنے پر نہ تو ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی تم پر ایمان لا سکتے ہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں دماغی خلل میں مبتلا کر دیا ہے، ہود علیہ السلام نے کہا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بے زار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو۔[۴۲]

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا، پس تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرلو، پھر مجھے مہلت نہ دو۔[۴۳]

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ بے شک میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْــًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ اگر تم روگردانی کرو تو جو پیغام مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا تھا میں نے وہ تم کو پہنچا دیا ہے، اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو جانشین بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔[۴۴]

---

[۴۲] انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا: یہ جو تم ہمارے معبودوں کے خلاف باتیں کرتے ہو، ہمارا خیال ہے کہ کسی معبود نے ناراض ہو کر تمہارے دماغ کے اندر خلل پیدا کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور ساری قوم جو کل تک تمہاری عزت کرتی تھی آج تمہاری مخالفت پر اتر آئی ہے۔ اس پر حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: تم جو کچھ بھی کہو کہہ سکتے ہو مگر میرا دوٹوک اور واضح اعلان سن لو جس پر اللہ تعالیٰ بھی گواہ ہے اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان معبودوں سے بے زار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو۔

[۴۳] اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تمہارے بت مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں تو تم اپنے بتوں سمیت سارے مل کر میرے خلاف جو کر سکتے ہو کر لو میں تم سے کوئی مہلت نہیں مانگتا اور میں اتنا بڑا چیلنج اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو سب کا رب ہے حتیٰ کہ دنیا کا ہر جاندار اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نیز اس کے سارے احکام درست اور حق وانصاف پر مبنی ہیں اور سیدھے راستے پر صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے۔

[۴۴] اللہ تعالیٰ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ تم کو پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اس پیغام سے روگردانی کرو تو وہ تمہیں ہلاک کر کے کسی اور

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ہود علیہ السلام کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دے دی۔ [۴۵]

وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور یہ قوم عاد ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش منکر حق کے حکم کی پیروی کی۔

وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰۔ اور اس دنیا میں بھی، ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی، غور سے سنو! بے شک قوم عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، خبردار! ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے لئے بربادی ہے۔ [۴۶]

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

۶۱۔ اور (ہم نے قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا [۴۷] اور اس میں تمہیں آباد کیا، سو تم

قوم کو تمہاری جگہ آباد کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکو گے کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور کوئی چیز اس کی نگہداشت سے خارج نہیں ہے۔

[۴۵] جب قوم عاد کے عذاب کا وقت آ پہنچا تو سخت ہوا کا طوفان آیا جو آٹھ دن جاری رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر دیا اور اس طاقتور قوم کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر بکھرے پڑے تھے لیکن جو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، انہیں اس دنیاوی عذاب سے بچا لیا اور انہیں قیامت کے سخت عذاب سے بھی بچا لے گا۔

[۴۶] قوم عاد نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا، اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور سرکش و نافرمان لوگوں کی پیروی جاری رکھی جس کی سزا کے طور پر اس دنیا میں ان پر پھٹکار پڑی اور ہوا کے طوفان نے انہیں برباد کر دیا اور قیامت کے دن بھی بربادی ان کا انتظار کر رہی ہے۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی مٹی سے پیدا فرمایا اور سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ نیز خوراک بھی

قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ ﴿۶۱﴾

اس سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا رب قریب ہے دعائیں قبول کرنے والا ہے [۴۸]

قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ اَتَنۡهٰىنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ انہوں نے کہا: اے صالح ؑ! اس سے پہلے ہمارے درمیان تم ہی ایک ایسے شخص تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے متعلق بڑے سخت شک میں مبتلا ہیں [۴۹]

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَیۡتُهٗ ۟ فَمَا تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ صالح ؑ نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم تو صرف میرے نقصان میں اضافہ کرنا چاہتے ہو۔ [۵۰]

اللہ تعالیٰ نے زمین ہی سے پیدا فرمائی جس کی وجہ سے انسان زندہ رہتا ہے اور اس کی افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس طرح تمام انسانوں کا زمین کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے تو گویا تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ قوم ثمود کے بارے میں سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۷۳ اور حاشیہ نمبر ۷۴ ملاحظہ کریں۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے، اس کے لئے سورہ بقرہ (۲) کی آیت نمبر ۱۸۶ اور حاشیہ نمبر ۱۴۱ اور ۱۴۲ ملاحظہ کریں۔

[۴۹] قوم ثمود مشرک تھی، حضرت صالح ؑ نے انہیں ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا اور شرک سے منع فرمایا تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کے سابقہ کردار سے بڑے متاثر تھے اور ہمیں آپ سے بڑی امیدیں تھیں کہ آپ اپنی قوم کو ترقی کی طرف لے جائیں گے مگر تم نے تو ہماری ساری امیدیں خاک میں ملا دی ہیں بلکہ تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیں اور تمہارا دین اختیار کرلیں تو خوب سن لو! ہمیں تمہارے دین پر کوئی یقین نہیں ہے اس لئے ہم اپنے باپ دادا کا مذہب ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

[۵۰] میں اپنے رب کے فضل سے توحید کی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت بھی عطا فرما دی ہے، اب خدانخواستہ اگر

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی ہے اب اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ بہت جلد تم کو عذاب آ پکڑے گا۔[۵۱]

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ پس انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح علیہ السلام نے کہا: تم تین دن تک اپنے گھروں میں لطف اٹھالو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔[۵۲]

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی، بے شک آپ کا رب ہی بڑا طاقتور غالب ہے۔

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور ظالم لوگوں کو ایک خوف ناک کڑک نے آ پکڑا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔[۵۳]

میں اس کی نافرمانی کروں اور تمہارے کہنے پر توحید کو چھوڑ دوں تو تم میں کوئی مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا بلکہ تم تو میرے نقصان میں اضافہ کرنا چاہتے ہو۔

[۵۱] انہوں نے کہا: اے صالح علیہ السلام! اگر تم سچے نبی ہو تو پتھر کی اس چٹان سے زندہ اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے اونٹنی ظاہر فرما دی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹنی میری نبوت کی دلیل اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے، لہٰذا تم اس کو آزاد چھوڑ دو۔ جہاں سے اس کا جی چاہے کھاتی پھرے، کوئی اس کو تنگ نہ کرے ورنہ بہت جلد تم کو عذاب آ پکڑے گا۔

[۵۲] اس عظیم معجزہ کو دیکھ کر انہیں ایمان لے آنا چاہیے تھا مگر ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس اونٹنی کو مار ڈالا تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تم نے بڑا ظلم کیا ہے، لہٰذا اب تم تین دن تک اپنے گھروں میں رہ سکتے ہو، پھر تم پر عذاب آنے والا ہے اور یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔

[۵۳] تین دنوں کے بعد جب ان کے عذاب کا وقت آ پہنچا تو ایک خوف ناک کڑک نے انہیں آ پکڑا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ گویا وہ کبھی یہاں آباد ہی نہیں تھے، سنو! بے شک ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا، خبردار! ثمود کے لئے بربادی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انہوں نے سلام کہا، ابراہیم علیہ السلام نے بھی (جواب میں) سلام کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام جلد ہی ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ [۵۴]

اوندھے مرے پڑے تھے یعنی یوں نیست و نابود ہو گئے گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہیں تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو رسوائی سے بچالیا کیونکہ اگر وعدہ کے مطابق عذاب نہ آتا تو کافر آپ کا مذاق اڑاتے۔ نیز جو لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اس عذاب سے بچالیا۔

سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۷۸ میں ہے کہ ان کو زلزلہ نے آ پکڑا اور یہاں ہے: ان کو خوفناک کڑک نے آ پکڑا۔ ممکن ہے خوفناک کڑک اور زلزلہ دونوں ساتھ ساتھ ہی آگئے ہوں یا کڑک اتنی شدید ہو جس سے زمین پر زلزلہ طاری ہو گیا ہو جیسے آج دھماکے سے عمارتیں اور زمین ہلنے لگتی ہے۔

[۵۴] حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم شام کے جنوب میں آباد تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں رہائش پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے جن فرشتوں کو بھیجا انہیں یہ حکم دیا کہ وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں اور انہیں بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی پیدائش کی خوش خبری بھی سناتے جائیں۔ چنانچہ فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کھانے کے لئے بھنا ہوا گوشت پیش کیا اور جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ کوئی مشکوک لوگ ہیں۔ فرشتوں نے کہا: آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ہم فرشتے ہیں، ہم آپ کو بیٹے کی خوش خبری دینے کے علاوہ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر عذاب نازل کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سلام کہنا اور سلام کا جواب دینا انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کی سنت ہے، نیز گھر میں موجود اچھے کھانے سے مہمانوں کی خدمت کرنا بھی نبیوں کی سنت ہے۔

مہمان اور میزبان کے متعلق اسلام کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے اور اس کا جائزہ ادا کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَكِرَهُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ﴿۷۰﴾

۷۰۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اجنبی خیال کیا اور دل ہی دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگے، فرشتوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

وَ امۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَ مِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾

۷۱۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (سارہ) جو کھڑی ہوئی تھیں وہ ہنس پڑیں، پھر ہم نے سارہ علیہا السلام کو اسحاق علیہ السلام کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔[۵۵]

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مہمان کا جائزہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات اس کی زیادہ خاطر تواضع کرے اور تین دن اس کی ضیافت کرے اور اس سے زیادہ دن اس کی طرف سے صدقہ ہیں۔ (بخاری: کتاب الأدب: باب ۳۱)

۲۔ مہمان نوازی تین دن ہے اور جائزہ ایک دن ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنے دن قیام کرے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اس کو گناہ میں کیسے مبتلا کرے گا؟ فرمایا: وہ اس کے پاس ایسی حالت میں قیام کرے کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لئے کچھ نہ ہو۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۷۲۶: کتاب اللقطہ: باب ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی

بعض اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کسی آدمی کو تلاش کرتے جو ان کے ساتھ کھانا کھائے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اجنبی آدمی سے ملے۔ جب وہ آپ کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بسم اللہ پڑھو۔ اس نے جواب دیا: میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو کھانے سے اٹھا دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کفر کے باوجود ساری عمر اس کو رزق دیتا رہا ہوں اور تم نے اس کو ایک لقمہ دینے میں بھی بخل کیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو واپس بلایا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ اب مجھے واپس کیوں بلا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارا واقعہ سنایا۔ تو اس نے کہا: یہ تو بڑا کریم رب ہے، پھر وہ ایمان لے آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں واپس آ گیا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔ (تفسیر قرطبی)

[۵۵] حضرت سارہ علیہا السلام کو جب علم ہوا کہ ان کے مہمان فرشتے ہیں تو وہ بھی پاس آ کھڑی ہوئیں اور خوشی سے ہنس پڑیں، پھر فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام کو بیٹے اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے حضرت

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ سارہ علیہا السلام نے کہا: وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ [۵۶]

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

۷۳۔ فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ اے (ابراہیم علیہ السلام کے) گھر والو! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ قابل حمد اور بزرگی والا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ [۵۷]

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم، نرم دل (اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ

۷۶۔ اے ابراہیم علیہ السلام! اس بات کو رہنے دو، بے شک اب تو آپ کے رب کا حکم (عذاب) آچکا ہے اور ان پر یقیناً وہ

ہاجرہ (ہاجر) علیہا السلام کے بطن سے ایک بیٹا یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے سے موجود تھا لیکن سارہ علیہا السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کی تمنا تھی کہ انہیں بھی بیٹا ملے اس لئے اس آیت میں حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو براہ راست خوش خبری سنائی گئی۔

[۵۶] اس وقت حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر ۹۰ سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی (تفسیر قرطبی) عمر کے اس حصہ میں بیٹے کی خوش خبری واقعی ایک تعجب خیز اور حیران کن بات تھی۔ اس پر فرشتوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور وہ تم پر بڑا مہربان ہے، لہٰذا کسی تعجب اور حیرانگی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت سے مراد حضرت سارہ علیہا السلام ہیں۔ اسی طرح سورہ احزاب (۳۳) کی آیت نمبر ۳۳ میں جہاں اہل بیت کی طہارت کا ذکر ہوا ہے ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن شامل ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص)

[۵۷] حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جب دور ہو گیا اور ان کے پاس بیٹے کی بشارت بھی آگئی تو آپ قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے اور اپنی فطری رحم دلی کے باعث ان کے لئے سفارش کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کے عذاب کو مزید مؤخر کر دیا جائے ممکن ہے وہ توبہ کرلیں۔

مَرْدُوْدٍ ۝

عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے۔ [۵۸]

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝

۷۷۔ اور جب ہمارے فرشتے (حسین لڑکوں کی صورت میں) لوط ؑ کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے غمگین ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے: یہ بڑا سخت دن ہے۔ [۵۹]

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝

۷۸۔ اور ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آ پہنچے، اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے، لوط ؑ نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں، سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھی نیک آدمی نہیں ہے؟ [۶۰]

---

[۵۸] فرشتوں نے کہا: اے ابراہیم ؑ! قوم لوط کو بہت مہلت دی گئی تھی مگر انہوں نے اپنی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ انجام کار اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کا فیصلہ کر دیا ہے، لہٰذا آپ ان کی سفارش کو رہنے دیں۔ یہ کسی ہمدردی کے قابل نہیں ہیں۔ اب ان پر عذاب آ کر رہے گا اور وہ ٹل نہیں سکتا۔

[۵۹] جب حسین لڑکوں کی صورت میں فرشتے حضرت لوط ؑ کے پاس آئے تو آپ گھبرا گئے کیونکہ ان کی قوم کے لوگ اپنی بیویوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ نفسانی خواہشات پوری کرنے کے دلدادہ تھے اور آپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر انہیں ان خوبصورت لڑکوں کا علم ہوا تو وہ یہاں آ کر ان کی توہین کریں گے، لہٰذا یہ تو میرے لئے بڑی سخت آزمائش کا دن ہے۔

[۶۰] حضرت لوط ؑ کی بیوی کافرہ تھی اور اس نے ہی لوگوں کو ان حسین مہمانوں کی اطلاع دی تھی۔ ان حسین لڑکوں کی خبر سنتے ہی ان کی قوم کے فاسق لوگ دوڑتے ہوئے حضرت لوط ؑ کے گھر آ پہنچے۔ حضرت لوط ؑ نے ان کے برے ارادوں کے پیش نظر انہیں کہا: تمہارے لئے اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا اچھا اور جائز طریقہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی سمجھدار آدمی نہیں ہے جو تمہیں اس برے ارادے سے روکے؟

اس آیت میں حضرت لوط ؑ نے ان کی بیویوں کو جو قوم کی بیٹیاں تھیں ازراہ شفقت اپنی بیٹیاں کہا ہے۔ نیز نبی اپنی امت کے حق میں روحانی باپ اور نبی کی بیوی امت کے حق میں روحانی ماں ہوتے ہیں۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

۷۹۔ وہ کہنے لگے: تم خوب جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی دلچسپی نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟[۶۱]

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

۸۰۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ ہی لے سکتا۔[۶۲]

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ فرشتوں نے کہا! اے لوط علیہ السلام! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے، آپ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیں، بے شک اس کو بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا، بے شک ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟[۶۳]

---

[۶۱] وہ کہنے لگے: تم خوب جانتے ہو کہ ہمیں اپنی بیویوں میں کوئی دلچسپی نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم تمہارے گھر اس وقت کیوں آئے ہیں، لہٰذا تم بحث وتکرار کو چھوڑ دو اور یہ خوبصورت مہمان لڑکے ہمارے حوالے کرو۔

[۶۲] جب حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ ان فاسق لوگوں پر ان کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو آپ نے اپنے مہمانوں کی حفاظت کے لئے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں بے ساختہ پکار اُٹھے: کاش! مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں تم سب کا مقابلہ کر سکتا یا کسی مضبوط قبیلے کی پناہ مجھے حاصل ہوتی تو میری آج رسوائی نہ ہوتی اور میں اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔

[۶۳] جب حضرت لوط علیہ السلام کی گھبراہٹ اور قوم لوط کی سرکشی کی انتہا ہو گئی تو مہمان کہنے لگے: اے لوط علیہ السلام! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہمیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے لہٰذا آپ گھبرائیں نہیں یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے اور دروازہ کھول دو ہم خود ان سے نپٹ لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تو سارے کا فر اندھے ہو کر پکار اُٹھے: یہاں سے بھاگو۔ لوط علیہ السلام کے مہمان تو سب سے بڑے جادوگر ہیں۔ (تفسیر قرطبی) پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر جلدی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے کیونکہ عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح بالکل قریب ہے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ وہ کافرہ ہے اور وہ بھی ان ظالموں کے ساتھ ہلاک کر دی جائے گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ﴿۸۲﴾

۸۲۔ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر والے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگا تار برسائے۔[۶۴]

مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ جو آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے،[۶۵] اور وہ (قوم لوط کا علاقہ یا عذاب مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔[۶۶]

وَاِلٰى مَدۡيَنَ اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، بے شک میں تم کو خوشحال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔[۶۷]

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے نہ پھرو۔

---

[۶۴] جب ان کے عذاب کا مقررہ وقت آ گیا تو ان کی ساری بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں، پھر ان پر سخت پتھروں کی ایسی لگاتار بارش برسائی گئی کہ سارے کافر ہلاک ہو گئے۔

[۶۵] جو پتھر قوم لوط علیہ السلام پر برسائے گئے وہ خاص نشان والے تھے اور ہر پتھر پر اس کافر کا نام بھی درج تھا جس کو اس پتھر نے ہلاک کرنا تھا۔

[۶۶] اس میں اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کا حشر جا کر دیکھ لو۔ ان کا علاقہ بہت دور نہیں ہے بلکہ شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے اور تم میں سے اکثر شام جانے والے تاجروں نے ان کھنڈرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اب اگر تم بھی شرک و ظلم سے باز نہ آئے تو تمہارا عذاب بھی بہت دور نہیں ہے اور تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے جو پہلے ظالم قوموں کا ہو چکا ہے۔

[۶۷] سورہ اعراف (۷) کی آیات نمبر ۸۵ تا ۹۳ میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سے جو بچ رہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔ [۶۸]

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں وہ نہ کریں جو ہم چاہتے ہیں، بے شک تم ہی ایک بردبار نیک چلن رہ گئے ہو۔ [۶۹]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ شعیب (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے عمدہ رزق بھی دیا ہو، اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے میں تم کو منع کرتا ہوں خود ہی اس کے خلاف کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح چاہتا ہوں، اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ [۷۰]

سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل فرمایا ہے۔ تمہارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ اس کے باوجود ناپ تول میں کمی کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا اور اگر تم اس دھوکہ بازی سے باز نہ آئے تو پھر مجھے اندیشہ ہے کہ تم قیامت کے دن کے عذاب سے نہ بچ سکو گے۔

[۶۸] یعنی پورا پورا ناپ تول کرنے کے بعد جو نفع باقی رہ جائے وہ تمہارے لئے حلال ہے اور اس ناجائز مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔ بہر حال میرا کام نصیحت کرنا ہے جو میں کر رہا ہوں لیکن تم سے زبردستی عمل کرانا اور ہر وقت تمہارے ناپ تول کی نگرانی کرتے رہنا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے۔

[۶۹] حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو شرک کرنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا، یہ بات انہیں سخت ناگوار گزری اور ازراہ مذاق کہنے لگے: کیا تمہاری نماز اور تمہارا دین تمہیں یہی سکھاتا ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہ کریں؟ کیا تم ہی ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی رہ گئے ہو اور باقی ساری قوم نادان اور بدچلن ہے؟

[۷۰] حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت اور نبوت سے نوازا ہے اور دنیاوی مال و دولت بھی وسیع مقدار

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور اے میری قوم! مجھ سے عداوت تمہیں یہاں تک نہ اُکسائے کہ تمہیں بھی ایسا عذاب آ پہنچے جو قوم نوح علیہ السلام یا قوم ہود علیہ السلام یا قوم صالح علیہ السلام کو پہنچا تھا، اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے زیادہ دور نہیں۔ [۷۱]

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا رب بڑا مہربان محبت کرنے والا ہے۔[۷۲]

میں عطا فرمایا ہے اس لئے مجھے تمہارے مال سے کوئی حسد یا لالچ نہیں ہے اور جن برائیوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں میں خود بھی ان کے قریب نہیں جاتا یعنی جو بات میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں اور میرا مقصد صرف یہی ہے کہ تمہارے عقائد اور اعمال درست ہو جائیں اور میری یہ جدو جہد اور توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

[۷۱] حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: میری مخالفت میں اتنا آگے نہ بڑھو کہ تمہیں بھی ایسا عذاب آ پہنچے جو قوم نوح علیہ السلام یا قوم ہود علیہ السلام یا قوم صالح علیہ السلام کو پہنچا تھا۔ ان قوموں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی بات نہ مانی اور انجام کار سخت قسم کے عذابوں میں مبتلا کئے گئے اور قوم لوط علیہ السلام کا علاقہ تو تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا اور ان کے عذاب کے واقعات بہت مشہور تھے بلکہ تم میں سے اکثر نے ان کے کھنڈرات بھی دیکھے ہوئے ہیں، لہٰذا اب بھی وقت ہے سچے دل سے توبہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دے گا اور اگر تم اس کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو تمہارا عذاب بھی بہت دور نہیں ہے اور تمہارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جو پہلے ظالم قوموں کا ہو چکا ہے۔

[۷۲] اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہت مہربان اور اس سے محبت کرنے والا ہے اور اس انسان سے زیادہ محبت فرماتا ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔ (شعب الایمان: امام بیہقی: حدیث نمبر ۷۴۴۶)

ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لئے جو محبت ہے اس کی مثال لانا مشکل ہے لیکن جو خدا والدین کے دل میں اس بے مثال محبت کا خالق ہے خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لئے کتنی زیادہ محبت ہوگی اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ لیکن جب لوگ ظلم اور سرکشی میں حد سے بڑھ جائیں تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے وہ سزا دیتا ہے اور ساتھ مائل بہ کرم بھی رہتا ہے اور جب بھی کوئی صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت کے بارے میں سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۱۲ اور حاشیہ نمبر ۱۳ ملاحظہ کریں۔

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَ اِنَّا لَنَرٰٮكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا‌ ۚ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ‌ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ انہوں نے کہا: اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور بے شک ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور شخص ہو اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔ [۷۳]

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ہے؟ اور تم نے اللہ تعالیٰ کو پس پشت ڈال رکھا ہے، بے شک میرا رب تمہارے تمام کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ [۷۴]

وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ‌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ‌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ﴿۹۳﴾

۹۳۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں اپنا کام کر رہا ہوں، عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ [۷۵]

---

[۷۳] کفار کو حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحتیں پسند نہیں تھیں اس لئے وہ آپ کی باتیں غور سے نہ سنتے اور حقارت کی نیت سے کہہ دیتے کہ آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، لہٰذا آپ ہمیں خواہ مخواہ پریشان نہ کریں۔ اگر ہمیں تمہارے کنبے کے افراد کا لحاظ نہ ہوتا تو تمہیں اب تک ہلاک کر چکے ہوتے کیونکہ تم ایک کمزور آدمی ہو اور ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

[۷۴] یعنی بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم میرے کنبہ کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو اور اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ گویا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ معزز ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ تمہیں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عزت کرنی چاہیے کیونکہ تمہارے سارے کام اس کے علم اور اس کی قدرت کے احاطہ میں ہیں اور وہ تم سے باز پرس کرے گا۔

[۷۵] حضرت شعیب علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی قوم کسی صورت پر شرک کو چھوڑنے والی نہیں تو کہا: اگر تمہیں شرک پر ہی اصرار ہے تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے لیکن میں تو بہر صورت توحید کی دعوت پر عمل پیرا ہوں اور تمہیں شرک سے منع کرتا رہوں گا، پھر بھی اگر تم نے شرک کو نہ چھوڑا تو انتظار کرو۔ عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے شعیب ؑ کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے (ان کو) اپنی رحمت سے بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو خوفناک کڑک نے آپکڑا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔[۷۶]

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

۹۵۔ گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، سن لو! ہلاکت ہو (اہل) مدین کے لئے جیسے (قوم) ثمود ہلاک ہوئی تھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ ؑ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، تو انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔[۷۷]

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں (جہنم کی) آگ میں لا ڈالے گا، بہت برا گھاٹ ہے جہاں انہیں ڈالا گیا۔[۷۸]

[۷۶] جب عذاب کا وقت آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب ؑ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور باقی ساری قوم کو قوم ثمود کی طرح اس طرح ہلاک کر دیا گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔

[۷۷] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو نو (۹) روشن معجزات اور ان میں اہم ترین معجزہ عصا کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ فرعون اور اس کے درباریوں کو رشد و ہدایت کی دعوت دیں مگر انہوں نے حضرت موسیٰ ؑ کی دعوت کو رد کر دیا اور فرعون کے حکم کی پیروی جاری رکھی حالانکہ فرعون کا حکم رشد و ہدایت سے خالی تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا اور بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا۔ سورہ اعراف (۷) کے حاشیہ نمبر ۶۵ میں حضرت موسیٰ ؑ کے نو معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔

[۷۸] قیامت کے دن فرعون آگے آگے ہوگا اور اس کی مشرک قوم اس کے پیچھے ہوگی۔ جب فرعون جہنم میں گرے گا تو اس کی ساری قوم بھی اس کے پیچھے جہنم میں جا گرے گی اور یہ بہت برا گھاٹ ہے جس میں وہ گریں گے۔ دنیا میں غرق کے وقت بھی فرعون اپنی قوم کے

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی، بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا گیا۔[۷۹]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہوگئیں۔[۸۰]

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، پس جب آپ کے رب کا حکم (عذاب) آگیا تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں کی وہ عبادت کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ ان کی بربادی میں اضافہ ہی کیا۔[۸۱]

آگے آگے تھا اور قیامت کے دن جہنم میں جاتے وقت بھی فرعون آگے آگے ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ آنکھیں بند کر کے کسی گمراہ لیڈر کی پیروی اختیار کرتے ہیں اور کسی ہادی کی نصیحتوں پر توجہ نہیں کرتے وہ قیامت کے دن اسی گمراہ لیڈر کی قیادت میں چلتے ہوئے جہنم میں داخل ہوں گے اور کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا، لہٰذا آج ہمیں کسی کی پیروی کرتے وقت اپنے خداداد عقل وفہم کو استعمال کرنا چاہیے اور صرف اس کی پیروی کرنی چاہیے جس کا مشن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی رضا ہو۔

[۷۹] فرعون اور اس کی قوم پر اس دنیا میں لعنت اس طرح پڑی کہ ان کے اوپر مختلف قسم کے عذاب آئے اور بالآخر انہیں سمندر میں غرق کردیا گیا اور قیامت کے دن بھی انہیں فرعون کی قیادت میں جہنم رسید کردیا جائے گا جو کہ بہت برا انعام ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا جو برے لوگوں کی پیروی اختیار کرتے ہیں قیامت کے دن جب انہیں برے لوگوں کی قیادت میں جہنم کی طرف جانے پر مجبور کیا جائے گا تو وہ اپنے لیڈروں کو گالیاں دیتے ہوئے اور ان پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے ذلت ورسوائی کے عالم میں ان کے پیچھے جارہے ہوں گے۔ ان کے برعکس جو نیک لوگوں کی پیروی اختیار کرتے ہیں قیامت کے دن جب انہیں نیک لوگوں کی قیادت میں جنت میں جانے کا حکم ملے گا تو وہ اپنے مشائخ اور ائمہ کو دعائیں دیتے ہوئے اور ان پر مدح وتحسین کے پھول برساتے ہوئے خوشی اور مسرت کے عالم میں ان کے پیچھے رواں دواں ہوں گے۔

[۸۰] یہ جن بستیوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض یعنی عاد وثمود کے کھنڈرات تو اب بھی موجود ہیں جن کو دیکھ کر ان کی بربادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور بعض کا نام ونشان مٹ چکا ہے جیسے قوم نوح علیہ السلام کی بستیاں جن کے فقط قصے رہ گئے ہیں مگر ان کے نشانات مٹ چکے ہیں۔

[۸۱] اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ ان کو سزا نہیں دی بلکہ جب انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا اور مسلسل سرکشی سے اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنالیا تو

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظٰلِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ۝

۱۰۲۔ اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے جب وہ ظلم کرنے والی بستیوں کو پکڑتا ہے، بے شک اس کی گرفت دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔ [۸۲]

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

۱۰۳۔ بے شک ان (واقعات) میں اس شخص کے لئے (عبرت کی) نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے، یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہے جس میں سب حاضر ہوں گے۔ [۸۳]

وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ۝

۱۰۴۔ اور ہم اس کو موخر نہیں کر رہے ہیں مگر مقرر مدت کے لئے۔ [۸۴]

ان پر عذاب آیا اور جن معبودوں سے انہوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کہ وہ مصیبت کے وقت ان کے کام آئیں گے، قیامت کے دن وہ ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ ان کی بربادی میں اضافے کا باعث بنے کیونکہ ان کی عبادت کی وجہ سے ہی تو وہ عذاب کے مستحق قرار پائے۔ اگر وہ ان کی عبادت نہ کرتے تو ان کو عذاب سے واسطہ نہ پڑتا۔

[۸۲] اللہ تعالیٰ ظالموں کو توبہ کرنے کے لئے ڈھیل دیتا ہے لیکن جب وہ مظالم سے باز نہیں آتے تو پھر اچانک ان کو پکڑتا ہے اور اس کی گرفت بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر مہلت نہیں دیتا۔ (بخاری: کتاب تفسیر القرآن: سورہ نمبر ۱۱)

[۸۳] گذشتہ اقوام کی بربادی کے واقعات اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ گمراہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور غور کریں کہ جس گناہ کی سزا اس دنیا میں اس قدر سخت ہے جو کہ دار العمل ہے تو آخرت میں اس گناہ کی سزا کتنی زیادہ ہوگی جو کہ صرف دار الجزا ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ غفلت کا شکار رہتے ہیں۔ صرف وہی خوش نصیب اصلاح کی فکر کرتے ہیں جو قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ سب نیک و بد کی جزا و سزا کا دن ہے، اس میں سارے اولین و آخرین اکٹھے کئے جائیں گے اور کوئی بھی غیر حاضر نہیں رہ سکے گا۔

[۸۴] قیامت کا دن ضرور آئے گا، تاخیر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا ہے وہ ابھی نہیں آیا لیکن جب وہ وقت آ گیا تو پھر ایک لحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوگی اور اس دن سارے حشر والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیبت طاری ہوگی کہ ابتدا میں کوئی بات بھی نہیں کر سکے گا، بعد میں جب اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے تو گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگا۔

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ جب وہ دن آئے گا تو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا، ان میں سے بعض بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔ [۸۵]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ پس جو لوگ بدنصیب ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے، ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا آپ کا رب چاہے، بے شک آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ [۸۶]

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور جو لوگ خوش نصیب ہیں وہ جنت میں ہوں گے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا آپ کا رب چاہے، یہ وہ عطا ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔ [۸۷]

---

[۸۵] آج دنیا مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، کہیں امیر و غریب کا فرق ہے تو کہیں کالے اور گورے کا امتیاز ہے مگر قیامت کے دن یہ سارے امتیازات ختم کر دیئے جائیں گے، اس دن صرف دو گروہ ہوں گے، ایک خوش نصیب ہوگا جو اپنے رب پر ایمان لایا اور اچھے عمل کئے اور دوسرا بدنصیب ہوگا جس نے اپنے رب کا انکار کیا اور گمراہی میں مست رہا۔

[۸۶] بدنصیب لوگ دوزخ میں چیختے اور چلاتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک دوزخ میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم رہیں گے جبکہ اس دنیا کے زمین و آسمان اس وقت فنا ہو چکے ہوں گے اور آخرت کے نئے زمین و آسماں وجود میں آ چکے ہوں گے جو ہمیشہ قائم رہیں گے، لہٰذا یہ بدنصیب بھی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے البتہ گناہ گار اہل ایمان جب اپنے گناہوں کی سزا پوری کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرما دے گا۔

[۸۷] خوش نصیب لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔ اہل جنت کی زندگی کیسے گزرے گی اس کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا: (اے اہل جنت!) تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہیں آئے گی۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۸۳۷)

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

۱۰۹۔ اے سننے والے! جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تو ان کے متعلق کسی شک میں مبتلا نہ ہونا، یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر ایسے ہی جیسے اس سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور بے شک ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دیں گے جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔[۸۸]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، اور بے شک یہ لوگ قرآن کے متعلق سخت شبہ میں ہیں۔[۸۹]

وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ اور بے شک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، یقیناً جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ اس سے خوب آگاہ ہے۔[۹۰]

---

[۸۸] اے مسلمانو! جن چیزوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں وہ قطعاً عبادت کے قابل نہیں ہیں، تم ان کے متعلق کسی شک میں مبتلا نہ ہونا۔ ان کے پاس ان چیزوں کی عبادت کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور ہم نے مشرکین کے لئے جو سزا مقرر کر رکھی ہے وہ ان کو پوری کی پوری ملے گی اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

[۸۹] قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ بہت کم اس پر ایمان لائے مگر اکثر دانستہ یا نادانستہ قرآن مجید کے متعلق سخت شبہ کرنے لگے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ غمگین نہ ہوں، پہلے انبیائے کرام علیہم السلام مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ایک خاص حد تک ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے لیکن پھر بھی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آتیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کے مطابق ان کی سزا کی قسم اور ان کی سزا کا وقت پہلے سے مقرر کر رکھا ہے۔ کسی قوم کی سزا کا کچھ حصہ اسی دنیا میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور کسی قوم کی پوری سزا قیامت تک کے لئے موخر کر دی جاتی ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ ہے اور اگر یہ پہلے سے طے شدہ نہ ہوتا تو انکار کرنے والوں کو فوراً ہلاک کر دیا گیا ہوتا۔

[۹۰] جو لوگ قرآن مجید پر ایمان لائے اور جن لوگوں نے اس کا انکار کر دیا اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے اور ان کے اعمال کے مطابق انہیں پوری پوری جزا اور سزا دے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی (ثابت قدم رہیں) جو (کفر سے) توبہ کر کے آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔[۹۱]

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور ان کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ورنہ آگ تم کو بھی آ لگے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہو گا، پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ [۹۲]

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ اور دن کی دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے، [۹۳] بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔[۹۴]

---

[۹۱] اس آیت میں اہل اسلام کو احکام الٰہی پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور سرکشی سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو ہر وقت دیکھ رہا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرے۔ استقامت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اپنے عقائد اور اعمال کو افراط و تفریط سے بچائے اور مشکلات کے باوجود ان پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔ صوفیا کے نزدیک استقامت کا درجہ کرامت سے بلند ہے۔

[۹۲] اس آیت میں اہل اسلام کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ ظالم لوگوں کی طرف کسی قسم کا کوئی میلان اور جھکاؤ نہ رکھیں اور ان کی تعظیم و تکریم، سوسائٹی اور دوستی سے دور رہیں ورنہ وہ ظالم سمجھیں گے کہ تم ان کے مظالم سے راضی ہو، لہٰذا وہ تمہیں بھی مظالم میں شریک کرنے کی کوشش کریں گے اور بالآخر تم بھی اسی آگ کے مستحق بن سکتے ہو جس میں وہ ظالم خود جلیں گے اور پھر ظالموں کی طرح تمہارا بھی کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

[۹۳] دن کی دونوں طرفوں سے نماز فجر اور نماز عصر مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر) ایک طلوع شمس سے پہلے دوسری غروب شمس سے پہلے، اور رات کے حصوں سے نماز مغرب اور نماز عشاء مراد ہیں۔ (ابن ابی حاتم) اور ظہر کی نماز کا ذکر سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی آیت نمبر ۷۸ میں ہے۔

[۹۴] نیکیوں کی ترغیب کے لئے کتنا حسین انداز ہے اور نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے کیسی جامع نصیحت ہے کہ نیکی کرنے سے نیکی کا ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن نیکی کا ایک اور اضافی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی برکت سے چھوٹے گناہ بھی معاف کر دیئے جاتے ہیں، البتہ

وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اور آپ صبر کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ پس تم سے پہلی امتوں میں ایسے زیرک لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے مگر ان میں تھوڑے لوگ ایسے تھے جن کو ہم نے نجات دی تھی اور ظالم لوگ تو عیش و عشرت کے پیچھے ہی پڑے رہے اور وہ مجرم تھے۔[۹۵]

حقوق العباد میں قصاص ضرور لیا جائے گا خواہ چھوٹے گناہ ہوں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نیکیوں کی برکت سے گناہ معاف فرماتا ہے اسی طرح نیکوں کی شفاعت سے گناہگاروں کو بھی معاف فرمائے گا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوں جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ (مسلم: کتاب الطھارہ: باب ۵)

۲۔ ذرا بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس نہر میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے جسم پر تو میل کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نمازوں کے ذریعہ بندے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(بخاری: مواقیت الصلوٰۃ: باب ۶)

۳۔ نبی کریم ﷺ سردی کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی ایک ٹہنی کو پکڑا۔ راوی فرماتے ہیں: اس ٹہنی سے پتے جھڑنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حاضر ہوں، فرمایا: بندہ رضائے خداوندی کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑتے ہیں جیسے اس درخت سے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۱۷۹)

[۹۵] یعنی پہلی امتوں میں اگر سنجیدہ اور سمجھدار لوگ کثرت سے ہوتے اور وہ دوسروں کو فساد سے روکتے تو ان قوموں پر عذاب نہ آتا مگر وہ حد سے زیادہ عیش و عشرت میں مصروف رہے اور مجرمانہ کاروائیوں میں ملوث ہو کر زمین میں فساد پھیلاتے رہے جس کے نتیجہ میں عذاب آیا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے، صرف ان چند لوگوں کو بچا لیا گیا جو انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لائے اور لوگوں کی اصلاح میں

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے برباد کر دے جبکہ ان میں بسنے والے نیکو کار ہوں۔[۹۶]

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (لیکن اب) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔[۹۷]

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹۔ سوائے ان کے جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا، اور ان کو اسی لئے پیدا فرمایا، اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھر دوں گا۔

کوشاں رہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ گذشتہ قوموں کے عذاب سے سبق حاصل کریں اور امت مسلمہ میں بکثرت ایسے لوگ موجود رہیں جو دوسروں کو فساد اور ظلم سے روکیں کیونکہ جب تک نیک لوگ غالب رہیں گے قومیں ہلاک نہیں ہوں گی۔

[۹۶] جن بستیوں میں اکثر اچھے اور انصاف پسند لوگ ہوں اور وہ دوسروں کی اصلاح میں سرگرم رہیں تو ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن بستیوں میں مشرک لوگ ہوں اور وہ اپنے معاملات میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرتے ہوں تو ان مشرکوں کو محض شرک اور غلط عقائد کی وجہ سے اس دنیا میں ہلاک نہیں کیا جاتا بلکہ ان پر عذاب اس وقت آتا ہے جب وہ معاملات میں مخلوق کے ساتھ ظلم و زیادتی کریں۔ مشہور مقولہ ہے: شرک کے ساتھ دنیاوی حکومتیں چل سکتی ہیں لیکن ظلم اور فساد حکومتوں کو برباد کر دیتا ہے اور پہلی قوموں پر بھی عذاب اس لئے آئے کہ وہ مخلوق پر ظلم و زیادتی کرتی تھیں۔ (تفسیر کبیر) یعنی یا تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق غصب کرتے تھے یا انبیائے کرام علیہم السلام اور اہل ایمان پر ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ اس دنیا میں عذاب کی وجہ صرف شرک نہیں تھا کیونکہ شرک کی اصل اور پوری سزا جہنم کی آگ ہے جس پر آخرت میں عمل ہوگا۔

[۹۷] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اگر وہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور کوئی بھی اصول اور عقائد میں اختلاف نہ کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ لوگوں کو حق و باطل کی راہیں دکھا دی جائیں اور ان کو کوئی ایک راہ اختیار کرنے کی آزادی دے دی جائے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے اس لئے وہ اپنی اپنی پسند کے مطابق اختلاف کرتے رہیں گے۔ جو لوگ عقل و خرد کو استعمال کر کے ایمان و سلامتی کا راستہ اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی حق پرستی کی وجہ سے ان پر رحم فرمائے گا، گویا اللہ تعالیٰ نے حق پرستوں کو پیدا ہی اس لئے فرمایا کہ ان پر رحم فرمائے اور جو اپنی عقل و خرد کا صحیح استعمال نہیں کریں گے اور کفر و ظلم کو اختیار کریں گے ان سے اللہ تعالیٰ جہنم کو بھر دے گا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰۔ اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں سناتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور اس سورت میں آپ کے پاس حق آ گیا اور اہل ایمان کے لئے یہ نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ [۹۸]

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ ان سے فرما دیجئے: تم اپنی جگہ کام کرتے رہو ہم اپنی جگہ کام کر رہے ہیں۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ [۹۹]

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

۱۲۳۔ اور آسمانوں اور زمین کا سب غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور ہر کام اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے، سو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر توکل کیجئے، اور جو کچھ تم کرتے ہو آپ کا رب اس سے غافل نہیں ہے۔ [۱۰۰]

---

[۹۸] اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو گذشتہ رسولوں کی خبریں سنائیں تاکہ آپ کے دل کو تسکین حاصل ہو کہ صرف کفار مکہ ہی آپ کو تنگ نہیں کرتے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ان کی قوموں نے بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ گذشتہ سورتوں میں گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات اجمال اور اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے مگر اس سورت میں آپ کے پاس حق اس طرح آ گیا کہ اس سورت میں ان واقعات کو تفصیل اور کثرت سے بیان کیا گیا اور اہل ایمان کے لئے بھی ان واقعات میں نصیحت اور یاد دہانی کا سامان موجود ہے تاکہ وہ برے کاموں سے باز رہنے کی نصیحت اور اچھے کاموں کے کرنے کی یاد دہانی حاصل کریں۔

[۹۹] یعنی اگر تم شرک پر ہی قائم ہو اور اسلام قبول نہیں کرتے تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے، تم اپنی مرضی کا کام کرتے رہو اور نتائج کا انتظار کرو ہم تو بہر حال اپنے رب کی مرضی پر عمل پیرا ہیں اور انجام کار سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے اعمال کیا پھل لاتے ہیں۔

[۱۰۰] زمین و آسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور ہر کام کے متعلق آخری فیصلہ بھی اسی کا ہوگا، لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے اور ان کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعۃ الکرم: ایٹن ہال، انگلستان۔ ۲۰۰۶۔ ۱۲۔ ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ یوسف (۱۲)

یہ سورت مکی ہے، اس سورت کا نام "یوسف" ہے کیونکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کا بیان ہے۔ قرآن مجید میں کسی نبی کا قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان نہیں ہوا جس قدر تفصیل کے ساتھ سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو احسن القصص (بہترین قصہ) کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے ذریعہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ اہل مکہ کی مخالفتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام کی طرح ان کے ناپاک منصوبے ناکام ہو جائیں گے اور بالآخر ایک دن ان کو آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اس واقعہ کے ذریعہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو دعوتِ فکر دی ہے کہ آج تم حسد کی وجہ سے اپنے بھائی کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا مگر بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی بھائی کے قدموں میں لا کھڑا کیا جس کو انہوں نے انتہائی بے رحمی سے کنویں میں پھینکا تھا، اسی طرح ایک دن تمہیں بھی اپنے اسی بھائی سے رحم کی بھیک مانگنا پڑے گی جس کو آج تم مٹا دینے کی فکر میں ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے کئی احوال ایسے ہیں جن میں کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں پھینک کر شہید کرنے کی کوشش کی، اسی طرح قریش نے بھی ہجرت کی رات نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے برائی پر آمادہ کرنے کے لئے دُنیاوی ترغیبات دیں مگر ان کے انکار کرنے کے نتیجہ میں انہیں قید کر دیا گیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو بھی بتوں کی مخالفت چھوڑنے کے لئے دنیاوی ترغیبات دی گئیں مگر انکار کے نتیجہ میں آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر کی حکومت عطا کی اور بالآخر بھائیوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو معاف کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مکہ کی حکومت عطا کی تو آپ ﷺ نے بھی اپنے بدترین دشمنوں سے فرمایا: میں تمہیں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مختصر حالات

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قیام فلسطین کے شہر الخلیل (حبرون) میں تھا، ان کے بارہ بیٹے تھے، ان میں سے دو یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے چھوٹے بھائی بن یامین ایک بیوی (راحیل) سے تھے اور باقی دس بیٹے دوسری بیویوں سے تھے۔ بن یامین کی پیدائش کے چند دن بعد ان کی ماں راحیل فوت ہو گئیں۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین بچپن میں ہی ماں سے محروم ہو گئے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: بارہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور

سورج اور چاند آپ علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔ (تفسیر منیر: زیر آیت نمبر ۴) کیونکہ اس خواب کی تعبیر بالکل واضح ہے۔ اس میں تمہاری عظمت کا بیان ہے اور تمہارے بھائی تم سے پہلے ہی حسد کرتے ہیں۔ جب انہیں اس خواب کا پتہ چلا تو وہ اور زیادہ حسد کرنے لگیں گے اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہارے بھائیوں کو کوئی ایسی ترغیب دے گا جس سے وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد ان کے ماں باپ ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ راحیل اگرچہ اس واقعہ سے پہلے فوت ہو چکی تھیں مگر ان کی خالہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں آ چکی تھیں۔ (تفسیر قرطبی: زیر آیت نمبر ۴) خالہ ویسے بھی ماں کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔ خصوصاً جب وہ والد کے نکاح میں آ جائے تو پھر اس کو ماں کہنا بالکل ظاہر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام صورت اور سیرت کے اعتبار سے باقی بھائیوں میں لاجواب تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو آپ سے زیادہ محبت تھی جس کی وجہ سے دوسرے بھائیوں کے دل میں حسد پیدا ہو گیا اور انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو کسی گہرے کنویں میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ بھائیوں نے سیر و تفریح اور شکار کے بہانے سے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کے لئے اپنے باپ سے اجازت لی اور جنگل میں یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں پھینک دیا اور ان کے قمیص کو بکری کے خون سے رنگین کر کے باپ سے کہا کہ ہم دوڑ میں مقابلہ کرنے گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ اتنے میں بھیڑیا آیا اور یوسف علیہ السلام کو کھا گیا، لہٰذا ہمیں بہت افسوس ہے اور ہم معذرت خواہ ہیں۔

کنویں میں پانی کی سطح سے بلند ایک بڑا پتھر تھا جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے تین دن بسر کئے۔ اتفاق سے انہی دنوں ایک تجارتی قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا، وہ پانی لینے کے لئے اس کنویں پر آیا اور یوسف علیہ السلام کو نکال کر مصر لے گیا اور غلام بنا کر بیچ دیا۔

مصر کے وزیر خزانہ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو خرید کر اپنے گھر رکھا۔ عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور اس کی سہیلیوں نے یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف راغب کیا۔ یوسف علیہ السلام نے انکار کر دیا مگر ان پر جھوٹا الزام لگا کر انہیں جیل میں قید کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ کردار اور عظیم اخلاق کی وجہ سے سارے قیدی حتیٰ کہ جیل کے افسر بھی آپ کا احترام کرنے لگے۔ نیز خوابوں کی تعبیر بتانے میں انہیں خصوصی شہرت حاصل ہو گئی۔

اس اثنا میں بادشاہ مصر نے خواب میں دیکھا کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور سات خشک خوشے۔ بادشاہ نے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا: یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے صرف منتشر خیالات ہیں لہٰذا ہم اس کی تعبیر نہیں جانتے۔ ایک درباری جو جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رہا تھا اس نے کہا: جیل میں ایک یوسف نامی نیک نوجوان ہے وہ اس کی تعبیر بتا سکے گا مجھے اجازت دو میں اس سے اس کی تعبیر پوچھ کے آتا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: سات موٹی گایوں اور سات سبز خوشوں سے مراد یہ ہے کہ تمہارے پہلے سات سال خوش حالی میں گزریں گے جن میں زمین خوب پیداوار دے گی اور

سات دُبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ تمہارے بعد والے سات سال قحط میں گزریں گے جن میں پیداوار نہیں ہوگی۔ اور اس مصیبت کا حل یہ ہے کہ خوشحالی کے سات سالوں میں خوب کاشت کرو اور قحط کے دنوں کے لئے غلہ محفوظ کرلو۔

بادشاہ نے جب یہ تعبیر سنی تو وہ یوسف علیہ السلام کے علم وحکمت اور ان کی عظمت کا گرویدہ ہوگیا اور حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو فوراً میرے پاس لے آؤ۔ قاصد جب بادشاہ کا حکم رہائی لے کر جیل میں پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے باہر نکلنے سے انکار کردیا اور فرمایا: واپس جاکر بادشاہ سے کہو کہ میں مشکوک حالت میں باہر نہیں آؤں گا، پہلے اس الزام کی تحقیق کی جائے جس کی وجہ سے میں بارہ سال سے جیل میں قید ہوں۔ (تفسیر کبیر: زیر آیت نمبر ۵۰) بادشاہ نے جب زلیخا اور دیگر متعلقہ عورتوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی حتیٰ کہ زلیخا نے بھی صاف صاف اقرار کرلیا کہ میں ہی قصوروار تھی یوسف علیہ السلام بالکل سچے ہیں۔ اس تحقیق کے بعد بادشاہ کی عقیدت اور بڑھ گئی اور وہ اس فرشتہ سیرت جوان کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہوگیا۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر تیس سال تھی۔

(تفسیر کبیر: زیر آیت نمبر ۵۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب جیل سے نکال کر بادشاہ کے پاس لایا گیا تو بادشاہ نے تخت سے نیچے اُتر کر حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، پھر تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا کہ مجھے اب اس خواب کے حوالے سے کیا کرنا چاہیے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ خوشحالی کے سات سالوں میں غلہ زیادہ کاشت کریں اور بڑے بڑے گودام تعمیر کرکے ان میں غلہ جمع کرلیں، پھر جب قحط آئے گا تو یہ ذخیرہ شدہ غلہ مصر اور مضافات والوں کے کام آئے گا اور دور دراز سے سفر کرکے لوگ آپ کے پاس غلہ لینے آئیں گے اور اس غلہ کو فروخت کرنے سے آپ کے پاس مال وزر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہوجائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا۔ بادشاہ نے کہا: اس اہم کام کی نگرانی اور انتظام کون کرے گا؟ اگر میں شہر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کرلوں تو وہ اس کام کی تدبیر اور امانت کا حق ادا نہیں کرسکیں گے۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کردیں کیونکہ میں حفاظت کرنا اور حساب وکتاب رکھنا خوب جانتا ہوں۔ (تفسیر کبیر و تفسیر قرطبی: زیر آیت نمبر ۵۴)

حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف قحط کی مصیبت سے آگاہ کیا بلکہ اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتایا اور جب بادشاہ کو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے والا کوئی معقول آدمی نظر نہ آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو مشکلات اور ہلاکتوں سے بچانے کے لئے اپنی خدمات بھی پیش کردیں۔

بادشاہ آپ کے علم، کردار اور اخلاص سے اتنا متاثر ہوا کہ مصری حکومت کے جملہ اختیارات آپ کے سپرد کردیئے۔ (تفسیر منیر: زیر آیت نمبر ۵۵) مصر کے اختیارات سنبھالنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے عدل وانصاف کی ایسی فضا قائم کی کہ سارے لوگ آپ سے محبت کرنے لگے حتیٰ کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری: زیر آیت نمبر ۵۶) اور اس کے بعد مصر کے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔ (تفسیر قرطبی: زیر آیت نمبر ۵۶)

سورہ یوسف کی آیت نمبر ۵۵ کی تفسیر میں اہل علم لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ غیر مسلم حکمران کی طرف سے

کسی عہدے کو قبول کرلے بشرطیکہ اس کے فرائض میں کوئی ایسا کام شامل نہ ہو جو اسلام کے خلاف ہو۔ (تفسیر قرطبی: زیر آیت نمبر ۵۵) بادشاہ نے مصری حکومت کا سارا نظم ونسق حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کردیا۔ آپ نے کاشتکاروں کو غلہ زیادہ اگانے کی ترغیب دی اور بہت سا غلہ گوداموں میں محفوظ کرلیا اور خواب کی تعبیر کے مطابق سات برسوں کے بعد جب قحط سالی شروع ہوئی اور لوگوں کے پاس غلہ ختم ہوگیا تو اس وقت اس محفوظ شدہ غلہ کو ضرورت کے مطابق لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ اس طرح مصر کے لوگ تو قحط کی ہلاکتوں سے بچ گئے مگر مصر کے اردگرد کے ممالک میں غلہ بالکل نہیں تھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ مصر میں غلہ کے ذخائر موجود ہیں تو انہوں نے غلہ خریدنے کے لئے مصر کا رخ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر غیر ملکی کو ایک مخصوص وزن جس کو ایک اونٹ اُٹھا سکے دینے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے لوگوں کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو غلہ خریدنے کے لئے مصر بھیجا۔ جب وہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے کیونکہ درمیان میں چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت یوسف علیہ السلام بچے تھے اب چہرے پر داڑھی کی وجہ سے کافی تبدیلی آچکی تھی۔ نیز یہ بات تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ جس بھائی کو انہوں نے کنویں میں پھینکا تھا وہ آج مصر کا حکمران ہوگا۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی اچھی طرح میزبانی کی، انہیں غلہ دیا اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دوبارہ آنے کی دعوت دی۔ بالآخر تیسری بار حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کرادیا اور ان کی خطائیں بھی معاف کردیں اور پورے خاندان کو مصر میں آکر آباد ہونے کی دعوت دی۔

چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائی فلسطین سے ہجرت کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں پہنچے تو والدین اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ (تفسیر ابن کثیر: زیر آیت نمبر ۱۰۰) اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کیا: یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں آپ کو بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال بعد آج اس خواب کو سچا کر دکھایا۔ (تفسیر ابن کثیر: زیر آیت نمبر ۱۰۰)

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال تک رہے اور جب ان کی موت کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ انہیں فلسطین میں اپنے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب دفن کیا جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کی میت لے کر خود فلسطین آئے اور وہاں دفن کر کے پھر واپس مصر تشریف لے گئے، اور ۲۳ سال بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی انتقال ہوگیا۔

(تفسیر منیر: زیر آیت نمبر ۱۰۰)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

بروز بدھ ۲۰ دسمبر ۲۰۰۶ء

بمطابق ۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ

ایاتہا ۱۱۱ ۱۲ سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ①

۱۔ الف لام را [۱] یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ②

۲۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو سمجھ سکو۔[۲]

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

۳۔ ہم آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس قرآن کے ذریعے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، اگرچہ آپ اس سے پہلے (اس قصہ سے) بے خبر تھے۔[۳]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ ہو۔

[۲] امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا گیا کیونکہ یہ زبان دوسری زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ فصیح، واضح اور وسیع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) نیز قرآن مجید کے مخاطبین اوّل عرب لوگ تھے اور ان کو عربی سمجھنے میں آسانی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو عرب کہا جاتا ہے اور ان کی زبان عربی تھی۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین وجہ سے عرب سے محبت کرو کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن کی زبان عربی ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔

(مستدرک: جلد ۴: ص ۹۸۔ کنز العمال: حدیث نمبر ۳۳۹۲۲)

دنیا کی ہر زبان میں ایک صدی کے بعد کچھ نہ کچھ تبدیلی آجاتی ہے مگر عربی زبان چودہ صدیوں سے اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور ہمیشہ اسی حالت پر قائم رہے گی، کیونکہ یہ قرآن مجید کی زبان ہے اور قرآن مجید ہمیشہ اپنی اصلی حالت پر ہی رہے گا۔

[۳] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر طبری) یعنی اس قرآن کے ذریعے ہم آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو سب سے اچھا قصہ کہنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً قرآن مجید میں کسی نبی کا قصہ اتنی تفصیل سے بیان نہیں ہوا جس قدر تفصیل کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بہت سے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝

۴۔ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا: اے میرے والد محترم! بے شک میں نے گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا، میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔[۴]

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

۵۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

ہیں جو انسانی رہنمائی کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز حضرت یوسف علیہ السلام اور برادرانِ یوسف علیہ السلام کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ ان واقعات سے مشابہت رکھتے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان پیش آنے والے تھے۔ ان واقعات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی اور قریش کے لئے دعوتِ فکر تھی۔ ان کی تفصیل اس سورت کے تعارف میں دیکھی جا سکتی ہے۔

[۴] حضرت یوسف علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ان کو سجدہ کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، کیونکہ اس خواب کی تعبیر بالکل واضح ہے، اس میں تمہاری عظمت کا بیان ہے اور تمہارے بھائی تم سے پہلے ہی حسد کرتے ہیں۔ جب انہیں اس خواب کا پتہ چلا تو وہ اور زیادہ حسد کرنے لگیں گے اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ تمہارے بھائیوں کو کوئی ایسی ترغیب دے گا جس سے وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اس خواب کی تفصیل کے لئے پیچھے اس صورت کا تعارف ملاحظہ کریں۔

اچھے اور بُرے خواب

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور وہ اس خواب کو بیان کرے اور جب وہ کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور وہ خواب کسی کے سامنے بیان نہ کرے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔

(بخاری: کتاب التعبیر: باب ۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(بخاری: کتاب التعبیر: باب ۱۰)

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؑ ۝

۶۔ اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں باتوں کا انجام (خوابوں کی تعبیر) سکھائے گا اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت پوری فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر پورا فرمایا تھا، بے شک آپ کا رب خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ [۵]

ع

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝

۷۔ بے شک یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ [۶]

۲۔ جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(بخاری: کتاب التعبیر: باب ۱۰)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں ستر اور کچھ مرتبہ دیکھا ہے۔

(الکواکب السائرہ: جلد اول: ص ۲۲۹)

[۵] جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عظیم خواب دکھایا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تم کو بڑے عظیم کاموں کے لئے منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر اور معاملہ فہمی کا ملکہ بھی عطا فرمائے گا۔ نیز جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا تھا اور انہیں نبوت کا تاج بھی عطا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اور آلِ یعقوب علیہ السلام پر بھی اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری فرمائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت بھی عطا فرمائی اور مصر کی حکومت دے کر اس خواب کی عملی تعبیر بھی دکھائی۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی حقیقت کو خوب جانتا ہے اور اس کی صلاحیت کے مطابق اس کو فیض یاب فرماتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

[۶] اسلام کی خبر جب مدینہ پہنچی تو یہود مدینہ نے چند آدمی مکہ بھیجے تا کہ وہ کفار مکہ کے ساتھ مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کریں اور ان سے پوچھیں کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو بتائیں وہ کون سا نبی تھا جس کا ایک بیٹا شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گیا؟ یہود مدینہ جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہیں ہیں، نیز مکہ میں کوئی تورات کا عالم بھی نہیں ہے، لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم نہیں ہوگا۔

اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف نازل فرمائی اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات اس قدر تفصیل سے بیان فرمائے کہ اتنی تفصیل تو یہود کی اپنی مقدس کتاب تورات میں بھی نہیں تھی، نیز یہ اس چیز کا بین ثبوت تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ ۝۸

۸۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے (آپس میں کہا) کہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں، بے شک ہمارے باپ کھلی خطا پر ہیں۔[۷]

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹

۹۔ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو یا کسی علاقہ میں پھینک آؤ تا کہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے اور اس کے بعد (توبہ کرکے) نیک جماعت بن کے رہنا۔[۸]

ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ اس تسلی بخش جواب کے مل جانے کے بعد بھی اگر یہ پوچھنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو برادرانِ یوسف علیہ السلام کی طرح ان کو بھی بالآخر ندامت اُٹھانا پڑے گی۔

اس قصہ میں یہود مدینہ اور کفار مکہ کے لئے ہدایت اور عبرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، نیز جو انسان زندگی کے نشیب و فراز میں حق پر ثابت قدم رہتا ہے، مصائب پر صبر کرتا ہے اور دشمنوں پر قابو پانے کے بعد ان سے درگزر کرتا ہے وہ بالآخر کامیاب ہوتا ہے۔

[۷] حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یامین سے ان کے باپ زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ وہ دونوں چھوٹے تھے، ان کی ماں فوت ہو چکی تھیں، نیز وہ دونوں اور بالخصوص حضرت یوسف علیہ السلام صورت اور سیرت کے اعتبار سے بھی باقی بھائیوں میں لاجواب تھے مگر باپ کے اس طرزِ عمل سے دوسرے دس بھائیوں کے دل میں حسد پیدا ہو گیا اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ تعداد میں وہ زیادہ ہیں، نیز وہ جوان اور طاقتور ہیں گھر کے جملہ اخراجات کا انتظام بھی وہ کرتے ہیں، لہٰذا وہ زیادہ محبت کے مستحق ہیں اور ان کے مقابلہ میں چھوٹے بیٹوں سے زیادہ محبت کرنا ان کے باپ کی ناانصافی اور کھلی خطا ہے۔ اس سے ان کی مراد عقیدے کی خطا نہیں بلکہ دُنیاوی معاملات کی کم فہمی تھی۔

حسد اور رشک کی تعریف

کسی شخص کو اچھے حال میں دیکھ کر خوش ہونا اور اس جیسا بننے کی کوشش اور تمنا کرنا رشک کہلاتا ہے اور یہ اچھی چیز ہے مگر کسی شخص کو اچھے حال میں دیکھ کر اس سے بغض رکھنا اور اس کے اچھے حال کو برے حال میں بدلنے کی کوشش اور تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے اور یہ بہت بری چیز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔
(ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۹۰۳: کتاب الأدب: باب ۵۲)

[۸] برادرانِ یوسف علیہ السلام کا حسد جب حد سے بڑھ گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت اور توجہ کو ہم اپنی طرف متوجہ کر سکیں اس لئے یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو یا دور کسی گمنام علاقہ میں پھینک آؤ جہاں

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دو، اسے کوئی قافلہ اٹھالے جائے گا اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے (تو یہ کرو)۔[۹]

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم تو اس کے سچے خیر خواہ ہیں؟[۱۰]

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ آپ کل یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ وہ خوب کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: بے شک مجھے یہ بات غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو۔[۱۱]

سے وہ واپس نہ آسکے اور پھر اس گناہ سے توبہ کر کے نیک بن جاؤ۔ اس طرح ہماری سردردی اور بے چینی بھی ختم ہوجائے گی اور باپ کی توجہ بھی ہماری طرف مبذول ہوجائے گی۔ بن یامین کا معاملہ غالباً ان کے نزدیک زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے باپ کی زیادہ محبت کا اصل مرکز یوسف علیہ السلام ہیں اور بن یامین سے محبت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے تھی۔

[۹] ایک بھائی کہنے لگا: اگر تم نے یوسف علیہ السلام کو سامنے سے ہٹانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر ان کو قتل نہ کرو بلکہ شہر سے دور کسی تاریک اور گہرے کنویں میں پھینک دو۔ کوئی مسافر قافلہ پانی کی تلاش میں ادھر آئے گا تو وہ ان کو کنویں سے نکال کر اپنے ساتھ اپنے ملک میں لے جائے گا۔ اس طرح ہمارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا اور ناحق خون بہانے سے بھی بچ جائیں گے۔ چنانچہ سب بھائیوں نے اس تجویز پر اتفاق کرلیا۔

[۱۰] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی یوسف علیہ السلام کو باہر لے جانے کی کوشش کر چکے تھے مگر باپ نے انکار کر دیا ہوگا اس لئے اب ذرا تاکید کے ساتھ والد گرامی کو اطمینان دلانے کے لئے عرض کرتے ہیں کہ ابا جان! آپ ہم پر اعتماد کریں، ہم یوسف علیہ السلام کے خیر خواہ ہیں، کل یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ باہر جنگل میں سیر و تفریح اور شکار کے لئے جانے کی اجازت دے دیں تاکہ وہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور آپ کسی نقصان کی فکر نہ کریں ہم یوسف علیہ السلام کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔

[۱۱] حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو خدشات کا ذکر کیا، ایک تو یہ کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی ان کو غمگین کرے گی اور دوسرا یہ کہ اگر تم سیر و تفریح اور

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

۱۴۔ بھائیوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں پھر تو یقیناً ہم بالکل ناکارہ ہوئے۔ [۱۲]

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮

۱۵۔ پھر جب وہ اسے لے گئے اور سب اس پر متفق ہو گئے کہ اسے تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں اس وقت ہم نے اس کی طرف وحی کی (کہ گھبراؤ نہیں ایک وقت آئے گا) کہ تم یقیناً انہیں ان کے اس فعل سے آگاہ کرو گے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہوگا۔ [۱۳]

وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯

۱۶۔ اور وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ

۱۷۔ بھائیوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہم دوڑ میں مقابلہ کرنے گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس

شکار کے سلسلہ میں ادھر اُدھر ہوئے تو یہ بچہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اگر چہ اصل خطرہ تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے تھا مگر بھیڑیے کے ذریعہ اس کا اظہار کیا۔

[۱۲] بھائیوں نے کہا: اگر ہمارے ہوتے ہوئے یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بالکل ناکارہ ہوئے حالانکہ ایسا نہیں۔ آپ فکر نہ کریں، ہم دس بھائیوں کی ایک مضبوط جماعت ہیں اور اس کی حفاظت کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔

[۱۳] حضرت یعقوب علیہ السلام نے بالآخر بادل نخواستہ انہیں اجازت دے دی، چنانچہ وہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے اور پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت ان کو تاریک کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو تسلی کے لئے وحی فرمائی کہ گھبرانا نہیں ہم تیری حفاظت کریں گے اور آپ کو ایسے بلند مقام پر پہنچائیں گے کہ تیرے بھائی سائل بن کر تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور تم انہیں بتاؤ گے کہ تم نے اپنے بھائی کو کنویں میں پھینک دیا تھا اور انہیں یہ وہم و گمان بھی نہیں ہوگا کہ تم یوسف علیہ السلام ہو۔

محققین کی ایک بڑی جماعت کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں جس وحی کا ذکر ہے اس سے مراد نبوت ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو اسی کنویں میں نبوت عطا کی گئی۔ اس وقت اگر چہ آپ بچے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی عقل کو کامل کر دیا اور آپ میں وحی اور نبوت کو قبول کرنے کی ایسی صلاحیت رکھ دی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں رکھی تھی۔ (تفسیر کبیر) اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بالغ تھے اور آپ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ (تفسیر کبیر)

اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷

چھوڑ گئے، پس اُس کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں اگر چہ ہم سچے ہی ہوں۔ [۱۴]

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸

۱۸۔ اور وہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے، یعقوب علیہ السلام نے کہا: بلکہ تمہارے نفسوں نے اس بات کو (یعنی یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانا) تمہارے لئے آسان کر دیا، بہر حال اب صبر ہی بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔ [۱۵]

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا

۱۹۔ اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے اپنے پانی بھرنے والے کو بھیجا، پس اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) لٹکایا، وہ پکار اُٹھا: خوش خبری ہو، یہ ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے یوسف علیہ السلام کو مالِ تجارت سمجھ کر چھپا لیا، [۱۶] اور اللہ تعالیٰ

[۱۴] عشاء کے وقت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصنوعی طور پر روتے ہوئے باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان! یوسف علیہ السلام کے بارے میں آپ پہلے ہی ہم پر اعتماد نہیں کرتے تھے اب اگر ہم سچی بات کہیں تو بھی آپ یقین نہیں کریں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم دوڑ میں مقابلہ کرنے گئے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ اس اثنا میں بھیڑیا آیا اور یوسف علیہ السلام کو کھا گیا، مگر یہ جھوٹی کہانی تھی جو انہوں نے اپنا جرم چھپانے کے لئے تیار کی تھی۔

[۱۵] بھائیوں نے کنویں میں پھینکتے وقت یوسف علیہ السلام کا قمیص اُتار لیا، بکری ذبح کر کے اس کا خون یوسف علیہ السلام کے قمیص پر ڈال دیا اور قمیص کو پھاڑنا بھول گئے اور یہ جھوٹا خون دکھا کر باپ کو یقین دلانے لگے کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام قمیص کو دیکھ کر کہنے لگے: یہ بڑا عجیب بھیڑیا ہے جو بچے کو چیر پھاڑ کر کھا گیا ہے اور اس کے قمیص کو نہیں پھاڑا۔ دراصل یہ تمہاری جھوٹی اور من گھڑت کہانی ہے مگر میں صبر کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جو باتیں تم کر رہے ہو ان کی حقیقت کو آشکار فرما دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کے ساتھ تین اہم واقعات وابستہ ہیں:

۱۔ بھائیوں نے ان کے قمیص پر خون ڈال کر والد کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔

۲۔ زلیخا کے واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص بطور شہادت پیش ہوا یعنی اگر قمیص سامنے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام مجرم ہے اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا مجرم ہے اور قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا تھا، لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام معصوم تھے۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آنے کا سبب بنا۔

[۱۶] تین روز تک یوسف علیہ السلام کنویں میں رہے۔ (تفسیر منیر) کنویں میں پانی کی سطح سے بلند ایک بڑا پتھر تھا جس پر آپ نے تین دن بسر

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ [۱۷]

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

۲۰۔ اور انہوں نے یوسف علیہ السلام کو حقیر سی قیمت یعنی چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا اور وہ پہلے ہی یوسف علیہ السلام میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ [۱۸]

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۚ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور مصر کے جس شخص نے یوسف علیہ السلام کو خریدا اس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا: اس کو عزت واحترام سے ٹھہراؤ، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین (مصر) میں قرار بخشا اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر سکھا دیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۱۹]

کیے، اتنے میں ایک قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا، اس قافلہ نے اپنے ایک پانی بھرنے والے کو اس کنویں پر بھیجا، جب اس نے اپنا ڈول کنویں میں لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ڈول پکڑ لیا۔ پانی بھرنے والے نے کنویں میں ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو اُسے باہر نکالا اور قافلہ والوں کو بچے کے ملنے کی خوش خبری سنائی۔ اہل قافلہ نے مال تجارت سمجھ کر بچے کو چھپا لیا تاکہ اس کے کسی وارث کو اس کا پتہ نہ چلے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ مصر جا کر اس کو بیچ دیں گے۔

[۱۷] اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ پہلے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی ناقدری کی ہے اور اب قافلے والے ان کو غلام بنا کر بیچنے جا رہے ہیں مگر انہیں کیا خبر کہ یہ بچہ کل مصر کا حکمران بننے والا ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ کفار مکہ آج جو آپ کی ناقدری کر رہے ہیں وہ سب ہمارے علم میں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں ایک لمحہ میں تباہ کر دیں مگر ہماری حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اپنی قوت آزمائی کرنے دی جائے اور انجام کار حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب کیا جائے گا۔

[۱۸] مصر میں اہل قافلہ نے یوسف علیہ السلام کو بالکل حقیر سی قیمت یعنی چند درہموں کے عوض بیچ دیا اور وہ یوسف علیہ السلام میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں اس کا کوئی وارث نہ آ جائے۔ اس لئے انہوں نے بہت جلد اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ نیز انہیں یہ بچہ بغیر کسی محنت اور قیمت کے مل گیا تھا اور مفت میں ملی ہوئی چیز کی صحیح قدر نہیں ہوتی۔

[۱۹] مصر کا وزیر خزانہ جو عزیز مصر کے نام سے مشہور تھا اس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا اور اپنی بیوی زلیخا کو کہا: اس کو پورے عزت واحترام سے ٹھہراؤ۔ یہ بچہ بڑا خوش بخت نظر آتا ہے، یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا یعنی اُمور سلطنت میں ہماری مدد کرے گا یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں گے کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو جس طرح کنویں کی تاریکی اور قافلے کی غلامی سے نجات دی

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝

۲۲۔ اور جب یوسف علیہ السلام اپنے پورے شباب کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو نبوت اور علم عطا فرمایا اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔[۲۰]

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

۲۳۔ اور یوسف علیہ السلام جس عورت کے گھر میں تھے اس نے آپ کو اپنی طرف راغب کیا اور دروازے بند کر کے کہا: جلدی آ! یوسف علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی پناہ! بے شک میرے رب نے مجھے باعزت مقام بخشا ہے، بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔[۲۱]

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝

۲۴۔ اور بے شک زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور یوسف علیہ السلام بھی اس کا ارادہ کرتے اگر انہوں نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا، ایسا ہوا تاکہ ہم یوسف علیہ السلام سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔[۲۲]

اسی طرح مصر کے وزیر خزانہ کے گھر عزت و احترام کا ٹھکانہ عطا فرمایا، لہٰذا بظاہر حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اکثر لوگ صرف ظاہری اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں سمجھتے۔

[۲۰] حضرت یوسف علیہ السلام جب پورے شباب کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت، حکمت اور شریعت اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا۔ اسی طرح جو لوگ نیکوکار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اچھی جزاء عطا فرماتا ہے۔

[۲۱] زلیخا نے ایک دن دروازے بند کر کے یوسف علیہ السلام کو برائی کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میرے رب نے مجھے کنویں کی تاریکی سے نکال کر باعزت مقام سے نوازا ہے اور میں اس برائی سے بچنے کے لئے بھی اسی رب تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔ (تفسیر بحر محیط) کیونکہ تمہاری یہ دعوت بہت بڑا گناہ اور ظلم ہے اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

[۲۲] زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا مگر یوسف علیہ السلام اپنے رب کی روشن دلیل دیکھ چکے تھے اس لئے وہ برائی کا ارادہ کرنے والے نہیں تھے۔ وہ روشن دلیل کیا تھی؟ اس کے متعلق حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ نبوت تھی، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اسی کو سب سے زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری) کیونکہ نبی اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور اعلانِ نبوت کے بعد بھی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور وہ فطری طور پر اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ زنا حرام ہے، لہٰذا اس فطری علم اور پیغمبرانہ فراست

وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور زلیخا نے ان کا قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں نے زلیخا کے خاوند کو دروازے کے قریب کھڑا پایا، زلیخا نے کہا: اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔ [۲۳]

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اس نے مجھے اپنی طرف راغب کیا اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا قمیص آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹوں میں سے ہے۔ [۲۴]

کی بنا پر جونہی زلیخا نے برائی کی دعوت دی تو آپ فوراً پکار اٹھے: اللہ تعالیٰ کی پناہ! میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا، یہ قطعی حرام ہے۔

اس کارروائی کا ایک مقصد یہ بھی تھا تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ نبی کا تقویٰ اتنا اعلیٰ ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر بھی انہیں برائی اور بے حیائی سے دور رکھتا ہے۔ یہ تو ایک عورت تھی مگر نبی کے تقویٰ کے سامنے تو شیطان نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ناکامی کا اس طرح اعتراف کیا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ (قرآن: ۳۸:۸۲،۸۳) یعنی تیرے چنے ہوئے اور مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکتا اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے انہی چنے ہوئے مخلص بندوں میں سے ہیں پھر ان پر زلیخا کا داؤ کیسے چل سکتا ہے۔

[۲۳] جب زلیخا نے برائی کا اصرار کیا تو یوسف علیہ السلام باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے۔ زلیخا بھی دوڑی اور پیچھے سے قمیص پکڑ کر روکنے کی کوشش کی۔ جب یوسف علیہ السلام نہ رکے تو قمیص پیچھے سے پھٹ گیا۔ اسی کشمکش میں جب دونوں دروازہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ زلیخا کا خاوند سامنے کھڑا ہے۔ زلیخا نے اپنا جرم چھپانے کے لئے فوراً یوسف علیہ السلام پر الزام عائد کر دیا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کو قید کر دو یا دردناک عذاب دو۔

[۲۴] حضرت یوسف علیہ السلام اپنی فطری شرافت کے پیش نظر غالباً زلیخا کا راز فاش نہ کرتے مگر جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے تہمت کے ازالے اور عزیز مصر کو اپنے متعلق بدگمانی سے بچانے کے لئے حقیقت حال ظاہر کر دی کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے، دراصل اس نے مجھے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور میں نے انکار کر دیا اس لئے یہ میرے پیچھے دوڑی اور میرا قمیص بھی پھاڑ دیا۔ یہ جھگڑا ابھی چل ہی رہا تھا کہ اتفاق سے زلیخا کا ایک رشتہ دار ادھر آ گیا۔ عزیز مصر نے اس سے مشورہ طلب کیا کہ وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کیسے کرے۔ اس نے کہا: موقع کا گواہ تو کوئی ہے نہیں، لہٰذا قرینے کی گواہی یہ ہو سکتی ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کا قمیص آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے کیونکہ اس نے اپنے دفاع کی کوشش کی ہو گی جس سے یوسف علیہ السلام کا قمیص

وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور اگر ان کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یہ سچوں میں سے ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پھر جب اس نے یوسف علیہ السلام کا قمیص دیکھا کہ وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے کہا: بے شک یہ تم عورتوں کا ہی فریب ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔[۲۵]

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٜ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۹

۲۹۔ اے یوسف علیہ السلام! تم اس بات سے درگزر کرو اور (اے زلیخا!) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی قصور واروں میں سے ہے۔[۲۶]

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور شہر میں عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، اس (غلام) کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے، بے شک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔[۲۷]

پھٹا ہوگا اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام سچا ہے کیونکہ اس نے بھاگنے کی کوشش کی ہوگی اور زلیخا نے پیچھے سے قمیص کو پکڑ کر روکنے کی کوشش کی ہوگی جس سے قمیص پھٹا ہوگا۔

[۲۵] عزیز مصر نے جب یوسف علیہ السلام کا قمیص دیکھا کہ وہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ زلیخا جھوٹی ہے اس لئے اس نے زلیخا سے کہا: بے شک یہ تم عورتوں کا ہی فریب ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بڑا خطرناک ہوتا ہے۔

اس آیت میں عزیز مصر نے اپنی بیوی کا مکر دیکھ کر سب عورتوں کو مکار کہہ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ عزیز مصر کی اپنی رائے ہے، لہٰذا اس آیت کو بنیاد بنا کر ہر عورت کو مکار کہنا درست نہیں ہے کیونکہ بعض عورتوں کی شان بہت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عورتیں مکر کرنے پر آئیں تو ان کا مکر شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے مگر سب عورتیں مکار نہیں ہوتیں۔

[۲۶] عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا: غلطی زلیخا کی ہے، لہٰذا تم اس سے درگزر کرو اور کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا، اور زلیخا سے کہا: غلطی تم نے خود کی ہے اور تہمت یوسف علیہ السلام پر لگاتی ہو، لہٰذا تم یوسف علیہ السلام سے معافی مانگو۔

[۲۷] عزیز مصر نے اگرچہ اس واقعہ کو چھپانے کی کوشش کی مگر کسی طرح یہ واقعہ شہر میں مشہور ہو گیا اور عورتیں زلیخا پر تنقید کرنے لگیں کہ وزیر

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝

۳۱۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کی مکارانہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مجلس آراستہ کی اور ان میں سے ہر ایک کو (پھل کاٹنے کے لئے) ایک ایک چھری دے دی اور یوسف علیہ السلام سے کہا: ذرا ان کے سامنے نکل آؤ، ان عورتوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اس کی بڑائی کرنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور (بے ساختہ) پکار اٹھیں: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔[۲۸]

خزانہ کی بیوی ہو کر ایک غلام پر گرویدہ ہوگئی ہے اور اس کو اپنی طرف راغب کرتی ہے، یہ تو زلیخا کی بڑی حماقت اور صریح غلطی ہے۔

[۲۸] زلیخا نے جب شہر کی عورتوں کے طعنے سنے تو انہیں اپنے گھر میں دعوت پر بلایا، ان کے سامنے پھل اور چھریاں رکھ دیں اور یوسف علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان عورتوں کے سامنے آئیں، جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن میں اس قدر گم ہوگئیں کہ انہوں نے چھریوں سے اپنے ہاتھوں کو زخمی کر دیا اور بے ساختہ پکار اٹھیں کہ یہ بشر نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرشتے انسان سے خوبصورت ہوتے ہیں۔ دراصل ساری مخلوقات میں خوبصورت ترین شکل تو انسان ہی کی ہے مگر ان عورتوں نے چونکہ ایسا خوبصورت انسان پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے یوسف علیہ السلام کو فرشتہ قرار دیا۔ نیز فرشتوں میں شہوت نہیں ہوتی اور ان عورتوں نے جب دیکھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان میں سے کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کے نہیں دیکھا تو وہ اس کی شرافت اور عصمت کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھیں کہ وہ انسانیت کے پیکر میں کوئی عظیم فرشتہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے میں ایسی مگن ہوگئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو درد کا بالکل احساس تک نہ ہوا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام وہاں سے چلے گئے تو انہیں درد کا احساس ہوا اور عزیز مصر کی بیوی نے کہا: تم نے تو ایک لمحہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو دیکھا ہے اور تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو جو دن رات یوسف علیہ السلام کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا ہوگا تو وہ عورتیں بے ساختہ پکار اٹھیں: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۷: ص ۲۱۳۵)

امام ابن ابی حاتم کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے سامنے سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہ ہے وہ شخص جس سے محبت کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کر رہی تھیں، تم نے دیکھ لیا کہ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر مدہوش ہوگئیں کہ تم نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور تم کو بالکل درد نہ ہوا۔ جب انہوں نے اپنے زخمی ہاتھوں کی طرف دیکھا تو وہ درد کی شدت سے رونے اور چیخنے لگیں اور انہوں نے کہا: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے اور ہم آج کے مشاہدہ کے بعد اس

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ زلیخا نے کہا: یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں، اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچا رہا، اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جو میں اس سے کہتی ہوں تو اسے ضرور قید کر دیا جائے گا اور وہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا۔[۲۹]

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْۤ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! جس (گناہ) کی طرف مجھے یہ عورتیں بلاتی ہیں اس سے تو مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر کو دور نہ کرے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔[۳۰]

کی محبت کی وجہ سے تم کو ملامت نہیں کریں گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۷: ص ۲۱۳۷)

اس آیت کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (تفسیر دُرِّ منثور: جلد ۴: ص ۵۳۲)

[۲۹] زلیخا نے ان عورتوں سے کہا: یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر بے خود ہو گئیں کہ اپنے ہاتھ زخمی کر دیئے تو بتاؤ میں جو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں میری بے خودی کا حال کیا ہوگا؟ اور اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی کیا کہ میں نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے کی پوری کوشش کی مگر اس نے میری طرف توجہ نہیں کی اور یوسف علیہ السلام کان کھول کر سن لے کہ اب بھی اگر اس نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں اس کو ذلیل و رسوا کر کے جیل بھجوا دوں گی۔ مجلس میں شریک عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام سے سفارش کی کہ زلیخا تمہاری محسن ہے تم اس کی بات مان جاؤ۔

زلیخا کی بات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام پاک دامن رہے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ مصری معاشرہ میں اس وقت بدکاری کوئی معیوب چیز نہیں تھی بلکہ مغربی معاشرہ کی طرح ایک معمول تھا، اسی لئے تو زلیخا عورتوں کی بھری مجلس میں دوبارہ یوسف علیہ السلام کو برائی کی دعوت دے رہی ہے اور انکار کی صورت میں جیل میں بند کرنے کی دھمکی بھی دے رہی ہے۔

[۳۰] زلیخا کی دھمکی کے بعد جب عورتیں یوسف علیہ السلام سے سفارش کرنے لگیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھائے اور عرض کیا: اے میرے رب! جس گناہ کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اس سے تو مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے تاکہ میں تیری نافرمانی

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٤﴾

۳۴۔ پس یوسف علیہ السلام کی دعا ان کے رب نے قبول فرمائی اور ان سے عورتوں کے مکر کو دور کر دیا، بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ [۳۱]

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٣٥﴾

۳۵۔ پھر (یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ وہ اسے کچھ عرصہ کے لئے ضرور قید کر دیں۔ [۳۲]

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ

۳۶۔ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو جوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں (انگور سے) شراب

سے بچ جاؤں، لہٰذا تو مجھے ان کے مکر وفریب سے بچالے کیونکہ اگر تو مجھے ان کے مکر وفریب سے نہ بچائے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا:

۱۔ عادل امام (حکمران)۔

۲۔ وہ جوان جو اپنے رب کی عبادت میں سرگرم رہتا ہے۔

۳۔ وہ انسان جس کا دل مساجد کی آبادی میں لگا رہتا ہے۔

۴۔ وہ دو انسان جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کریں، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اکٹھے ہوں اور اسی کے لئے جدا ہوں۔

۵۔ وہ مرد جس کو حسن اور منصب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ انکار کرتے ہوئے کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

۶۔ وہ انسان جس نے اس طرح خفیہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

۷۔ وہ انسان جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ (بخاری: کتاب الاذان: باب ۳۶)

[۳۱] اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور حق پر اس قدر ثابت قدم رکھا کہ عورتوں کے مکر وفریب کا کوئی حملہ آپ کو متزلزل نہ کر سکا۔

[۳۲] حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی کئی نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں مثلاً قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا، زلیخا کا خود اعتراف کرنا کہ اس کی پوری کوشش کے باوجود یوسف علیہ السلام پاکدامن رہے اور دعوت کے موقع پر کسی عورت کی طرف نگاہ نہ اٹھانا وغیرہ۔ ان نشانیوں کو دیکھ کر سب کو یقین ہو چکا تھا کہ یوسف علیہ السلام پاکدامن اور بے گناہ ہیں اور پورے شہر میں وزیر خزانہ اور اس کی بیوی پر تنقید ہو رہی تھی۔ اب

خُبۡزًا تَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡهُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۶﴾

نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا: میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں، اس میں سے پرندے کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتایئے: بے شک ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے دیکھ رہے ہیں۔ [۳۳]

قَالَ لَا يَاۡتِيۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِيۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىۡ رَبِّىۡ ؕ اِنِّىۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: جو کھانا تمہیں (روزانہ) کھلایا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا، یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے، بے شک میں اس قوم کے دین کا تارک ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتی اور وہ آخرت کی بھی منکر ہے۔ [۳۴]

حکومت کے وزیروں نے اس بدنامی سے بچنے کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لئے جیل میں بند کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یوسف علیہ السلام ہی قصوروار تھا اسی لئے اس کو جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔

[۳۳] حضرت یوسف علیہ السلام کو جب جیل میں بھیجا گیا تو اتفاق سے اسی زمانہ میں دو اور جوان بھی جیل میں بھیجے گئے۔ ان میں سے ایک بادشاہ کے باورچی خانے کا نانبائی اور دوسرا شراب خانے کا ساقی تھا اور ان دونوں پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی تھی۔ وہ اپنی قید کاٹ رہے تھے کہ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے کیونکہ نہ صرف قیدی بلکہ جیل کے افسران بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ کردار اور عظیم اخلاق کی وجہ سے ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور اسی نیک نامی کے پیش نظر یہ دونوں قیدی بھی اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لئے آپ کے پاس آئے۔

[۳۴] حضرت یوسف علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو توحید کی تبلیغ کی جائے، چنانچہ انہیں تسلی دی کہ تمہارے کھانے کے آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں تعبیر بتا دوں گا مگر اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن یا نجومی نہیں ہوں، لہٰذا میں جو تمہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا وہ کاہنوں اور نجومیوں والے اندازے نہیں ہوں گے جن میں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ میری تعبیر ان سچے علوم کا حصہ ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے ہیں۔ بے شک میں ان لوگوں کے دین کا تارک ہوں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ میں اپنے آباء یعنی ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے دین کا تابع ہوں اور ہم سب انسانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور یہ توحید کا عقیدہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے یعنی توحید پر ایمان نہیں لاتے۔

وَ اتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِکَ بِاللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ عَلَیۡنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور میں اپنے آباء یعنی ابراہیم علیہ السلام، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے دین کا تابع ہوں، ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ﴿ؕ۳۹﴾

۳۹۔ اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سارے رب بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ جو سب پر غالب ہے؟ [۳۵]

یہاں پر ایک نکتہ قابل غور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مختلف مشکلات سے واسطہ پڑا مثلاً مسافر قافلہ نے آپ کو کنویں سے نکال کر غلام بنالیا اور مصر لے جا کر فروخت کر دیا، عزیز مصر نے آپ کو خریدا اور پھر زلیخا کے واقعہ کے بعد جیل میں قید کر دیا۔ ان تمام مواقع پر آپ نے صبر کیا اور کسی کو یہ نہیں بتایا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ہیں، حالانکہ اگر آپ بتا دیتے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں تو ممکن ہے مسافر قافلہ یا عزیز مصر آپ کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہ کرتا لیکن آپ نے دنیاوی عزت اور آرام کے لئے خاندانی شرافت کا سہارا نہیں لیا بلکہ جیل میں جب اعلیٰ کردار اور اخلاق کے ساتھ اپنی عظمت کا لوہا منوا لیا تو پھر ان کے سامنے اپنے عظیم خاندان کا تذکرہ کیا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو پہلے اعلیٰ کردار سے اپنی عظمت منوانی چاہیے اور اس کے بعد اپنے عظیم باپ دادا کے ذکر سے اپنی عظمت کو چار چاند لگانے چاہئیں، لیکن جو صرف باپ دادا کے نام سے عزت حاصل کرنا چاہے اور ان کے مطابق اپنا کردار پیش نہ کرے تو یہ اس کے باپ دادا کے لئے بھی بدنامی کا باعث ہوگا۔

کیراں والہ سیداں، گجرات (پاکستان) کے ایک عظیم شیخ الحدیث سید محمد یعقوب شاہ کے صاحبزادے سید محمد شعیب شاہ صاحب بلیک برن (انگلینڈ) نے ایک ملاقات میں مجھے بتایا کہ ان کے والد گرامی نے مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی مگر کہیں اپنے سادات اور اشراف ہونے کا ذکر نہیں کیا صرف یہی کہتے کہ وہ کھیتی باڑی کرنے والے لوگ ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ پہلے وہ خود اپنے علم اور کردار کو اس مقام پر پہنچائیں جو سادات خاندان کے شایانِ شان ہو، پھر اس کے بعد فخر کے ساتھ اپنے عظیم خاندان کا اظہار کریں گے۔

[۳۵] لوگوں نے بزعم خویش بہت سے رب بنالئے ہیں، کوئی سونے کا، کوئی چاندی کا، کوئی لکڑی کا اور کوئی پتھر کا، پھر بارش برسانے کے لئے الگ، شفا دینے کے لئے الگ، نفع پہنچانے کے لئے الگ اور رزق دینے کے لئے الگ۔ اے میرے جیل کے ساتھیو ذرا عقل سے سوچ کر بتاؤ یہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں جو محدود مقاصد کے لئے بنائے جاتے ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ بارش بھی برساتا ہے اور شفا بھی دیتا ہے، نفع بھی پہنچاتا ہے اور رزق بھی دیتا ہے؟ ظاہر ہے مختلف چیزیں لینے کے لئے کئی

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔[۳۶]

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر سے کھائیں گے، اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔[۳۷]

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۵

۴۲۔ اور یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے کہا جس کے بارے میں انہیں گمان تھا کہ وہ ان دونوں میں سے یقیناً نجات پانے والا ہے کہ تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا مگر شیطان نے اسے اپنے آقا کے پاس (یوسف علیہ السلام کا) ذکر کرنا بھلا دیا، پس یوسف علیہ السلام کئی سال قید خانہ میں ٹھہرے رہے۔[۳۸]

دروازوں پر ٹھوکریں کھانے کی بجائے ایک ہی دروازہ بہتر ہے جس سے ہر چیز مل جائے۔

[۳۶] اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے یہ معبود بننے کے لائق نہیں ہیں، تم نے خود ہی ان کو مختلف نام دے کر اپنا معبود سمجھ رکھا ہے اور تمہارے پاس کوئی عقلی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لئے کوئی دلیل نازل کی ہے، حالانکہ کسی چیز کو جائز یا ناجائز کرنے کا حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس نے کبھی غیر خدا کی عبادت کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیشہ سے اس کا یہی حکم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

[۳۷] توحید کی تبلیغ کے بعد یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ساقی اپنے آقا کو پھر شراب پلایا کرے گا اور نانبائی کو سولی دیا جائے گا، اس کی نعش سولی پر لٹکی رہے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ کھائیں گے۔ یہ تعبیر بالکل سچ ہے اور تقدیر الٰہی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، تین دنوں کے بعد ساقی کو اپنی پہلی ملازمت پر بحال کر دیا گیا اور نانبائی کو سولی چڑھا دیا گیا۔

[۳۸] حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ جب تم اپنے منصب پر بحال ہو جاؤ تو اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا کہ ایک اور آدمی بھی ناحق

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝٤٣

۴۳۔ اور بادشاہ نے کہا: میں نے (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک، اے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ [۳۹]

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۝٤٤

۴۴۔ انہوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝٤٥

۴۵۔ اور ان دو قیدیوں میں سے جس نے جیل سے رہائی پائی تھی اسے ایک مدت کے بعد (یوسف علیہ السلام) یاد آئے اور اس نے (بادشاہ سے) کہا: میں تم کو اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے ذرا (یوسف علیہ السلام کے پاس) بھیج دیجئے۔ [۴۰]

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝٤٦

۴۶۔ اے یوسف علیہ السلام! اے بہت سچ بولنے والے! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک، تاکہ میں (یہ تعبیر لے کر) لوگوں کے پاس واپس جاؤں شاید وہ (آپ کا عظیم مرتبہ) جان لیں۔ [۴۱]

جیل میں قید ہے مگر شیطان نے ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات بھلا دی اور یوسف علیہ السلام کو مزید چند سال جیل میں رہنا پڑا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے نکلنے کے لئے جائز اسباب تلاش کرنا اور غیر مسلم سے مدد لینا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

[۳۹] ایک رات بادشاہِ مصر کو خواب آیا جو اس آیت میں مذکور ہے، اس نے اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے کہا: ہم اس کی تعبیر نہیں جانتے کیونکہ یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے صرف منتشر خیالات ہیں، لہٰذا ان کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔

[۴۰] جیل سے رہائی پانے والے ساقی کو اب یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے بادشاہ سے کہا: قید خانہ میں ایک آدمی موجود ہے جو اس مشکل خواب کی تعبیر بتا سکے گا کیونکہ اس نے میرے خواب کی سچی تعبیر بتائی تھی لہٰذا مجھے جیل تک جانے کی اجازت دو میں اس سے تعبیر پوچھ کر آتا ہوں۔

[۴۱] ساقی نے جیل میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا: آپ بہت سچ بولنے والے ہیں! آپ نے میرے خواب کی سچی تعبیر بتائی تھی

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝۴۷

۴۷۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: تم لوگ حسبِ معمول سات سال تک کاشت کرو گے، پھر جو فصل تم کاٹو اُسے ان کے خوشوں میں ہی رہنے دو مگر تھوڑا سا (غلہ نکال لینا) جسے تم کھا لو۔ [۴۲]

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝۴۸

۴۸۔ پھر اس کے بعد سات (قحط کے) سخت سال آئیں گے وہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے جو تم نے ان (سالوں) کے لئے جمع کر رکھا ہوگا مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝۴۹ ع

۴۹۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں لوگ (پھلوں کا) رس نچوڑیں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝۵۰

۵۰۔ اور بادشاہ نے کہا: یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لے آؤ، جب یوسف علیہ السلام کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کی حقیقتِ حال کیا تھی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ بے شک میرا رب ان کے مکر کو خوب جانتا ہے۔ [۴۳]

اب ہمارے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے، درباریوں میں سے کوئی اس کی تعبیر نہیں بتا سکا، آپ اس کی تعبیر بتا دیں، اس سے ہمارے بادشاہ اور درباریوں کو خواب کی تعبیر بھی معلوم ہو جائے گی اور وہ آپ کے عظیم علم اور مرتبہ سے بھی آگاہ ہو جائیں گے۔

[۴۲] حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اعلیٰ اخلاق کے پیشِ نظر ساقی سے وعدہ پورا نہ کرنے کا شکوہ نہیں کیا بلکہ خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ آنے والی مشکلات پر قابو پانے کی تدبیر اور آخر میں خوشحالی کی خوش خبری بھی بیان فرما دی: یعنی سات موٹی گایوں اور سات سبز خوشوں سے مراد یہ ہے کہ تمہارے پہلے سات سال خوش حالی میں گزریں گے جن میں زمین خوب پیداوار دے گی اور سات دُبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ تمہارے بعد والے سات سال قحط سالی میں گزریں گے جن میں پیداوار نہیں ہوگی، لہٰذا خوشحالی کے سات سالوں میں خوب کاشت کرو، جب فصل کاٹو تو کفایت شعاری کے ساتھ تھوڑا سا اپنے کھانے کے لئے غلہ نکال لو اور باقی کو خوشوں میں ہی رہنے دو، اس طرح غلہ زیادہ محفوظ رہے گا اور قحط کے سالوں میں تمہارے کام آئے گا مگر قحط سالی میں بھی کفایت شعاری سے کھانا اور آئندہ کاشت کے لئے تھوڑا سا بچا کے رکھنا، پھر قحط کے سات سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں کثرت سے بارشیں ہوں گی، فصلوں اور پھلوں کی بہتات ہوگی اور لوگ پھلوں کے رس نچوڑیں گے۔

[۴۳] بادشاہ نے جب یوسف علیہ السلام کی تعبیر سنی تو ان کے علم و حکمت اور ان کی عظمت کا گرویدہ ہو گیا اور حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو فوراً میرے

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ بادشاہ نے پوچھا: (اے عورتو!) تمہارا وہ کیا واقعہ تھا جب تم نے یوسف ؑ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے کہا: خدا کی پناہ! ہم نے تو یوسف ؑ میں کوئی برائی نہیں پائی، عزیز کی بیوی نے کہا: اب تو حق ظاہر ہو چکا ہے، میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ [۴۴]

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ (یوسف ؑ نے کہا:) یہ اس لئے تھا تا کہ وہ (عزیز مصر) جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں اس کی خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر

پاس لے آؤ۔ قاصد جب بادشاہ کا حکم لے کر جیل میں پہنچا تو یوسف ؑ نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ آپ ۱۲ سال کے طویل عرصہ سے ناحق جیل میں بند تھے۔ (تفسیر کبیر) آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو فوراً باہر آ جاتا مگر آپ کا صبر و تحمل لاجواب تھا۔ قاصد سے فرمایا: واپس جا کر بادشاہ سے کہو کہ میں مشکوک حالت میں باہر نہیں آؤں گا۔ پہلے عورتوں کے اس مکر و فریب کی تحقیق کی جائے جس کی وجہ سے مجھے جیل میں قید کیا گیا تھا۔ میرا رب تو ان عورتوں کے مکر و فریب کو جانتا ہی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ، عزیز مصر اور سارے مصر والوں کے سامنے بھی یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ یوسف ؑ بے قصور تھے۔ تہمت کے ازالے اور تہمت سے بچنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تہمت کے مواقع سے بچو۔ (الفوائد المجموعہ للشوکانی: ص ۲۵۱)

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ اپنی زوجہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد کے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ دو انصاری آئے اور سلام کہہ کر چل پڑے۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے کہا: ذرا سن لو یہ خاتون جو میرے پاس کھڑی ہیں یہ میری زوجہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان دونوں انصاری حضرات پر یہ وضاحت گراں گزری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (آپ محسوس نہ کریں) بے شک شیطان خون کی طرح انسان کے اندر سرگرم رہتا ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ شیطان کہیں آپ دونوں کے دلوں میں کوئی غلط فہمی نہ ڈال دے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۰۳۵: ابواب الاعتکاف: باب ۸)

[۴۴] بادشاہ نے زلیخا اور دیگر متعلقہ عورتوں کو بلا کر پوچھا: اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف ؑ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم نے یوسف ؑ میں کوئی برائی نہیں پائی۔ سب عورتوں کی متفقہ گواہی کے بعد زلیخا نے بھی صاف صاف اقرار کر لیا کہ اب تو حق بالکل واضح ہو چکا ہے کہ میں نے ہی ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا لہٰذا قصوروار میں ہی ہوں وہ بالکل سچے اور بے قصور ہیں۔ سب عورتوں کی اس متفقہ گواہی کے بعد بادشاہ کی عقیدت بڑھ گئی اور وہ اس فرشتہ سیرت انسان کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہو گیا۔ بادشاہ نے قاصد کو بھیجا کہ یوسف ؑ سے کہو کہ سب عورتوں نے آپ کی پاکدامنی کا اقرار کر لیا ہے، لہٰذا آپ ہمارے پاس تشریف لائیں ہم پورے احترام سے آپ کا استقبال کریں گے اور آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے۔

کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ [۴۵]

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور میں اپنے نفس کی براءت (کا دعویٰ) نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ [۴۶]

وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ اور بادشاہ نے کہا: ان کو میرے پاس لے آؤ، میں ان کو اپنے لئے (مشیر) خاص کرلوں گا، پھر جب بادشاہ نے ان سے گفتگو کی تو کہا: (اے یوسف علیہ السلام!) بے شک آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم اور قابل اعتماد (مشیر) ہیں۔ [۴۷]

[۴۵] حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں نے یہ تحقیق اس لئے کروائی تا کہ عزیز مصر کو یقین اور اطمینان ہو جائے کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں، میں نے اس کی خیانت نہیں کی، نیز دنیا کو بھی پتہ چل جائے کہ خیانت کرنے والوں کے مکر کامیاب نہیں ہوتے۔ آخر ایک دن ان کی حقیقت ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

[۴۶] گزشتہ آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے کہ "میں نے عزیز مصر کی خیانت نہیں کی" پھر خیال آیا کہ میرا یہ دعویٰ کہیں غرور اور خود ستائی میں شمار نہ ہو جائے اس لئے فوراً اپنی عاجزی وانکساری کا اظہار کیا کہ میں اپنے نفس کے بے قصور ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے لیکن میرے رب کا رحم اور فضل ہے کہ اس نے مجھے زنانِ مصر کے مکر سے بچالیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے نیک اعمال کی نسبت اپنی طرف کر کے اس پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

نفس کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ نفس اَمّارۃ (قرآن: ۱۲: ۵۳) اس سے مراد وہ نفس ہے جو ہر وقت برائی کا حکم کرتا رہتا ہے اور جو انسان نفس امارہ کی اطاعت کرے گا وہ سرکش اور نافرمان ہوگا۔

۲۔ نفس لوَّامۃ (قرآن: ۷۵: ۲) اس سے مراد وہ نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جو انسان نفس لوامہ کی تنبیہ پر غور کرے گا وہ سچی توبہ کر کے نیک بن جائے گا۔

۳۔ نفس مُطمئِنّۃ (قرآن: ۸۹: ۲۷) اس سے مراد وہ نفس ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون اور اطمینان حاصل ہو اور جس انسان پر نفس مطمئِنّہ کا رنگ چڑھ جائے اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے۔

[۴۷] حضرت یوسف علیہ السلام کو جب جیل سے نکال کر بادشاہ کے پاس لایا گیا تو بادشاہ نے تخت سے نیچے اُتر کر حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: مجھے سرزمین (مصر) کے خزانوں پر (وزیر) مقرر کر دے، بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا خوب جاننے والا ہوں۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ

۵٦۔ اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں اقتدار بخشا تا کہ وہ جہاں چاہیں رہیں، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی

پھر تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا کہ مجھے اب اس خواب کے حوالے سے کیا کرنا چاہیے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ خوش حالی کے سات سالوں میں غلہ زیادہ کاشت کریں اور بڑے بڑے گودام تعمیر کر کے ان میں غلہ جمع کر لیں، پھر جب قحط آئے گا تو یہ ذخیرہ شدہ غلہ مصر اور مضافات والوں کے کام آئے گا اور دور دراز سے سفر کر کے لوگ آپ کے پاس غلہ لینے آئیں گے اور اس غلہ کو فروخت کرنے سے آپ کے پاس مال و زر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا۔ بادشاہ نے کہا: میرے اس کام کی نگرانی اور انتظام کون کرے گا؟ اگر میں شہر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کر لوں تو وہ اس کام کو نہیں کر سکیں گے۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کر دیں کیونکہ میں حفاظت کرنا اور حساب و کتاب رکھنا خوب جانتا ہوں۔ (تفسیر کبیر و تفسیر قرطبی)

حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف قحط کی مصیبت سے آگاہ کیا بلکہ اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتایا اور جب بادشاہ کو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے والا کوئی معقول آدمی نظر نہ آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو مشکلات اور ہلاکتوں سے بچانے کے لئے اپنی خدمات بھی پیش کر دیں۔

بادشاہ آپ کے علم، کردار اور اخلاص سے اتنا متاثر ہوا کہ مصری حکومت کے جملہ اختیارات آپ کے سپرد کر دیئے۔ (تفسیر منیر)
مصر کے اختیارات سنبھالنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے عدل و انصاف کی ایسی فضا قائم کی کہ سارے لوگ آپ سے محبت کرنے لگے حتیٰ کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ (تفسیر ابن جریر طبری: زیر آیت نمبر ۵٦) اور اس کے بعد مصر کے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر قرطبی: زیر آیت نمبر ۵٦)

کافر حکمران سے کسی عہدہ کو قبول کرنا:

اس سورت کی آیت نمبر ۵۵ کی تفسیر میں اہل علم لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافر حکمران کی طرف سے کسی عہدے کو قبول کرے بشرطیکہ اس کے فرائض میں کوئی ایسا کام شامل نہ ہو جو اسلام کے خلاف ہو۔ (تفسیر قرطبی)

دنیاوی مفادات کے لئے عہدے کا مطالبہ اور خودستائی کے لئے اپنی خوبیوں کا بیان اگرچہ اسلام میں درست نہیں ہے لیکن لوگوں کو مظالم سے بچانے اور ان کی سہولیات میں اضافہ کرنے کے لئے اگر کوئی عہدہ مل سکے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس سلسلے میں اگر ضرورت پڑے تو اپنی اہلیت اور قابلیت بتانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور ہم نیکو کاروں کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔[۴۸]

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

۵۷۔ اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور یوسف علیہ السلام کے بھائی (غلہ خریدنے مصر) آئے اور ان کے پاس حاضر ہوئے، پس یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔

وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور یوسف علیہ السلام نے جب ان کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا: اپنے پدری بھائی (بن یامین) کو میرے پاس لے آنا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔[۴۹]

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے صبر اور پاک دامنی کی وجہ سے مصر میں اس قدر عروج اور قبولِ عام عطا فرمایا کہ پورا ملک آپ کے گیت گانے لگا۔ آپ جہاں جاتے ہر جگہ انتہائی پذیرائی ہوتی حتیٰ کہ بادشاہ خود بھی آپ ہی کی رہنمائی کا طالب رہتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجر تو اس دنیا میں عطا فرمایا اور نیک لوگوں کے لئے آخرت کا اجر تو اس سے بھی بہتر ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے ایام میں سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں اس کے باوجود آپ بھوکے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے سیر ہو کر کھا لیا تو میں بھوکوں کو بھول جاؤں گا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے باورچی کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا صبح کا ناشتہ اسے دوپہر کو دیا کرے تا کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے اور بھوکوں کو یاد رکھے۔ (تفسیر قرطبی)

[۴۹] بادشاہ نے حکومت کا سارا نظم ونسق یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ آپ نے کاشت کاروں کو غلہ زیادہ اُگانے کی ترغیب دی، اس طرح بہت سا غلہ گوداموں میں محفوظ کر لیا گیا اور خواب کی تعبیر کے مطابق سات برسوں کے بعد جب قحط سالی شروع ہوئی اور لوگوں کے پاس غلہ ختم ہو گیا تو اس وقت اس محفوظ شدہ غلہ کو ضرورت کے مطابق لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ اس طرح مصر کے لوگ تو قحط کی ہلاکتوں سے بچ گئے مگر مصر کے اردگرد کے ممالک میں غلہ بالکل نہیں تھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ مصر میں غلہ کے ذخائر موجود ہیں تو انہوں نے غلہ خریدنے کے لئے مصر کا رخ کیا۔ یوسف علیہ السلام نے ہر غیر ملکی کو ایک مخصوص وزن جس کو ایک اونٹ اُٹھا سکے دینے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے لوگوں کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو غلہ خریدنے کے لئے مصر بھیجا۔ جب وہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ پس اگر تم اُسے میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے (غلے کا) کوئی پیمانہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ انہوں نے کہا: ہم اس کے متعلق اُس کے باپ کو ترغیب دیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔[۵۰]

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور یوسف ؑ نے اپنے غلاموں سے کہا: ان کی رقم (غلے کی قیمت چپکے سے) ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں، شاید وہ لوٹ کر آئیں۔[۵۱]

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ

۶۳۔ پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا:

اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ یوسف ؑ کو نہ پہچان سکے کیونکہ درمیان میں چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت یوسف ؑ بچے تھے اب چہرے پر داڑھی کی وجہ سے کافی تبدیلی آچکی تھی، نیز یہ بات تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ جس بھائی کو انہوں نے کنویں میں پھینکا تھا وہ آج مصر کا حکمران ہوگا، چنانچہ یوسف ؑ نے ان کے حالات پوچھے تو وہ کہنے لگے: ہم دس بھائی یہاں موجود ہیں۔ ماں کی طرف سے ہمارے دو اور بھائی بھی ہیں، ان میں سے ایک جنگل میں ہلاک ہوگیا تھا اور اس کے چھوٹے بھائی (بن یامین) کو ہمارے بوڑھے باپ نے اپنی تسکین کے لئے اپنے پاس رکھا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ بہر حال یوسف ؑ نے جب ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا: آئندہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے آنا۔ اب تو تمہیں تجربہ ہو چکا ہے کہ میں ہر ایک کے ساتھ پورا انصاف کرتا ہوں اور بہترین مہمان نواز بھی ہوں، لہٰذا میں تمہارے ساتھ بن یامین کی بھی خدمت کروں گا اور آخر میں دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم بن یامین کو ساتھ نہ لائے تو پھر تمہیں غلہ نہیں ملے گا اور میرے ساتھ ملاقات بھی نہیں ہو سکے گی۔

[۵۰] یوسف ؑ کے بھائیوں نے کہا: باپ سے بن یامین کا جدا کرنا اگرچہ بہت مشکل ہے لیکن ہم پوری کوشش کریں گے کہ وہ بن یامین کو مصر بھیجنے کے لئے راضی ہو جائیں اور ہمیں امید ہے کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

[۵۱] حضرت یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں سے غلے کی قیمت لینا مناسب نہ سمجھی اس لئے غلاموں کو حکم دیا کہ ان کی رقم چپکے سے ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب وہ گھر جا کر سامان کھولیں تو اپنی رقم کو پہچان لیں۔ اس طرح ہمارے احسان سے متاثر ہو کر مصر ضرور آئیں گے اور بن یامین کو بھی لے آئیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے پاس مزید غلہ خریدنے کی رقم ہی نہ ہو تو اسی رقم کو لے کر یہ دوبارہ غلہ خریدنے آسکیں گے۔

مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے، آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔[۵۲]

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں اس کے بارے میں بھی تم پر اس طرح اعتماد کرلوں جیسے اس سے پہلے میں اس کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتماد کر چکا ہوں؟ پس اللہ تعالی ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ [۵۳]

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں اپنی رقم (غلہ کی قیمت) پائی جو انہیں لوٹا دی گئی تھی، انہوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری رقم بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) بھی زیادہ لائیں گے یہ غلہ تھوڑا ہے۔[۵۴]

[۵۲] یوسف علیہ السلام کے بھائی جب مصر سے غلہ لے کر واپس گھر پہنچے تو غلہ کھولنے سے پہلے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: مصر کا بادشاہ بڑا خوش اخلاق، ہمدرد اور مہمان نواز ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا ہے اور مزید یہ بھی کہا ہے کہ ہم آئندہ بن یامین کو بھی ساتھ لائیں تو اس کے حصہ کا غلہ بھی دیا جائے گا اور اگر ہم بن یامین کو ساتھ نہ لے گئے تو وہ ہم میں سے کسی کو غلہ نہیں دے گا، لہٰذا آپ بن یامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

[۵۳] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں تم پر بن یامین کے بارے میں کیسے اعتماد کر سکتا ہوں جبکہ تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں میرے اعتماد کو مجروح کر چکے ہو۔

[۵۴] باپ سے ملاقات کے بعد جب وہ غلے کی بوریاں کھولنے لگے تو وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو رقم انہوں نے غلہ کی قیمت کی صورت میں ادا کی تھی وہ ساری رقم غلہ کی بوریوں میں رکھ کر انہیں واپس کردی گئی تھی، چنانچہ وہ دوڑتے ہوئے باپ کے پاس آئے اور انہیں خوش

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مجھے پختہ وعدہ دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤ گے سوائے اس کے کہ تم سب گھیر لئے جاؤ، پھر جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ وعدہ دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔[۵۵]

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۗ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹو! تم سب (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، میں نے اُسی پر توکل کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو اُسی پر توکل کرنا چاہیے۔[۵۶]

خبری سنائی کہ مصر کا بادشاہ ہم پر بڑا مہربان ہے اس نے ہماری رقم بھی واپس کر دی ہے، لہٰذا آپ بن یامین کو ہمارے ساتھ ضرور بھیجیں ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ اس طرح ہم گھر والوں کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) اور زیادہ لا سکیں گے کیونکہ یہ غلہ جو ہم لائے ہیں یہ ہماری ضروریات کے لئے بہت تھوڑا ہے اور ابھی یہ بھی علم نہیں کہ قحط کب تک جاری رہے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مزید غلہ لینے کے لئے دوبارہ جائیں اور سب کا حصہ لے کر آئیں۔

[۵۵] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں بن یامین کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مجھے پختہ وعدہ دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤ گے، ہاں! اگر تم سب کسی ایسی مصیبت میں گھر جاؤ جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو تو اس صورت میں مجھے تم سے کوئی شکوہ نہ ہوگا۔ جب سب بھائیوں نے پختہ وعدہ دے دیا تو ظاہری اسباب کی تسلی کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو بھائیوں کے ساتھ مصر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: جو کچھ ہم نے عہد و پیمان کئے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہی سب کا حقیقی نگہبان ہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی کسی کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

[۵۶] یوسف علیہ السلام کے بھائی بڑے صحت مند اور خوبصورت جوان تھے اس لئے باپ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ جب تم مصر میں داخل ہونے لگو تو تقسیم ہو کر مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اگر تم اکٹھے داخل ہوئے تو ممکن ہے تمہیں کسی کی نظر لگ جائے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے تو نہیں بچا سکتا کیونکہ اس کا حکم تو نافذ ہو کر ہی رہتا ہے اس لئے حقیقی توکل تو سب کو اللہ تعالیٰ ہی پر کرنا چاہیے، میں تو صرف

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ نہیں بچا سکتا تھا مگر یہ یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی، بے شک یعقوب علیہ السلام صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۵۷]

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بن یامین) کو اپنے پاس جگہ دی اور بتایا: بے شک میں تمہارا بھائی (یوسف علیہ السلام) ہوں، پس تم غمزدہ نہ ہونا جو وہ کیا کرتے تھے۔ [۵۸]

احتیاطی تدبیر کے پیش نظر نصیحت کر رہا ہوں کیونکہ نظر کا لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچ جانا برحق ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر کا لگ جانا برحق ہے۔ (بخاری: کتاب الطب: باب ۳۶) نیز جنوں کے اثرات اور نظر بد کے علاج کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ معوذتان یعنی قرآن مجید کی آخری دو سورتیں پڑھی جائیں یا ان کو پڑھ کر دم کیا جائے۔ (ترمذی: ابواب الطب: باب ۱۶)

تدبیر اور تقدیر میں توازن

امام رازی فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس زندگی میں اسباب کا مہیا کرنا ہر شخص پر فرض ہے لیکن اسے یہ یقین بھی ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور اس کی کوئی احتیاط اسے تقدیر کے فیصلے سے نہیں بچا سکتی۔ (تفسیر کبیر) یعنی ہر شخص اپنے عقل و فکر کے ساتھ ساری تدبیریں بروئے کار لائے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرے کہ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا لیکن جو لوگ صرف اسباب پر بھروسہ کر کے تقدیر کا انکار کر دیتے ہیں یا صرف تقدیر پر یقین کر کے اسباب کو چھوڑ دیتے ہیں وہ دونوں جہالت کا شکار ہیں۔

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت کر کے اپنی تدبیر کا فرض ادا کیا ہے اور ساتھ ہی اس یقین کا اعلان بھی کر دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کچھ اور ہے تو میری یہ تدبیر تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔

[۵۷] باپ کی ہدایت کے مطابق برادران یوسف مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر تھی جو انہوں نے بیٹوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے بتائی مگر چونکہ یعقوب علیہ السلام خداداد علم کے مالک تھے اس لئے انہوں نے اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیا کہ ان کی یہ تدبیر تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکے گی۔

[۵۸] جب وہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور بن یامین اکیلے رہ گئے تو ان کو

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝

۷۰۔ پھر جب یوسف ﷺ نے ان کا سامان تیار کیا تو اس نے پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا، پھر منادی نے اعلان کیا: اے قافلہ والو! بلاشبہ تم لوگ چور ہو۔ [۵۹]

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝

۷۱۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝

۷۲۔ انہوں نے کہا: ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں مل رہا اور جو کوئی اسے لائے گا اسے اونٹ کا ایک بوجھ (غلہ) دیا جائے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ [۶۰]

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝

۷۳۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

اپنے ساتھ ٹھہرنے کے لئے فرمایا۔ (تفسیر قرطبی) جب دونوں بھائی علیحدہ کمرہ میں اکٹھے ہوئے تو حضرت یوسف ﷺ نے فرمایا: میں تیرا بھائی یوسف ہوں اور ابھی اس راز کی بھائیوں کو اطلاع نہ دینا۔ یہ سن کر بن یامین فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور کہنے لگے: اب میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا، تو آپ نے فرمایا: اچھا پھر پیالہ چوری ہونے کا حیلہ کر کے آپ کو روک لیا جائے گا۔ ممکن ہے یوسف ﷺ نے بن یامین کو بھائیوں کے وہ واقعات بھی سنائے ہوں گے جس طرح انہیں کنویں میں پھینکا گیا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اب گزشتہ واقعات کو یاد کر کے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہمیں خیریت کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے۔

[۵۹] جب بھائیوں کا سامان تیار کیا گیا تو یوسف ﷺ نے بادشاہ کا پیالہ بنیامین کے سامان میں چھپا دیا۔ جب قافلہ چلا گیا تو محافظوں کو پیالے کی تلاش ہوئی اور انہیں شبہ گزرا کہ ابھی جو فلسطین والا قافلہ گیا ہے وہی اس پیالے کو لے گیا ہوگا، پس محافظین کا ایک دستہ اس قافلہ کے پیچھے دوڑا اور آواز دی: ٹھہر جاؤ تم تو ہمارے چور معلوم ہوتے ہو۔ وہ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے اور پوچھا: تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟

[۶۰] محافظ دستہ کے سردار نے کہا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو شخص تفتیش سے قبل وہ پیالہ ہمارے حوالے کر دے میں ضمانت دیتا ہوں کہ اُسے انعام کے طور پر ایک اونٹ کا بوجھ غلہ دیا جائے گا۔ اس پر بن یامین تو خاموش رہے لیکن دیگر برادرانِ یوسف ﷺ چونکہ اس مقصود سے بے خبر تھے انہوں نے قسم کھا کر کہا: ہم دو بار اس ملک میں آ چکے ہیں ہم نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، لہٰذا اب تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اس ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴۔ انہوں نے کہا: اس (چور) کی کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے نکلے؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے وہ (پیالہ) نکلے تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ [۶۱]

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

۷۶۔ پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بن یامین) کے سامان سے پہلے ان (دیگر بھائیوں) کے سامان کی تلاشی لینا شروع کی اور آخر کار اپنے بھائی کے سامان سے پیالہ برآمد کر لیا، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو تدبیر بتائی تھی ورنہ بادشاہ مصر کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے [۶۲] مگر یہ کہ جیسے اللہ تعالیٰ چاہے، ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، [۶۳] اور ہر صاحب علم سے اوپر بھی ایک علم والا ہوتا ہے۔ [۶۴]

[۶۱] محافظ دستہ نے کہا: اگر تم جھوٹے نکلے اور پیالہ تم میں سے کسی کے سامان سے برآمد ہو گیا تو پھر تم خود ہی بتاؤ کہ اس کی سزا کیا ہوگی؟ چونکہ وہ مطمئن تھے کہ انہوں نے چوری نہیں کی اس لئے انہوں نے پورے اعتماد سے کہا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ برآمد ہو وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے اور ہمارے ہاں اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ایک سال تک اس شخص کا غلام ہو کر رہے جس کی اس نے چوری کی ہو۔

[۶۲] محافظ دستہ اس قافلہ کو عزیز مصر کے پاس لے آیا۔ یوسف علیہ السلام نے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاش لی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور آخر میں بن یامین کے سامان سے وہ پیالہ برآمد کر لیا اور اہل قافلہ کے اپنے فیصلے کے مطابق بن یامین کو روک لیا ورنہ بادشاہ مصر کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے کیونکہ چور کے متعلق مصری قانون یہ تھا کہ چور کو مارا جائے اور تاوان لے کر چھوڑ دیا جائے۔ بہر حال یہ ساری کاروائی اس تدبیر کے مطابق تھی جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بتائی تھی لہذا اس کاروائی کے کسی حصہ پر تنقید کرنا گویا اللہ تعالیٰ پر تنقید کرنے کے مترادف ہوگا۔

[۶۳] یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی عالم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو کئی درجے زیادہ علم عطا فرمایا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ایسی حکمت عملی استعمال کی کہ ان کے بھائی بن یامین کو مصر میں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

[۶۴] اس دنیا میں ہر بڑے عالم سے بھی بڑا عالم ہوتا ہے اور آخر میں یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پہ جا کر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا عالم

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝

۷۷۔ انہوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے (تو کوئی تعجب نہیں) بے شک اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی، پس یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ کیا، (دل میں ہی) کہا: تمہارا حال بہت برا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ [٦٥]

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

۷۸۔ انہوں نے کہا: اے عزیز مصر! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں، بیشک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے پاتے ہیں۔ [٦٦]

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ ع

۷۹۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی پناہ! کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، پھر تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

۸۰۔ پھر جب وہ یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے تو الگ جا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے، ان کے بڑے بھائی نے

ہے۔ (تفسیر قرطبی) اس لئے کسی کو اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہے۔

[٦٥] انہوں نے کہا: بن یامین ہمارا سگا بھائی نہیں ہے، یہ دوسری ماں سے ہے، اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام نے بھی چوری کی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی اس دلآزار بات کو سنا مگر چونکہ ابھی اس راز کو کھولنے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا جواب دل میں چھپائے رکھا اور ان پر ظاہر نہیں کیا اور دل ہی دل میں بھائیوں کے بارے میں کہنے لگے: تمہارا حال بہت برا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے جھوٹ کو خوب جانتا ہے۔

[٦٦] انہوں نے کہا: اے عزیز مصر! ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اگر یہ ہمارے ساتھ نہ گیا تو وہ اس کا صدمہ برداشت نہیں کر سکے گا، لہٰذا آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی اور کو پکڑ لیں لیکن اس کو چھوڑ دیں۔ آپ نے پہلے بھی ہمارے ساتھ بڑے احسان کئے ہیں اور اب بھی ہم آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ کی پناہ! ہم یہ ظلم نہیں کر سکتے کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ تعالیٰ کی قسم لے کر پختہ وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے حق میں جو زیادتی تم کر چکے ہو (وہ بھی تمہیں معلوم ہے)، سو میں تو اس ملک کو ہرگز نہ چھوڑوں گا جب تک مجھے میرے باپ اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ [۶۷]

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے (اس لئے وہ گرفتار کرلیا گیا) اور ہم نے صرف وہی گواہی دی ہے جو ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں تھے۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) اس بستی والوں سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے (پوچھ لیں) جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچ بول رہے ہیں۔

[۶۷] جب وہ یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے کہ یہ تو بن یامین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو علیحدگی میں بڑے بھائی نے کہا: تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ نے بن یامین کی حفاظت کے بارے میں پختہ وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارے میں تم زیادتی کر چکے ہو۔ اب ہم بوڑھے باپ کو کیا منہ دکھائیں گے، لہٰذا میں تو اس ملک سے ہرگز نہ جاؤں گا حتیٰ کہ میرے باپ مجھے خود بلوائیں یا اللہ تعالیٰ میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے یعنی مجھے ایسی توفیق عطا فرمائے کہ میں کسی طریقے سے بن یامین کو چھڑوا کر اپنے ساتھ لے آؤں، البتہ تم چلے جاؤ اور باپ کو صورت حال سے آگاہ کردو کہ بن یامین نے چوری کی یعنی حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ ہمارے سامنے اس کے سامان سے چوری کا پیالہ برآمد ہوا، اس لئے وہ گرفتار کرلیا گیا۔ چنانچہ بڑے بھائی کے علاوہ باقی نو بھائی واپس باپ کے پاس آگئے اور بن یامین کے بارے میں معذرت کی کہ ہم نے اس کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا وہ ہمارے علم اور اختیار کے مطابق تھا لیکن ہمیں اس غیب کا علم نہیں تھا کہ اس کے سامان سے چوری کا پیالہ برآمد ہوگا اور ہم اس کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے اور اگر ہمارے اس بیان پر آپ کو اعتبار نہ آئے تو مصر جا کر خود تحقیق کرلیں یا اس قافلہ سے تصدیق کرلیں جس کے ساتھ ہم واپس آئے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارے نفسوں نے اس بات کو (یعنی بن یامین کو چور تسلیم کر لینا) تمہارے لئے آسان کر دیا، اب صبر ہی بہتر ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا، بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔[٦٨]

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور یعقوب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے افسوس! یوسف علیہ السلام (کی جدائی) پر اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔[٦٩]

---

[٦٨] یہ قصہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: تم نے اپنے بھائی بن یامین کو چور کیوں تسلیم کیا، اس وقت تمہیں کہنا چاہیے تھا کہ ہمارا بھائی چوری کرنے والا نہیں۔ اس کے سامان میں پیالہ کسی اور نے رکھ دیا ہوگا مگر تم نے نہ صرف یہ کہ اس الزام کو فوراً تسلیم کر لیا بلکہ اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کو چور کہہ کر بن یامین پر چوری کے الزام کی مزید تصدیق کر دی حالانکہ بن یامین نے چوری نہیں کی، درحقیقت اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے میری مزید آزمائش کا ارادہ فرمایا ہے اور میں اس پر بھی صبر جمیل ہی کروں گا۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت یوسف علیہ السلام کب چاہتے ہوں گے کہ بوڑھے باپ کو مزید آزمائش میں ڈالا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات کا جو وقت مقرر کر رکھا تھا اس کے انتظار میں حضرت یوسف علیہ السلام خاموش تھے اور وقت سے پہلے اس راز کو نہیں کھول سکتے تھے یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہو رہا تھا۔ (تفسیر مظہری) اور اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ عنقریب یوسف علیہ السلام، بن یامین اور ان کے بڑے بھائی کے ساتھ میری ملاقات کرائے گا۔

[٦٩] حضرت یعقوب علیہ السلام کو بن یامین کی جدائی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی اور گھر والوں سے الگ ہو کر یوسف علیہ السلام کی جدائی پر افسوس کرنے لگے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی بعض اصحاب عرفان کا قول نقل کرتے ہیں کہ حسن یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے جمال الٰہی کا آئینہ بنا دیا گیا تھا۔ آپ چہرۂ یوسف علیہ السلام کے آئینے میں انوار خداوندی کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو انوار خداوندی کی لذت دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین و بے قرار ہو گئے (تفسیر روح المعانی) اور اتنا روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں مگر زبان سے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے زمانہ میں ایک دفعہ جبریل امین سے پوچھا: میرے باپ یعقوب علیہ السلام کا کیا حال ہے؟ جبریل امین نے جواب دیا: آپ کے غم میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئی ہیں (اور ان کی بینائی چلی گئی ہے) یوسف علیہ السلام نے پوچھا: کیا انہیں اس غم پر کوئی اجر ملے گا؟ جبریل امین نے کہا: ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ بیٹوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف علیہ السلام کو ہی یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ کی صحت بگڑ جائے گی یا آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔[۷۰]

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی

(ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۱۸۸۴) کسی صدمہ پر زبان سے چیخ و پکار کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے، البتہ دل اور آنکھوں سے رونا انسانی فطرت ہے اور یہ جائز ہے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ (بھی رو رہے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں، پھر آپ کی آنکھوں میں اور آنسو آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی جدائی سے غمزدہ ہیں۔ (بخاری: کتاب الجنائز: باب ۴۴)

۲۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بے ہوش دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رو پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم سنتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو بہانے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے ----- (بخاری: کتاب الجنائز: باب ۴۵)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے رُخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا سا شور مچائے وہ ہم سے نہیں ہے۔

(بخاری: کتاب الجنائز: باب ۳۶)

[۷۰] بیٹوں نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہر وقت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس کثرت گریہ وزاری سے آپ کی صحت بگڑ جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ آپ کی موت واقع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو آزماتا ہے اور جتنا بڑا کسی کا امتحان ہوتا ہے اتنا ہی بڑا اس کا اجر ہوتا ہے۔(ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۹۶: ابواب الزھد: باب ۵۶) انبیائے کرام علیہم السلام کا اجر چونکہ سب سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام، پھر جو ان کے قریب ہوں۔ بندہ اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو تو اس پر بہت شدید مصیبت آتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو وہ اس کے حساب سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، پھر بندہ پر مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۹۸: ابواب الزھد: باب ۵۶)

طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ [۷۱]

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ [۷۲]

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ سو جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی ہے اور ہم تھوڑی سی رقم لے آئے ہیں، آپ ہمیں پورا غلہ ناپ کر دیں اور ہم پر خیرات (خصوصی مہربانی) بھی کریں، بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ [۷۳]

---

[۷۱] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں کسی مخلوق سے شکایت کر کے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کر رہا بلکہ اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی داستانِ غم پیش کر رہا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسف علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (روح المعانی) ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا کہ تم نے میرے بیٹے یوسف علیہ السلام کی روح قبض کی ہے تو ملک الموت نے جواب دیا: ابھی تک نہیں کی۔ (ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۱۹۰۹)

[۷۲] حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ کتنے ہی مایوس کن حالات کیوں نہ ہوں وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہے تو اسے اس مایوسی سے نکال سکتا ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھتے ہوئے اپنی ہر امکانی کوشش جاری رکھتا ہے، لہٰذا اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور جاؤ یوسف علیہ السلام کو تلاش کرو اور بن یامین کو چھڑانے کی کوشش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ ان کا خواب ضرور پورا ہوگا اور آزمائش کا وقت گزرنے کے بعد وہ سب دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے۔

[۷۳] باپ کے حکم پر جب وہ مصر پہنچے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ پہلے گھر والوں کے لئے غلے کا مسئلہ حل کریں اور اس کے بعد یوسف علیہ السلام اور بن یامین کے بارے میں کوشش کریں گے۔ چنانچہ وہ سیدھے عزیزِ مصر یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں اپنی قحط سالی کی روداد سنائی کہ ہم انتہائی تنگدستی کا شکار ہو گئے ہیں اور اس دفعہ تو ہمارے پاس غلہ خریدنے کی پوری قیمت بھی نہیں ہے۔ آپ ہماری اس

قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوۡسُفَ وَ اَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم نادان تھے۔ [۷۴]

قَالُوۡۤا ءَاِنَّكَ لَاَنۡتَ يُوۡسُفُ‌ ؕ قَالَ اَنَا يُوۡسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِىۡ‌ قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا‌ ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ انہوں نے کہا: کیا واقعی تم ہی یوسف علیہ السلام ہو؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی یوسف علیہ السلام ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا، بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا لَخٰطِـئِيۡنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔ [۷۵]

تھوڑی سی رقم کو ہی قبول کریں، ہم پر خصوصی مہربانی کریں اور ہمیں پوری مقدار سے بھی زیادہ غلہ عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مہربانی کرنے والوں کو اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

[۷۴] بھائیوں نے جب قحط سالی اور تنگدستی کی روداد سنائی تو یوسف علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی انکشافِ حال کا وقت آ گیا تھا، لہٰذا یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کرانے کے لئے ان سے پوچھا: کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ اور ساتھ ہی ان کی پشیمانی کو کم کرنے کے لئے فرمایا کہ اس وقت تم اپنے اس فعل کی برائی اور اس کے انجام سے ناواقف تھے اس لئے تم سے یہ غلطی ہو گئی تھی۔

یہ سوال سنتے ہی بھائیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور جب انہوں نے غور سے دیکھا تو انہیں عزیز مصر کے چہرے پر اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے خدوخال نظر آئے اور حیرت سے پوچھنے لگے: کہیں آپ ہی یوسف علیہ السلام تو نہیں؟ فرمایا: ہاں! میں یوسف علیہ السلام ہوں اور یہ میرا بھائی بن یامین ہے اور اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بچا لیا، پھر مصر کا اقتدار دیا اور اب بھائیوں سے ملا دیا اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

[۷۵] آخر کار بھائیوں نے شرمندہ ہو کر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے، لہٰذا آپ ہمیں معاف کر دیں۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔[۷۶]

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

۹۳۔ میرا یہ قمیص لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا: اگر تم مجھے بڑھاپے سے بہکا ہوا خیال نہ کرو تو بے شک میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ [۷۷]

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

۹۵۔ گھر والوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک آپ تو اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔

[۷۶] یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا: آج میں تم سے کوئی انتقام لینے والا نہیں ہوں بلکہ میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی تمہیں معاف کردے۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات دریافت کئے تو بھائیوں نے بتایا: وہ تو آپ کے غم میں رو رو کر نابینا ہو گئے ہیں۔ اس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم میرا یہ قمیص لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو تو ان کی بینائی واپس آجائے گی اور پھر اپنے سارے خاندان کو لے کر میرے پاس مصر میں آجاؤ تاکہ ہم سب یہاں اکٹھے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اس کا شکر ادا کریں۔

[۷۷] جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ اگر تم مجھے بڑھاپے سے بہکا ہوا خیال نہ کرو تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج مجھے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے۔ گھر والوں نے کہا: آپ کو تو ہمیشہ یوسف علیہ السلام کے خواب ہی آتے رہتے ہیں حالانکہ ان کو فوت ہوئے عرصہ گزر چکا ہے۔ پتہ نہیں آپ کب یوسف علیہ السلام کا خیال دل سے نکالیں گے۔

یوسف علیہ السلام گھر کے قریب کنویں میں تھے اور پھر مصر میں رہے تو یعقوب علیہ السلام کو خوشبو نہیں آئی کیونکہ آزمائش میں صبر ہی بہترین ہتھیار ہوتا ہے، اور جب آزمائش کی گھڑی ختم ہونے کو تھی تو آپ کے بیٹے مصر سے یوسف علیہ السلام کا قمیص لے کر روانہ ہوتے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آجاتی ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶۔ پھر جب خوش خبری سنانے والا آپہنچا اور اُس نے وہ قمیص ان کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ فوراً بینا ہو گئے، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[۷۸]

[۷۸] جب بیٹوں کا قافلہ گھر پہنچا اور اس نے باپ کو یوسف علیہ السلام کی خوش خبری سنائی اور یوسف علیہ السلام کا قمیص باپ کے چہرے پر ڈالا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی فوراً لوٹ آئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا: یوسف علیہ السلام کس حال میں ہے؟ بیٹوں نے عرض کیا: وہ مصر کا بادشاہ ہے، فرمایا: بادشاہ ہے تو میں کیا کروں مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کس دین پر ہے؟ (بیٹوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ دین اسلام کے مقابلے میں بادشاہی کی کوئی حیثیت نہیں) بیٹوں نے کہا: وہ دین اسلام پر ہے، تو آپ نے فرمایا: اب نعمت پوری ہو گئی ہے۔ (تفسیر مظھری اور ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۱۹۷۹) اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بیٹوں سے فرمایا: کیا میں تمہیں نہیں کہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اس کو تلاش کرو مگر تم میری بات کو قابل یقین نہیں سمجھتے تھے۔ بیٹوں نے عرض کیا: اباجان! آپ بالکل صحیح تھے ہم ہی قصوروار تھے، ہم اپنے اعمال پر نادم ہیں اور توبہ کرتے ہیں، آپ بھی اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ جمعہ کی رات کو سحری کے وقت تمہاری مغفرت کے لئے دعا مانگیں گے۔ (تفسیر قرطبی) کیونکہ اس وقت کی دعا خصوصیت کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سحری کے وقت نماز سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! مجھ سے جو بے صبری یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ہوئی تھی اس کو معاف فرمادے اور میرے بیٹوں نے جو برا سلوک میرے اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا اس کو بھی بخش دے، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی: تمہارا اور تمہارے بیٹوں کا قصور میں نے معاف کر دیا۔ (تفسیر مظھری) اس سے معلوم ہوا کہ بیماروں کی شفا کے لئے بزرگوں کے تبرکات سے استفادہ کرنا یا بزرگوں سے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کرانا جائز ہے اور اگر ایسی دعا کرانا جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا ان کے بیٹوں کے حق میں قبول نہ فرماتا۔

دعائے مغفرت

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا جنت میں درجہ بلند کیا جاتا ہے تو وہ آدمی عرض کرتا ہے: مجھ پر یہ کرم کیسے ہوا؟ تو اسے جواب دیا جاتا ہے: اس استغفار کی وجہ سے جو تمہارے بیٹے نے تمہارے لئے کیا۔

(ابن ماجۃ: حدیث نمبر ۳۶۶۰: ابواب الأدب: باب ۱)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس مومن کے لئے چالیس اہل ایمان شفاعت کریں اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔ (ابن ماجۃ: حدیث نمبر ۱۴۸۹: ابواب الجنائز: باب ۱۹)

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: میری امت ایسی امت ہے

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ بیٹوں نے کہا: اے ہمارے باپ! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، بے شک ہم ہی خطاکار تھے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ؕ﴿۹۹﴾

۹۹۔ پھر جب (خاندان کے سب افراد) یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے قریب جگہ دی اور کہا: آپ مصر میں داخل ہو جائیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ یہاں امن سے رہیں گے۔ [۷۹]

وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ

۱۰۰۔ اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اوپر تخت پر بٹھایا اور سب یوسف علیہ السلام کے لئے سجدہ میں گر پڑے اور یوسف علیہ السلام نے کہا: اے میرے باپ! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا اور

جو خدا کی رحمت کے سائے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ میرے امتی گناہوں سے آلودہ قبروں میں داخل ہوتے ہیں اور جب قبروں سے نکلتے ہیں تو ان کا دامن گناہوں سے خالی ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی ان کے لئے کی جانے والی دعا ہائے مغفرت سے ان کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

(المعجم الأوسط للطبرانی: حدیث نمبر ۱۹۰۰: جلد ۲: ص ۵۲۳، مجمع الزوائد: جلد ۱۰: ص ۶۹)

[۷۹] یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو اپنی طرف سے دو سو اونٹ دیئے اور کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کریں کہ وہ ان اونٹوں پر اپنے بیٹوں، پوتوں اور خاندان کے تمام افراد کو لے کر مصر آ جائیں۔ (تفسیر قرطبی) جب یوسف علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ ان کے خاندان کا قافلہ مصر کے قریب آ گیا ہے تو یوسف علیہ السلام ایک بہت بڑے لشکر کو لے کر اپنے خاندان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے، اپنے والدین (باپ اور سوتیلی ماں) کو اپنے قریب لا کر ان سے گلے ملے اور عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ مصر شہر میں داخل ہو جائیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ یہاں امن سے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب فراق اور قحط کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے افراد خانہ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تو ان کی تعداد ۷۲ تھی اور جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۱۹۸۸)

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۱۰۰

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور تم کو گاؤں سے یہاں لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ناچاقی پیدا کردی تھی، بے شک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے لطف وکرم فرماتا ہے، بے شک وہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔[۸۰]

[۸۰] حضرت یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کے افراد کو لے کر مصر شہر میں داخل ہوئے، والدین کو اوپر تخت پر بٹھایا۔ اس موقع پر والدین اور بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ (تفسیر ابن کثیر) اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کیا: یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں آپ کو بتایا تھا، اللہ تعالیٰ نے چالیس سال بعد اس کو سچا کر دکھایا۔ (تفسیر ابن کثیر) اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانہ سے رہائی دی اور تم کو فلسطین سے یہاں مصر لے آیا حالانکہ شیطان نے تو میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ناچاقی ڈال دی تھی مگر اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے لطف وکرم فرماتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس چوبیس سال تک رہے اور جب ان کی موت کا وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ انہیں فلسطین میں اپنے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب دفن کیا جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کی میت لے کر خود فلسطین آئے اور وہاں دفن کر کے پھر واپس مصر تشریف لے گئے اور ۲۳ سال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی انتقال ہوگیا۔
(تفسیر منیر)

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی تدفین کی جگہ کے متعلق اہل مصر میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کی تدفین ان کے محلہ میں ہوتا کہ وہ ان کی قبر سے برکت حاصل کریں۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ پانی آپ کی قبر کو چھوتا ہوا گزرے اور پھر سب لوگوں کو ان کی برکت سے فیضیاب کرے۔ چنانچہ آپ کو سنگِ مرمر کے صندوق میں دریائے نیل کے اندر زمین میں دفن کیا گیا۔ آپ وہیں مدفون رہے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو وہ آپ کا صندوق نکال کر فلسطین لے آئے اور ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے قریب دفن کیا۔
(تفسیر زاد المسیر)

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد قبیلہ عمالقہ نے مصر کے تخت پر قبضہ کرلیا اور جو بھی سربراہ حکومت بنتا اس کو فرعون کا لقب دیا جاتا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو غیر ملکی سمجھ کر غلام بنالیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے، بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا اس لئے بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور بنی

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔[۸۱]

اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں۔

بروز ہفتہ ۲۷ جنوری ۲۰۰۱ء کو اس فقیر نے الخلیل (فلسطین) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مزارات کی زیارت کی۔

[۸۱] اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق یہ آخری آیت ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب سے دعا مانگتے ہیں۔ یہ دعا بڑی غور طلب ہے۔ آیئے ہم بھی اس عظیم نبی سے دعا مانگنے کا طریقہ سیکھیں کہ تخت مصر پر بیٹھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب سے کیا مانگتے ہیں اور کیسے مانگتے ہیں؟

پہلے اللہ تعالٰی کے احسانات کا اعتراف کیا کہ تو نے ہی مجھے ملک مصر کی بادشاہی عطا کی اور تو نے ہی مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا، پھر اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ تو ہی میرا کارساز حقیقی ہے۔ اگر تو مجھ پر فضل وکرم نہ فرماتا تو شاید میں کنویں میں ہی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اے میرے رب! جس طرح تو نے پہلے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے اسلام پر قائم رکھا میں آج بھی اس اسلام پر استقامت کی دعا کرتا ہوں کہ مجھے مرتے دم تک اسلام پر قائم رکھ اور مرنے کے بعد صالحین کی سنگت عطا فرما یعنی میرے باپ دادا کے ساتھ مجھے ملا دے۔

اے میرے رب! یہ فقیر پیرزادہ بھی سب سے پہلے تیرے احسانات کا اعتراف کرتا ہے کہ تو نے مجھے انسانوں میں پیدا فرمایا، اگر تو چاہتا تو مجھے کوئی اور قسم کا جانور بنا سکتا تھا، پھر تو نے مجھے مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا جہاں بچپن ہی سے اسلام کی سعادت میسر آگئی، پھر تو نے مجھے صحت، دولت، عزت، اولاد اور اپنے پسندیدہ دین کا علم عطا فرمایا، اگرچہ میں ان احسانات کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکا لیکن تو نے پھر بھی اپنے فضل وکرم کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ بے شک تو سب سے بڑا مہربان ہے تو ہی میرا کارساز حقیقی ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش اور دعا یہ ہے کہ تو اس مسکین بندے کو مرتے دم تک اپنے پسندیدہ دین اسلام پر قائم رکھ اور مرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آل پاک رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی سنگت عطا فرما۔ نیز میری اولاد، میرے خویش واقارب، میرے دوست احباب، میرے اساتذہ وطلبہ، جامعہ الکرم اور مسلم چیرٹی کے معاونین اور میرے چاہنے والے سب خواتین وحضرات کو صالحین کے ساتھ اکٹھا فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

اس آیت سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام مرنے کی دعا کر رہے ہیں، ہرگز نہیں، اسلام میں مرنے کی دعا کرنا جائز

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ (اے حبیب ﷺ!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنی سازش پر متفق ہو رہے تھے اور وہ مکر وفریب کر رہے تھے۔[۸۲]

وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ آپ کتنا ہی چاہیں۔[۸۳]

وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع

۱۰۴۔ اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ تو نہیں مانگتے، یہ (قرآن) تو صرف ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لئے۔[۸۴]

نہیں ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیک شخص ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہوسکتا ہے وہ توبہ کر لے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۷۲۳۵ کتاب التمنی: باب ۶)

[۸۲] اے میرے حبیب ﷺ! جب برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے ساتھ مکر وفریب کر رہے تھے اور یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش پر متفق ہو رہے تھے آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے، لہٰذا یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور آپ کو غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔

[۸۳] قریش اور یہود نے نبی کریم ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ دریافت کیا کیونکہ قریش جانتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ نے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی عالم کی شاگردی اختیار کی ہے اس لئے وہ اس قصہ سے یقیناً ناواقف ہیں لیکن جب آپ ﷺ نے اس واقعہ کی اتنی مفصل خبر دی کہ جتنی تورات میں بھی نہیں تھی تو اب انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ آپ پر ایمان لے آتے لیکن جب وہ ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر زاد المسیر) یعنی ان میں سے اکثر تعصب اور ہٹ دھری کی وجہ سے ایمان لانے والے نہیں ہیں، لہٰذا آپ ان کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

[۸۴] قرآن مجید تمام لوگوں کے لئے نصیحت اور خیر خواہی ہے اور میں جو قرآن کی تبلیغ میں سرگرم رہتا ہوں اس پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ تم اس قرآن سے نصیحت حاصل کرو۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر وہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔[۸۵]

وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنے والا عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔[۸۶]

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ‌ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ‌ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ آپ فرما دیجئے! یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں بھی واضح دلیل پر ہوں اور وہ بھی جس نے میری اتباع کی اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔[۸۷]

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى‌ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى

۱۰۹۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بستیوں کے رہنے والوں سے مردوں ہی کو (رسول بنا کر) بھیجا جن کی طرف ہم وحی

[۸۵] یعنی کفار مکہ نہ صرف یہ کہ آپ کی درد بھری تبلیغ کو غور سے نہیں سنتے بلکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں لیکن ان میں بھی غور نہیں کرتے اور روگردانی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اگر ایمان لاتے ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کی عبادت کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

[۸۶] یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے اور شرک میں سرگرداں رہتے ہیں کیا انہیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آگیا یا اچانک قیامت آگئی تو وہ کیا کریں گے؟ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیسے بچ سکیں گے؟

[۸۷] اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ سے فرمایا: تم توحید کو مانو یا نہ مانو بہر حال میرا تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختہ ایمان ہے اور اس کی توحید کی طرف دعوت دینا میرا مقصد حیات ہے۔ میں خود بھی اور میرے پیروکار بھی پوری بصیرت اور پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

کرتے تھے، کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ اور بے شک آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے ؟[۸۸]

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور منکر لوگ گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے تو رسولوں کے پاس ہماری مدد آ گئی، پس ہم نے جسے چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں جا سکتا۔ [۸۹]

---

[۸۸] کفار مکہ اکثر یہ اعتراض کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کوئی رسول بھیجنا تھا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا یہ محمد ﷺ تو ہماری طرح بشر ہیں یہ نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے بھی جتنے انبیاء بھیجے ہیں ان میں سے کوئی بھی فرشتہ نہیں تھا بلکہ سب بستیوں کے رہنے والے مرد ہی تھے۔

کیا ان لوگوں نے زمین میں کبھی سفر نہیں کیا؟ کیونکہ اگر یہ قوم عاد و ثمود وغیرہ کے کھنڈرات دیکھ لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ پہلے جن قوموں نے انبیائے کرام علیہم السلام کا انکار کیا ان کا کیسا برا اور دردناک انجام ہوا، تو پھر یہ عبرت حاصل کرتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے۔ بیشک جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں بہترین ٹھکانا ہوگا۔ کیا ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ دنیا کی چندروزہ راحت کو آخرت کی دائمی نعمتوں پر ترجیح دیتے ہیں؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت نبی نہیں بن سکتی۔ اس پر مزید معلومات کے لئے سورہ آل عمران (۳) کی آیت نمبر ۴۲ اور حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ کریں۔

[۸۹] سالہا سال کی تبلیغ کے بعد بھی جب متعصب کفار انکار پر ہی مصر رہے تو انبیائے کرام علیہم السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہونے لگے اور کفار بھی گمان کرنے لگے کہ یہ جو کہتے تھے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تمہارے اوپر عذاب آجائے گا، ہم ایمان نہیں لائے پھر بھی عذاب نہیں آیا، لہٰذا ہمیں ایسے ہی جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں کوئی عذاب آنے والا نہیں ہے۔ دراصل عذاب کی تاخیر سے انہیں غلط فہمی ہوئی مگر اتنے میں مہلت کی گھڑی ختم ہوئی، رسولوں کی بات پوری ہوئی اور مجرم قوم پر عذاب مسلط ہو گیا، البتہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو بچا لیا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

۱۱۱۔ بے شک ان قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے، یہ قرآن ایسی بات نہیں جو گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔[۹۰]

[۹۰] حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے والدین اور بھائیوں کے واقعات میں اہل عقل کے لئے بڑی نصیحتیں ہیں۔ نیز جس تفصیل اور عمدگی کے ساتھ ان واقعات کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس طرح پہلی کسی کتاب میں بیان نہیں ہوا، لہٰذا یہ اس چیز کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید کسی انسان کی تیار کی ہوئی کتاب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ہر ضروری چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے، لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے مگر اس سے استفادہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

سورہ یوسف کی تفسیر لکھنے کی ابتدا بروز بدھ ۲۰ دسمبر ۲۰۰۶ء مطابق ۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ کی تھی

اور آج بروز جمعرات بعد از نماز عشاء ۱۸ جنوری ۲۰۰۷ء مطابق ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ

کو تیس دنوں میں تکمیل پذیر ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الرعد (۱۳)

یہ سورت مکی ہے مگر اس کی بعض آیات کا نزول ہجرت کے بعد ہوا اس لئے بعض کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ اس سورت کا نام ''رعد'' ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں رعد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اس سورت میں مختلف طریقوں سے توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے اور ان کے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کو دور کیا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۱ میں قوموں کے عروج و زوال کا بنیادی اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو قومیں اپنا احتساب کرتی ہیں، برائیاں چھوڑ کر اچھائیوں کی راہ اپناتی ہیں وہی کامیاب ہوتی ہیں، پھر آیت نمبر ۱۷ میں ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں بقا اور استحکام اس قوم کو ملتا ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو اور جب کوئی قوم اس صفت سے محروم ہوگی تو لوگوں میں احساسِ محرومی اور اختلاف پیدا ہوگا اور اس قوم کا زوال شروع ہو جائے گا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے آج انسان کی زندگی اس قدر آرام دہ اور آسان بنا دی ہے کہ ایک سو سال پہلے کوئی انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر اس کے باوجود وہ بے چین اور مضطرب ہے اور ذہنی سکون کے لئے شراب اور ڈرگز کا سہارا لیتا ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد ہوتا ہے کہ دلوں کو ابدی سکون اللہ تعالیٰ کے ذکر سے میسر آتا ہے۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: یہ قرآن برحق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اور آخری آیت میں فرمایا: اگر کفار مکہ آپ کا انکار کرتے ہیں تو غمزدہ نہ ہوں آپ کی صداقت کے لئے صرف میری گواہی ہی کافی ہے۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

بروز منگل ۲۳ جنوری ۲۰۰۷ء

بمطابق ۳ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

آیاتها ۴۳ — ۱۳ سورة الرعد مدنیة ۹۶ — رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱

۱۔ الف لام میم را [۱] یہ کتاب (الٰہی) کی آیتیں ہیں، اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے وہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔[۲]

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

۲۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھ رہے ہو، پھر وہ (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ فرما ہوا اور سورج اور چاند کو نظام کا پابند بنا دیا، ہر ایک اپنی مقررہ میعاد کے لئے گردش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے وہ اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کرلو۔[۳]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ ہو۔

[۲] یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمائی۔ یہ کتاب برحق ہے، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اہل مکہ میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر منیر) اور وہ اللہ تعالیٰ کو ہی نہیں مانتے تو اس کی بھیجی ہوئی کتاب کو کیسے مانیں گے؟ اس لئے بعد والی آیات میں اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا جا رہا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں۔

[۳] اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے، سورج اور چاند کو ایک نظام کا پابند بنا دیا ہے جس کے مطابق وہ سرگرم عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر جلوہ گر ہے جس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، تاہم مقصد یہ ہے کہ اس ساری کائنات کی بادشاہی اور حکمرانی کا واحد مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی تدبیر سے نظام کائنات چل رہا ہے۔ یہ اس کی توحید اور قدرت کی واضح نشانیاں ہیں تاکہ تمہیں آخرت کا یقین ہو جائے یعنی جس طرح وہ اس وسیع دنیا کو پیدا کر کے اس کا عجیب و غریب نظام چلا رہا ہے اسی طرح وہ اس کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا جس میں ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡهٰرًا ؕ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ③

۳۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے، [۴] اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو جوڑے بنائے، [۵] وہ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

[۴] آسمانی دلائل کے بعد اب زمینی نشانیوں کو بیان کیا جارہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا تا کہ تم اس میں چلو پھرو اور قیام کرو، پہاڑ بنائے تا کہ تم ان سے معدنیات حاصل کرو، دریا بنائے تا کہ تم فصلوں کو سیراب کرو اور رات کے ذریعہ دن کی روشنی کو چھپا دیا تا کہ تم آرام کرو۔ بہرحال ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کی نشانیاں موجود ہیں اور جو ان میں غور وفکر کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے ہیں۔

زمین کو پھیلانے کا یہ مطلب نہیں کہ زمین چپٹی ہے بلکہ زمین کرہ اور گیند کی طرح گول ہے جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آج سے ۸۲۸ سال پہلے ۶۰۰ ہجری میں فرمایا: بیشک یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ زمین ایک کرہ ہے۔ (تفسیر کبیر) اور کرہ جب بہت بڑا ہو تو اس کی ہر سطح چپٹی نظر آتی ہے۔ (تفسیر کبیر) چونکہ کرۂ ارض بہت بڑا ہے اور اس کی ہر سطح چپٹی نظر آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہری حالت کا اعتبار کرتے ہوئے زمین کو پھیلانے کا لفظ استعمال فرمایا۔

[۵] پھلوں میں بھی جوڑے یعنی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر) یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو چودہ سو سال پہلے کسی کو معلوم نہیں تھی اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ تفصیل کے لئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ملاحظہ کریں۔

نر اور مادہ خلیے

انسان اور دیگر جانوروں میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں اور ان کے جنسی عمل یعنی نر اور مادہ خلیوں کے اجتماع سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اُنیسویں صدی میں جرمنی اور اٹلی کے سائنس دانوں نے ثابت کیا کہ انسانوں کی طرح نباتات میں بھی نر اور مادہ پائے جاتے ہیں اور جب تک یہ نر اور مادہ خلیے اکٹھے نہیں ہوتے تو بیج اور پھل نہیں بنتے۔

عمل تلقیح

جب کوئی پودا جوان ہوتا ہے تو اس پر پھول لگتے ہیں، ان پھولوں میں باریک باریک ذرّوں کی طرح نر اور مادہ خلیے ہوتے ہیں۔ بعض پھولوں میں صرف نر خلیے ہوتے ہیں جو کچھ عرصہ کے بعد خشک ہو کر گر جاتے ہیں ان سے پھل نہیں بنتے۔ کچھ پھولوں میں صرف مادہ خلیے ہوتے ہیں اور کچھ میں نر اور مادہ دونوں خلیے ہوتے ہیں۔ نر خلیہ کو Pollen کہتے ہیں اور پولن جب مادہ خلیے میں منتقل ہوتا ہے تو اس عمل کو Pollination کہتے ہیں اور اردو میں اس کو ''پودوں کو بار آور کرنے کا عمل'' اور عربی میں اس کو ''عمل تلقیح'' کہتے ہیں۔ عمل تلقیح اگر ایک ہی پھول میں یا ایک درخت کے پھولوں میں ہو تو اسے Self-pollination کہتے ہیں اور اگر دو درختوں کے

پھولوں میں ہو تو اسے Cross- polliantion کہتے ہیں۔

عمل تلقیح کے دو طریقے

۱۔ پرندوں اور مکھیوں کے ذریعہ: جب پرندے اور مکھیاں پھولوں پر بیٹھتے ہیں تو Pollens ان کے بالوں اور جسموں کے ساتھ لگ جاتے ہیں اور جب یہی پرندے اور مکھیاں اسی قسم کے کسی اور پھول پر جاتے ہیں تو ان کے بالوں اور جسموں سے Pollens کو مادہ خلیے پکڑ لیتے ہیں۔

۲۔ ہوا کے ذریعہ: Pollens خشک ہو کر باریک باریک ذرّوں کی صورت میں ہوا میں اُڑ جاتے ہیں اور جب ہوا اس قسم کے پھولوں کے پاس سے گزرتی ہے تو مادہ خلیے اپنی قسم کے Pollens کو پکڑ لیتے ہیں۔ ایک پودا لاکھوں کی تعداد میں Pollens پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر مکئی کا پودا دو کروڑ کے قریب Pollens پیدا کرتا ہے یعنی مکئی کا ایک نر پودا پورے شہر کے کھیتوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔

ہوا میں سینکڑوں قسم کے لاکھوں Pollens ہوتے ہیں جو بعض حالات میں وبائی امراض اور Hay Fever کا سبب بنتے ہیں۔ ان لاکھوں Pollens میں سے ہر پھول صرف اپنی جنس کے Pollens کو ہی پکڑتا ہے جیسے مقناطیس اپنی جنس کو پکڑتا ہے لکڑی کو نہیں پکڑتا۔ اسی طرح ہوا میں جملہ T.V. Stations کی نشریات موجود ہوتی ہیں مگر آپ کا ٹی وی صرف اسی T.V. Station کی نشریات کو پردہ سکرین پر دکھاتا ہے جس کا آپ بٹن دبائیں گے۔

اس ساری تفصیل سے دو نتیجے نکلتے ہیں:

(۱) نباتات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں اور ان کے جنسی عمل سے بیج اور پھل بنتے ہیں۔

(۲) اس جنسی عمل کا ایک ذریعہ ہوا ہے۔ یہ نظریہ انیسویں صدی میں دریافت ہوا۔ اس سے پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نباتات میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں، مگر قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے نباتات کے متعلق فرمایا:

۱۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے (نر اور مادہ) بنائے تا کہ تم غور و فکر کرو۔ (قرآن: ۵۱:۴۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے پھلوں سے دو دو جوڑے (نر اور مادہ) بنائے۔ (قرآن: ۱۳:۳)

۳۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) پیدا فرمایا جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں ابھی وہ نہیں جانتے۔ (قرآن: ۳۶:۳۶)

۴۔ اور ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو باردار بنا کر۔ (قرآن: ۱۵:۲۲) جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

سائنس ہزاروں تجربات کے بعد جس نتیجہ پر پہنچی ہے قرآن مجید نے چودہ سو سال قبل اس کا اعلان کر کے ثابت کر دیا کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ اس زمین و آسمان اور ساری کائنات کے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کیونکہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا سائنسدان نہیں تھا جس کو یہ علم ہو کہ ہوا پودوں میں Pollination کا سبب بنتی ہے۔

وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

۴۔ اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں کچھ ایک جڑ سے نکلے ہوئے اور کچھ الگ الگ جڑوں سے (حالانکہ) ان کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔[۶]

کھجوروں کا عمل تلقیح اور نبی کریم ﷺ کا مشورہ

حضرت رافع بن خدیج ؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کھجوروں کو پیوند لگاتے تھے (یعنی نر کھجور کو مادہ کھجور کے ساتھ ملاتے) تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: تم یہ عمل کس لئے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اس طرح کرتے ہیں (تو پھل زیادہ ہوتا ہے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شاید تم ایسا نہ کرو تو زیادہ بہتر ہو۔ صحابہ کرام ؓ نے اس عمل کو ترک کر دیا مگر اس سال کھجوروں کی پیداوار کم ہو گئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس نقصان کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) جب میں تمہارے دین کے متعلق کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں اپنی رائے سے تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو میں صرف بشر ہوں۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۳۶۲: کتاب الفضائل: باب ۳۸) اور دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اپنی دنیا کے معاملات خود ہی بہتر جانتے ہو۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۳۶۳)

نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ جب پوری دنیا میں ہوائیں عمل تلقیح کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں تو صرف اہل مدینہ کیوں مشقت اٹھا رہے ہیں، مگر اس سال پھل کم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ درخت کئی سالوں سے اس دستی عمل تلقیح کے عادی ہو چکے تھے اور ان کو اپنی طبعی حالت پر آنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا جیسے علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ اگر وہ صبر کرتے اور ایک یا دو سال تک نقصان برداشت کرتے تو وہ درخت اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتے اور زیادہ پھل دیتے۔ (نسیم الریاض شرح شفا: جلد ۴: ص ۲۵۶) لیکن نبی کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ وہ اپنے سابقہ تجربہ پر مطمئن ہیں اور اس وقت ان کو سائنس کی یہ باریک بینی سمجھانی قبل از وقت ہے تو آپ نے فرمایا: دنیا کے معاملات تم خود بہتر جانتے ہو۔ نیز اس چیز کا تعلق شرعی احکام سے نہیں تھا اس لئے اس پر عمل کرنا اور نہ کرنا ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

[۶] زمین کے مختلف حصے ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں مگر خاصیات کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کچھ حصے زرخیز ہیں جو اچھی فصل دیتے ہیں اور کچھ حصے بنجر ہیں جو بیج بھی ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ زمین کی طبیعت ایک ہے اور اس کی پیداوار بھی ایک جیسی ہونی چاہیے تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے پیش نظر مختلف ہے، پھر زمین میں انگوروں کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجوروں کے کچھ

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

۵۔ اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ قول بھی عجیب ہے کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کئے جائیں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور انہی کی گردنوں میں طوق ہوگا اور یہی جہنمی ہیں، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ [۷]

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥

۶۔ اور یہ لوگ بھلائی (بخشش) سے پہلے آپ سے برائی (عذاب) طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (نزولِ عذاب کی) کئی مثالیں گزر چکی ہیں، اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کو بخشنے والا بھی ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ [۸]

درخت اکٹھے ہیں اور کچھ الگ الگ اور ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے مگر ان سب کے ذائقے مختلف ہیں۔ اسی طرح سب انسانوں کی اصل ایک حضرت آدم علیہ السلام ہیں مگر اولادِ آدم کے مزاج، رنگ اور خصائل مختلف ہیں۔

[۷] اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کی واضح نشانیوں کے بعد قیامت کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر از سرِنو کیسے زندہ کئے جائیں گے؟ یہ واقعی بڑی عجیب بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ مخلوق کو بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے پیدا فرمادیا تو اسے دوسری دفعہ مٹی سے پیدا کرنے میں کون سی دشواری ہوگی مگر ان کا آخرت سے انکار کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا انکار ہے، اس لئے قیامت کے دن ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ کے انکار کا طوق ڈال کر انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

[۸] ہر نبی علیہ السلام نے منکرین کو بتایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے تو تم پر اپنے مقررہ وقت پر عذاب آئے گا اور جب منکر قوموں نے عذاب کا مطالبہ کیا تو ان میں سے بعض کو تو فوراً ہلاک کر دیا گیا جیسے عاد و ثمود کی تباہ شدہ بستیاں تم جانتے ہو۔ ان مثالوں کے باوجود کفارِ مکہ نے بھی یہی مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو وہ عذاب جلدی لے آئیں کیونکہ وہ آپ کو نبی نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں قرآن نے فرمایا: لوگوں کے ظلم و گناہ کے باوجود اللہ تعالیٰ عذاب میں جلدی نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کر کے مغفرت حاصل کرلیں اور بعض دفعہ تو اتنی ڈھیل دیتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے اور اگر وہ فوراً گرفت کرنے پر آجائے تو روئے زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب (فوراً) گرفت کرنے لگتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار نہ چھوڑتا۔'' (قرآن: ۳۵:۴۵) کیونکہ انسان سے خطا ہو جاتی ہے اور اگر فوراً عذاب کا نظام نافذ کر دیا جاتا تو سارے انسان ہلاک ہو چکے ہوتے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ

۷۔ اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اُتاری گئی؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں[۹]

[۹] منکرین نے کئی معجزات دیکھے مثلاً آپ کی لاجواب سیرت اور قرآن مجید کی ہر آیت اپنے الفاظ و معانی کے اعتبار سے ایک لاجواب معجزہ ہے مگر اس کے باوجود وہ نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ ہر روز تمہارے منہ مانگے معجزات دِکھاتا رہوں بلکہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہیں ہدایت کا راستہ دکھاؤں اور ان کاموں سے ڈراؤں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے دیگر چند مشہور معجزات

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے بیان کیا کہ میں مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، ہم مکہ کے بعض اطراف کی طرف نکلے، راستے میں جو درخت یا پہاڑ نبی کریم ﷺ کے سامنے آتا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۲۶: ابواب المناقب: باب ۶)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا: میں کیسے پہچانوں کہ آپ یقیناً نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں (اور وہ یہاں آجائے) تو پھر کیا تو گواہی دے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے اس خوشے کو بلایا تو وہ خوشہ درخت سے اُترا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر گر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جا تو وہ لوٹ گیا اور وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۳۶۲۸: ابواب المناقب: باب ۶)

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو پیاس لگی اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا جس سے آپ نے وضو کیا۔ صحابہ کرام ؓ آپ کے پاس فریاد کرتے ہوئے آئے۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: ہمارے پاس کوئی پانی نہیں ہے جس کو ہم پی سکیں یا جس سے ہم وضو کرسکیں سوا اس پانی کے جو آپ کے سامنے ہے، پس نبی کریم ﷺ نے اس برتن میں ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح تیزی سے نکلنے لگا جس طرح چشموں سے نکلتا ہے، سو ہم نے اس پانی کو پیا اور اس سے وضو کیا۔ راوی نے پوچھا: تم کتنے لوگ تھے؟ حضرت جابر ؓ نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۵۷۶: کتاب المناقب: باب ۲۵)

۴۔ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ میں قحط پڑ گیا، رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! بھیڑ بکریاں اور مویشی ہلاک ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے، آپ ﷺ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔ حضرت انس ؓ نے کہا: اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا، پھر ایک دم ہوا چلی اور بادل جمع ہوئے اور بارش ہونے لگی، پھر ہم پانی میں چلتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس آئے اور اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور جمعہ کے دوران وہی شخص تھا یا کوئی اور شخص تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ!

ع قَوْمٍ هَادٍ ۝ اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔ [١٠]

گھر گر گئے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو روک لے۔ چنانچہ آپ مسکرائے اور بارش سے فرمایا: ہمارے گردو پیش ہو اور ہم پر نہ ہو، پھر میں نے بادلوں کی طرف دیکھا تو وہ مدینہ سے دور ہٹ گئے تھے۔

(بخاری: حدیث نمبر ٣٥٨٢: کتاب المناقب: باب ٢٥)

٥۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن کھجور کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو (تو بنادو)، انہوں نے آپ کے لئے منبر بنادیا۔ اگلے جمعہ کو نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ کھجور کا وہ ستون اس طرح چیخ چیخ کر رونے لگا جیسے بچہ چیخ کر روتا ہے، پھر نبی کریم ﷺ منبر سے اُترے اور اس ستون کو اپنے گلے لگایا تو وہ اس طرح رو رہا تھا جس طرح بچہ سسکیاں لے کر روتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ اس لئے رو رہا تھا کہ وہ اس ذکر کو سنتا تھا جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔

(بخاری: حدیث نمبر ٣٥٨٤: کتاب المناقب: باب ٢٥)

٦۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں خندق کھودی جارہی تھی، میں نے نبی کریم ﷺ میں سخت بھوک کے آثار دیکھے، میں نے اپنی بیوی سے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ میں سخت بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع (چار کلو) جو تھے اور ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اس کو ذبح کیا اور میری بیوی نے جو پیسے اور میں نے گوشت کی بوٹیاں دیگچی میں ڈالیں، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور چپکے سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے جو تھے جو ہم نے پیس لئے ہیں۔ آپ ﷺ تشریف لائیں اور جو اصحاب آپ کے ساتھ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: اے اہل خندق! جابر رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے، چلو اس کے گھر، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی دیگچی چولہے سے نہ اُتارنا اور میرے پہنچنے تک تم اپنے آٹے سے روٹی پکانا شروع نہ کرنا، پس میں آیا اور رسول اللہ ﷺ بھی لوگوں کو لے کر آگئے۔ بیوی نے کہا: یہ تم نے کیا کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے وہی کیا ہے جو تم نے کہا تھا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آٹا پیش کیا، آپ ﷺ نے اس آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دُعا دی، پھر گوشت والی دیگچی میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی، پھر آپ نے فرمایا: روٹی پکانے والی کو بلاؤ وہ میرے سامنے روٹیاں پکائے اور اپنی دیگچی سے سالن پیالوں میں ڈالو اور اس کو چولہے سے مت اُتارنا۔ اصحاب خندق کی تعداد ایک ہزار تھی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے کھانا کھایا اور بقیہ کھانا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری دیگچی اسی طرح جوش میں تھی اور ہمارے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔ (بخاری: حدیث نمبر ٤١٠٢: کتاب المغازی: باب ٢٩)

[١٠] اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قیامت تک کے لئے ہر قوم کے نبی اور رہنما ہیں اور نبی کریم ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف نبی یا اس کی دعوت کو پھیلانے والا کوئی ہادی بھیجا، لہٰذا ہر قوم کی طرف نبی یا اس کے نائب کی حیثیت سے کوئی ہادی آیا تھا،

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧

۸۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اُٹھاتی ہے اور رحموں میں جو کمی اور بیشی ہوتی ہے (اس کو بھی جانتا ہے)، اور اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔[۱۱]

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨

۹۔ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، سب سے بڑا بلند رتبے والا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩

۱۰۔ تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا بلند آواز سے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن کو چل رہا ہو (اللہ تعالیٰ کے لئے سب) برابر ہیں۔[۱۲]

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا

۱۱۔ انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے (فرشتے) ہیں جو اس کے آگے اور اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں،[۱۳] بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں

یہ الگ بات ہے کہ وہ قومیں اپنے نبی کی ہدایت پر قائم رہیں یا اس ہدایت کو چھوڑ بیٹھیں۔

[۱۱] ماں کے پیٹ میں جب بچے کی تخلیق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی صحت اور مدتِ حمل میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کیفیات کو جانتا ہے۔ اس نے ہر کیفیت کے لئے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے اور وہ اسی کے مطابق معرضِ وجود میں آتی ہے۔ نیز بچے کے مستقبل کے بارے میں بھی وہی بہتر جانتا ہے کہ یہ بچہ دنیا میں کتنا عرصہ زندہ رہے گا، اس کا رزق کتنا ہوگا، یہ کون سے نیک عمل اور کون سے برے کام کرے گا۔

[۱۲] تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا بلند آواز سے، وہ رات کی تاریکی میں ہو یا دن کے اُجالے میں ہو، اللہ تعالیٰ کے لئے سب یکساں ہیں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی کیونکہ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو خوب جانتا ہے۔

[۱۳] اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں، شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی) ان میں سے بعض اس کے افعال لکھتے ہیں اور بعض ان مصائب کو دفع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اس بندہ کو بچانا چاہتا ہے، لیکن جو مصیبت اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت اس کے لئے مقدر کر رکھی ہے جب اس کا وقت آجاتا ہے تو یہ فرشتے اس انسان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

تبدیلی پیدا نہیں کرتے، [۱۴] اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫

۱۲۔ وہی ہے جو تمہیں (کبھی) ڈرانے اور (کبھی) امید دلانے کے لئے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل اُٹھاتا ہے۔[۱۵]

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا

۱۳۔ اور رعد (بادلوں پر متعین فرشتہ) اور (دیگر تمام) فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں،

انسان پر مصائب کیوں آتے ہیں، یہ کبھی تو محض آزمائش کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور کبھی انسان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں جس کی ایک مثال اگلے حاشیہ میں ملاحظہ کریں۔

[۱۴] اللہ تعالیٰ عدلِ مطلق ہے۔ اس کی طرف سے کسی ظلم و زیادتی کا امکان ہی نہیں اور جب کوئی قوم جدوجہد کر کے عروج کی منزل پر جلوہ گر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو بلاوجہ ذلیل نہیں فرماتا بلکہ اس کے زوال کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب وہ عملی جدوجہد سے غافل ہو جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس غفلت کی سزا دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر نہ کوئی اس سزا کو ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی اس قوم کی مدد کر سکتا ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

لٰہذا زوال پذیر قوم کے دوبارہ عروج کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنی غفلت سے پکی توبہ کرے اور عملی جدوجہد میں دن رات ایک کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے اسی قوم کو دکھاتا ہے جو حق کے لئے جہاد کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ (قرآن:۲۹:۶۹)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

[۱۵] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دو ایسی نشانیوں کا ذکر ہے جو بیک وقت امید اور خوف کی کیفیت پیدا کرتی ہیں یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو بارش کے آنے کی امید ہوتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں بجلی گر کر ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ اسی طرح پانی سے بھرے ہوئے بادل دیکھ کر بارانِ رحمت کی امید ہوتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں کثرتِ بارش سے سیلاب نہ آ جائے۔ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پر امید اور اس کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳

[۱۶] اور وہ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان کو گرا دیتا ہے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں، [۱۷] اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۴

۱۴۔ اسی کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کی مثال تو صرف اس شخص کی طرح ہے جو پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلائے تاکہ پانی (خود) اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے،

[۱۶] بجلی کی کڑک ہو یا نور کے فرشتے سبھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں، حالانکہ وہ گناہ اور نافرمانی کرنے سے معصوم ہیں۔ اس میں بنی نوع انسان کے لئے درسِ عبرت ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈریں اور اس کی حمد و ثنا کثرت سے کریں۔

[۱۷] اللہ تعالیٰ اپنے منکروں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں لیکن اگر وہ کسی کو اسی دنیا میں سزا دینا چاہے تو اس کی گرفت اتنی سخت ہے کہ منکرین جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہوتے ہیں تو عین اُسی حالت میں ان پر اچانک بجلی گرا کر انہیں ہلاک کرسکتا ہے۔ اس قسم کا ایک واقعہ ملاحظہ کریں:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عرب کے ایک نہایت سرکش کافر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھیجی تو وہ کافر کہنے لگا: محمد ﷺ کا رب کون ہے جس کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو۔ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا یا تانبے کا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی یہ بات گراں گزری اور انہوں نے واپس جا کر نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: ہم نے اس سے زیادہ سرکش اور اس سے بڑا اللہ تعالیٰ کا منکر کبھی نہیں دیکھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس سرکش کے پاس پھر جاؤ۔ اس نے پھر وہی گفتگو کی اور مزید یہ کہا کہ میں محمد ﷺ کی دعوت قبول کر کے ایسے رب کو مان لوں جسے نہ میں نے دیکھا اور نہ پہچانا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر واپس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس دفعہ تو اس نے پہلے سے بھی زیادہ خبیث باتیں کہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس سرکش کے پاس پھر جاؤ۔ یہ حضرات پھر اس کے پاس گئے۔ جب یہ حضرات اس کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور وہ پہلے کی طرح خبیث باتیں کر رہا تھا اسی اثنا میں ایک بادل ان کے اوپر آیا، اس سے کڑک پیدا ہوئی اور بجلی چمکی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بجلی گری اور اس کافر کو جلا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس لوٹے تاکہ نبی کریم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دیں تو راستے میں انہیں کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملے اور انہوں نے کہا: کیسے وہ سرکش شخص جل گیا تو انہوں نے پوچھا: تم کو اس سرکش کے جلنے کا کیسے علم ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی طرف وحی بھیجی ہے۔ (تفسیر خازن)

اور کافروں کی پکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔[۱۸]

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝

۱۵۔ اور آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سجدہ کرتی ہیں بعض خوشی سے اور بعض مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح وشام (اُسی کے سامنے سجدہ ریز ہیں)۔[۱۹]

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ

۱۶۔ آپ (ان سے) پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ ہی فرما دیجئے: اللہ تعالیٰ، آپ فرمایئے: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے مددگار بنالئے ہیں جو اپنے لئے بھی کسی نفع اور کسی نقصان کے مالک نہیں ہیں، آپ (ان سے) پوچھیے: کیا اندھا اور بینا برابر ہوتے ہیں یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہوتی ہیں،[۲۰] یا انہوں نے

[۱۸] اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کو پکارنا ہی حقیقی دُعا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں یا اُن کو پکارتے ہیں وہ گمراہی کا شکار ہیں کیونکہ وہ معبود انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال اس پیاسے شخص کی طرح ہے جو کنویں کے کنارے پر کھڑا ہے اور بغیر رسی اور ڈول کے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر پانی کی خوشامد کرتا ہے کہ میں پیاسا ہوں تو مہربانی کر اور میرے منہ میں آجا تا کہ میں اپنی پیاس بجھا سکوں حالانکہ پانی میں دیکھنے اور کسی کی فریاد سننے اور اس کی مدد کرنے کی طاقت نہیں، لہٰذا وہ ساری زندگی پانی کو پکارتا رہے پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح ان باطل معبودوں میں بھی فریاد رسی کی طاقت نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ غیر مستقل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے بندوں کی مدد کرتے ہیں تو یہ جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا تم میں سے کسی کو مدد کی ضرورت ہو اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے تو وہ اس طرح پکارے: اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری مدد کرو، بے شک ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہوتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

(معجم کبیر: طبرانی: جلد ۱۷: ص ۱۱۸)

[۱۹] سجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا اور سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے لئے ایک نظام فطرت نافذ کر رکھا ہے اور زمین و آسمان کی تمام چیزیں خود بھی اور ان کے سائے بھی اس نظام کے تابع ہیں۔ بعض خوشی سے اس نظام فطرت کے سامنے جھک جاتے ہیں اور بعض کو مجبوراً جھکنا پڑتا ہے۔ جیسے موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تو خوشی سے اس کو قبول کر لیتے ہیں اور جو مرنا پسند نہیں کرتے انہیں بھی مجبوراً موت کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نظام فطرت اسی طرح قائم ہے۔

[۲۰] اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ سے پوچھا کہ زمین و آسمانوں کا رب کون ہے؟ پھر خود ہی فرما دیا کہ ان کا رب اللہ تعالیٰ

شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہو؟ [۲۱] آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے، سب پر غالب ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِی

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پس ندی نالے اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلے اور سیلاب کی رَو نے اُبھرا ہوا جھاگ اُٹھالیا اور جن چیزوں کو وہ زیور یا دوسرا سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں اس پر بھی ویسا ہی جھاگ اُٹھتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثالیں بیان فرماتا ہے، [۲۲] پس جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے،

ہے۔ کفارِ مکہ اس کا انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ زمین و آسمان کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مانتے ہو کہ زمین و آسمان کا رب اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم نے ان بے شمار باطل معبودوں کو اپنا مددگار کیوں بنا رکھا ہے جو اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں تو تمہیں کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ یہ دن کی طرح ایسی روشن دلیل ہے جس کا کوئی اندھا ہی انکار کر سکتا ہے جس کو دن کی روشنی نظر نہیں آتی۔ اب تم خود ہی بتاؤ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں یا کیا کفر کی تاریکیاں اور ہدایت کا نور برابر ہو سکتے ہیں؟

[۲۱] یعنی تم ان بے اختیار معبودوں کو خدا کا شریک کیوں بناتے ہو؟ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی ہے جس کو دیکھ کر تمہیں یہ شبہ پڑ گیا ہو کہ شاید یہ بھی خدا ہیں؟ حالانکہ یہ سارے مل کر ایک مکھی یا ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ جب ان کی بے بسی اور بے چارگی کا یہ عالم ہے تو پھر یہ خدا کے شریک کیسے بن سکتے ہیں، لہٰذا حقیقت صرف یہی ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ایک ہے اور سب پر غالب ہے۔

[۲۲] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کا فرق سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جب موسلا دھار بارش ہوتی ہے، سارے ندی نالے اپنی اپنی گنجائش کے مطابق پانی سے لبریز ہو جاتے ہیں، پھر جب سیلاب کی صورت میں پانی تیزی سے بہتا ہے تو راستے میں آنے والا سارا خس و خاشاک جھاگ کی صورت میں پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زیور اور دیگر سامان بنانے کے لئے جب سونا چاندی اور دیگر دھاتوں کو پگھلایا جاتا ہے تو ان کا میل کچیل بھی جھاگ کی صورت میں اوپر تیرنے لگتا ہے اور بعض

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿۱۷﴾

[۲۳] اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کا حکم نہیں مانا اگر ان کے پاس روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کے ساتھ اتنے اور بھی ہوں تو وہ (عذاب سے بچنے کے لئے) ان کو فدیہ میں دے دیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا حساب برا ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہوگا۔ [۲۴]

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

۱۹۔ بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہو؟ صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔ [۲۵]

دفع یہ جھاگ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اس کے نیچے پانی اور سونا چاندی نظر بھی نہیں آتے لیکن یہ جھاگ بے کار اور ناپائیدار ہوتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے یا زائل کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں اصل پانی رہ جاتا ہے جو زمین کو سرسبز و شاداب بناتا ہے اور اصل سونا چاندی رہ جاتے ہیں جو زیورات کے کام آتے ہیں۔ اس مثال میں پانی اور دھاتوں سے مراد حق ہے جو باقی رہتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور جھاگ سے مراد باطل ہے جو پانی اور دھاتوں کے اوپر چھایا رہتا ہے لیکن وہ پائیدار نہیں ہوتا بالآخر زائل ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی باطل حق پر چھا جاتا ہے مگر آخرکار باطل زائل ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔

[۲۳] یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک فطری اُصول بیان فرمایا ہے کہ جو چیز نفع بخش ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو چیز بے سود ہوتی ہے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے تنازع للبقاء (struggle for existence) میں بقائے اصلح (survival of the fittest) کا قانون بیان کر دیا تھا۔ حکومتوں اور افراد کے عروج و زوال میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ جو حکومتیں لوگوں کے لئے نفع بخش ہوں وہ قائم رہتی ہیں اور جو نفع بخش نہ ہوں وہ آخرکار ناکام ہو جاتی ہیں۔

[۲۴] جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ان کے لئے آخر میں بھلائی ہوگی اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا ان کا ٹھکانا جہنم اور ان کا حساب بہت سخت ہوگا اور وہ اگر روئے زمین کے تمام خزانوں سے دُگنا مال بھی بطور فدیہ دے کر عذاب سے بچنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی مزید تفسیر کے لئے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۹۱ اور حاشیہ نمبر ۲۷۴ ملاحظہ کریں۔

[۲۵] ایک شخص یقین رکھتا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وہ اس قرآن مجید کی روشنی میں صراط

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ عہد کو نہیں توڑتے ہیں۔[۲۶]

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور جو لوگ ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے[۲۷] اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور بُرے حساب سے خائف رہتے ہیں۔[۲۸]

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

۲۲۔ اور جو لوگ اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں[۲۹] اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ

مستقیم پر گامزن ہے اور دوسرا شخص قرآن مجید کا انکار کرتا ہے اور اندھوں کی طرح گمراہی کی تاریکیوں میں سرگرداں ہے تو ظاہر ہے یہ دونوں ایک جیسے تو نہیں ہو سکتے۔ اگر چہ یہ فرق بالکل واضح ہے مگر اس کو عقل سلیم والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور جن لوگوں کی عقلوں پر غفلت اور تعصب کے پردے ہیں وہ اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔

[۲۶] یہاں سے لے کر آیت نمبر ۲۴ تک صاحبانِ عقل سلیم یعنی اہل ایمان کی صفات بیان کی گئی ہیں، ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ جو بندگی اور اطاعت کا وعدہ ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو نہیں توڑتے یعنی چاہے وہ وعدے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقوق اللہ کے حوالے سے ہوں یا بنی نوع انسان کے ساتھ حقوق العباد کے حوالے سے ہوں، ان کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

[۲۷] اہل ایمان کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صلہ رحمی کے بدلے میں صلہ رحمی کرے بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے قطع رحمی کی جائے تو پھر بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۹۹۱: کتاب الادب: باب ۱۵) صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی ممانعت کے متعلق سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۳، ۵۱ اور ۵۲ ملاحظہ کریں۔

[۲۸] اہل ایمان کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے ڈرتے ہیں کہ ان سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو اور ان کی پانچویں صفت یہ ہے کہ قیامت کے سخت حساب سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتے ہیں تاکہ حساب کے وقت پشیمانی نہ ہو۔

[۲۹] اہل ایمان کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اس کی

أُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

کرتے ہیں[۳۰]اور نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں،[۳۱]ان ہی لوگوں کے لئے آخرت کا (اچھا) گھر ہے۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ

۲۳۔ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد

نافرمانی سے بچنے کے لئے جو مشکلات پیش آئیں یا کسی بیماری، تکلیف اور آزمائش میں مبتلا ہو جائیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان پر صبر کرتے ہیں۔ صبر سے مراد وہ صبر ہے جو ابتدائے صدمہ میں ہو اور اختیاری ہو کیونکہ کچھ عرصہ بعد تو ہر ایک کو مجبوراً صبر آجاتا ہے، اس کی کوئی فضلیت نہیں ہے۔

[۳۰] اہل ایمان کی ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور آٹھویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ حالات کے مطابق کبھی پوشیدہ خرچ کرتے ہیں تاکہ لینے والے کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور کبھی اعلانیہ خرچ کرتے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۶ اور ۲۳۲ ملاحظہ کریں۔

[۳۱] اہل ایمان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں جیسا کہ احادیث میں آتا ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور برائی کے بعد کوئی نیکی کرو جو اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۱۹۸۷: ابواب البر: باب ۵۵)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص گناہوں کے بعد نیکیاں کر لیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی اتنی تنگ زرہ پہن رکھی ہو جس سے اس کا دم گھٹ رہا ہو (یعنی اتنے گناہ کئے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا)، پھر اس نے ایک نیکی کر لی تو زرہ کی ایک کڑی ٹوٹ گئی، پھر اس نے دوسری نیکی کی تو دوسری کڑی ٹوٹ گئی (اس طرح نیکیاں کرتے کرتے سب کڑیاں ایک کے بعد ایک ٹوٹ گئیں) یہاں تک کہ زرہ زمین پر گر پڑی۔ (مسند احمد: جلد ۴: ص ۱۴۵)

۳۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: جب تم سے کوئی برائی ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا لا الٰہ الا اللہ بھی نیکی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ سب سے افضل نیکی ہے۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۱۶۹) اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۱۴۱ اور سورہ ہود (۱۱) کا حاشیہ نمبر ۹۴ ملاحظہ کریں۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو ان کے ساتھ سخت کلامی، کنجوسی اور زیادتی کرتا ہے وہ اس کے ساتھ خوش کلامی، فیاضی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں اور اسے معاف کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اور نبی کریم ﷺ نے

يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سے جو صالح ہوں گے، [۳۲] اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس داخل ہوں گے۔

اہل مکہ کو معاف کر دیا۔ حضرت حسن ؓ نے فرمایا: اگر انہیں محروم کیا جائے تو وہ عطا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جائے تو وہ درگزر کرتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

یہاں پر امام رازی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شقیق بن ابراہیم ؓ ایک اجنبی کی حیثیت سے عبداللہ بن مبارک ؓ کے پاس گئے تو حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ حضرت شقیق ؓ نے جواب دیا کہ وہ بلخ سے آیا ہے۔ تو حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا: کیا تم حضرت شقیق کو جانتے ہو؟ تو حضرت شقیق ؓ نے کہا: ہاں میں جانتا ہوں تو حضرت عبداللہ ؓ نے پوچھا: اس کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت شقیق ؓ نے جواب دیا: جب ان پر تنگدستی آئے تو صبر کرتے ہیں اور جب خوشحالی آئے تو شکر ادا کرتے ہیں، تو حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا: ہمارے کتے بھی ایسا ہی کرتے ہیں (یعنی جب ہم انہیں کھانے کو دیں تو شکر ادا کرتے ہوئے کھا لیتے ہیں اور اگر ہم انہیں کچھ نہ دیں تو صبر کرتے ہیں) تو حضرت شقیق ؓ نے پوچھا: تو پھر انہیں کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا: کامل لوگ وہ ہیں جب ان پر تنگدستی آئے تو وہ شکر کرتے ہیں اور جب خوشحالی آئے تو ایثار کرتے ہیں یعنی غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)

[۳۲] گذشتہ آیات میں جن کامل اہل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اب ان کے اجر عظیم کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا اور ان کے آباء واجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہوں گے ان کو بھی دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ علامہ ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کامل اہل ایمان کے آباء واجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو بھی بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہوں، ان کاملین کے درجات پر فائز کر دے گا اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ان درجات کے اہل نہ ہوں مگر ان کاملین کی عزت افزائی اور ان کی تسکین قلوب کے لئے ان کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر بھی فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے پاس پہنچا دیں گے۔ (قرآن: ۵۲:۲۱) یعنی جن کے والدین جنت کے اعلیٰ مقام میں ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی اہل ایمان اولاد کے بھی درجات بلند کر کے ان کے والدین کے پاس پہنچا دیں گے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان کی رشتہ داری اور نسب فائدہ پہنچائیں گے جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن میرے سبب اور نسب کے علاوہ تمام اسباب اور انساب منقطع ہو جائیں گے۔

(کنز العمال: حدیث نمبر ۳۲۶۴۸ اور ۳۷۵۸۷ اور مستدرک للحاکم: جلد ۳: ص ۱۵۳)

علامہ ثناءاللہ پانی پتی اس کا جواب دیتے ہیں کہ قیامت کے دن کفار کی رشتہ داریاں اور دوستیاں منقطع ہو جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ (قرآن: ۴۳:۶۷) لہذا

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ ۲۴۔ (یہ کہتے ہوئے) تم پر سلامتی ہو بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیا عمدہ ہے۔ [۳۳]

اہل ایمان کی رشتہ داریاں اور دوستیاں باقی رہیں گی کیونکہ یہ رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی نبی کریم ﷺ کے سبب سے ہیں اور نبی کریم ﷺ سارے اہل ایمان کے روحانی باپ ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات تمام اہل ایمان کی روحانی مائیں ہیں۔
(تفسیر مظہری)

[۳۳] وہ کامل اہل ایمان جنہوں نے دین کے راستے میں آنے والی جملہ مشکلات پر صبر کیا وہ جب دائمی جنت میں پہنچیں گے تو فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر انہیں سلام کریں گے اور ان کی عزت افزائی کریں گے۔

حضرت امام زین العابدین ﷺ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا: صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں اور جنت میں چلے جائیں۔ راستے میں فرشتے ان سے پوچھیں گے: کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف۔ فرشتے پوچھیں گے: کیا حساب سے بھی پہلے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں! پھر فرشتے پوچھیں گے: تم کون لوگ ہو؟ تو وہ کہیں گے: ہم صبر کرنے والے ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے پر صبر کیا، ہم نے دنیا کی مصیبتوں اور آفتوں پر صبر کیا تو فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ، نیک کام کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہوتا ہے اور فرشتے انہیں کہیں گے، تم پر سلامتی ہو بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا۔ (تفسیر قرطبی)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کی ابتدا میں شہداء (اُحد) کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ تم پر سلام ہو بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیا عمدہ ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر ﷺ، حضرت عمر ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (تفسیر جامع البیان، مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۶۷۱۶: جلد ۳: ص ۵۷۳)

اس سے شہداء، اولیاء اور کاملین کے عرس اور مزارات پر جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: شہید اپنے خاندان کے ستر (۷۰) افراد کے بارے میں شفاعت کرے گا۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۲۵۲۲: کتاب الجہاد: باب ۲۶)
اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ تعلق خواہ نسب اور قرابت کا ہو یا دوستی کا وہ آخرت میں بھی بشرط ایمان نفع دے گا۔
(تفسیر معارف القرآن: مفتی محمد شفیع دیوبندی)

شہید کی زندگی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو زبان سے مردہ کہنے بلکہ دل میں ان کو مردہ خیال کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ موت کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ برزخ میں ایک خاص قسم کی پاکیزہ زندگی عطا فرماتا ہے جس کا صحیح ادراک ہمارے شعور سے بالاتر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر طیار ﷺ کے متعلق فرمایا: میں نے جعفر طیار ﷺ کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا۔
(ترمذی: ابواب المناقب: باب ۳۰)

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان ہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔[۳۴]

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

۲۶۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اور کفار دنیا کی زندگی سے بڑے خوش ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک متاع حقیر کے سوا کچھ نہیں۔[۳۵]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ، حاضرین نے کہا: یارسول اللہ! آپ یہ کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ابھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ میرے پاس سے گزرے اور انہوں نے مجھے سلام کہا۔

(السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۳: ص ۱۰۰)

[۳۴] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور باہمی تعلقات کو توڑتے ہیں وہ دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد غصب کر کے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے فسادی لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں گے اور ان کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔

[۳۵] مکہ میں اکثر مسلمان غریب تھے اور کفار کے پاس مال و دولت کی کثرت تھی۔ کفار مکہ اس پر خوش ہوتے اور مسلمانوں کو طعنہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اس لئے ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ دنیاوی رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے کیونکہ بہت سے منکروں یعنی قارون اور فرعون کے پاس بھی رزق کی فراوانی تھی۔ اسی طرح رزق کی کمی بھی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے کیونکہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک بندوں کے پاس ظاہری رزق کی کمی تھی اور نبی کریم ﷺ نے تو اپنے لئے فقر و فاقہ کو خود پسند فرمایا:

۱۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لئے مکہ کی وادیوں کو سونا بنا دے۔ میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے رب! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھ کو یاد کروں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۴۷: ابواب الزھد: باب ۳۵)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں

وَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۖۚ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟[۳۶] آپ فرمائیے: بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔[۳۷]

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ‌ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ؕ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، غور سے سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ [۳۸]

مجھے موت عطا فرما اور قیامت کے دن مساکین کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ مساکین اپنے دور کے اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی واپس نہ کر اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دے۔ اے عائشہ! مساکین سے محبت کر اور ان کو اپنا قرب عطا کر، اس کے بدلے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اپنا قرب عطا فرمائے گا۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۵۲: ابواب الزھد: باب ۳۷)

الغرض مال و دولت کی کمی بیشی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت یا آزمائش کے لئے ہوتی ہے اور کبھی قوموں کی اپنی جدوجہد اور کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ (قرآن: ۱۳:۱۱) دنیاوی زندگی اور اسکے مال و متاع کے لئے مزید سورہ آل عمران (۳) کا حاشیہ نمبر ۱۳۲ اور ۱۴۰ اور سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۸۶ ملاحظہ کریں۔

[۳۶] اس کی تفسیر کے لئے اسی سورت کا حاشیہ نمبر ۱۹ اور سورہ یونس (۱۰) کا حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ کریں۔

[۳۷] جو انسان اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتا ہے اور گمراہی میں ہی رہنا پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

[۳۸] گناہ کرنے کے بعد انسان کو جب اللہ تعالیٰ کا غضب یاد آتا ہے تو بے چین اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ خوف اس کو توبہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور جب انسان توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کے غضب کا ڈر ہو یا اس کی رحمت کی اُمید، بالآخر یہ دونوں دنیا میں اطمینان قلب اور آخرت میں نجات کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جوان کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے طوبیٰ (خوش خبری) اور اچھا ٹھکانا ہے۔ [۳۹]

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ

۳۰۔ اسی طرح ہم نے آپ کو ایک اُمت میں (رسول بنا کر) بھیجا، اس اُمت سے پہلے کئی اُمتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ انہیں

اس وقت تجھے اپنے دل کی کیفیت کیا محسوس ہوتی ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔ فرمایا: ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے اس کو خوف ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے۔

(ابن ماجہ: حدیث نمبر ۴۲۶۱: ابواب الزھد: باب ۱۳)

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بارے میں چند احادیث

۱۔ جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو ان سے اپنا حصہ لے لیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: وہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (شعب الایمان: بیہقی: جلد اوّل: ص ۳۹۸)

۲۔ ہر چیز کو صاف کرنے اور چمکانے کے لئے ایک آلہ ہوتا ہے اور دلوں کو صاف کرنے اور چمکانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(شعب الایمان: بیہقی: جلد اوّل: ص ۳۹۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہہ اُٹھیں: یہ تو دیوانے ہیں۔ (مسند احمد: جلد ۳: ص ۶۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ منافقین پکار اُٹھیں کہ تم ریاکار ہو۔ (شعب الایمان: بیہقی: جلد اوّل: ص ۳۹۷)

۵۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا: تم یہاں حلقہ باندھ کر کیوں بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد میں مصروف ہیں اور اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واقعی تم اسی لئے بیٹھے ہو؟ یعنی تمہیں خدا کی قسم! کیا تم صرف اسی لئے بیٹھے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: بخدا! ہم صرف اسی لئے بیٹھے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم سے کسی بدظنی کی بناء پر حلف نہیں لیا (بلکہ خوشی سے مزید تحسین کے لئے) کیونکہ میرے پاس جبریل امین آئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ کر ملائکہ کے سامنے فخر و مباہات فرما رہا ہے۔

(تفسیر روح البیان)

ذکر کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۱۰۹ بھی ملاحظہ کریں۔

[۳۹] جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے جنت کی خوش خبری ہے جو کہ بہت عمدہ ٹھکانا ہے۔ جنت میں ایک بہت بڑے درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے جس کو دیکھ کر اہل جنت بہت خوش ہوں گے۔

اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا حالانکہ وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، آپ فرمائیے! وہ میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ [۴۰]

وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

۳۱۔ اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ پہاڑ چلا دیے جاتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعہ مردوں سے بات کرادی جاتی، بلکہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، [۴۱] تو کیا ایمان والوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب آتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے، بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ [۴۲]

[۴۰] پیارے نبی ﷺ! پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح ہم نے آپ کو بھی ایک اُمت کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اس امت سے پہلے دوسری اُمتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ ان کو میرا کلام پڑھ کر سنائیں۔ جب آپ ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں کہا کہ وہ رحمٰن کو سجدہ کریں تو قریش نے جواب دیا: یہ رحمٰن کون ہے؟ ہم تو اس کو نہیں مانتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کی ذات ایک ہے مگر اس کے صفاتی نام بہت ہیں۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا ہے اور بالآخر سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

[۴۱] کفار مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر قرآن مجید سچی کتاب ہے تو پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا کر زمین صاف کردی جائے اور مردوں سے ہماری بات کرائی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اگر قرآن مجید کے ذریعہ یہ معجزات انہیں دکھادے تو بھی وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ کئی معجزات پہلے دیکھ چکے ہیں لیکن پھر بھی تعصب کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ اسی طرح کا مضمون سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۱۱۱ میں گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیں۔

[۴۲] تو کیا ایمان والوں کو یہ معلوم نہیں یعنی وہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو زبردستی ہدایت دے دیتا مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے خود ہدایت قبول کرے اور اہل مکہ اگر اسی طرح اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہے تو یہ ہمیشہ مصائب کا شکار رہیں گے۔ اسلام پھیلتا رہے گا اور یہ شکست کھاتے رہیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے یعنی مکہ فتح

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا تو (دیکھو) میرا عذاب کیسا تھا؟ [۴۳]

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ کیا وہ خدا جو ہر شخص کے اعمال کا نگہبان ہے اور وہ بت جو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں (ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں)، آپ فرمایئے! تم ان کے نام تو بتاؤ، کیا تم اللہ تعالیٰ کو وہ چیز بتاتے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا یا صرف ظاہری باتیں ہیں؟ بلکہ کافروں کے لئے ان کا مکروفریب آراستہ کر دیا گیا ہے اور وہ راہِ راست سے روک دیئے گئے ہیں، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ [۴۴]

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت ہوگا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔

ہو جائے یا قیامت قائم ہو جائے۔

[۴۳] پیارے نبی ﷺ! آپ کفارِ مکہ کی مخالفت سے غمگین نہ ہوں۔ پہلی اُمتوں نے بھی اپنے رسولوں کا مذاق اُڑایا، میں نے ان کو مہلت دی تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں لیکن جب وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو پھر میں نے ان کو پکڑ کر ایسا عذاب دیا کہ آج تک ان کی بستیاں عبرت کا نشان بنی ہوئی ہیں۔ کفارِ مکہ بھی اسی مہلت کے دور سے گزر رہے ہیں، اگر یہ بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو ان کا بھی انجام برا ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، چند سالوں کے بعد مکہ سے کفر و شرک کا ایسا نام و نشاں مٹا کہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے کوئی مشرک وہاں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔

[۴۴] وہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز سے باخبر ہے اور یہ بت جو اپنے آپ سے بھی بے خبر ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے شریک کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ لات و منات اللہ تعالیٰ نے نہیں بنائے، اگر وہ بناتا تو اس کو اپنے ان شریکوں کا علم ہوتا، لہٰذا یہ صرف نام ہیں جو تمہارے باپ دادا نے رکھے تھے یا تمہاری فضول باتیں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ دراصل یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے جو شیطان نے ان کے لئے آراستہ کر رکھی ہے اور وہی انہیں راہِ راست سے روکے ہوئے ہے اور اب وہ گمراہی کی اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ کوئی ہادی انہیں ہدایت نہیں

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ پرہیزگار لوگوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہیں، یہ پرہیزگار لوگوں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام (دوزخ کی) آگ ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (قرآن) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (قرآن) کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے! کہ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں، اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے۔ [۴۵]

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

۳۷۔ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں فیصلہ بنا کر نازل کیا ہے، اور (اے سننے والے!) اگر تو نے کفار کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ تیرے پاس صحیح علم پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ کوئی تیرا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔ [۴۶]

دے سکتا، لہٰذا دنیا میں انہیں بالآخر شکست کے عذاب سے واسطہ پڑے گا مگر آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہوگا اور انہیں عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

[۴۵] جو لوگ قرآن مجید پر ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس کے احکام کے نزول پر خوش ہوتے ہیں لیکن منکرین میں سے کچھ تو پورے قرآن کو نہیں مانتے اور کچھ صرف اس حصے کا انکار کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہے۔ پیارے نبی ﷺ! آپ اعلان کر دیں کہ چاہے تم قرآن کو مانو یا نہ مانو بہر حال مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس قرآن پر عمل کروں، لہٰذا میں تو اسی پر عمل پیرا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا رہوں گا۔

[۴۶] ہم نے جس طرح پہلے رسولوں پر کتابیں ان کی مقامی زبانوں میں نازل کیں اسی طرح آپ پر بھی ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد بھی دی، اور کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے، ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔[۴۷]

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔[۴۸]

نازل کیا کیونکہ آپ کے ابتدائی مخاطبین اہل عرب ہیں تا کہ وہ قرآن کے احکام کو آسانی سے سمجھ سکیں۔قرآن مجید کے سارے فیصلے واضح اور اٹل ہیں اور ان واضح احکام کے آجانے کے بعد بھی جو کفار کی خواہشات کی پیروی کرے گا قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

[۴۷] منکرین کے عجیب وغریب اعتراضات میں سے ایک یہ تھا کہ پیغمبر کو بیوی بچوں کی کیا ضرورت ہے، اس کو تو ہر وقت تبلیغ میں مصروف رہنا چاہیے اور دوسرا یہ اعتراض تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو جو معجزہ ہم مانگتے ہیں وہ دکھاتے کیوں نہیں۔اس آیت میں ان دونوں اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام بھی فرشتے نہیں تھے بلکہ بشر تھے اور ان کے بھی بیوی بچے تھے۔ نیز پہلے انبیائے کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر معجزہ نہیں دکھاتے تھے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن ہوتا تو وہ معجزہ دکھاتے اور اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے اپنی حکمت کے مطابق ایک وقت تحریر کر رکھا ہے اور وہ اس کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق، عمر اور اعمال وغیرہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور اپنی حکمت کے مطابق جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام پر غالب ہے۔(قرآن: ۱۲:۲۱) درج ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

۱۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے علی!) میں اس آیت کی تفسیر سے تیری آنکھ بھی ٹھنڈی کروں گا اور اپنی اُمت کی آنکھ بھی ٹھنڈی کروں گا۔صدقہ کو صحیح مصرف پر خرچ کرنا، والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنا، ایسے اعمال ہیں جو بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتے ہیں۔عمر میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں اور برے انجاموں سے بچاتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مہربانی کرے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۹۸۵: کتاب الادب: باب ۱۲)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کو اس کے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دُعا بدل دیتی ہے اور نیکی سے

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ اور اگر ہم (اس عذاب کا) کچھ حصہ جس کا ہم نے ان کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے آپ کو (ظاہری حیات میں) دکھادیں یا (اس سے پہلے) آپ کو اُٹھالیں، بہرحال آپ کا کام صرف (احکام) پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔[۴۹]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی سرزمین کو ہر طرف سے کم کرتے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔[۵۰]

عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (مسند احمد: جلد ۵: ص ۲۷۷ اور مستدرک للحاکم: جلد اوّل: ص ۶۷۰)

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا اور مختلف نیک اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کی تقدیر بدل دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق ؓ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے رو کر عرض کرتے ہیں: اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے مجھے اہل سعادت میں لکھا ہے تو مجھے اسی زمرہ میں باقی رکھ اور اگر تو نے مجھے بدبختوں اور گناہ گاروں کے زمرہ میں لکھا ہے تو میری بدبختی مٹا دے اور مجھے اہل سعادت اور اہل مغفرت میں لکھ دے کیونکہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اصل کتاب تیرے ہی پاس ہے۔ (تفسیر قرطبی) یہ فقیر بھی حضرت عمر فاروق ؓ کی اقتدا میں التجا کرتا ہے: "اللھم ان کنت کتبتنی فی اھل السعادۃ فاثبتنی فیھا، وان کنت کتبتنی فی اھل الشقاوۃ والذنب فامحنی واثبتنی فی اھل السعادۃ والمغفرۃ، فانک تمحو ماتشاء وتثبت، وعندک ام الکتاب"۔ اللھم آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔ (اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے مجھے اہل سعادت میں لکھا ہے تو مجھے اسی زمرہ میں باقی رکھ اور اگر تو نے مجھے بدبختوں اور گناہ گاروں کے زمرہ میں لکھا ہے تو میری بدبختی مٹا دے اور مجھے اہل سعادت اور اہل مغفرت میں لکھ دے کیونکہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اصل کتاب تیرے ہی پاس ہے۔ اے اللہ تعالیٰ! اپنے حبیب کریم ﷺ کے وسیلہ سے میری یہ دعا قبول فرمالے!)

[۴۹] پیارے نبی ﷺ! اسلام کا نور پھیلے گا اور ان کافروں کو شکست کے عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ ان کی شکست کے کچھ مناظر تو آپ اپنی ظاہری حیات میں ہی دیکھ لیں گے اور کچھ آپ کے بعد وقوع پذیر ہوں گے۔ بہرحال آپ کفار کی سازشوں سے کبیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ آپ کا کام پیغام پہنچانا ہے، البتہ ان کا حساب لینا یہ ہمارے ذمہ ہے، ہم مناسب وقت پر ان کی گرفت کریں گے۔

[۵۰] یہ سورت اگرچہ مکی ہے مگر یہ آیت مدنی معلوم ہوتی ہے یعنی جب عرب میں اسلام پھیل رہا تھا تو مشرکین کی تعداد دن بدن کم ہو رہی تھی۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور بے شک ان لوگوں نے بھی مکروفریب کیا جو ان سے پہلے تھے مگر سب خفیہ تدبیروں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ خوب جانتا ہے ہر شخص جو کچھ کمارہا ہے، اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے۔[۵۱]

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

۴۳۔ اور کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں، آپ فرمایئے! میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے اور وہ شخص بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔[۵۲]

مشرکین کے لئے اس سے بڑا دنیوی عذاب اور کیا ہوگا کہ ان کے لئے ہر طرف سے سرزمین عرب تنگ ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے، جب اس کا وقت آجائے تو کوئی اس کے حکم کو روکنے یا مؤخر کرنے والا نہیں ہے۔

[۵۱] یہ کوئی نئی بات نہیں، مشرکین مکہ سے پہلے بھی منکرین اپنے پیغمبروں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل کو خوب جانتا ہے اور اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دیتا ہے اور ان مشرکین کو بھی عنقریب اپنے اعمال کی سزا مل جائے گی اور آخرت میں تو ان کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔

[۵۲] پیارے نبی! کافر لوگ آپ کو رسول نہیں مانتے۔ آپ فرما دیجئے! تم مجھے رسول مانو یا نہ مانو میری نبوت کے لئے میرے رب کی گواہی کافی ہے جس نے میری صداقت کے لئے مجھے معجزات عطا فرمائے اور ہر اس شخص کی گواہی کافی ہے جس کے پاس قرآن مجید کا علم ہے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

بروز بدھ بعد از نماز ظہر ۷ فروری ۲۰۰۷ء بمطابق ۱۸ محرم ۱۴۲۸ھ

تقریباً سولہ دنوں میں سورہ رعد کی تفسیر مکمل ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ ابراھیم (۱۴)

یہ سورت مکی ہے مگر اس کی چند آیات مدنی ہیں کیونکہ وہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۳۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک ہے جس کی وجہ سے اس سورت کا نام "ابراہیم" رکھا گیا ہے۔

اس سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے قرآن مجید کو آپ کی طرف اس لئے نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لے آئیں اور ہم نے ہر رسول علیہ السلام کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ اس لئے بھیجا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام کھول کر بیان کرے اور لوگوں کو اپنے رب کا پیغام سمجھنے میں آسانی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تورات دے کر اسی لئے بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لے آئیں اور انہیں نعمت خداوندی کا احساس دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون کے مظالم سے نجات دی تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو تم پر بھی پہلی قوموں کی طرح کوئی عذاب آسکتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور شیطان کے فریب میں آجاتے ہیں، قیامت کے دن شیطان انہیں کہے گا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کی خلاف ورزی کی ہے مگر میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا، میں نے تو تمہیں صرف برائی کی ترغیب دی اور تم نے فوراً میری دعوت قبول کر لی، لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے اپنی عقل کو استعمال کر کے اپنے فائدے اور نقصان پر غور وفکر کیوں نہ کیا۔

آیت نمبر ۳۵ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایمان افروز دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں آپ مکہ مکرمہ، بیت اللہ، اپنی اولاد اور لوگوں کے لئے خیر و برکت کی دعائیں مانگتے ہیں اور اسی سلسلہ میں وہ مشہور دعا بھی شامل ہے جو عام طور پر مسلمان ہر نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھتے ہیں یعنی رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (قرآن: ۱۴:۴۱)

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعۃ الکرم، برطانیہ

بروز بدھ بعد از نماز عشاء ۷ فروری ۲۰۰۷ء بمطابق ۱۸ محرم ۱۴۲۸ھ

آیاتہا ۵۲ ۱۴ سورۃ ابراہیم مکیۃ ۷۲ رکوعاتہا ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾

۱۔ الف لام را [۱] یہ ایک (عظیم الشان) کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اس کے راستہ کی طرف جو بہت غالب بہت تعریف کیا ہوا ہے۔[۲]

اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِۣ ۙ﴿۲﴾

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کفار کے لئے سخت عذاب کے باعث بربادی ہے۔

الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾

۳۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس (دین حق) میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔[۳]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ کریں۔

[۲] میرے پیارے نبی ﷺ! آپ پر قرآن مجید نازل کرنے کی غرض یہ ہے کہ آپ لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی سے آشنا کر دیں۔ یہاں روشنی سے مراد وہ راستہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔

[۳] جو لوگ اس دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں، نیز لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسلام میں خامیاں تلاش کرتے ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں سرگرم رہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور یہی وہ لوگ ہیں جو گمراہی میں اتنے دور جا چکے ہیں کہ ان کا واپس ہدایت کی طرف لوٹنا مشکل ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝۴

۴۔ ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے، [۴] پس اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

[۴] چونکہ ہر نبی علیہ السلام کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جس میں وہ نبی علیہ السلام بھیجا جاتا ہے اس لئے اسی قوم کی زبان میں وحی بھیجی جاتی ہے تا کہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو، پھر جو لوگ کلام الٰہی میں غور وفکر کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے اور وہ ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے روگردانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب لوگ اہل عرب تھے اس لئے وحی کا نزول عربی زبان میں ہوا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف عربی زبان ہی جانتے تھے۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے نبی اور رحمت تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے علاوہ جنوں، جانوروں اور درختوں کی بولیاں بھی جانتے تھے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض انصار کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی لاتے تھے، ان کا وہ اونٹ سرکش ہو گیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اونٹ کی شکایت کی کہ وہ سرکش ہو گیا ہے، وہ اپنی پشت پر پانی لادنے نہیں دیتا اور ہمارے باغ سوکھے پڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو لے کر اس باغ میں گئے جس کے ایک کونے میں وہ اونٹ کھڑا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کی طرف جانے لگے، انصار نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اونٹ تو اب کاٹنے والے کتے کی طرح پاگل ہو گیا ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ کر دے گا۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے، جب اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو وہ آپ کی طرف آیا اور آپ کے سامنے آکر سجدہ میں گر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے زیادہ متواضع اور فرماں بردار تھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا۔ آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا: یہ بے عقل جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم عقل والے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بشر کے لئے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بشر کے لئے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا اپنی بیوی پر عظیم حق ہے۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۱۵۸)

۲۔ عبداللہ بن یعلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھیں۔ میں آپ کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا، آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کا بیٹا بہت سخت جنون میں مبتلا تھا، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں میرے بیٹے کا کیا حال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کے لئے دعا کروں۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی، پھر آپ چلے گئے، پھر آپ ایک اونٹ کے پاس

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ

۵۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ (اے موسیٰ علیہ السلام!) تم اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آؤ[۵] اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد

سے گزرے جو اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ، جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: یہ اونٹ کہہ رہا ہے: میں ان کے ہاں پیدا ہوا، انہوں نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا حتیٰ کہ اب میں بوڑھا ہو گیا تو یہ لوگ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ آگے گئے تو آپ نے دو الگ الگ درختوں کو دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا: جاؤ ان دونوں درختوں سے کہو کہ وہ مل کر متصل ہو جائیں، جب وہ درخت مل گئے تو آپ نے ان کی اوٹ میں رفع حاجت کی اور فرمایا: جاؤ ان سے کہو: اب یہ الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے گئے، جب واپس آئے تو اس بچہ کے پاس سے گزرے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس کی ماں کے پاس چھ مینڈھے تھے، اس نے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کئے اور کہنے لگی: اس پر دوبارہ بالکل جنون طاری نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر اور فاسق جنوں اور انسانوں کے۔

(معجم کبیر: جلد ۲۲: ص ۲۶۱)

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک ہرنی پکڑ کر خیمے میں باندھ رکھی تھی۔ ہرنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے دو بچے ہیں، آپ ان سے میرے لئے اجازت لیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے والوں سے کہا: اس ہرنی کو چھوڑ دو یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر تمہارے پاس واپس آ جائے گی، خیمہ والوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا کون ذمہ دار ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ انہوں نے ہرنی کو چھوڑ دیا، وہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی اور خیمہ والوں نے اس کو باندھ دیا۔ (خصائص کبریٰ: جلد ثانی: ص ۶۱) زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی کے مالک سے کہا: کیا تو یہ ہرنی مجھے بیچ سکتا ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزاد کر دیا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اسے دیکھا کہ وہ ہرنی جنگل میں دوڑتی جا رہی تھی اور کہتی تھی: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(دلائل النبوۃ: امام بیہقی: جلد ۶: ص ۳۵)

[۵] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات اور تورات کی آیات دے کر بھیجا تا کہ آپ اپنی قوم کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر اس لئے بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو نور کا راستہ دکھائیں۔ سورۂ آل عمران (۳) کی آیت نمبر ۴۹ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کی طرف بھیجا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہیں نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کی طرف یا اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

دلاؤ، بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔[۶]

بلکہ اسی سورت کی سب سے پہلی آیت میں اعلان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ کی طرف قرآن مجید اس لئے نازل کیا گیا تا کہ آپ تمام لوگوں کو نور کا راستہ دکھائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کسی ایک علاقہ یا قوم کے نبی نہیں ہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے نبی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۸۴ ملاحظہ کریں۔

[۶] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور گزشتہ اقوام کے واقعات یاد دلائیں کیونکہ ان میں مصائب پر صبر کرنے والوں اور احسانات پر شکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

صبر اور شکر کرنے کے بارے میں چند احادیث

۱۔ اس آیت کی تشریح میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان دو حصوں کا مجموعہ ہے: آدھا حصہ صبر میں اور آدھا حصہ شکر میں ہے۔
(تفسیر قرطبی)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی بڑی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لئے بہتر ہے اور یہ امتیاز ایک مؤمن کے سوا کسی کو حاصل نہیں یعنی اگر اس کو راحت پہنچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ راحت اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لئے بہتر ہے۔ (مسلم حدیث نمبر ۲۹۹۹: کتاب الزھد: باب ۱۳)

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ علیہ السلام! میں تمہارے بعد ایک امت کو بھیجنے والا ہوں، جب ان کو ان کی محبوب چیزیں ملیں گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور جب ان پر مکروہ چیزیں نازل ہوں گی تو وہ ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے اور ان کا ذاتی حلم اور علم نہیں ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: یارب! یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا: میں ان کو اپنا حلم اور علم عطا کروں گا۔
(شعب الایمان: للبیہقی: حدیث نمبر ۴۴۸۲: جلد ۴: ص ۱۱۵ اور مستدرک للحاکم: حدیث نمبر ۱۲۸۹: جلد اوّل: ص ۴۹۹)

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ پائی جائیں اللہ تعالیٰ اس کو صابر اور شاکر لکھ دیتا ہے، یعنی جس نے دین کے معاملہ میں اپنے سے برتر میں غور کیا، پھر اس کی اقتدا کی اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کمتر میں غور کیا، پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اس کو اس پر فضیلت دی، پس اللہ تعالیٰ اس کو صابر و شاکر لکھ دیتا ہے۔

اس کے برعکس جس نے دین کے معاملہ میں اپنے سے کمتر میں غور کیا اور دنیا کے معاملہ میں اپنے سے برتر میں غور کیا، پھر جس دنیاوی چیز سے وہ محروم ہے اس پر افسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نہ اس کو شاکر لکھتا ہے اور نہ صابر۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۲۵۱۲: ابواب صفۃ القیامۃ: باب ۵۸)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۶ ع

۶۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو جب اس نے تم کو آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔ [۷]

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ

۷۔ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا [۸] اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا

[۷] نجومیوں نے فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیرے اقتدار کو ختم کر دے گا، چنانچہ اس نے حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کر دیا جائے۔ والدین کے سامنے کمسن بیٹوں کو ذبح کرنا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ احسان یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی، لہٰذا ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر لازم ہے۔

[۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قانون بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے۔ اضافہ سے مراد ظاہری نعمتوں میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرے۔

شکر کے بارے میں چند احادیث

۱۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں اس قدر قیام فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر ورم آ گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے (پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(بخاری: حدیث نمبر ۴۸۳۶: تفسیر القرآن: سورہ نمبر ۴۸)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جس سے آپ کو خوشی ہوتی تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں چلے جاتے۔

(ابن ماجۃ: اقامۃ الصلوۃ: باب ۱۹۲)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔

(مسند احمد: جلد ۴: ص ۲۷۸)

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھا کر شکر کرنے والے کو وہ اجر ملے گا جو صبر کر کے روزہ

لَشَدِيْدٌ ۞

عذاب بہت سخت ہے۔[۹]

وَ قَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞

۸۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اور روئے زمین کے تمام لوگ ناشکری کرو تو بھی یقیناً اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب تعریفوں کا مستحق ہے۔[۱۰]

رکھنے والے کو ملے گا۔ (شعب الایمان: بیہقی: حدیث نمبر ۴۴۶۱: جلد ۴: ص ۱۱۱)

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تھوڑے سے رزق سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان: حدیث نمبر ۴۵۸۵: جلد ۴: ص ۱۳۹)

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سے کمتر میں غور کرو اور اپنے سے برتر میں غور نہ کرو۔ یہ زیادہ مناسب ہے تا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہ جانو۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۵۱۳: ابواب صفة القیامة: باب ۵۸)

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں جبکہ تیری سب سے چھوٹی نعمت کی جزا بھی میری تمام بڑی عبادات نہیں ہو سکتیں تو ان پر وحی آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تم نے اب میرا شکر ادا کر دیا۔

(شعب الایمان: حدیث نمبر ۴۴۱۵: جلد ۴: ص ۱۰۱)

۸۔ مغیرہ بن عتیبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کسی نے مجھ سے بھی زیادہ لمبی رات تک تیرا ذکر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: ہاں! مینڈک نے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آلِ داؤد! شکر کرو، میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں۔'' (قرآن: ۳۴: ۱۳) حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تیرے شکر کی کیسے طاقت رکھ سکتا ہوں حالانکہ تو مجھ پر نعمت فرماتا ہے پھر تو مجھے اس نعمت پر شکر کی توفیق دیتا ہے (تو شکر کی یہ توفیق تیری طرف سے ایک اور نئی نعمت بن جاتی ہے۔ تفسیر قرطبی) اس طرح نعمت پر نعمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اے میرے رب! جب نعمت بھی تیری طرف سے ہے اور اس نعمت پر شکر کی توفیق بھی تیری طرف سے ہے تو پھر میں شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچاننے کا حق ادا کر دیا ہے۔ (شعب الایمان: حدیث نمبر ۴۴۱۳: جلد ۴: ص ۱۰۱)

۹۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! میں تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرو: اللھم اعنی علی ذکر ک و شکر ک و حسن عبادتک۔ اے اللہ تعالیٰ! اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اچھے طریقے سے اپنی عبادت پر میری مدد فرما۔

(ابو داؤد: کتاب الصلوٰۃ: باب ۳۶۱)

[۹] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں انہیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور اگر کسی حکمت کے باعث دنیا میں نہ آئے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

[۱۰] یعنی اگر روئے زمین کے تمام لوگ ناشکری کرنے لگیں تو بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر حال میں ہر

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹

۹۔ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی قومِ نوح، عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال لئے اور کہنے لگے: ہم نے اس دین کا انکار کر دیا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور بے شک جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے متعلق بڑے سخت شک میں مبتلا ہیں۔ [۱۱]

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

۱۰۔ ان کے رسولوں نے کہا: کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والا ہے، وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے، انہوں نے کہا: تم تو صرف ہماری طرح بشر ہو، تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان سے روک دو جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے، سو تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤ۔ [۱۲]

قسم کی تعریفوں کا مستحق ہے۔ اس کے لئے سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۷ بھی ملاحظہ کریں۔

[۱۱] کیا تمہیں قومِ نوح اور قومِ عاد و ثمود کی ہلاکت کا علم نہیں جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں ڈال لئے اور غضبناک ہو کر کہنے لگے: ہم تمہارے دین کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہم اس کے متعلق سخت شک میں مبتلا ہیں۔

[۱۲] رسولوں نے منکرین سے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید کے بارے میں شک کرتے ہو حالانکہ وہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور یہ نظامِ کائنات اس کی ہستی کا ایسا ثبوت ہے جو ہر خاص و عام کو واضح نظر آتا ہے اور وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں زندگی کی مہلت دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر کر کے توبہ کر لو لیکن ہر دور کے منکرین کے پاس ایک ہی قسم کے اعتراضات تھے یعنی یہ ہماری طرح انسان ہیں تو پھر یہ نبی کیسے بن سکتے ہیں؟ نیز یہ ہماری پسند کا کوئی معجزہ بھی نہیں دکھا سکتے اور ان کی خواہش صرف یہی ہے کہ ہمیں ہمارے باپ دادا کے مذہب سے دور کر دیں مگر ہم اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا: اگرچہ ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے، اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں، اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔[۱۳]

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

۱۲۔ اور ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیوں نہ کریں حالانکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں دکھائی ہیں، اور ہم ضرور تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کریں گے، اور توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور کفار نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم ضرور تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا تمہیں ہمارے مذہب میں آنا ہوگا، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کردیں گے۔[۱۴]

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور ان کے بعد ہم تم کو اس ملک میں ضرور آباد کریں گے، یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور میرے عذاب سے خائف ہے۔

---

[۱۳] سارے نبی اگرچہ انسان ہی ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نبوت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے اور یہ انسان کے لئے سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، اور کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر معجزہ نہیں دکھاتا۔ اللہ تعالیٰ سارے نبیوں کو ہدایت کے راستے دکھاتا ہے۔ سارے نبی اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرتے ہیں اور منکرین کی ایذارسانیوں سے گھبراتے نہیں بلکہ ان پر صبر کرتے ہیں۔

[۱۴] منکرین نے رسولوں سے کہا کہ وہ ہمارے باپ دادا کے مذہب پر آجائیں ورنہ انہیں ملک بدر کردیا جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی بھیجی کہ وہ منکرین کی ایذارسانیوں پر صبر کریں۔ بالآخر ان منکرین کو ہلاک کردیا جائے گا اور ان کی ہلاکت کے بعد اہل ایمان کو اس ملک میں آباد کیا جائے گا اور یہ وعدہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو یہ ایمان رکھتا ہے کہ اسے قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اس لئے وہ اس دن سے خائف رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ چند سالوں کے بعد منکرین کو مکہ چھوڑنا پڑا اور اس میں صرف اہل ایمان آباد کئے گئے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور رسولوں نے فتح مانگی اور ہر سرکش ضدی نامراد ہو گیا۔[۱۵]

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اس کے بعد جہنم ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔[۱۶]

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ پیئے گا اور اسے حلق سے نیچے اتار نہ سکے گا اور اسے ہر طرف سے موت آ گھیرے گی اور وہ مرے گا نہیں، اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہوگا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جس کو آندھی کے دن تیز ہوا نے اُڑا دیا ہو، وہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے، یہی بہت دور کی گمراہی ہے۔[۱۷]

[۱۵] جب منکرین نے مخالفت کی انتہا کر دی تو رسولوں نے ان کے خلاف دعا مانگی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ہر سرکش اور ضدی ناکام و نامراد ہو گیا۔

[۱۶] دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کی ایک جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ منکر کو جہنم میں پیپ کا پانی پلایا جائے گا، وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ کر کے پیئے گا اور وہ حلق سے نیچے نہیں اُتر سکے گا اور اسے ہر طرف سے مہلک مصائب آ گھیریں گے حتیٰ کہ وہ اس جینے پر مرنے کو ترجیح دے گا مگر وہ مرے گا نہیں بلکہ ہمیشہ ایسی تکلیف میں مبتلا رہے گا کہ ہر لحظہ نیا عذاب محسوس کرے گا۔ یہ آیت سرکش اور نافرمان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

[۱۷] جب آندھی کی تیز ہوا چلتی ہے تو راکھ کے ڈھیر کو اُڑا کر اس طرح منتشر کر دیتی ہے کہ اس کا نام ونشان ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے رب پر ایمان نہیں لاتے تو کفر و شرک کی وجہ سے ان کے اعمال اسی دنیا تک محدود رہ جاتے ہیں اور قیامت کے لئے ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور یہ بہت بڑی گمراہی اور محرومی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍۙ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور (تمہاری جگہ) کوئی نئی مخلوق لے آئے۔[۱۸]

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ۠ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور (روزِ محشر) سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کمزور لوگ متکبرین سے کہیں گے: ہم تو (ساری عمر) تمہارے تابع رہے تو کیا (آج) تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمیں کچھ بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے، ہمارے لئے برابر ہے خواہ ہم پریشان ہوں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔[۱۹]

ع

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ

۲۲۔ اور (روزِ محشر) جب ہر کام کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی،[۲۰] اور میرا تم پر کوئی غلبہ تو تھا نہیں مگر یہ

---

[۱۸] اے اہل مکہ! جس طرح پہلی نسلیں یعنی تمہارے آباء و اجداد کا کہیں نام و نشان نہیں اور ان کی جگہ اب تم موجود ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو بھی فنا کر دے اور تمہاری جگہ جن کو چاہے یہاں لا کر آباد کر دے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ جو زمین و آسمان کو پیدا کر سکتا ہے اس کے لئے تمہیں مار کر تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

[۱۹] قیامت کے دن جب سب لوگ اکٹھے ہوں گے اور ہر ایک کو اپنے اعمال اور ان کا انجام نظر آئے گا تو کمزور لوگ اپنے گمراہ اور کافر لیڈروں سے کہیں گے: ہم ساری عمر آنکھیں بند کر کے تمہاری پیروی کرتے رہے، آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ اس وقت یہ کافر لیڈر حسرت بھری آواز میں جواب دیں گے: ہم تم کو کیا بچائیں آج تو ہم خود بھی نہیں بچ سکتے، کیونکہ ہم خود بھی گمراہ تھے اور تم کو بھی گمراہ کر دیا۔ اب ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں یا صبر کریں دونوں صورتوں میں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

[۲۰] اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حضرت عقبہ بن عامر ﷛ کی روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب

سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّيْ

کہ میں نے تمہیں (برائی کی) دعوت دی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی، لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو، [۲۱] نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا

اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو (میدانِ حشر میں) جمع کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا تو اہل ایمان کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کون کرے گا؟ اس لئے وہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے مگر وہ معذرت کر دیں گے: پھر حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، پھر سب لوگ میرے پاس آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ مجھے اجازت دے گا اور میں کھڑا ہوں گا تو میری مجلس سے ایسی خوشبو پھیلے گی جسے آج تک کسی نے نہ سونگھا ہوگا، پھر میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گا اور وہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور مجھے میرے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک منور کر دے گا۔ یہ منظر دیکھ کر کافر کہیں گے: مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا اب ہمارے لئے کون شفاعت کرے گا؟ پھر وہ کہیں گے: شیطان کے پاس چلو اسی نے ہمیں گمراہ کیا تھا وہی ہماری شفاعت کرے گا، چنانچہ وہ سب شیطان کے پاس آ کر کہیں گے: اہل ایمان کو تو اپنا شفیع مل گیا اب تم اٹھو اور ہماری شفاعت کرو کیونکہ تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا، پس شیطان کھڑا ہوگا تو اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی جسے آج تک کسی نے نہ سونگھا ہوگا: اس وقت شیطان کہے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۲۲۴۵)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور شیطان کا وعدہ

اس وقت شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی، سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا، نیکوکار جنت میں اور بدکار جہنم میں جائیں گے اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت نہیں آئے گی، مر کر دوبارہ زندہ ہونے والی بات غلط ہے، کوئی حساب و کتاب نہیں ہوگا، لہٰذا حلال و حرام کا فرق کئے بغیر جیسے چاہو اس دنیاوی زندگی کو پر لطف بناؤ، سو اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے تھے وہ سب سچے ثابت ہو گئے ہیں اور میں نے تم سے جو وعدے کئے تھے وہ سب جھوٹے تھے۔

[۲۱] اس وقت منکرین غضب ناک ہو کر شیطان کو ملامت کرنے لگیں گے اور کہیں گے: تیرا ستیاناس ہو تو نے اس وقت ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے سے روکے رکھا اور اب تو ہمیں یوں صاف جواب دے رہا ہے۔ شیطان کہے گا: میں نے تمہیں کب مجبور کیا تھا کہ تم ضرور میری پیروی کرو، میں نے تو تمہیں صرف برائی کی ترغیب دی اور تم اس میں اپنا فائدہ سمجھتے ہوئے میرے پیروکار بن گئے اور تم نے یہ نہ سوچا کہ میں تمہارا کھلا دشمن ہوں، لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ اگر کوئی تمہیں کہے کہ سمندر میں چھلانگ لگا دو اس کی تہہ میں ہیرے اور جواہرات ہیں ان کو نکال لاؤ تو جب چھلانگ لگانے سے تمہاری موت واقع ہو جائے، تو اس ہلاکت کا ذمہ دار وہ شخص نہیں ہوگا جس نے تمہیں ترغیب دی بلکہ اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے جنہوں نے یہ حماقت کی۔

كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، [۲۲] اس سے پہلے جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا تھا میں اس سے انکار کرتا ہوں، بے شک ظالموں کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ ایسی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہاں ان (کی ملاقات) کا تحفہ ''سلام'' ہوگا۔ [۲۳]

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کہ پاکیزہ کلمہ اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ [۲۴]

---

[۲۲] میدانِ محشر میں شیطان اپنے پیروکاروں سے کہے گا: آج نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ تمہیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنا ہوگی اور مجھے اپنی سرکشیوں کا عذاب جھیلنا ہوگا۔ نیز دنیا میں تم میں سے جو مجھے خدا کا شریک سمجھتے تھے میں انہیں بھی واضح کر دیتا ہوں کہ میں خدا کا شریک نہیں ہوں۔ تم نے محض اپنی حماقت کی وجہ سے مجھے خدا کا شریک بنا رکھا تھا۔

[۲۳] جنت سلامتی کا گھر ہے، وہاں سلام بطور مبارکباد ہوگا یعنی آپ کو مبارک ہو کہ آپ سلامتی کے گھر میں آگئے ہیں یا ترقی درجات کے لئے ایک دوسرے کو دعائیں دیں گے۔

[۲۴] پاکیزہ کلمہ سے مراد ایمان ہے اور پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) یعنی جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی ہیں اور کوئی آندھی ان کو اکھیڑ نہیں سکتی، اس کی شاخیں عام درختوں سے بلند ہوتی ہیں مگر ان کے سر جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کا پھل ہر وقت کار آمد ہوتا ہے وہ کچا ہو یا پکا، وہ تازہ ہو یا سوکھا ہر حال میں نعمت ہی نعمت ہے۔ اسی طرح ایمان کی بنیاد بھی دل کی گہرائی میں پیوست ہوتی ہے اور دنیا کی کوئی مصیبت اس کو متزلزل نہیں کر سکتی، اہل ایمان کے اخلاق اور اعمال عام انسانوں سے بلند ہوتے ہیں مگر عاجزی و انکساری سے ان کی آنکھیں جھکی رہتی ہیں اور ایمان والے کا ہر کام عبادت شمار ہوتا ہے چاہے وہ نماز پڑھ رہا ہو یا سو رہا ہو۔ وہ مصیبت پر صبر کر رہا ہو یا نعمت پر شکر ادا کر رہا ہو ہر حال میں رحمت ہی رحمت ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے، اگر تم مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو تو وہ تم کو نفع دے گا، اس کے

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ وہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور ناپاک کلمہ کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کو ذرہ برابر قرار نہ ہو۔[۲۵]

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع

۲۷۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔[۲۶]

ہر حال میں نفع ہے، اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ (شعب الایمان: حدیث نمبر ۹۰۷۲: جلد ۶: ص ۵۰۴)

علامہ فخر الدین رازی نقل کرتے ہیں کہ جس طرح درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں یعنی اس کی جڑیں، اس کا تنا اور اس کی شاخیں، اسی طرح ایمان کے بھی تین ارکان ہیں یعنی دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل۔ (تفسیر کبیر) اگر درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو اس کا تنا اور اس کی شاخیں خشک ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر ایمان کی تصدیق دل سے ختم ہو جائے تو اس کے اقوال اور افعال بے کار ہو جاتے ہیں، لہٰذا ایمان میں دل کی تصدیق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

[۲۵] ناپاک کلمہ سے مراد کفر ہے اور ناپاک درخت سے مراد حنظلہ (اندرائن) کا درخت ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) یعنی جس طرح حنظلہ کا درخت بظاہر خوبصورت نظر آتا ہے مگر چونکہ اس کی جڑیں زمین کے اوپر ہوتی ہیں اس لئے تھوڑی سی تیز ہوا چلے تو وہ اکھڑ جاتی ہیں۔ اسی طرح کافر کے اعمال بھی بظاہر خوبصورت نظر آتے ہیں مگر چونکہ ان کے پیچھے ایمان کی طاقت نہیں ہوتی اس لئے جونہی موت کی گھڑی آتی ہے اس کے اعمال کو زائل کر دیتی ہے۔

[۲۶] جو لوگ صدقِ دل سے ایمان لاتے ہیں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی آزمائشوں میں بھی استقامت عطا فرماتا ہے اور قبر و حشر کے مشکل مراحل میں بھی ان کی دستگیری فرماتا ہے، لیکن جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور مظالم پر کمر بستہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نقل کرتے ہیں کہ حضرت سہیل بن عمار رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اُتار دیا۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔[۲۷]

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنا لئے تاکہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بہکائیں، آپ فرمائیے: تم (چندروزہ) فائدہ اٹھالو، پھر یقیناً تمہارا انجام آگ ہی کی طرف ہوگا۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ

۳۱۔ آپ ﷺ میرے مؤمن بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں[۲۸] اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس

کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا: سنائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ انہوں نے کہا: قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک اور سخت فرشتے آئے اور مجھ سے دریافت کیا: تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ میں نے اپنی سفید داڑھی کو پکڑ کر کہا: کیا تم میرے جیسے شخص سے اس قسم کے سوالات پوچھتے ہو؟ میں اسی (۸۰) سال تک لوگوں کو تمہارے ان ہی سوالات کے جوابات پڑھاتا رہا ہوں۔ (تفسیر قرطبی)

سوالاتِ قبر کے لئے تفصیل سورہ اعراف (۷) کے حاشیہ نمبر ۳۰ میں ملاحظہ کریں۔

[۲۷] اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں نعمتوں سے نوازا، انہیں بیت اللہ کا قرب عطا فرمایا جس کی وجہ سے پورا عرب ان کی عزت کرتا تھا، پھر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آتے مگر انہوں نے ناشکری کی انتہا کر دی۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنی قوم کو جہنم کا مستحق بنا دیا بلکہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر بیت اللہ کے اندر رکھ دیا اور باہر سے آنے والے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنا شروع کر دیا، لہٰذا پیارے نبی ﷺ! ان کو بتا دو کہ اگر تم اس شرک سے باز نہ آئے تو پھر یہی چند روزہ زندگی ہے، اس سے بے شک فائدہ اٹھالو لیکن آخرت میں تمہیں جہنم کی آگ میں ہی جانا پڑے گا جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

[۲۸] نماز کے آداب اور اس کے فوائد کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۲۰۰ اور سورہ ہود (۱۱) کا حاشیہ نمبر ۹۴ ملاحظہ کریں۔

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے رہیں [۲۹] اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔ [۳۰]

نماز کے دوران غیر متعلقہ خیالات

اگر ہم میں سے کسی کو اپنے ملک کے وزیر اعظم کے گھر میں جانے کا موقع ملے تو وہ اپنے دل و دماغ دونوں کو سنبھال کر بڑے ادب کے ساتھ اپنی گزارشات پیش کرتا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ جب ہم ساری کائنات کے خالق اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد میں جاتے ہیں اور نماز کے دوران اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں تو ہمارے دل اور دماغ کسی دوسری جگہ گھوم رہے ہوتے ہیں۔ دراصل یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے جس سے شیطان فائدہ اٹھا کر ہمارے خیالات کو منتشر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر ہم درج ذیل امور کا خیال رکھیں تو نماز کے دوران خیالات پر قابو پایا جا سکتا ہے، مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو ہر وقت اور ہر جگہ دیکھ رہا ہے اگرچہ ہم اس کا احساس بہت کم کرتے ہیں لیکن کم از کم نماز کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گزارشات پیش کرتے وقت تو بھرپور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے تاکہ ہم اپنی نماز میں زیادہ سے زیادہ احتیاط اور یکسوئی پیدا کر سکیں۔

۲۔ ہمیں نماز کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں یاد کرنا چاہیے تاکہ زبان سے عربی الفاظ کہتے وقت ہمارا دل اور دماغ اس کے معانی پر غور کر رہا ہو۔ اس طرح دیگر خیالات کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

۳۔ ہمیں ہر نماز اتنی احتیاط سے ادا کرنی چاہیے جیسے وہ ہماری زندگی کی آخری نماز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے دوسری نماز سے پہلے ہماری موت کا وقت آجائے، اور اگر ہم نے اس آخری نماز کو پورے آداب کے ساتھ ادا نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے مسجد میں میرے سامنے کھڑے ہو کر نماز کا حق ادا نہیں کیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

۴۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے۔ یہ پوچھنے پر کہ نماز کا چور کون ہے؟ جواب دیا: جو نماز میں رکوع اور سجدہ اچھے طریقہ سے ادا نہیں کرتا۔ مقام غور ہے کہ ہمارا مہمان یا اُستاد دیکھ رہا ہو تو ہم بڑے آرام سے نماز پڑھتے ہیں اور ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہو تو ہم پوری توجہ نہیں کرتے، یہ انتہائی غلط بات ہے۔

۵۔ نماز میں کھڑے ہوئے نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھیں۔ اس طرح اگلی صف میں کھڑے ہوئے نمازی کا سر نظر نہیں آتا اور بیٹھے ہوئے نگاہ کو گود میں رکھیں تو اگلی صف میں بیٹھا ہوا انسان بالکل نظر نہیں آتا۔ جب ہماری نگاہ محدود رہے گی تو ہمارے خیالات بھی محدود ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر ہم نگاہ سامنے رکھیں گے تو پوری مسجد اور اگلے سارے نمازی نظر آئیں گے اور مختلف مناظر سے مختلف خیالات پیدا ہوں گے جن سے ہماری یکسوئی اور توجہ منتشر ہو جائے گی۔

[۲۹] پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرنے کے بارے میں سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۲۳۲ ملاحظہ کریں۔

[۳۰] اہل ایمان کی دوستیاں مرنے کے بعد بھی قائم رہیں گی۔ اس کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۲۱۷ اور سورہ رعد (۱۳) کا حاشیہ نمبر ۳۲ ملاحظہ کریں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس پانی کے ذریعہ تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کردیا تا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کردیا۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۚ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کردیا جو مسلسل گردش کررہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کردیا۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۠﴿۳۴﴾ ع

۳۴۔ اور تمہیں ہر اس چیز سے عطا فرمایا جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہیں کرسکتے، بے شک انسان بڑا ہی ظالم بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔[۳۱]

[۳۱] اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق سے پہلے تمہاری ضروریات زندگی کا انتظام فرمایا، یہ زمین اور آسمان، پانی اور پھل، چاند اور سورج، دریا اور سمندر اور گردش لیل ونہار سب تمہارے لئے نفع بخش ہیں، پھر تمہاری تخلیق کے بعد تم نے اپنی خواہشات کے لئے جو مانگا یا تمہاری فطرت نے جس چیز کا تقاضا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے بھی اسباب پیدا فرمادیئے۔ الغرض اس کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ تم ان کو شمار تک نہیں کرسکتے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تم ان بے شمار نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے مگر صد افسوس! تم میں سے اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرکے اپنے اوپر ظلم کیا اور شکر گزار بندے بہت کم نکلے۔ (قرآن: ۱۴:۳۴:۱۳)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک فقیر نے ایک بزرگ سے اپنی غربت کی شکایت کی۔ اس بزرگ نے پوچھا: کیا تو یہ پسند کرے گا کہ دس ہزار درہم دے کر تجھے اندھا بنادیا جائے؟ اس فقیر نے جواب دیا: نہیں۔ بزرگ نے پھر پوچھا: اگر تیرے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر تجھے بیس ہزار درہم دے دیئے جائیں تو کیا تو پسند کرے گا؟ فقیر نے جواب دیا: نہیں۔ بزرگ نے پھر پوچھا: اگر دس ہزار درہم کے بدلے میں تجھے مجنون بنادیا جائے تو کیا تو یہ پسند کرے گا؟ فقیر نے جواب دیا: نہیں۔ اس پر بزرگ نے کہا: کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ تو اپنے اس مالک کی شکایت کررہا ہے جس نے تجھے چالیس ہزار درہم کی نعمتیں دے رکھی ہیں۔ (تفسیر روح البیان)

بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ وہ بھی نعمتیں ہیں اور پھر ہر نعمت کتنی قیمتی ہے۔ اس کے لئے

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھے اور میرے بچوں کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔[۳۲]

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پس جس نے میری پیروی کی تو بے شک وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ

۳۷۔ اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسادیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم

میں آپ کو پانی کے ایک گلاس کی قیمت بتاتا ہوں اس سے آپ دوسری بڑی نعمتوں کا اندازہ کر سکیں گے۔ اگر ایک بادشاہ جنگل میں شکار پر جائے، کسی وجہ سے وہ جنگل میں گم ہو جائے اور ساتھی اس کو تلاش نہ کر سکیں۔ چند دنوں کے بعد ایک مسافر دیکھتا ہے کہ بادشاہ موت وحیات کی کشمکش میں زمین پر پڑا ہے اور پانی پانی پکار رہا ہے اور اگر چند لمحے مزید اس کو پانی نہ ملتا تو وہ مرنے والا تھا۔ وہ مسافر مرتے ہوئے بادشاہ کو دیکھ کر کہتا ہے: پانی تو میرے پاس ہے مگر مجھے بھی اس کی ضرورت ہے، البتہ اگر تو مجھے اپنی ساری جائیداد اور بادشاہی لکھ کر دے دے تو میں تمہیں پانی دے سکتا ہوں۔ وہ بادشاہ اپنی ساری جائیداد اور بادشاہی لکھ کر دیدے گا تاکہ اپنی جان بچا سکے۔ اب اندازہ کرو اگر ساری بادشاہی صرف پانی کے ایک گلاس کی قیمت کے برابر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور ایمان وغیرہ کی عظیم نعمتیں دے رکھی ہیں ان کی قیمت کیا ہوگی؟ کاش! ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس کریں اور ان کے شکر کی فکر کریں۔

[۳۲] اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تفصیلی دعا کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یعنی اے میرے رب! مکہ شہر کو امن والا بنادے تاکہ لوگ اس میں امن کے ساتھ تیرے گھر کی زیارت کر سکیں۔ مجھے اور میرے بچوں کو بتوں کی عبادت سے دور رکھنا کیونکہ بتوں کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوئے ہیں، لہٰذا میری اولاد میں سے جس نے میری پیروی کی وہ تو تیرے احکام پر عمل کر کے تیری رحمت کو پالے گا مگر جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو ہی غفور ورحیم ہے۔ اگر وہ توبہ کرے گا تو وہ بھی تیری بخشش کو پالے گا۔ اس میں قریش مکہ کے لئے تنبیہ ہے کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے کعبہ کی تعمیر کی وہ تو بتوں کی عبادت کرنے سے پاک تھے، پھر تم ان کی اولاد ہو کر بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۝۳۷

رکھیں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اوران کو پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ (تیرا) شکرادا کریں۔[۳۳]

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ۝۳۸

۳۸۔ اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۝۳۹

۳۹۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ۝۴۰

۴۰۔ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے، اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۝۴۱ ع

۴۱۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔[۳۴]

---

[۳۳] اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد یعنی اسماعیل علیہ السلام کو اس بے آب وگیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسادیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ اے میرے رب! تو دوسرے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما تاکہ یہ تیرے شکر گزار رہیں۔ جو خوش نصیب آج بیت اللہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے وہ اس دعا کا عملی مشاہدہ کرتا ہے کہ پوری دنیا سے لاکھوں انسان وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دنیا کا ہر قسم کا پھل بھی وہاں دستیاب ہوتا ہے۔

[۳۴] کتنی پیاری دعا ہے، پہلے اپنے اور اپنی اولاد کے نماز پر پابند رہنے کی دعا کی اور پھر اپنی ذات، اپنے والدین اور تمام اہل ایمان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ اس دعا کو اتنا قبول عام نصیب ہوا کہ آج بھی مسلمان نماز میں انہی الفاظ کے ساتھ اپنے والدین کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مسلمان تھے اسی لئے ان کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے اور آزر آپ کا والد نہیں بلکہ چچا تھا اور وہ کافر تھا۔ اس کی تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۷۰ ملاحظہ کریں۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾

۴۲۔ اور تم یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ جو کچھ ظالم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دے رہا ہے اس دن تک کے لئے جس میں (خوف کے مارے) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔[۳۵]

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اپنے سروں کو اوپر اُٹھائے دوڑے جارہے ہوں گے اس حال میں کہ ان کی پلکیں بھی نہ جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل اُڑے جارہے ہوں گے۔

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

۴۴۔ اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آجائے گا تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی دیر کے لئے مہلت دے دے ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے، کیا تم لوگ اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر زوال نہیں آئے گا۔[۳۶]

وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں آباد تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب واضح ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بھی بیان کردی تھیں۔

[۳۵] جن ظالموں کو اس دنیا میں سزا نہیں ملتی وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مظالم سے بے خبر ہے، دراصل اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت انہیں قیامت کے دن تک کے لئے ڈھیل دیتا ہے، اور جب وہ دن آجائے گا تو قبروں سے اُٹھتے ہی سخت خوف وہراس کے باعث یہ ظالم سر اٹھائے سرگرداں دوڑیں گے۔ جدھر نظر اٹھائیں گے وہ دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور مردوں کی طرح اپنی پلکیں بھی نہ جھپک سکیں گے اور ان کے دل گھبراہٹ سے اُڑے جارہے ہوں گے اور ان کا کلیجہ منہ کو آرہا ہوگا۔

[۳۶] قیامت کے دن ظالموں کو جب اپنا عذاب سامنے نظر آجائے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہیں گے: ہمیں تھوڑی مدت کے لئے دوبارہ دنیا میں بھیج دے ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو رد کرتے ہوئے فرمائے گا: کیا تمہیں وہ دعوے یاد نہیں ہیں جب تم قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا اور کوئی قیامت یا حساب وکتاب نہیں ہوگا

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۗ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی سازشیں کیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سازش کا توڑ تھا، اگرچہ ان کی سازشیں ایسی (زبردست) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اکھڑ جاتے۔[۳۷]

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ تم یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدہ کے خلاف کرنے والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ غالب بدلہ لینے والا ہے۔[۳۸]

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے جو ایک ہے غالب ہے۔[۳۹]

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

حالانکہ ہمارے رسولوں نے تمہیں بتادیا تھا کہ تم سے پہلے جن قوموں نے ہمارے پیغام کو جھٹلایا ان پر کس قسم کا عذاب آیا تھا اور پہلی قوموں کی تباہی کی مثالیں بھی تم سن چکے تھے اس کے باوجود تم نے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔

[۳۷] مشرکین مکہ نے اسلام کو مٹانے اور نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کے لئے ایسی زبردست سازشیں کیں کہ ان سے پہاڑ بھی اُکھڑ جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری سازشیں ناکام بنادیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو ایمان کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہ پہاڑوں سے بھی سخت تھا۔

[۳۸] اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی مدد کرنے اور ان کے منکرین کو سزا دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ اگر کسی حکمت کے تحت اس نے ظالموں کو اس دنیا میں سزا نہ دی تو آخرت تو آکر رہے گی اور اس میں کوئی ظالم سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

[۳۹] قیامت کے دن جب سارے لوگ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عدالت میں حاضر ہوں گے تو اس دن زمین و آسمان نئی قسم کے ہوں گے۔ آسمان پر ستارے نہیں ہوں گے اور زمین پر بھی نہ بلند پہاڑ اور ٹیلے ہوں گے اور نہ ہی گہرے غار بلکہ ایک صاف اور ہموار میدان کی صورت میں ہوگی۔

سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۙ﴿۵۰﴾

۵۰۔ ان کے لباس تارکول کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی۔ [۴۰]

لِيَجۡزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ‏ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو بدلہ دے جو اس نے کمایا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ‏ ﴿۵۲﴾ ع

۵۲۔ یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے پیغام ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ خوب جان لیں کہ صرف وہ ایک ہی عبادت کے لائق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ [۴۱]

---

[۴۰] قیامت کے دن مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے، ان کے لباس تارکول کے ہوں گے جو آگ کو تیزی سے پکڑیں گے اور ان کے چہروں پر آگ جل رہی ہوگی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کی سزا اور جزا دی جائے۔

[۴۱] یہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لئے دعوتِ فکر ہے تاکہ وہ اس میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین حاصل کریں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

بعد از نمازِ فجر بروز بدھ ۱۴ فروری ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۵ محرم ۱۴۲۸ھ

سورہ ابراہیم کی تفسیر صرف آٹھ دنوں میں مکمل ہوگئی۔

الحمد للہ رب العالمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الحجر (۱۵)

یہ سورت مکی ہے، اس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں حجر کا لفظ مذکور ہے جس کی وجہ سے اس سورت کا نام ''حجر'' رکھا گیا ہے۔ حجر سے مراد قوم ثمود کا علاقہ ہے جو حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابدی حفاظت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اس سورت میں ایک طرف تو مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی خواہشات میں ڈوبے رہے اور قرآن مجید کے پیغام میں غور کر کے اسلام قبول نہ کیا تو آخرت میں انہیں دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا اور دوسری طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان مشرکین کے بے جا مطالبات اور ان کی ایذا رسانی سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ان سے پہلی امتیں بھی اپنے انبیائے کرام کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔ اس میں قوم لوط، قوم شعیب اور قوم ثمود کی بربادی کا ذکر بھی کیا گیا ہے تاکہ مشرکین مکہ ان سے عبرت حاصل کریں اور قرآن پر ایمان لے آئیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ: جامعہ الکرم

بروز بدھ ۱۴ فروری ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۵ محرم ۱۴۲۸ھ

ایاتها ۹۹ ۱۵ سورۃ الحجر مکیۃ ۵۴ رکوعاتها ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں/کرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

۱۔ الف لام را [۱] یہ کتاب (الٰہی) اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔[۲]

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

۲۔ کفار بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔[۳]

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③

۳۔ آپ انہیں چھوڑ دیجئے، وہ کھائیں اور عیش کریں اور (جھوٹی) امید انہیں غافل رکھے وہ عنقریب جان لیں گے۔[۴]

---

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ان کی مزید تشریح کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ کریں۔

[۲] یہ کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔کتاب کا لغوی معنیٰ ہے: ''لکھی ہوئی چیز'' اور قرآن کا لغوی معنیٰ ہے: ''پڑھی ہوئی چیز'' قرآن مجید کا نام کتاب اس لئے ہے کہ وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور قرآن اس لئے ہے کہ یہ پڑھا ہوا نازل ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید تحریر کے اعتبار سے ایک کامل اور محفوظ کتاب ہے اور بیان کے اعتبار سے ایک کامل اور روشن کلام ہے۔

[۳] قبر، حشر اور جہنم میں جب کفار کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے مگر اس وقت پچھتانا بے سود ہوگا۔حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جہنم والے جہنم میں جمع ہوں گے اور ان میں کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کفار کہیں گے: کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، پھر کفار کہیں گے: تو تمہارے اسلام نے تم سے کون سا عذاب دور کر دیا۔تم بھی ہمارے ساتھ جہنم میں آ گئے ہو۔مسلمان کہیں گے: ہمارے گناہ تھے، ان گناہوں کی وجہ سے ہم پر گرفت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سن کر فرمائے گا: جو لوگ اہل قبلہ سے ہیں ان کو جہنم سے نکال لو۔جب کفار یہ معاملہ دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے: کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی جہنم سے اسی طرح نکال لیا جاتا جس طرح مسلمانوں کو نکال لیا گیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی کفار بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۱۲۳۲۴)

[۴] میرے پیارے نبی ﷺ! مسلسل تبلیغ کے بعد بھی جو ایمان نہیں لائے آپ ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں انہیں چند روزہ

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④

۴۔ اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس (کی ہلاکت) کا وقت لکھا ہوا اور معین تھا۔ [۵]

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

۵۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥

۶۔ اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بے شک تو مجنون ہے۔

زندگی میں کھانے پینے اور عیش و عشرت کرنے دیجئے در اصل انہوں نے موت سے بے فکر ہو کر اپنے مستقبل کے لیے بڑی لمبی چوڑی امیدیں باندھ رکھی ہیں لیکن انہیں علم نہیں کہ عنقریب ان کی موت کا وقت آیا چاہتا ہے جب وہ جان لیں گے کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے وہ بالکل حق اور صحیح تھا۔

حضرت علی ؓ نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے: لمبی آس لگانا اور خواہش نفس کی پیروی کرنا کیونکہ لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہش نفس کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی) لہٰذا عقل مند مؤمن وہ ہے جو موت کو قریب سمجھے اور زندگی کے لحات سے بھرپور استفادہ کرے جیسا کہ حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری ؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! مومنوں میں سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، پھر پوچھا: مومنوں میں سب سے زیادہ دانا کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرے اور موت سے بعد والی زندگی کے لئے سب سے اچھی تیاری کرے۔

(ابن ماجۃ: حدیث نمبر ۴۲۵۹: ابواب الزھد: باب نمبر ۳۱)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تسبیح اٹھائے اور روزانہ یا موت، یا موت کا ورد شروع کر دے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے موت کو یاد رکھے کہ جو کام وہ کرنے لگا ہے کیا مرنے کے بعد حساب و کتاب کے وقت یہ اس کے لئے مصیبت تو نہیں بنے گا؟

[۵] ہر ظالم قوم کے عذاب کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ جب کسی ظالم قوم کو لمبی مہلت مل جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی گرفت نہیں ہوگی، ان ظالموں کی گرفت دنیا میں نہ ہوئی تو آخرت میں ضرور ہوگی مگر اس دنیا میں ڈھیل کے پس پردہ کئی حکمتیں ہوتی ہیں جن کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر ان میں سے ایک یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض کی اولاد کا یا بعض کا ایمان لانا مقدر ہوتا ہے اور فوری عذاب آ جائے تو وہ ایمان لانے سے پہلے ہی تباہ ہو جائیں گے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف کی تباہی کے لئے اس لئے دعا نہ کی کہ

لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

۷۔ تم ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔[۶]

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

۸۔ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

۹۔ بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔[۷]

شاید ان کی اولاد ایمان لے آئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند سال بعد طائف کے باشندے اور ان کی اولاد ایمان لے آئے اور اگر انہیں اس وقت تباہ کر دیا جاتا تو ان کی نسلیں ایمان کیسے لاتیں۔

[۶] منکرین آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے اور کہتے: آپ جنون والی باتیں کرتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ لیکن اگر فرشتے اپنی اصلی شکل میں آتے تو یہ انہیں دیکھ نہ سکتے اور اگر انسانی شکل میں آتے تو یہ پھر وہی اعتراض کرتے کہ یہ تو ہماری طرح انسان ہیں یہ فرشتے کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر وہ کوئی فرشتوں والا کرشمہ دکھاتے تو یہ کہتے کہ تم نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ بہر حال فرشتے صرف تماشہ دکھانے یا انبیاء کی تصدیق کے لئے نہیں بھیجے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق فرشتوں کو زمین پر بھیجتا ہے اور اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جائے اور ان کی ہلاکت کا وقت مقرر آ جائے تو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور پھر ظالموں کو مہلت نہیں دی جاتی مگر ان ظالموں کی ہلاکت کا وقت ابھی نہیں آیا اس لیے فرشتوں کے نازل ہونے میں مقررہ وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے ایسے اسباب پیدا فرما دیے ہیں خدانخواستہ اگر کسی وجہ سے قرآن مجید کے سارے تحریری نسخے دنیا سے معدوم ہو جائیں تو بھی آٹھ نو سال کا ایک حافظ بچہ پورے قرآن مجید کو اس طرح تحریر کروا سکتا ہے کہ اس میں زبر اور زیر کی بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ حفاظت کی یہ امتیازی شان دنیا میں کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید پہلے دن کی طرح آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔

اگر قرآن مجید کی حفاظت ہمارے ذمہ ہوتی تو سورہ بقرہ گائے کی نذر ہو چکی ہوتی اور سورہ نمل کو چیونٹی کھا گئی ہوتی مگر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لیا اس لئے وہ آج بھی محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حفظ قرآن کے متعلق چند احادیث

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور بے شک ہم نے آپ سے قبل پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے۔[۸]

وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اوران کے پاس کوئی رسول نہیں آتا تھا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

ویران گھر کی طرح ہے۔(ترمذی: فضائل القرآن: باب ۱۸) سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص قرآن مجید کی دو مکمل سورتیں ہیں اور تقریباً ہر مسلمان کو زبانی یاد ہوتی ہیں اس لئے دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جس کو قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ زبانی یاد نہ ہو۔

۲۔حضرت علی ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کرلیا، پھر اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور حافظ کو اپنے ان دس رشتہ داروں کی شفاعت کا حق دے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔ (ترمذی: فضائل القرآن: باب ۱۳)

۳۔حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن حافظ قرآن حاضر ہوگا تو قرآن عرض کرے گا: اے میرے رب! اس کو لباس عطا فرما، پس اس کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا، پھر قرآن عرض کرے گا: اے میرے رب! اس کو اور عطا فرما! پھر اس کو عزت کا حلہ پہنایا جائے گا پھر قرآن عرض کرے گا: اے میرے رب! تو حافظ قرآن سے راضی ہو جا، پس اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا، پھر حافظ قرآن سے کہا جائے گا: قرآن پڑھ اور جنت کے درجات پر چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے میں اس کی ایک نیکی زیادہ کردی جائیگی۔

(ترمذی: فضائل القرآن: باب ۱۸)

قرآن مجید کا عربی زبان پر احسان

دنیا کی ہر زبان میں ایک صدی کے بعد کچھ نہ کچھ تبدیلی آجاتی ہے، صرف چار صدیاں پیچھے اگر شیکس پیئر کے دور کی انگریزی زبان دیکھی جائے تو آج اس کے بعض الفاظ جدید ڈکشنری میں بھی نہیں ملتے۔عربی زبان ۱۴ صدیوں سے اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور ہمیشہ اسی پر قائم رہے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی زبان ہے، چونکہ قرآن مجید میں تبدیلی نہیں آسکتی اور ہر دور میں یہی قرآن ہی پڑھا جائے گا اس لئے عربی زبان میں بھی تبدیلی نہیں آئے گی حتیٰ کہ جنت میں بھی عربی زبان اسی طرح بولی جائے گی جس طرح قرآن مجید میں لکھی گئی ہے۔

[۸] اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ صرف مشرکین مکہ ہی آپ کا مذاق نہیں اڑاتے بلکہ آپ سے پہلے ہر رسول کے ساتھ اس کی امت نے یہی معاملہ کیا تھا۔

كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اسی طرح ہم اس (گمراہی) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔[۹]

لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ قَدۡ خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلے لوگوں کی یہی روش گزر چکی ہے۔[۱۰]

وَ لَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡهِ یَعۡرُجُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ سارا دن اس پر چڑھتے رہیں۔[۱۱]

لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُکِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ ع

۱۵۔ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔

وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے اس (آسمان) کو دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کر دیا۔[۱۲]

وَ حَفِظۡنٰهَا مِنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ہم نے اس (آسمان) کو ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا۔[۱۳]

---

[۹] جب مجرم لوگ یعنی مشرکین مکہ اپنی گمراہی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔

[۱۰] مشرکین مکہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ ان سے پہلے بھی جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اڑایا وہ ایمان کی نعمت سے محروم رہے۔

[۱۱] پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ اگر ہم ان کے لئے آسمان پر چڑھنے کا کوئی ذریعہ بنا دیں اور وہ سارا دن آسمان کی بلندیوں پر چڑھتے رہیں اور آسمانی دنیا کا مشاہدہ بھی کرتے رہیں تو پھر بھی یہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اور یہی کہیں گے کہ ان کی نظر بندی کر دی گئی یا ان پر جادو کر دیا گیا جس کی وجہ سے انہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ آسمان پر چڑھ رہے ہیں حالانکہ واقع میں ایسا نہیں تھا، تو ایسے ضدی لوگوں کے پاس اگر آسمان سے فرشتے اتر کر تصدیق کر دیں تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ نے آسمان میں ستارے بنائے جو اس کے لئے زینت ہیں اور دیکھنے والوں کو خوشی پہنچاتے ہیں۔

[۱۳] اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا ہے اور اگر کوئی شیطان عالم بالا کی باتیں سننے کے لئے اوپر جانے کی

اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ ہاں اگر کوئی چوری چھپے سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے۔
وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس پر مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں ہر چیز ایک معین مقدار کے مطابق اگائی۔ [۱۴]
وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ ﴿۲۰﴾	۲۰۔ اور ہم نے اس میں تمہارے لئے سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی دینے والے نہیں ہو۔

کوشش کرے تو آسمان کے روشن شہاب یعنی آگ کے شعلے اس کو نیچے بھگا دیتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالی سے چھپ کر شیطان اوپر جا سکتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، دراصل اللہ تعالی نے ہی انسانی آزمائش کے لئے شیطان کو لمبی مہلت اور غیر معمولی طاقت دے رکھی ہے اس لئے وہ اللہ تعالی کی عطا کردہ طاقت کے ساتھ ایسے کام بھی کر سکتا ہے جو عام انسان نہیں کر سکتے۔

اور اگر مردود شیطان سے شیطانی اعمال اور روشن شہاب سے آسمان کے محافظ فرشتے مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ عالم بالا کو اللہ تعالی نے شیطانی اعمال سے محفوظ کر رکھا ہے، لہٰذا نیک اعمال کا آسمان سے اوپر چڑھ جانا ان کی مقبولیت کی دلیل ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: پاکیزہ کلمات اللہ تعالی ہی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل کو بلند کرتا ہے۔ (قرآن: ۳۵:۱۰) حضرت عمرؓ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہے، جب تک نبی کریم ﷺ پر درود پاک نہ پڑھا جائے اس دعا سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتا۔ (ترمذی: ۴۸۶: ابواب الصلاۃ: باب ۳۵۲)

اس کے برعکس شیطانی اعمال جب اوپر جا رہے ہوں تو آسمان کے محافظ فرشتے ان کو روک کر نیچے پھینک دیتے ہیں، دراصل اللہ تعالی پہلے خود ان اعمال کو اوپر جانے کی اجازت دیتا ہے اور پھر فرشتوں کے ذریعہ نیچے پھینکنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو شیطانی اعمال کی ذلت اور نامقبولیت کا احساس ہو اور وہ ان اعمال سے نفرت کریں۔

[۱۴] اللہ تعالی نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ضرورت کے مطابق ہر چیز کو ایک مناسب مقدار میں اگایا۔ نیز اس میں بنی نوع انسان اور دیگر جانوروں کے لئے بھی بے شمار وسائل رزق پیدا فرمائے، کیونکہ ہر قسم کے خزانوں کا مالک اللہ تعالی ہی ہے اور وہ معین مقدار کے مطابق نازل کرتا ہے۔ زمین چپٹی نہیں بلکہ گول ہے، اس کے لئے سورہ رعد (۱۳) کا حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ؗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو ایک معین مقدار کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ اور ہم ہواؤں کو باردار بنا کر بھیجتے ہیں، پھر ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں، پھر ہم تم کو وہ پانی پلاتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔[۱۵]

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے اور بے شک ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں۔[۱۶]

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

۲۵۔ اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع کرے گا، بے شک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور بے شک ہم نے انسان کو بجنے والے خشک گارے سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ اور بدبودار ہو چکا تھا۔[۱۷]

[۱۵] اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پودوں کو باردار بنانے والی ہوائیں بھیجیں، آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو اور اگر اللہ تعالیٰ بارش کے اسباب ہی ختم کردے جس کے نتیجہ میں چشموں اور کنوؤں سے پانی خشک ہو جائے تو پھر تم پانی کا ذخیرہ کہاں سے کرو گے؟ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ان وسائل رزق میں غور کرے اور اپنے رازق حقیقی پر ایمان لے آئے۔

درختوں اور پودوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں اور ان کے عمل تلقیح سے بیج اور پھل بنتے ہیں، اس کی تفصیل سورہ رعد (۱۳) کے حاشیہ نمبر ۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۶] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، جس طرح ہر انسان کی زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہر شخص کا علم بھی اس کے پاس ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پہلے مر چکا ہے اور کون بعد میں مرنے والا ہے، تاہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اولین اور آخرین کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا جاری فرمائے گا۔

[۱۷] امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے تمام روئے زمین سے مٹی

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اور انسان سے پہلے ہم نے جنوں کو ایسی آگ سے پیدا کیا جس میں دھواں نہیں تھا۔ [۱۸]

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو ایک ایسے بجنے والے خشک گارے سے پیدا کرنے والا ہوں جو پہلے سیاہ اور بدبودار ہو چکا تھا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ پھر جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ چنانچہ سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ سوائے ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ [۱۹]

لی گئی، پھر اس مٹی کو زمین پر ڈال دیا گیا حتی کہ وہ چپکنے والی مٹی ہوگئی، پھر اس کو چھوڑ دیا گیا حتی کہ وہ سیاہ بدبودار گارا ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے چالیس دنوں میں آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا حتی کہ وہ خشک ہوگیا اور ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی ہوگیا کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو اس سے کھن کھن کی آواز نکلے۔ (تفسیر در منثور)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا لہٰذا یہ بندر کی ترقی یافتہ صورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک عظیم الشان نمونہ ہے۔

[۱۸] اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی تھی اور ان کو آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۹] اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کی تعظیم کے لئے اس کو سجدہ کرنا، چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام زندہ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی علم عطا فرمایا

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ ابلیس نے کہا: میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جس کو تو نے ایسے بجنے والے گارے سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ اور بدبودار ہو چکا تھا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہاں (جنت) سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ اور بے شک تجھ پر روز جزا تک لعنت ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ ابلیس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دیدے جب لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے۔

جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا: تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ شیطان نے کہا: میں مٹی سے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکال دیا اور اس کو ملعون کر دیا۔ سجدہ تعظیمی کے لئے سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۹ ملاحظہ فرمائیں۔

تعظیم نور محمدی ﷺ

یہاں پر علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ درحقیقت نور محمدی ﷺ کی تعظیم تھی جو آئینہ آدم علیہ السلام میں جلوہ گر تھا۔ (تفسیر روح البیان) اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے:

زبان حال سے کہتے تھے آدم　　جسے سجدہ ہوا ہے وہ میں نہیں ہوں

روح

روح سے مراد سانس ہے جس کے اندر آنے جانے سے انسان زندہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنی روح پھونکی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ ہے بلکہ یہ اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح کی تعظیم اور تکریم کے لئے ہے، جیسے کعبہ کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑی عزت والا ہے اسی طرح روح بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ وقت معین کے دن تک۔[۲۰]

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ابلیس نے کہا: اے میرے رب! جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا میں بھی ضرور ان کے لئے (برے کاموں کو) زمین میں خوش نما بنا دوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا۔[۲۱]

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں چن لیا گیا ہو۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی راستہ ہے جو سیدھا میری طرف آتا ہے۔[۲۲]

---

[۲۰] قیامت کے دن جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو پھر انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ ابلیس نے حشر کے دن تک زندگی کی مہلت اس لئے مانگی تا کہ وہ موت سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حشر کے دن تک مہلت نہیں دی بلکہ معین وقت تک یعنی جب ساری کائنات فنا ہوگی تو اس کے ساتھ ابلیس بھی فنا ہو جائے گا اور چالیس سال تک مرا رہے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم) پھر جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ ابلیس کو بھی زندہ کیا جائے گا۔

شیطان کو اتنی طویل زندگی دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کرے کہ کون اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور کون شیطان کا غلام؟

[۲۱] ابلیس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے آدمؑ کی تعظیم نہ کرنے کی سزا کے طور پر مجھے گمراہی میں چھوڑ دیا اس لئے میں آدمؑ کی اولاد سے انتقام لوں گا اور برے کاموں میں خوش نمائی اور دلکشی پیدا کر کے ان کو ضرور گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص اور منتخب بندوں کے کیونکہ وہ میرے فریب میں نہیں آئیں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس نے کہا: اے میرے رب! مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم! جب تک بنی آدمؑ کی روحیں ان کے جسم میں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔

(مسند احمد: جلد ۳: ص ۴۱)

[۲۲] اخلاص کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا رہتے ہیں شیطان کا ان پر بس نہیں چلے گا اور اگر کبھی کسی غلط فہمی کی بنا پر شیطان کے وسوسہ میں آ بھی گئے تو جونہی انہیں احساس ہوگا وہ توبہ کر کے اپنے رب کی پناہ میں آ جائیں گے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾

۴۲۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان گمراہوں کے جنہوں نے تیری پیروی کی۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾

۴۳۔اور بے شک ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔[۲۳]

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

۴۴۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان (گمراہوں) میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾

۴۵۔ بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶۔ (ان سے کہا جائے گا:) تم ان جنتوں میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾

۴۷۔ ان کے سینوں میں جو کینہ تھا ہم اس کو نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔[۲۴]

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

۴۸۔ انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ ہی وہ وہاں سے نکالیں جائیں گے۔

[۲۳] اللہ تعالیٰ کسی کو گناہوں پر مجبور نہیں کرتا اور نہ ہی شیطان کسی کو مجبور کر سکتا ہے لیکن جو لوگ اپنی مرضی سے شیطان کی پیروی کو ترجیح دیتے ہیں ان کے لئے جہنم کا وعدہ ہے، ان کے اعمال کے اعتبار سے جہنم کے سات طبقے ہیں، ہر طبقہ کا علیحدہ دروازہ ہے اور گناہوں کی سنگینی کے اعتبار سے مختلف لوگوں کو مختلف طبقوں میں پھینکا جائے گا۔

[۲۴] متقی لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں۔ جنت میں ان کو ظاہری سلامتی کے ساتھ باطنی اطمینان بھی حاصل ہوگا یعنی دنیا میں اگر وہ کسی وجہ سے ایک دوسرے کے مخالف تھے تو جنت میں ان کے دلوں کو دشمنی اور کینہ سے پاک کر دیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے سچے خیر خواہ اور مخلص بھائی بن کر ایک دوسرے سے پیش آئیں گے۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ میں، عثمان ؓ، زبیر ؓ، اور طلحہ ؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور) یعنی روز قیامت ان کی غلط فہمیاں دور کر دی جائیں گی۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ آپ میرے بندوں کو بتادیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہوں۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

۵۰۔ اور بلاشبہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

۵۱۔ اور انہیں ابراہیم ؑ کے مہمانوں کی خبر سنائیے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جب وہ ابراہیم ؑ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا، ابراہیم ؑ نے کہا کہ ہمیں تم سے کچھ ڈر محسوس ہو رہا ہے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ مہمانوں نے کہا: آپ ڈریں نہیں ہم آپ کو ایک علم والے بیٹے کی خوش خبری سناتے ہیں۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴۔ ابراہیم ؑ نے کہا: کیا تم مجھے اس وقت خوش خبری دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، سو اب تم کس چیز کی خوش خبری سنا رہے ہو ؟

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵۔ انہوں نے کہا: ہم نے آپ کو سچی خوش خبری دی ہے، سو آپ مایوس نہ ہوں۔ [۲۵]

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶۔ ابراہیم ؑ نے کہا: اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہو سکتا ہے۔

---

[۲۵] انسانی شکل میں کچھ فرشتے حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آئے اور انہیں بیٹے اسحاق کے بارے میں خوش خبری سنائی۔ آپ نے فرمایا: میں تو اب بوڑھا ہو چکا ہوں تو پھر یہ خوش خبری کیسی ؟ فرشتوں نے کہا: یہ سچی خوش خبری ہے، لہذا آپ مایوس نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم ؑ نے فرمایا: میں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے حیرت اور تعجب کا اظہار کر رہا ہوں لیکن میں اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں کیونکہ اس کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کے لئے سورہ ہود (۱۱) کا حاشیہ نمبر ۵۶۔ ۵۴ ملاحظہ کریں، اور حضرت ابراہیم ؑ کے حالات کے لئے سورہ انعام (۶) کی آیات نمبر ۸۲۔ ۷۴ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا اور کیا اہم کام ہے؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[۲۶]

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ سوائے آل لوط کے، بے شک ہم ان سب کو بچالیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ سوائے اس کی بیوی کے، ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ بے شک وہ پیچھے (عذاب میں) رہ جانے والوں میں سے ہے۔

فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ پھر جب وہ بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس آئے۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ لوط علیہ السلام نے کہا: تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔[۲۷]

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ انہوں نے کہا: بلکہ ہم تمہارے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں وہ (آپ کی قوم کے لوگ) شک کیا کرتے تھے۔

---

[۲۶] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: میرے بیٹے کی خوش خبری دینے کے علاوہ تم اور کون سے اہم کام کے لئے آئے ہو؟ فرشتوں نے کہا: ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے آئے ہیں، ہم حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو وہاں سے نکال کر بچالیں گے مگر ان کی بیوی کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ وہ مجرم قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوگی کیونکہ وہ کافرہ ہے۔

[۲۷] اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟ کیونکہ تم یہاں اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا: وہ فرشتے ہیں اور تمہاری منکر قوم جس عذاب کے آنے میں شک کرتی تھی ہم اس کو لے کر آگئے ہیں۔ اب ان پر عذاب کا آنا بالکل حق اور یقینی ہے کیونکہ اس کا مقررہ وقت آیا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپ رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو لے کر شام کی طرف چل پڑیں جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ آپ اس قافلہ کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ ان میں سے کوئی واپس جانے کی غلطی نہ کرے اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے بلکہ جلدی جلدی اس بستی سے دور چلے جاؤ۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم آپ کے پاس حق (عذاب) لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵ آپ رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور آپ ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جایئے جہاں (جانے) کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ جب وہ صبح کر رہے ہوں گے تو یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ [۲۸]

وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آ گئے۔ [۲۹]

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ لوط علیہ السلام نے کہا: بے شک یہ لوگ میرے مہمان ہیں، پس تم مجھے (ان کے بارے میں) شرمسار نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰۔ وہ بولے: کیا ہم نے آپ کو دنیا بھر کے لوگوں (کی حمایت) سے منع نہیں کیا تھا؟ [۳۰]

---

[۲۸] حضرت لوط علیہ السلام کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا کہ صبح ہوتے ہی ان سب منکرین کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے لئے سورہ ہود (۱۱) کی آیت نمبر ۷۷ تا ۸۳ بھی ملاحظہ کریں۔

[۲۹] حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ لڑکوں کے ساتھ بدکاری کرنے کے دلدادہ تھے، جب انہیں علم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں لڑکے آئے ہیں تو خوشی سے دوڑتے ہوئے آئے اور کہا: یہ لڑکے ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم اپنی نفسانی خواہشات پوری کریں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ میرے مہمان ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔

[۳۰] انہوں نے کہا: اے لوط علیہ السلام! ہم تمہیں بارہا کہہ چکے ہیں کہ تم سارے مسافروں کو پناہ نہ دیا کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا:

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیٓ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ؕ﴿۷۱﴾

۷۱۔ لوط علیہ السلام نے کہا: یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم کچھ کرنے والے ہو (تو ان سے نکاح کرلو)۔

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾

۷۲۔ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی زندگی کی قسم! بے شک یہ لوگ اپنے (تعصب کے) نشہ میں سرگرداں ہیں۔[۳۱]

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ ۙ﴿۷۳﴾

۷۳۔ پس طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان کو ایک سخت کڑک نے آپکڑا۔[۳۲]

فَجَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ؕ﴿۷۴﴾

۷۴۔ پس ہم نے اس بستی کے اوپر والے حصہ کو نچلا حصہ کردیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾

۷۵۔ بے شک اس واقعہ میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔

اگر تمہیں اپنی خواہشات پوری کرنا ہیں تو قوم کی بے شمار بیٹیاں موجود ہیں تم ان سے نکاح کرو اور جائز طریقہ سے خواہشات پوری کرو، یہ ناجائز طریقہ تم پر عذاب لے آئے گا۔

[۳۱] علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کی قسم اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی۔ (یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام مخلوق سے زیادہ مکرم ہے اور یہ آپ کی تعظیم اور تکریم کی انتہا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اس آیت میں ایک طرف تو قریش مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم ایک ایسی ہستی کی ناقدری کررہے ہو جس کی مبارک زندگی کی اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے دراصل یہ اپنے شرک اور تعصب کی گمراہی میں سرگرداں ہیں۔

[۳۲] طلوع آفتاب کے ساتھ ہی قوم لوط کو ایک سخت کڑک نے آلیا، پھر ان کی بستی کو تہ وبالا کردیا گیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسائے گئے، اس طرح قوم لوط کو تین طرح کے عذابوں سے تباہ کردیا گیا۔ یہ لوگ شام کے جنوب میں آباد تھے اور ان کی بستی حجاز سے شام جانے والے راستے پر واقع تھی۔ اس واقعہ میں اہل فراست اور اہل ایمان کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اس کے لئے مزید سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۹۴ ملاحظہ کریں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾	۷۶۔ اور بے شک وہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾	۷۷۔ اور بے شک اس واقعہ میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔
وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾	۷۸۔ اور بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔[۳۳]
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾	۷۹۔ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں [۳۴] کھلے راستہ پر واقع تھیں۔
وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾	۸۰۔ اور بے شک حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ [۳۵]
وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾	۸۱۔ اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں مگر وہ ان سے روگردانی کرتے رہے۔
وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾	۸۲۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے تاکہ امن سے رہیں۔

[۳۳] حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی کا نام ایکہ تھا جو کہ مدین کے علاقہ میں تھی۔ یہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستی کے قریب تھی۔ اس کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔ یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے اور ایک زبردست زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ اس بستی کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ مزید معلومات کے لئے سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۸۵ تا ۹۳ اور سورہ ہود (۱۱) کی آیت نمبر ۸۴ تا ۹۵ ملاحظہ کریں۔

[۳۴] دونوں بستیوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوموں کی بستیاں ہیں۔ یہ دونوں بستیاں حجاز اور شام کے درمیان کھلے راستہ پر واقع تھیں اور دونوں بستی والوں کو ان کے برے اعمال کے انتقام کے طور پر تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

[۳۵] حجر والوں سے مراد قوم ثمود ہے جو حجاز و شام کے درمیان آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں سے روگردانی کی۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر بڑے مضبوط مکان بناتے اور ان میں امن سے رہتے مگر جب سخت کڑک کا عذاب آیا تو سب ہلاک ہو گئے اور پہاڑوں کے مضبوط مکانات انہیں عذاب سے نہ بچا سکے۔ اس واقعہ کی مزید تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کی آیت نمبر ۷۳ تا ۷۹ اور سورہ ہود (۱۱) کی آیت نمبر ۶۱ تا ۶۸ ملاحظہ کریں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳۔ پس صبح ہوتے ہی انہیں ایک سخت کڑک نے آ پکڑا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور جو وہ کمایا کرتے تھے وہ ان کے کام نہ آیا۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے، سو (اے حبیب ﷺ!) آپ حسن وخوبی کے ساتھ درگذر کرتے رہیں۔ [۳۶]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ بے شک آپ کا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں (سبع مثانی) اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔ [۳۷]

---

[۳۶] اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اور ان میں موجود تمام چیزوں کو ایک سچے مقصد کے لئے پیدا کیا ہے مگر یہ کائنات ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ ایک دن قیامت ضرور آئے گی، للہذا اس چند روزہ زندگی میں اعلیٰ اخلاق کا ابر رحمت بن کر درگذر کی بارش برساتے رہیں۔ بارش جب برستی ہے تو وہ زرخیز اور بنجر زمین میں تفریق نہیں کرتی بلکہ ہر حصے کو اپنے پانی سے برابر سیراب کرتی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے باران رحمت نے بھی اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ درگذر کی عدیم النظیر مثالیں قائم کی ہیں حتیٰ کہ مکہ کے کافروں نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی، آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کے کلیجہ کو چبایا مگر جب آپ کو ان پر غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے ان سخت ترین دشمنوں کو معاف کر دیا۔ ظاہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود اخلاق اور درگذر کی تعلیم دے وہ اس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ نہ کرے تو اور کون کرے گا؟

[۳۷] سبع مثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے، یہ سات آیات ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الحمدللہ (سورہ فاتحہ) ام القرآن ہے، ام الکتاب ہے اور سبع مثانی ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۳۱۲۴: تفسیر سورہ حجر ۱۵)

۲۔ ابوسعید ابن معلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم نے مجھے بلایا، میں نے پہلے نماز مکمل کی اور پھر حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس چیز نے تجھے میرے پاس آنے سے

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو لطف اندوز کیا ہے [۳۸] اور ان (کی گمراہی) پر رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں اور ایمان والوں کے لئے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں۔ [۳۹]

وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور آپ فرمادیں کہ میں تو بلاشبہ کھلا ڈرانے والا ہوں۔

كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰۔ جیسا (عذاب) کہ ہم نے ان پر نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے۔ [۴۰]

روکا؟ میں نے عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اے ایمان والو! جس وقت تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں تجھے مسجد سے باہر جانے سے پہلے ایسی سورت کی تعلیم نہ دوں جو قرآن مجید میں سب سے عظیم ہے؟ جب نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے آپ کو سورت بتانے کا وعدہ یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ رب العلمین۔ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۴۴۷۴: تفسیر سورہ حجر (۱۵): باب ۳)

قرآن وحدیث میں سورہ فاتحہ کو قرآن عظیم اور ام القرآن فرمانے سے اس کی عظمت اور جامعیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ ایسا دیباچہ ہے جس میں پورے قرآن کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔

[۳۸] ڈاکٹر وھبۃ زحیلی لکھتے ہیں کہ یہ خطاب آپ کی امت کو ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم قرآن مجید کی عظیم نعمت پر فخر کرو اور دنیاداروں کی زیب وزینت کی طرف رغبت نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ دنیاوی شان وشوکت اس لئے دی ہے تاکہ ان کی آزمائش کرے۔ اس لئے نہیں دی کہ تم ان کی طرف رغبت کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کو قرآن مجید کی نعمت دی گئی ہے پھر اس نے کسی دنیادار کو دیکھا اور اس کی دولت کو قرآن مجید کی نعمت سے افضل خیال کیا تو اس نے بڑی ناانصافی کی کیونکہ اس نے عظیم چیز کو حقیر جانا اور حقیر چیز کو بڑا خیال کیا۔ (تفسیر منیر)

[۳۹] پیارے نبی ﷺ! آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود جو اہل مکہ اسلام قبول نہیں کرتے آپ ان کے لئے کبیدہ خاطر نہ ہوں، وہ اپنی گمراہی کے خود ذمہ دار ہیں لیکن جو ایمان لے آئے ہیں وہ آپ کی شفقت اور رحمت کے مستحق ہیں تاکہ وہ آپ سے زیادہ فیض حاصل کر سکیں۔

[۴۰] اے اہل مکہ! تم میرے پیغام کو مانو یا نہ مانو! بہر حال میں تو تمہیں اس عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو پہلی امتوں میں سے

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾	۹۱۔ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ [۴۱]
فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾	۹۲۔ سو قسم ہے آپ کے رب کی! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے۔
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾	۹۳۔ ان کے اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾	۹۴۔ پس آپ برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں [۴۲]
اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾	۹۵۔ بے شک مذاق اڑانے والوں کے لئے ہم آپ کو کافی ہیں۔
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾	۹۶۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بناتے ہیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے۔
وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾	۹۷۔ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ [۴۳]

ان لوگوں پر آیا جنہوں نے اپنی آسمانی کتاب کو تقسیم کر ڈالا یعنی اس میں سے جو احکام مرضی کے موافق تھے ان کو مان لیا اور جو مرضی کے خلاف تھے ان سے انکار کر دیا۔

[۴۱] جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے کئے یعنی بعض آیات کو مانا اور بعض کا انکار کر دیا تو آپ کے رب کی قسم! قیامت کے دن ان سے ضرور باز پرس ہوگی اور انہیں اس خیانت اور تحریف کی قرار واقعی سزا ملے گی۔

[۴۲] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی ﷺ! اب آپ برملا اسلامی احکام کی تبلیغ شروع کر دیں اور ان مشرکوں کی پرواہ نہ کریں جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کی حفاظت اور مدد کے لئے ہم کافی ہیں۔ امام طبری نقل کرتے ہیں: پہلے نبی کریم ﷺ چھپ کر تبلیغ کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اور آپ کے اصحاب باہر نکل آئے اور اعلانیہ تبلیغ کرنے لگے۔

(تفسیر ابن جریر طبری)

[۴۳] پیارے نبی ﷺ! ہم جانتے ہیں کہ منکرین کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے، سو آپ میری تسبیح اور عبادت میں دل

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ سو آپ حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح بیان کیا کریں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہیں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

۹۹۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے۔

لگائے رکھیں حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کی تنگی اور پریشانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور عبادت سے اطمینان ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (قرآن: ۱۳: ۲۸) اور حدیث شریف میں ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچتی تو آپ نماز پڑھتے۔

(مسند احمد: جلد ۵: ص ۳۸۸)

اے ہمارے رب! ہمیں ہمیشہ اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت کی توفیق سے سرشار رکھ یہاں تک کہ ہماری موت آجائے۔ آمین!

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

بروز بدھ بعد از نماز عشاء ۲۱ فروری ۲۰۰۷ء

بمطابق ۳ صفر ۱۴۲۸ھ

سورہ حجر کی تفسیر آٹھ دنوں میں مکمل ہوگئی۔ الحمد للہ رب العالمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ النحل (۱۶)

یہ سورت مکی ہے، اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں نحل کا لفظ مذکور ہے جس کی وجہ سے اس سورت کا نام ''نحل'' رکھا گیا ہے۔ نحل کا معنی شہد کی مکھی ہے۔ شہد کے متعلق اسی سورت میں اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ (قرآن: ۱۶: ۶۹) اور قرآن مجید کے بارے میں فرمایا: یہ دل کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ (قرآن: ۱۰: ۵۷) گویا ایک جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور دوسرا روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔

اس سورت میں زیادہ تر اللہ تعالٰی کی توحید اور عبادت، نبی کریم ﷺ کی نبوت اور رسالت اور قرآن و آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس سورت کی ابتدا شرک کی مذمت سے کی گئی ہے، گذشتہ مشرکین کے احوال سنا کر اہل مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز پہلی امتوں میں جن اہل ایمان نے مشرکین کے مظالم پر صبر کیا اور اللہ تعالٰی کی راہ میں ہجرت کی ان کے احوال بیان کر کے اہل ایمان کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہاری تکلیف کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اہل ایمان کو ہمیشہ مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو بنیادی اصول عطا فرمایا ہے اس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۲۵ میں ہے یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ : جامعہ الکرم

بروز جمعرات قبل از نماز فجر

۲۲ فروری ۲۰۰۷ء بمطابق ۴ صفر ۱۴۲۸ھ

اٰیاتہا ۱۲۸ | ۱۶ سورۃ النحل مکیۃ ۷۰ | رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ①

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم (قریب) آپہنچا، سو اس کو جلدی طلب نہ کرو، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ان چیزوں سے برتر ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔[۱]

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

۲۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی کے ساتھ نازل فرماتا ہے[۲] کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، لہٰذا تم مجھ سے ڈرا کرو۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ③

۳۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، وہ ان چیزوں سے برتر ہے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④

۴۔ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا، پھر وہ کھلا جھگڑالو بن گیا۔[۳]

---

[۱] نبی کریم ﷺ نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ تم اس شرک سے باز آجاؤ ورنہ دنیا میں تم پر شکست کا عذاب آئے گا اور آخرت میں آگ کے عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ مشرکین آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ ہم عرصہ سے سن رہے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے گا تو وہ عذاب کہاں ہے؟ لے آؤ وہ عذاب اگر تم سچے ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وقت اب بالکل قریب آچکا ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے مشرکین پر عذاب کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ چند سالوں میں مکہ فتح ہو گیا اور عرب سے مشرکین کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔

[۲] وحی کا فرشتہ ایک ہے اور وہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں لیکن بعض آیات کے نزول کے وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ اور فرشتے بھی ہوتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ وحی کا فرشتہ اس بندے پر نازل فرماتا ہے جس بندے کو وہ نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔

[۳] اللہ تعالیٰ نے پانی کے ایک بے جان قطرے سے اتنا حسین اور عظیم انسان بنایا جو تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہے

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

۵۔ اور اس نے چوپائے پیدا کئے، ان میں تمہارے لئے گرم لباس اور دیگر فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ [۴]

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝

۶۔ اور ان میں تمہارے لئے زیب و زینت ہے جب تم شام کے وقت چرا کر لاتے ہو اور صبح چرانے کے لئے لے جاتے ہو۔

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

۷۔ اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، بے شک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَّالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۸۔ اور گھوڑے، خچر اور گدھے (اس نے پیدا کئے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لئے ان میں) زینت ہے، اور وہ (ایسی سواریاں بھی) پیدا فرمائے گا جن کو تم (اب) نہیں جانتے۔

اور اپنی عقل و فراست کی وجہ سے تمام مخلوقات پر حکومت کرتا ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ انسان اپنی اصل میں غور کرتا اور اپنے محسن حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کرتا مگر یہ بڑا عجیب ناشکرا ہے کہ اپنے ہی محسن کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور اس پر ایمان لانے کے بجائے کفر اور شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

[۴] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کے لئے چوپائے پیدا فرمائے جن کے بالوں اور اون سے گرم لباس اور ان کے چمڑے سے جوتے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ جب یہ چوپائے صبح شام آتے جاتے ہیں تو مالکوں کے لئے خوشی اور راستوں کے لئے زینت کا باعث ہوتے ہیں اور تمہارے سامان کو اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ اگر تمہیں خود یہ سامان اٹھا کر وہاں لے جانا پڑتا تو تمہاری جانیں مشقت میں پڑ جاتیں۔ نیز اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے جن پر تم سواری کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہاری سواری کے لئے آئندہ ایسی چیزیں بھی بنائے گا جن کو تم اب نہیں جانتے۔ اس میں جہاز، کار، گاڑی اور وہ سب سواریاں شامل ہیں جو آج ہم کو میسر ہیں اور وہ تمام سواریاں بھی شامل ہیں جو آئندہ زمانہ میں ایجاد ہوں گی۔ انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان سارے احسانات کو یاد کر کے اپنے مہربان خالق حقیقی پر ایمان لائے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع

۹۔ اور سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور اس میں سے کئی ٹیڑھے راستے بھی (نکلتے) ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ [۵]

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰

۱۰۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا جس سے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت اُگتے ہیں جس میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ [۶]

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

۱۱۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲

۱۲۔ اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، اور تمام ستارے بھی اسی کے حکم کے پابند ہیں، بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ [۷]

---

[۵] اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کے ساتھ سیدھے راستے کو بالکل واضح کر دیا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جاتا ہے مگر شیطان نے اس میں ٹیڑھے راستے بھی نکال رکھے ہیں اور جو انسان شیطان کے فریب میں آ کر کسی ٹیڑھے راستہ پر پھسل جاتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو جبراً ہدایت دے دیتا اور کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا مگر کسی کو مجبور کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

[۶] اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش کی صورت میں تمہارے لئے پانی اتارا جسے تم پیتے ہو اور اسی سے کھیت اور باغات کو سیراب کرتے ہو۔ اگر پانی نہ ہو تو انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ نیز ایک ہی پانی اور ایک ہی زمین سے مختلف رنگ اور ذائقے والی چیزوں کا پیدا ہونا ایسی نشانیاں ہیں جن میں غور وفکر کرنے سے ایک عظیم حکمت والے خالق حقیقی کا ادراک ہو جاتا ہے۔

[۷] یہ لیل ونہار، شمس وقمر اور ستاروں کا نظام اللہ تعالیٰ نے ہمارے فائدے کے لئے بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم عقل سے کام لیں اور اپنے محسن حقیقی کے شکرگذار بندے بنیں۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور اس نے تمہارے لئے زمین میں مختلف رنگوں والی چیزیں پیدا کی ہیں، بے شک اس میں نصیحت قبول کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔[۸]

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہارے ساتھ لرزتی نہ رہے اور اس نے نہریں اور راستے بنائے تا کہ تم راہ پاسکو۔[۹]

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور علامتیں بنائیں، اور لوگ ستاروں کے ذریعے بھی راہ پاتے ہیں۔[۱۰]

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ کیا جو (سب کچھ) پیدا کرے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے؟ کیا تم نصیحت قبول نہیں

---

[۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کے تین فوائد کا ذکر فرمایا ہے یعنی مچھلی کی صورت میں تم تازہ گوشت کھاتے ہو۔ اس کی تہ سے موتی اور جواہر نکال کر زیور بناتے ہو اور اس میں کشتیاں اور جہاز چلا کر سامان تجارت کو مختلف ملکوں میں منتقل کرتے ہو جس سے تم کو اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی حاصل ہوتی ہے۔

[۹] اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے اس میں پہاڑ نصب کئے۔ یہ پہاڑ زمین کو گردش سے نہیں روکتے صرف لرزنے اور کانپنے سے روکتے ہیں۔ جدید سائنس دان اقرار کرتے ہیں کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

[۱۰] اللہ تعالیٰ نے آسمان میں ستارے بنائے جو رات کی تاریکی میں مسافروں کو سمت کے تعین میں رہنمائی کرتے ہیں اور اس زمین و آسمان میں بے شمار نشانیاں اور علامتیں موجود ہیں جو تھوڑا سا غور و فکر کرنے سے انسان کو اپنے خالق حقیقی کا پتہ دیتی ہیں۔

کرتے۔[۱۱]

وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۸

۱۸۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکو گے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے، نہایت مہربان ہے۔[۱۲]

وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ۝۱۹

۱۹۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔

وَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ؕ ۝۲۰

۲۰۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔[۱۳]

اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ اَحۡيَآءٍ ‌ۚ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ۝۲۱ ع

۲۱۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائیں جائیں گے۔

اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ‌ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝۲۲

۲۲۔ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ متکبر ہیں۔[۱۴]

---

[۱۱] ساری کائنات کا خالق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

[۱۲] گذشتہ دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، لیکن حقیقت میں اس کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ہمارے حساب و کتاب کے پیمانے ختم ہو سکتے ہیں مگر ہم اس کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اتنے بڑے مہربان اللہ تعالیٰ کا انکار نہ کرے بلکہ توبہ کر کے اس کی بخشش حاصل کرے۔

[۱۳] اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے مگر مشرکین مکہ جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی معمولی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود اپنی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ نیز وہ بے جان ہیں اور انہیں یہ علم بھی نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ تو جو خود مخلوق اور محتاج ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور جو خود بے جان اور بے علم ہیں وہ کسی کی مدد اور رہنمائی نہیں کر سکتے۔

[۱۴] جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں اور وہ تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں فرماتا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: یہ تو پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں۔[۱۵]

لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

۲۵۔ تاکہ قیامت کے دن وہ اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے بھی اٹھائیں جن کو وہ جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں، سن لو! بہت برا بوجھ ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں۔

سمجھتے ہیں اسی لئے وہ نبی کریم ﷺ کی دعوت میں غور نہیں کرتے لیکن ان مشرکین کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا: ایک انسان یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں، اس کا جوتا خوبصورت ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اور تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان حق کا انکار کردے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۴۷: کتاب الإیمان: باب ۳۹) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک عزت میری چادر ہے اور بڑائی بھی میری چادر ہے، جس شخص نے بھی ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اس کو عذاب دوں گا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۶۲۰: کتاب البر: باب ۳۸)

[۱۵] امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ شہر کے راستوں پر بیٹھ جاتے اور باہر سے آنے والے جب ان سے قرآن کے بارے میں سوال کرتے تو وہ کہتے: یہ تو پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری) لہٰذا کوئی نئی چیز نہیں ہے، تم اس کے پاس مت جاؤ۔ اس کے جواب میں دوسری آیت نازل ہوئی یعنی یہ مشرکین جو لوگوں کو قرآن مجید کے متعلق گمراہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام لانے سے روکتے ہیں ان مشرکین کو قیامت کے دن اپنے شرک کا تو پورا بوجھ اٹھانا ہی ہوگا لیکن جو لوگ ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کریں گے ان کے ایمان نہ لانے کا بوجھ بھی ان کو اٹھانا پڑے گا کیونکہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب ہوتا ہے تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اس کو اس ہدایت کی اتباع کرنے والوں کا اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی اس کے اوپر اس گمراہی کی اتباع کرنے والوں کے گناہ بھی ہوں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ بے شک ان لوگوں نے بھی مکروفریب کیا جو ان سے پہلے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان (کے فریب) کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا تو ان کے اوپر سے چھت ان پر گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آگیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا۔ [۱۶]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷۔ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور پوچھے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے متعلق تم جھگڑا کیا کرتے تھے؟ جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے: آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ [۱۷]

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى

۲۸۔ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں تب وہ سرتسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے

کمی نہیں ہوگی۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۶۷۴: کتاب العلم: باب ۶)

[۱۶] مشرکین مکہ دن رات نبی کریم ﷺ کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے اور یہ کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی مشرک قوموں نے اپنے انبیاء کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان ہی کی سازشوں میں ہلاک کر دیا اور ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہیں تھا۔ ان کی مثال اس قوم کی طرح ہے جس نے ایک بلند عمارت بنائی، پھر وہ عمارت ان پر گر پڑی اور ساری قوم اس میں ہلاک ہوگئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے بھی نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے اور ان کو ملک بدر کرنے کی سازشیں کیں مگر انجام کار یہ سازشیں ان پر الٹ دی گئیں۔ ان میں سے بعض تو جنگوں میں ہلاک ہوگئے اور باقی جو مسلمان نہ ہوئے وہ فتح مکہ کے بعد اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

[۱۷] پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو ذلیل و رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا: کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم میرا شریک بناتے تھے اور ان کی وجہ سے تم مومنوں سے جھگڑا کرتے تھے؟ اس وقت مشرکین تو اپنی پشیمانی کے باعث جواب نہیں دے سکیں گے، البتہ اہل علم مشرکین کو سنا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں اس حقیقت کی تبلیغ کیا کرتے تھے کہ مشرکین آخرت میں ذلیل ہوں گے اور آج سب لوگ دیکھ رہے ہیں کہ واقعی مشرکین ہی ذلت و رسوائی کے اصل مستحق ہیں۔ بعض اہل ایمان کو وقتی طور پر ذلت کا سامنا کرنا ہوگا مگر دائمی ذلت میں مشرکین ہی مبتلا ہوں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۞۲۸

تھے، کیوں نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ [۱۸]

فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ۞۲۹

۲۹۔ پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا، سو تکبر کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا خَيۡرًا‌ ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ‌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ‌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِيۡنَ ۞۳۰

۳۰۔ اور متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو انہوں نے کہا: (سراسر) خیر، جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی بہتر ہے، اور متقی لوگوں کا گھر تو بہت ہی عمدہ ہے۔ [۱۹]

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡزِى اللّٰهُ الۡمُتَّقِيۡنَ ۞۳۱

۳۱۔ دائمی جنتیں ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ان کے لئے وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔

[۱۸] جو لوگ آخر دم تک شرک کرتے رہتے ہیں جب ملک الموت اپنی جماعت کے ساتھ ان کی روح قبض کرتا ہے تو شرک کے برے انجام کے آثار دیکھتے ہی وہ گھبرا جاتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اپنی جھوٹی پارسائی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ ہم تو دنیا میں کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ اس وقت فرشتے کہیں گے: تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ کو فریب نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے، لہٰذا اب تمہیں جہنم ہی میں داخل ہونا ہے اور اسی میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

[۱۹] اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ میں آنے والے مسافر جب کسی مشرک سے قرآن کے بارے میں سوال کرتے تو وہ کہتے: یہ تو صرف پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں اور جب ان مسافروں کی ملاقات متقی مسلمانوں سے ہوتی اور وہ ان سے قرآن کے بارے سوال کرتے تو وہ جواب دیتے کہ قرآن مجید تو سراپا خیر اور بھلائی ہے اور اس کی تعلیم یہ ہے کہ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہوگی یعنی اچھے اجر کی امید پر اچھے کاموں میں سرگرم رہیں گے اور آخرت میں تو انہیں ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن میں ان کے لئے ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا میں جو ہم چاہیں تم وہ کرو اور آخرت میں جو آپ چاہیں گے وہ ہم کریں گے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں: تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ [۲۰]

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

۳۳۔ کیا یہ کافر اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم (عذاب) آ جائے، اسی طرح کیا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم

---

[۲۰] جو خوش نصیب آخر دم تک شرک اور بری خواہشات سے پاک رہتے ہیں ان کے پاس جب موت کے فرشتے آتے ہیں تو انہیں سلام کرتے ہیں اور نیک اعمال کے بدلے میں جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

محمد بن کعب بیان کرتے ہیں کہ جب ملک الموت بندۂ مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اس سے کہتا ہے: اے اللہ کے ولی! تم پر میرا سلام ہو، اللہ تعالیٰ بھی تم پر سلام بھیجتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بھی فرمایا کہ جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو کہتا ہے: تمہارا رب تم پر سلام بھیجتا ہے۔ (تفسیر قرطبی) کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان کہ جب اس دنیا سے جائے تو رحمت کے فرشتے اس کا استقبال کریں اور اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے۔ یارب العالمین! اپنے پیاروں کے صدقے مجھے اور میرے جملہ متعلقین کو اس خصوصی رحمت سے بہرہ مند فرما! آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم!

علامہ نورالدین حلبی نے حضرت بلال ؓ کے اسلام لانے کے ابتدائی ایام اور ان کی زندگی کے آخری لمحات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ جب کافر حضرت بلال ؓ کو ایک خدا کہنے سے روکتے اور ٹارچر کرتے تو فکان بلال یقول احد احد یمزج مرارۃ العذاب بحلاوۃ الایمان۔ حضرت بلال ؓ احد، احد، یعنی اللہ ایک ہے کا اعلان کر کے عذاب کی تلخی میں ایمان کی مٹھاس کا امتزاج کرتے تھے اور جب ان کی وفات کا وقت آیا، آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے سرہانے بیٹھی تھیں، شدت غم سے ان کی زبان سے نکلا واحزناہ۔ ہائے میرا رنج و غم! اس نزع کی حالت میں حضرت بلال ؓ یہ سن کر خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا: یہ مت کہو بلکہ کہو: واطرباہ! غداً القی الاحبۃ محمداً وحزبہ فکان بلال یمزج مرارۃ الموت بحلاوۃ اللقاء (السیرۃ الحلبیۃ: جلد ۱: ص ۳۲۲) کیا خوشی کی گھڑی ہے کل ہماری اپنے پیاروں سے ملاقات ہو گی یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ سے۔ گویا یہاں بھی حضرت بلال ؓ موت کی تلخی کو نبی کریم ﷺ کی ملاقات کی مٹھاس سے ملا رہے ہیں۔

اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝۳۳

نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔[۲۱]

فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۳۴ ع

۳۴۔ سو ان کے اعمال کی برائیاں انہیں پہنچ گئیں اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

وَ قَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ۚ فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝۳۵

۳۵۔ اور مشرکین نے کہا: اگر اللہ تعالی چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے، اسی طرح کیا ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے، سو رسولوں کے ذمہ تو پیغام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔[۲۲]

[۲۱] روشن دلائل کے ساتھ حق بالکل واضح ہو چکا تھا، اس کے باوجود مشرکین مکہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کے فرشتے آئیں اور ان کی زندگی ختم کر دیں اور ان کو برزخ کے عذاب میں مبتلا کر دیں یا کسی آسمانی عذاب کے انتظار میں ہیں جو ان کو تباہ و برباد کر دے۔ ان کو گذشتہ قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام نے انہیں اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرایا تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ حتیٰ کہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور اس میں اللہ تعالی نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور یہ ان کی برائیوں کا انجام اور نتیجہ تھا۔

[۲۲] مشرکین مکہ کا ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ وہ صدیوں سے اللہ تعالی کے گھر میں شرک کرتے آ رہے ہیں، اگر اللہ تعالی چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور نہ ہی بحیرہ اور سائبہ جیسے حلال جانوروں کو حرام قرار دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کو ان کا شرک پسند ہے، اگر اس کو پسند نہ ہوتا تو وہ ان کو روک دیتا۔ اس پر اللہ تعالی نے فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے مشرکین نے بھی اسی طرح کا دعویٰ کیا تھا مگر ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ہر قوم کو شرک سے روکا ہے اسی لئے اس نے قوم میں رسول بھیجے جنہوں نے انہیں بتایا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو اور رسولوں کا کام یہ ہے کہ وہ حق اور باطل کو بالکل واضح بیان کر دیں اور انہوں نے اپنا یہ فرض پوری دیانت داری سے ادا کر دیا۔ اب یہ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عقل کو استعمال کر کے حق کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ تعالی کسی کو مجبور کر کے ہدایت نہیں دیتا کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہوگئی، پس تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ [۲۳]

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کردے وہ اسے ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔ [۲۴]

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت سے سخت قسمیں اٹھائیں کہ جو مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، کیوں نہیں (وہ ضرور زندہ کرے گا) یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس کے ذمہ کرم پر لازم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ [۲۵]

---

[۲۳] اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا تاکہ وہ انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس جن لوگوں نے رسول کی باتوں میں غور و فکر کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی راہ پر گامزن کردیا اور جن لوگوں نے رسول کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا، لہٰذا تم زمین میں سیر و سیاحت کرکے دیکھ لو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا برا ہوا۔

[۲۴] پیارے نبی ﷺ! آپ تو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور اپنی فطری رحمت کے پیش نظر چاہتے ہیں کہ سارے مشرکین مکہ ایمان لے آئیں مگر ان میں سے جو اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے، اب کوئی ان کی مدد نہیں کرسکتا۔

[۲۵] انسان مرکر مٹی ہوجائے، پھر اسے زندہ کیا جائے یہ بات مشرکین کی عقل میں نہیں آتی تھی اس لئے وہ سخت سے سخت قسمیں اٹھا کر دعویٰ کرتے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قیامت ضرور آئے گی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قیامت کا دن ضرور آئے کیونکہ آج دنیا میں ہر فرقہ یہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو واضح کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ کافر لوگ خوب جان لیں کہ بے شک وہی جھوٹے تھے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

۴۰۔ ہمارا فرمان تو کسی چیز کے لئے صرف اتنا ہے کہ جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ''ہوجا'' پس وہ ہو جاتی ہے۔[۲۶]

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ ۙ

۴۱۔ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش کہ وہ جانتے۔[۲۷]

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲۔ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

دعویٰ کرتا ہے کہ وہ صحیح ہے اور دوسرے سارے لوگ غلط ہیں، لہٰذا ایک ایسا دن ضرور آنا چاہیے جس میں حق و باطل واضح ہو جائے اور منکرین کو یقین ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے اور حق وہی تھا جو نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے اور اگر قیامت کا دن نہ آئے تو کئی نیک لوگ بغیر اجر کے، کئی ظالم لوگ بغیر سزا کے، کئی مظلوم بغیر جزا کے اور ملک و ملت کے تحفظ کے لئے جان دینے والے شہید بغیر اجر کے رہ جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

[۲۶] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جب کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرے تو صرف لفظ ''ہوجا'' کہنے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ''ہوجا'' کا لفظ صرف سمجھانے کے لئے ذکر کیا گیا ہے درحقیقت اللہ تعالیٰ اس لفظ کا بھی محتاج نہیں صرف اس کے ارادہ سے ہی وہ چیز فوراً معرض وجود میں آ جاتی ہے۔ (صفوۃ التفاسیر) اللہ تعالیٰ صرف ارادہ کے ساتھ جب ساری کائنات پیدا کر سکتا ہے تو مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

[۲۷] مسلمانوں پر مکہ میں ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے مکہ سے ہجرت کر کے بعض حبشہ اور بعض مدینہ آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو اس دنیا میں مدینہ کی صورت میں ایک سرسبز و شاداب ٹھکانا دیا اور بالآخر مسلمانوں کو پورے عرب پر اقتدار عطا فرمایا اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہوگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جب مہاجرین کو وظیفہ دیتے تو فرماتے: یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعدہ کیا ہے اور آخرت میں

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ‏ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو (رسول بنا کر) بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، پس اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔[۲۸]

بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ‌ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ‏ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے کھول کر بیان کردیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔[۲۹]

تمہارے لئے جو ذخیرہ ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔(تفسیر ابن کثیر) کاش مشرکین مکہ کو آخرت کے اس اجر عظیم کا علم ہوتا اور وہ بھی اسلام کی طرف رغبت کرتے۔

[۲۸] مشرکین مکہ کا ایک عمومی اعتراض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول کیوں نہیں بنایا۔اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ اس نے سارے رسول انسان اور مرد ہی بھیجے ہیں اور اگر تمہیں اس حقیقت کا علم نہیں تو کسی اہل کتاب عالم سے دریافت کرلو تو وہ تمہیں یہی بتائے گا کہ ان کی کتابوں میں جتنے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ملتا ہے وہ بھی انسان اور مرد تھے اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ تم کسی بھی اہل علم سے دریافت کروتو وہ یہی بتائے گا کہ نبی انسان ہی ہونا چاہیے۔اگر نبی فرشتہ بن کر آئے گا تو افہام وتفہیم اور عمل واتباع میں مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔نیز اس سے معلوم ہوا کہ سارے نبی مرد تھے کوئی عورت نبی نہیں ہے۔اس کی تفصیل کے لئے سورہ آل عمران (۳) کا حاشیہ نمبر ۲۱ ملاحظہ کریں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلامی احکام کو نہیں جانتے وہ اہل علم سے پوچھ کر ان پر عمل کریں اور یہ ایک ایسا بدیہی اصول ہے جس پر عہد صحابہ سے لے کر آج تک عمل ہورہا ہے یعنی جو لوگ عالم نہیں ہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کا نام تقلید ہے۔اس کے لئے سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۹۳ اور سورہ مائدہ (۵) کا حاشیہ نمبر ۱۴۱ ملاحظہ کریں۔

[۲۹] پیارے نبی ﷺ! ہم نے جس طرح پہلے رسولوں کو روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی قرآن مجید نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کے احکام لوگوں کو کھول کر بیان کردیں اور تاکہ لوگ اس میں غور وفکر کرکے اپنی اصلاح کریں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ أَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ جن لوگوں نے بدترین مکروفریب کئے کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو۔[۳۰]

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، سو وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ بھی مجمل ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کا منصب نبی کریم ﷺ کو عطا کیا گیا ہے۔(تفسیر قرطبی) لہٰذا قرآن مجید کی جو تفسیر نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہی قابل اعتماد ہے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہی معیار حق ہے۔ کسی حدیث کی سند میں گفتگو ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث آپ سے ثابت ہے یا نہیں لیکن جو بات آپ نے فرما دی ہے وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ آپ کی بات العیاذ باللہ اگر غلط ہو جائے تو سارا قرآن غلط ہو جائے گا۔ ہم قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور اس کا ثبوت صرف رسول اللہ ﷺ کی زبان ہے، جبریل امین اور اللہ تعالیٰ نے براہ راست ہم پر نازل نہیں کیا۔

اس زبان مبارک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، وہ تو صرف وحی ہے جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے۔(قرآن: ۵۳: ۳۔۴) اور نبی کریم ﷺ کا اپنا ارشاد بھی ملاحظہ کریں: حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے بیان کیا ہے: میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات بھی سنتا اس کو حفظ کرنے کے لئے لکھ لیتا تھا۔ ایک دفعہ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ ﷺ بشر ہیں، کبھی غضب اور کبھی رضا کے عالم میں بات کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: میں نے لکھنا بند کر دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: تم لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (دارمی: مقدمۃ: باب ۴۳)

رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کی کیا شان ہے! جب بھی کھلے تو صرف دو ہی چیزیں نکلتی ہیں یعنی قرآن یا حدیث، تیسری کوئی چیز نہیں نکلتی۔ حدیث وسنت کی ضرورت کے لئے سورہ آل عمران (۳) کا حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ کریں۔

[۳۰] مشرکین مکہ نے اسلام کے خلاف بدترین سازشوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو وہ بے خوف نہ ہوں بلکہ ان پر درج ذیل چار قسم کے عذابوں میں سے کوئی ایک عذاب آ سکتا ہے:

۱۔ ان کو قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیا جائے جیسا کہ ہجرت کے موقع پر سراقہ بن مالک آپ ﷺ کے تعاقب میں

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ یا وہ ان کو عین خوف کی حالت میں پکڑ لے تو بے شک تمہارا رب بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸۔ کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، ان کے سائے دائیں اور بائیں اطراف سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتے رہتے ہیں؟ اس حال میں کہ وہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ [۳۱]

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے سب اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

جب آپ کے قریب پہنچا تو اس کا گھوڑا پیٹ تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا اور دھوئیں کی طرح غبار آسمان کی طرف بلند ہوا۔ سراقہ نے گھبرا کر اپیل کی: مجھے معاف کر دو میں آپ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس چلا جاؤں گا۔

(سبل الھدیٰ والرشاد: ج ۲: ص ۳۵۴)

۲۔ ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں سے انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو جیسے مشرکین کے ایک ہزار لشکر کو صرف تین سو تیرہ مسلمانوں سے شکست کھانا پڑی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

۳۔ وہ روزمرہ کے کاموں میں سرگرم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں پکڑ لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے جیسے فتح مکہ کے دن سارے مشرکین اپنے ہی شہر میں قید ہو کر رہ گئے۔

۴۔ ان پر مسلمانوں کے خوف کا عذاب طاری کر دے جیسا کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے مشرکین پر عرب کی زمین تنگ ہو رہی تھی اور خوف کے مارے ان کی نیند حرام ہو گئی تھی حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا کہ مشرکین کو عرب سے ملک بدر ہونا پڑا۔

[۳۱] زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تابع ہیں بالخصوص مادی اجسام والی چیزوں کے سائے جب دائیں اور بائیں اطراف کو جھکتے ہیں تو یہ سجدے کے مشابہ ایسا منظر پیش کرتے ہیں جو متکبر انسانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ بے جان چیزیں اور ان کے سائے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے سجدہ ریز ہیں مگر متکبر انسان اپنے رب کی نافرمانی میں سرگرداں ہیں۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۵۰

۵۰۔ وہ اپنے رب سے جوان کا مالک ہے ڈرتے رہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جوان کو حکم دیا جاتا ہے۔ [۳۲]

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۵۱

۵۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دو معبود نہ بناؤ، وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے، پس مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ [۳۳]

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲

۵۲۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی اطاعت لازم ہے، تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو؟

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـــَٔرُوْنَ ۝۵۳

۵۳۔ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۵۴

۵۴۔ پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ [۳۴]

[۳۲] اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے معصوم ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔

[۳۳] عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ ایک ہے اور صرف ایک۔ اسلام میں دو یا دو سے زیادہ خداؤں کا تصور نہیں ہے۔ زمین و آسمان کی ہر ایک چیز کا مالک وہی ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر ایک پر اس کی اطاعت لازم ہے اور ہر ایک کو اسی سے ڈرنا چاہیے۔

[۳۴] مشرکین کو جب تکلیف پہنچتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے اور جب اللہ تعالیٰ ان کی تکلیف دور کر دیتا تو وہ پھر شرک کرنے لگتے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ شکر گزار بن جاتے لیکن اگر وہ ناشکری پر قائم رہے تو چند روزہ زندگی کے بعد انہیں سخت عذاب سے واسطہ پڑے گا۔ فخر المفسرین امام رازی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ھ کو صبح کے وقت جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا تو شدید زلزلہ آیا اور لوگ عاجزی اور انکساری کے ساتھ چیخ چیخ کر دعائیں مانگنے لگے لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا تو فوراً اس کو بھول گئے اور پھر جہالت اور فضولیات کی طرف لوٹ گئے۔ (تفسیر کبیر)

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵

۵۵۔ تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، پس تم (چندروزہ) فائدہ اٹھالو، پھر تم عنقریب جان لو گے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۶

۵۶۔ اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، اللہ کی قسم! جو بہتان تم باندھا کرتے تھے اس کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔[۳۵]

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۵۷

۵۷۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو بیٹیاں قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ جن کو وہ پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے)۔[۳۶]

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸

۵۸۔ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج وغم سے) بھر جاتا ہے۔[۳۷]

---

[۳۵] مشرکین اپنے کھیت، مویشی اور تجارت کے مال سے بتوں کے لئے حصہ مقرر کرتے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے حالانکہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہو کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو اپنا شریک قرار دے رکھا ہے، بلکہ یہ ان کا اللہ تعالیٰ پر بہتان تھا اور اس کے بارے میں ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔ مزید تفصیل کے لئے سورہ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۶] عرب کے دو قبیلے یعنی خزاعہ اور کنانہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔(تفسیر قرطبی) حالانکہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ نیز وہ اپنے لئے تو صرف بیٹے پسند کرتے اور بیٹیوں سے نفرت کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں قرار دیتے۔ یہ کتنی بڑی ناانصافی اور غیر معقولیت تھی کہ جو چیز وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے وہ خدا کے لئے ثابت کرتے تھے۔

[۳۷] زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے تھے، اگر کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی تو اس کے چہرے پر غم واندوہ کی لہر دوڑ جاتی۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور سوچتا کہ لڑکی کے پیدا ہونے سے جو اس کی ذلت ہوئی ہے وہ اس پر صبر کرے اور اس بچی کو زندہ رہنے دے یا اس کو مٹی میں دفن کردے۔ مضر، خزاعہ، اور تمیم کے قبائل اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی)

اسلام کا عورت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس قبیح رسم کا ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد پورے عرب میں

يَتَوٰرٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کے باعث جو اسے دی گئی، (سوچتا ہے) اس (بیٹی) کو ذلت کے ساتھ رکھ لے یا مٹی میں دبا دے، خبردار! کتنا بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

بیٹی کو زندہ درگور کرنے کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

زمانہ جاہلیت میں بیٹی کی حالت زار

قیس بن عاصم ﷜ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہر بیٹی کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو۔ قیس نے کہا: یا نبی اللہ! میرے پاس تو اونٹ ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کر دو۔

(معجم کبیر: حدیث نمبر ۸۶۳: ج ۱۸: ص ۳۳۷)

مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میں نے اسلام کی مٹھاس محسوس نہیں کی۔ زمانہ جاہلیت میں میری ایک بیٹی تھی، میں نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو آراستہ کر دو، پھر میں اس کو بہت دور ایک وادی میں لے گیا اور وہاں ایک گہرے کنویں میں اسے پھینک دیا۔ اس بیٹی نے کہا: میرے ابا جان! آپ نے مجھے قتل کر ڈالا۔ مجھے جب بھی اس کی یہ بات یاد آتی ہے تو مجھے کوئی چیز نفع نہیں دیتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں جو گناہ ہوئے تھے ان کو اسلام نے مٹا دیا اور جو گناہ اسلام میں ہوں گے ان کو استغفار مٹا دے گا۔ (تفسیر کبیر)

اسلام میں بیٹی کی فضیلت

۱۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھتے تو ان کو مرحبا کہتے، ان کی طرف کھڑے ہوتے اور ان (کے سر) کو بوسہ دیتے، پھر ان کے ہاتھ سے پکڑ کر انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (الأدب المفرد: امام بخاری: ص ۲۷۸)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹیوں کو ناپسند نہ کیا کرو، بے شک وہ ہمدردی اور محبت کرنے والی ہوتی ہیں۔

(مسند احمد: جلد ۴: ص ۱۵۱)

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص دو بچیوں کے بالغ ہونے تک ان کی کفالت کرے گا قیامت کے دن وہ اور میں اتنا قریب ہوں گے جتنا میرے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ (مسلم: کتاب البر: باب ۴۶)

۴۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی ایک بیٹی ہوئی، اس نے اس کو ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور اس کو علم سکھایا اور اچھا علم سکھایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جو اس کو نعمتیں دیں ان نعمتوں میں

سے اس نے اپنی بیٹی کو بھی نعمتیں دیں تو اس کی وہ بیٹی اس کے لئے جہنم سے پردہ اور حجاب ہو جائے گی۔
(حلیۃ الاولیاء: حدیث نمبر ۶۳۴۸: ج ۵: ص ۶۷، کنز العمال: حدیث نمبر ۴۵۳۹۱: ج ۱۶: ص ۴۵۲)

۵۔ علامہ اسماعیل حقی نقل کرتے ہیں کہ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ لڑکے کی نسبت زیادہ خوشی کا اظہار کرے تا کہ اہل جاہلیت کی مخالفت ہو۔ (تفسیر روح البیان)

آج بھی بعض لوگوں میں یہ جہالت پائی جاتی ہے کہ مرد، بیوی کی حیثیت سے تو لڑکی کو پسند کرتا ہے مگر بیٹی کی حیثیت سے اسے ناپسند کرتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کی بیوی بھی آخر کسی کی بیٹی ہے اور اگر بیٹی کا وجود ختم ہو جائے تو نہ کوئی بیوی بن سکے اور نہ ہی نسل انسانی آگے چل سکے، لہٰذا بیٹی کو ناپسند کرنا حماقت اور خلاف فطرت ہے، اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اسلام میں اس تفریق کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر بیٹی ناپسندیدہ مخلوق ہوتی تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاں بیٹیاں پیدا نہ ہوتیں حالانکہ سردار انبیاء ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں اور آپ نے فرمایا: بیٹیوں سے کراہت نہ کرو کیونکہ میں بھی متعدد بیٹیوں کا باپ ہوں۔ (تفسیر روح البیان) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کے بابرکت ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ اس سے پہلے بیٹی پیدا ہو (تفسیر روح البیان) یعنی بیٹے بعد میں پیدا ہوں۔

ایک بیٹے کی کہانی

اگر کسی ماں باپ کے ہاں لڑکی پیدا ہو تو انہیں احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، ہوسکتا ہے یہ بچی جوان ہو کر والدین کو وہ خوشیاں دکھائے کہ اگر اس کی جگہ بیٹا ہوتا تو شاید اتنی خوشیاں نہ دکھا سکتا۔ میرے ایک دوست کا بیٹا برطانیہ آ کر ایسی غلط راہ پر چل نکلا جو والدین کے لئے انتہائی شرم کی بات تھی۔ ایک دن اس کے والدین مجھے کہنے لگے: پیرزادہ صاحب! ہمارا یہ ایک ہی بیٹا ہے باقی بیٹیاں ہیں، جب یہ پیدا ہوا تو ہم نے بڑی خوشی منائی، مٹھائی تقسیم کی لیکن آج اس کے کرتوتوں نے اتنا شرمندہ کر دیا ہے کہ دل سے آواز آتی ہے: کاش! یہ پیدا ہی نہ ہوتا اور ہم آج اس کے بغیر زیادہ خوش ہوتے۔

ایک بیٹی کی کہانی

اس بیٹے کے برعکس ایک بیٹی کا قصہ سنیں جس کی امانت و دیانت نے اسے ایک غریب گھر سے اٹھا کر خلیفہ کے گھرانے کی زینت بنا دیا اور وہ لڑکی اپنے والدین اور خاندان کے لئے عزت اور فخر کا نشان بن گئی۔ وہ قصہ کچھ اس طرح ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ رات کو گشت فرما رہے تھے۔ ایک مکان کے قریب سے گزرے جہاں ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے: دودھ میں پانی ملا دو۔ بیٹی نے جواب دیا: یہ جرم ہے، خلیفہ نے اس سے منع کر رکھا ہے۔ ماں نے کہا: خلیفہ کون سا یہاں دیکھ رہا ہے۔ بیٹی نے جواب دیا: امی جان! ٹھیک ہے خلیفہ تو نہیں دیکھ رہا لیکن اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔ (صد آفرین ایسی بیٹی پر) یہ باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے اور اپنے بیٹے عاصم رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ تم اس نیک لڑکی سے نکاح کر لو۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا اور بعد میں اس لڑکی کی نسل سے عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسا عادل خلیفہ پیدا ہوا جس پر پوری امت مسلمہ آج بھی فخر کرتی ہے۔ (حقوق الاولاد: ص ۲۲)

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؑ﴿۶۰﴾

۶۰۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی بُری صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بلند صفات ہیں اور وہ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔[۳۸]

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے باعث (فوراً) پکڑ لیا کرتا تو وہ زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو وہ نہ ایک لحہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔[۳۹]

اللہ تعالیٰ سب کو بیٹوں کے ساتھ ساتھ ایسی پاک باز اور عدل شعار بیٹیاں بھی عطا فرمائے۔آمین! لہٰذا کسی ماں باپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دے کیونکہ انہیں کیا خبر کہ ان میں سے کون والدین کے لئے بہتر ہوگا؟

[۳۸] مشرکین کی ایک بُری صفت تو یہ تھی کہ وہ لڑکیوں سے نفرت کرتے اور انہیں زندہ در گور کر دیتے اور دوسری بُری صفت یہ تھی کہ وہ اپنے لئے تو بیٹیاں ناپسند کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے۔یہ انہی مشرکین کی بُری صفات ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، بہرحال اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بلند صفات ہیں اور وہ ہر قسم کی کمزوری اور نقص سے پاک ہے۔

[۳۹] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔(قرآن: ۳۴:۱۳) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر انسان خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔(ترمذی: حدیث نمبر ۲۴۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ ظالم بندوں کی تعداد زیادہ ہے اور چھوٹی موٹی خطاؤں سے کوئی انسان پاک نہیں ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ ظالموں اور خطا کاروں کو اسی دنیا میں فوراً سزا دینا شروع کر دیتا تو اس اکثریت پر جب عذاب نازل ہوتا تو ان کے ساتھ شکر گزار بندے بھی آزمائش کے طور پر ختم کر دیئے جاتے، پھر نہ تو حیوانات کی ضرورت رہتی کیونکہ وہ بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام کی ضرورت تھی کیونکہ وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے تشریف لاتے ہیں اور جب انسان ہی نہیں رہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی کیا ضرورت ہے، تو اس طرح ساری زمین انسانوں اور حیوانوں سے خالی ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت لوگوں کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں اور اگر وہ خود اپنی اصلاح نہ کریں تو ممکن ہے ان کی اولاد سے شکر گزار بندے پیدا ہو جائیں، البتہ جب ظالموں کی گرفت کا معین وقت آ جائے تو پھر اس میں تقدیم اور تاخیر نہیں ہو سکتی۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان (بیٹیوں) کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے، بلاشبہ ان کے لئے (جہنم کی) آگ ہے اور وہ (جہنم میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔ [۴۰]

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال آراستہ کر دیئے، پس وہی شیطان آج ان (مشرکین) کا دوست ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [۴۱]

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے تاکہ آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (یہ کتاب) ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ [۴۲]

[۴۰] مشرکین کا ایک دعویٰ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ وہ اپنے لئے بیٹیاں پسند نہیں کرتے تھے اور ان کا دوسرا دعویٰ تھا کہ اگر قیامت آئی تو جس طرح وہ اس دنیا میں اچھائی کے مستحق ہیں اسی طرح آخرت میں بھی جنت اور اچھائی کے مستحق مشرکین ہی ہوں گے۔ اس آیت میں ان کی تردید کی گئی ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ آخرت میں ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ سب سے پہلے ڈالے جائیں گے۔

[۴۱] مشرکین مکہ کے بے ہودہ طرز عمل سے نبی کریم ﷺ کبیدہ خاطر رہتے تھے۔ اس آیت میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ شیطان نے پہلی امتوں کو بھی ان کی برائیاں آراستہ کر کے دکھائیں اور انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالف لاکھڑا کیا۔ اسی طرح آج بھی شیطان ان کا دوست ہے اور اس نے مشرکین مکہ کے لئے ان کی برائیاں آراستہ کر دی ہیں، لہٰذا آپ غمگین نہ ہوں پہلی امتوں کی طرح یہ بھی ناکام ہوں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

[۴۲] مشرکین، یہود اور نصاریٰ مذہب کے متعلق آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ ان میں سے ہر فریق کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پیارے نبی! ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے تاکہ آپ کھول کر بیان

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ع ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو (غور سے) سنتے ہیں۔ [۴۳]

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی ایک عبرت ہے، ہم ان کے شکموں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوش گوار ہے۔ [۴۴]

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم میٹھا رس اور عمدہ روزی بناتے ہو، بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانی ہے۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگوں کے بنائے ہوئے چھپروں میں گھر (یعنی اپنے چھتے) بنا۔ [۴۵]

کر دیں کہ حق صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور قرآن مجید ہی سراپا ہدایت و رحمت ہے مگر اس سے استفادہ وہی کریں گے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

[۴۳] جو لوگ اس آیت کو غور سے سنیں ان کے لئے اس میں دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق ایک دلیل موجود ہے کہ جو اللہ تعالیٰ خشک اور بنجر زمین کو بارش کے پانی کے ذریعے سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مر کر مٹی ہو جانے والے انسان کو دوبارہ زندہ کر دے۔

[۴۴] یہاں مویشی سے مراد گائے، بھینس، اونٹ، اور بھیڑ بکری یعنی دودھ دینے والے جانور ہیں۔ جب چارہ ان کے شکموں میں جاتا ہے تو اس چارے کا ایک حصہ گوبر بن کر باہر نکل جاتا ہے، دوسرا حصہ خون بن کر سارے جسم میں گردش کرتا ہے اور تیسرا حصہ خوش گوار دودھ بن کر ہمارے پینے کے کام آتا ہے۔ ایک ہی جسم میں ایک ہی خوراک سے تین مختلف اور متضاد چیزوں کا پیدا ہو جانا بہت بڑی نشانی اور عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت پر دلالت کرتی ہے۔

[۴۵] شہد کی مکھی پہاڑوں، درختوں اور بلند چھپروں میں اپنے چھتے بناتی ہے۔ پھلوں کا رس چوسنے کے بعد فضا میں آسمان اور کھلے

ثُمَّ كُلِىۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

۶۹۔ پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس اور اپنے رب کے بنائے ہوئے آسان راستوں پر چلتی رہ، ان کے شکموں سے مختلف رنگوں والا شربت نکلتا ہے، اس شربت میں لوگوں کے لئے شفاء ہے، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

راستوں پر دور دراز کا سفر کرتی ہے مگر گھر کا راستہ نہیں بھولتی اور واپس آکر اپنے جسم سے ایسا لا جواب شہد نکالتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ پھلوں کا رس چوسنے سے لے کر شہد بننے تک کے نظام میں غور وفکر کیا جائے تو عقل والوں کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں ایسی طبعی فیکٹری بنا رکھی ہے جو پھولوں کے رس کو شہد میں تبدیل کر دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو شہد بہت پسند تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو حلوا (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ (بخاری: کتاب الطب: باب ۴)

شہد میں کئی بیماریوں کے لئے شفاء ہے

حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میرے بھائی کو دست لگ گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ۔ (اس نے بھائی کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے) وہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ۔ وہ پھر تیسری مرتبہ مرض کی شکایت لے کر آیا، آپ نے پھر فرمایا: اس کو شہد پلاؤ، وہ پھر چوتھی مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا: اس کو شہد پلاؤ۔ اس نے کہا: میں نے شہد پلایا ہے (مگر اس کے دست بڑھ گئے ہیں) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قول سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ جا اس کو شہد پلا۔ جب اس نے چوتھی بار شہد پلایا تو اس کے بھائی کو مکمل شفاء ہو گئی۔ (بخاری: کتاب الطب: باب ۴)

علاج کرانا

۱۔ حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بیماری کی دوا ہے، پس جب دوا صحیح ہو تو (مریض کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفاء دی جاتی ہے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۲۰۴: کتاب السلام: باب ۲۶)

۲۔ حضرت اسامہ بن شریک ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ کے اصحاب اس طرح (خاموش اور ساکن) بیٹھے ہوئے تھے جس طرح ان کے سر پر پرندے ہوں۔ میں بھی سلام عرض کر کے بیٹھ گیا، پھر ادھر ادھر سے اعرابی آگئے۔ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم علاج کرایا کریں؟ آپ نے فرمایا: علاج کرایا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے دوا بھی بنائی ہے سوائے ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۳۸۵۵)

۳۔ حضرت ابو درداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں کو نازل کیا ہے اور ہر بیماری کی دوا بھی بنائی ہے، لہٰذا تم دوا کیا کرو اور حرام چیزوں کے ساتھ دوا نہ کرو۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ۧ

ع ۱۰

۷۰۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی تم کو موت دے گا اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جان لینے کے بعد بھی کچھ نہ جانے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔[۴۶]

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

۷۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے لیکن جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں ہیں کہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟[۴۷]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ

۷۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا فرمائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا فرمائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا فرمایا، تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں

۳۸۷۴) یعنی جب کسی بیماری کی حلال وحرام دونوں دوائیں موجود ہوں تو حرام دوا کے ساتھ علاج نہ کیا جائے اور اگر حلال دوا نہ ہو تو کسی بھی مہلک مرض کے لئے حرام دوا کے ساتھ علاج جائز ہے۔

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں دوا چڑھائی۔ (ابو داؤد: حدیث نمبر ۳۸۶۷)

[۴۶] قدرت کی خارجی نشانیاں بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ذات میں غور وفکر کرنے کی طرف متوجہ فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، پھر وہی انسان کو موت دے گا اور بعض انسانوں کو تو اسی دنیا میں ناکارہ عمر تک پہنچا دیتا ہے جس میں اس کے ہوش وحواس ختم ہو جاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ پہلے جانتا تھا شدید بڑھاپے کی وجہ سے وہ بھی بھول جاتا ہے، تو یہ سارے تغیرات لانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی قدرت والا ہے۔

[۴۷] اللہ تعالیٰ نے جن کو زیادہ مال دیا ہے وہ اپنے غلاموں کو اتنا مال نہیں دیتے کہ وہ بھی ان کے برابر مالدار ہو جائیں۔ اگر تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانا گوارا نہیں کرتے تو تم مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں بناتے ہو۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہیں ہے کہ جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو وہ خدا کے لئے ثابت کرتے ہو؟

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾

اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟[۴۸]

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾

۷۳۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین میں سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور وہ کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾

۷۴۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے لئے مثل نہ ٹھہراؤ،[۴۹] بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

۷۵۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرمائی ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے، کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق دیا اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔[۵۰]

---

[۴۸] اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیویاں، بچے اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔ اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں رزق دینے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے، تو کیا یہ باطل پرستی نہیں ہے؟ بلاشبہ یہ باطل پرستی اور اس کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

[۴۹] یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور اس کی مثل قرار نہ دو کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہو سکتی۔ (قرآن: ۴۲:۱۱)

[۵۰] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے، ایک شخص کسی کا غلام ہے جو اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص آزاد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کر کے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اب یہ دونوں آدمی اگرچہ انسان ہیں مگر برابر نہیں ہو سکتے، تو پھر یہ بے بس مخلوق جس کی تم عبادت کرتے ہو اور وہ قادر مطلق خدا جو ہر چیز کا خالق ہے کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ دراصل سب تعریفوں کا اصل مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ‌ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ‌ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ‏۝

۷۶۔ اور اللہ تعالیٰ نے دو اور آدمیوں کی مثال بیان فرمائی جن میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجتا ہے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا وہ (گونگا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر گامزن ہے؟ [۵۱]

ع ۱۲

وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَمَاۤ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ۝

۷۷۔ اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، [۵۲] اور قیامت برپا ہونے کا معاملہ ایسا ہے جیسے آنکھ جھپکنا یا اس سے بھی جلد، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ [۵۳]

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ

۷۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے

---

[۵۱] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اور آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے، ایک گونگا، بے کار اور اپنے مالک پر بوجھ ہے۔ دوسرا شخص راہ راست پر گامزن اور عدل و انصاف کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو پھر مومن اور کافر، نیز خالق اور مخلوق کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

[۵۲] آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کوئی انسان اپنے حواس اور اپنی عقل سے اس کو معلوم نہیں کر سکتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور جتنا چاہے عطا کر دے یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورۂ آل عمران (۳) کا حاشیہ نمبر ۱۲۵ اور ۱۲۶، سورۂ مائدہ (۵) کا حاشیہ نمبر ۱۳۷، سورۂ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۴۳، ۵۵ اور ۵۸ اور سورۂ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۱۰۶ ملاحظہ کریں۔

[۵۳] قیامت قائم ہونے سے پہلے یہ زمین و آسمان اور ساری کائنات فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس ساری کائنات کو فنا کرنے کے لئے اس کو فوجوں اور سالوں کی ضرورت نہیں بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی کم مدت میں صرف ارادے سے فنا کر سکتا ہے اور وہی قادر مطلق اس قابل ہے کہ اس کے عذاب سے ڈرا جائے اور اسی کی عبادت کی جائے۔ جس طرح قیامت آنکھ جھپکنے سے پہلے قائم ہو جائے گی اسی طرح موت بھی آنکھ جھپکنے سے پہلے آ سکتی ہے، لہٰذا جتنا جلد ہو سکے انسان کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آ جائے اور پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکرادا کرو۔[۵۴]

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

۷۹۔کیاانہوں نے پرندوں کونہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں تابع فرمان ہیں، انہیں صرف اللہ تعالی نے تھام رکھا ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔[۵۵]

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

۸۰۔اور اللہ تعالی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو جائے سکونت بنایا اور تمہارے لئے مویشیوں کی کھالوں سے گھر (خیمے) بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان (مویشیوں) کی اون اور ان کی پشم اور ان کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور ایک وقت معین تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں۔[۵۶]

---

[۵۴] انسان جب شکم مادر سے باہر آتا ہے تو اسے کچھ علم نہیں ہوتا۔اللہ تعالی نے انسان کو کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے تا کہ وہ اللہ تعالی کا شکر بجالائے یعنی ان نعمتوں کو اللہ تعالی کی فرماں برداری میں استعمال کرے اور ان نعمتوں کی قدر ان سے پوچھو جو دیکھنے یا سننے سے محروم ہیں اور کتنی مشکلات میں گھرے رہتے ہیں۔

[۵۵] اللہ تعالی نے پرندوں کے جسم اور پروں کی ساخت ایسی بنائی ہے جس کی وجہ سے وہ فضا میں قائم رہتے ہیں اور نیچے نہیں گرتے۔ان پرندوں میں غور کر کے سائنس دانوں نے ہوائی جہاز بنالئے اور اب نہ جانے کیا کیا ایجادات کر رہے ہیں۔ کاش! اہل ایمان بھی ان نشانیوں میں غور و فکر کرتے۔

[۵۶] اللہ تعالی نے انسان کو پتھر اور مٹی کے ذریعہ مستقل گھر بنانے کی توفیق دی، مویشیوں کے چمڑے سے خیمے بنانے کی توفیق دی جن کو سفر و حضر میں استعمال کرنا آسان ہوتا ہے۔ نیز ان مویشیوں کے بالوں، اون اور ریشم کے ذریعے مختلف ضروریات زندگی پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائی مگر ان ساری نعمتوں سے انسان صرف ایک معین مدت تک ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔بالآخر ہر ایک کو ایک دن مرنا ہے اور اپنے خالق حقیقی کے سامنے ان نعمتوں کے بارے جوابدہ ہونا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ سَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمُ الۡحَرَّ وَسَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور ایسے لباس بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت بچاتے ہیں، اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار بنو۔ [۵۷]

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۲﴾

۸۲۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پہنچا دینا ہے۔ [۵۸]

يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾ ع

۸۳۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیں۔

وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ثُمَّ لَا يُؤۡذَنُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۸۴﴾

۸۴۔ اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھائیں گے، پھر کافروں کو (عذر خواہی کی) اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ [۵۹]

---

[۵۷] اللہ تعالیٰ نے سخت دھوپ سے بچنے کے لئے سائے، گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے کپڑے، پہاڑوں میں سفر کے دوران بارش سے بچنے کے لئے غاریں اور میدان جنگ میں دشمن کے وار سے بچنے کے لئے لوہے کی زرہیں وغیرہ کے اسباب پیدا فرمائے۔ اسی طرح انسان کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بے شمار اسباب پیدا فرمائے تاکہ انسان اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس کا فرمابردار بن جائے۔

[۵۸] میرے پیارے نبی! میری بے شمار نعمتوں اور آپ کی واضح تبلیغ کے بعد بھی اگر یہ مشرکین ایمان نہیں لاتے تو آپ غمگین نہ ہوں، آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ نیز یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور ہٹ دھرمی ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

[۵۹] قیامت کے دن جب ہر نبی اپنے منکروں کے خلاف گواہی دے گا کہ اس نے ان کو توحید کا پیغام پہنچایا مگر ان لوگوں نے دانستہ اس کا انکار کر دیا تو انبیائے کرام کی اس فائنل اور ناقابل انکار گواہی کے بعد منکرین کو نہ تو عذر خواہی کی اجازت ہوگی اور نہ ہی ان کو توبہ کی مہلت دی جائے گی کیونکہ توبہ کا وقت دنیا میں ختم ہو چکا تھا اب تو صرف جزا اور سزا کا وقت ہے۔

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵۔ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے، پھر نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔[۶۰]

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور جب مشرکین اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شریک جن کی ہم تجھے چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو وہ شریک انہیں جواب دیں گے کہ بے شک تم جھوٹے ہو۔[۶۱]

وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷۔ اور اس دن وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے گر پڑیں گے اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہے گا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر اور عذاب کا اضافہ کر دیں گے کیونکہ وہ فساد برپا کرتے تھے۔[۶۲]

---

[۶۰] جب فرشتے ظالموں کو جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ عملاً عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے تو پھر ان کے چیخنے اور چلانے سے نہ تو ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی وقفہ دیا جائے گا بلکہ وہ لگاتار عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

[۶۱] قیامت کے دن مشرکین اپنے خود ساختہ شریکوں کو دیکھ کر کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ ہمارے شریک جن کی ہم عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا فرمائے گا تو وہ مشرکین کو جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں کبھی نہیں کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کرو اور نہ ہی ہم رب کے شریک ہو سکتے ہیں اور اگر تم نے ہم کو رب کا شریک بنا رکھا تھا تو یہ تمہارا اپنا جھوٹا عقیدہ تھا تم خود اس کے ذمہ دار ہو، ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مشرکین کے جب سارے جھوٹے سہارے گم ہو جائیں گے تو مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و انکساری کرنے لگیں گے تاکہ ان کو معاف کر دیا جائے مگر قیامت کے دن کی توبہ کسی کے کام نہیں آئے گی۔

[۶۲] جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو راہ راست سے روکا ان کو دگنا عذاب ملے گا، ایک اپنے کفر کا اور دوسرا لوگوں کو گمراہ کرنے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اجر کے مختلف درجے ہوں گے اسی طرح جہنم میں سزا کے بھی مختلف

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

۸۹۔ اور جس دن ہم ہر امت پر انہی میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے،[۶۳] اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے[۶۴] اور وہ مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

درجے ہوں گے۔

[۶۳] اس کی تفسیر کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۹۸ ملاحظہ کریں۔

[۶۴] اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جو شخص علم کا ارادہ رکھتا ہے وہ قرآن سے نور حاصل کرے کیونکہ اس میں اولین و آخرین کا علم ہے۔ (تفسیر درمنثور)

۲۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں، پھر ان تمام کے علوم کو چار کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور فرقان) میں جمع کر دیا، پھر ان میں سے پہلی تین کتابوں کے علوم کو قرآن مجید میں جمع کر دیا۔ (الاتقان: امام سیوطی: ج ۴: ص ۲۴) لہٰذا قرآن ساری آسمانی کتابوں کے علوم کا جامع ہے۔

۳۔ ابن سراقہ نے "کتاب الاعجاز" میں لکھا ہے کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن پاک میں نہ ہو۔ (الاتقان: امام سیوطی: ج ۴: ص ۲۵)

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اس قرآن میں ہمارے لئے ہر علم اور ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر و تفسیر ابن جریر طبری) لامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول سب سے زیادہ جامع ہے، کیونکہ قرآن مجید تمام علوم نافعہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اس میں گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں بھی ہیں اور آنے والے واقعات کا علم بھی ہے۔ ہر حلال، حرام اور تمام وہ امور جن کی طرف لوگ اپنی دنیا، اپنے دین، اپنی معاش اور اپنی معاد میں محتاج ہیں سب اس میں مذکور ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

۵۔ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا استخراج اور استنباط قرآن سے ممکن نہ ہو مگر اس کو وہی نکال سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خصوصی فہم عطا فرمائے۔ (الاتقان: امام سیوطی: ج ۴: ص ۲۶) جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

جميع العلم فی القرآن لكن تقاصر عنه افهام الرجال

قرآن مجید میں تو تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کے ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے بھی اللہ تعالیٰ

کی کتاب میں تلاش کرلوں گا۔ (تفسیر روح المعانی: الاتقان: ج ۳: ص ۲۶)

قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان کیسے ہے؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں دین کی ہر چیز پر دلالت موجود ہے یا تو بالکل واضح دلالت ہے اور اگر مجمل دلالت ہے تو اس کا بیان رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع سے یا قیاس سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: سورہ انعام (۶): زیر آیت نمبر ۳۸) یعنی اگر کسی چیز کا حکم قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ موجود نہ ہو اور وہ سنت، اجماع یا قیاس کے ذریعہ ثابت ہو جائے تو یہ بھی قرآن ہی کا حکم شمار کیا جائے گا کیونکہ قرآن کی دلالت کے مطابق یہ تینوں ذرائع اسلام میں حجت ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے گودنا لگوانے والی، چہروں کے بال صاف کرنے والی، خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ ام یعقوب نے کہا: یہ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ ﷺ نے اور کتاب اللہ نے لعنت کی ہے۔ اس عورت نے کہا: بخدا! میں نے سارا قرآن پڑھا ہے، اس میں تو اس لعنت کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا! اگر تو نے قرآن کو غور سے پڑھا ہوتا تو تو اس لعنت کو پالیتی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔ قرآن: ۵۹: ۷۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۹۳۹: کتاب اللباس: باب ۸۴) اس سے آگے علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا: کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی۔ اس نے کہا: پڑھی ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر روح المعانی) لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا حکم دراصل قرآن ہی کا حکم ہے۔

۲۔ ایک دفعہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں فرمایا: تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو میں تم کو اللہ کی کتاب سے اس کا جواب دوں گا۔ ان سے پوچھا گیا: جو محرم (احرام والا شخص) بھڑ (زنبور) کو مار ڈالے اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ (امام شافعی نے فرمایا: اس پر کوئی تاوان نہیں، اس نے پوچھا: قرآن میں یہ حکم کہاں ہے؟) امام شافعی نے سورہ حشر (۵۹) کی آیت نمبر ۷ پڑھی: رسول تم کو جو دیں اس کو لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ (تفسیر روح المعانی) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۷۶: ابواب العلم: باب ۱۶) اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محرم کو زنبور کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر روح المعانی) اس طرح امام شافعی نے خلیفہ کے حکم کو سنت سے اور سنت کے حکم کو قرآن سے ثابت کیا، لہٰذا خلیفہ کا حکم بھی دراصل قرآن کا ہی حکم ہے۔

۳۔ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ شیخ محمد عبدہ سے پیرس میں ایک مستشرق نے پوچھا: کیا قرآن میں یہ نہیں ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے؟ شیخ عبدہ نے کہا: کیوں نہیں! مستشرق نے کہا: پھر مجھے قرآن سے بتاؤ کہ گندم کی اس بوری سے کتنی روٹیاں بن

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝۹۰

۹۰۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔ [۶۵]

سکتی ہیں؟ شیخ محمد عبدہ نے کہا: نابائی سے پوچھتے ہیں وہ اس سوال کا جواب جانتا ہے۔ مستشرق نے کہا: مجھے قرآن سے جواب درکار ہے۔ شیخ محمد عبدہ نے کہا: یہ قرآن ہی کی تعلیم ہے کہ ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔''

(تفسیر الشعراوی)

[۶۵] گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے'' اور یہ آیت اس کا نمونہ ہے، جس میں اسلام کی ساری تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اہل علم کہتے ہیں: اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک آیت نازل ہوتی تو یہ اس بات کا کافی ثبوت تھی کہ قرآن مجید میں کامل ہدایت اور ہر چیز کا بیان ہے۔ (تفسیر روح المعانی) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قرآن کی جامع ترین آیت ہے۔ اس میں ہر وہ اچھی چیز جس پر عمل کرنا ضروری ہے موجود ہے اور اسی طرح ہر وہ بری چیز جس سے اجتناب ضروری ہے وہ بھی موجود ہے۔ (تفسیر قرطبی) یعنی عقیدہ ہو یا عمل، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، انفرادی مسئلہ ہو یا اجتماعی، مسلمان ہوں یا کافر اور امیر ہوں یا غریب ہر ایک کے ساتھ عدل اور احسان کا معاملہ کرو اور کسی کے ساتھ بے حیائی، برائی اور سرکشی کا معاملہ نہ کرو۔ یہ چند الفاظ ہر قسم کی اچھائی کرنے اور ہر قسم کی برائی سے اجتناب کرنے کو شامل ہیں۔ شاید اسی لئے سلف صالحین کے مبارک زمانہ سے آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو خطبہ میں باقاعدہ شامل کیا تھا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت ولید ابن مغیرہ (جو کہ کافر تھا) کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا: اے میرے بھائی کے بیٹے! ایک بار پھر پڑھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو دوبارہ پڑھا تو وہ کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ کلام تو بڑا میٹھا اور خوبصورت ہے، اس کا تنا پتوں والا ہے اور اس کی شاخیں پھل دینے والی ہیں اور یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی)

عدل اور احسان میں فرق

کسی نیکی کے بدلہ میں اتنی ہی نیکی کرنا عدل ہے اور اس سے زائد نیکی کرنا احسان ہے، اسی طرح کسی برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی سے دینا عدل ہے اور برائی کو معاف کر دینا یا برائی کے بدلہ میں نیکی کرنا احسان ہے۔ عدل کرنے سے معاشرہ میں امن قائم ہوتا ہے اور احسان کرنے سے دلوں میں عزت اور احترام پیدا ہوتا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب بھی تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ [۶۶]

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے سوت کو مضبوط کات لینے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کاری کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ اس طرح ایک گروہ دوسرے سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اس کے ذریعے تمہیں آزماتا ہے، اور وہ تمہارے لئے قیامت کے دن ان باتوں کو کھول کر بیان کر دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ [۶۷]

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

۹۳۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا

[۶۶] اس آیت میں عہد کو پورا کرنے کی تاکید اور اس کو توڑنے کی ممانعت ہے، یعنی جب تم اللہ تعالیٰ سے عہد کرو یا اس کی قسم اٹھا کر کسی بھی انسان سے عہد کرو تو پھر اس کو توڑنے کی جرأت نہ کرو کیونکہ تم نے اس عہد پر اللہ تعالیٰ کو ضامن اور گواہ بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ اب اگر تم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی تو پھر تم اس کی سزا سے بچ نہ سکو گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن عہد شکن کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۶۱۷۷: کتاب الادب: باب ۹۹)

[۶۷] زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل آپس میں معاہدے کرتے تو قسموں کو فریب کاری کا ذریعہ بناتے اور جب کسی دوسرے قبیلے سے زیادہ فائدے نظر آتے تو پہلے معاہدے کو توڑ دیتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے وعدوں کو پورا کیا کرو اور اس پاگل عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو سارا دن سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد شام کو خود ہی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پورے دن کی محنت ضائع کر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی اپنے وعدے توڑو گے تو اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکو گے کیونکہ وہ تمہیں ان وعدوں اور قسموں کے ذریعہ آزماتا ہے اور قیامت کے دن وہ تمہارے مفادات اور اختلافات کو کھول کر بیان کر دے گا جن کی خاطر تم مکر و فریب کرتے ہو۔

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳

لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور تم سے ان اعمال کے بارے ضرور باز پرس ہوگی جو تم کیا کرتے تھے۔[۶۸]

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۹۴

۹۴۔ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کاری کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ (تمہارا) قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا اور تمہیں برے انجام کا مزا چکھنا پڑے گا کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا تھا اور تمہارے لئے بڑا سخت عذاب ہوگا۔[۶۹]

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵

۹۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے میں نہ بیچ ڈالو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔[۷۰]

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَ

۹۶۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو

---

[۶۸] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ تم میں سے جو باطل کا طالب ہے وہ اس کو اس کی اپنی پسند کے مطابق گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور جو حق کا طالب ہے اس کو اس کی خواہش کے مطابق ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے، اس لئے قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا اللہ تعالیٰ کسی کو نیکی یا بدی کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

[۶۹] اے مسلمانو! تم دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی قسموں کو نہ توڑو، ورنہ تمہارے قدم صراط مستقیم سے پھسل جائیں گے اور کافر تمہاری اس عہد شکنی کو دیکھ کر اسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور اسلام کو قبول کرنے سے رک جائیں گے، اس طرح تم عہد شکنی کے ساتھ دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے بھی مجرم قرار پاؤ گے اور انجام کار تمہیں برے انجام کا مزا چکھنا پڑے گا۔

[۷۰] یعنی دنیاوی مال ومتاع کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے عہد کو نہ توڑو۔ یہ مال ومتاع کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو آخرت کے مقابلہ میں بالکل قلیل ہے۔ نیز یہ مال ومتاع فنا ہو جائے گا اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں ہیں وہ ہمیشہ رہنے والی ہیں اور جو لوگ عہد کو پورا کرنے میں مشکلات پر صبر کرتے ہیں ان کو اس صبر کا اچھا اجر ضرور ملے گا۔

لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کا اجر ضرور دیں گے ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷۔ جو بھی نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کو ہم ان کا اجر ضرور دیں گے ان کے اچھے کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ [۷۱]

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

۹۸۔ سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ [۷۲]

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹۔ بے شک اسے ان لوگوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ [۷۳]

---

[۷۱] جو مومن نیک عمل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرماتا ہے یعنی وہ غربت اور تکلیف میں ہو تو صبر کر کے اجر عظیم کا امیدوار رہتا ہے اور اگر دولت اور راحت میں ہو تو شکر کر کے اجر عظیم کا امیدوار رہتا ہے اور اس صبر و شکر پر آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ جو لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسلام میں عورت کی کوئی قدر نہیں وہ اس آیت میں غور کریں۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے اعمال کا پورا اجر ملے گا۔ مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ اگر عورت کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے تو وہ جنت کے بلند درجہ میں ہوگی اور اگر مرد کے اچھے اعمال کم ہوں گے تو جنت کے نچلے درجے میں ہوگا۔

[۷۲] قرآن مجید کی تلاوت کا ایک ادب یہ ہے کہ پہلے "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" پڑھا جائے یعنی میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اس کا پڑھنا سنت ہے (تفسیر خازن) تاکہ قاری کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرتے وقت شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ رکھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اتنی قدرت دی ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں بھی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو ہم کس شمار میں ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ''پس شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں تم کو خلد کا درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہی جو کبھی زائل نہ ہو۔'' (قرآن: ۲۰: ۱۲۰)

[۷۳] جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیا شیطان ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ وقتی طور پر اگر وہ اس کے وسوسہ کا شکار ہو

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰۔ اس کا غلبہ صرف انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ تم تو خود (قرآن کو) گھڑنے والے ہو بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ [۷۴]

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى

۱۰۲۔ آپ فرمائیے! اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا

جائیں تو جونہی انہیں احساس ہوتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا شروع کر دیتے ہیں، البتہ ان لوگوں پر شیطان کو پورا غلبہ حاصل ہو جاتا ہے جو خود شیطان کو دوست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے پر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اتنی قدرت نہیں دی کہ وہ انسان کو مجبور کر دے بلکہ انسان خود اپنی غفلت اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے شیطان کی پیروی کرتا ہے۔

[۷۴] اللہ تعالیٰ جب کسی حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرماتا جس کی حکمت وہ خود ہی بہتر جانتا ہے تو کافر کہتے کہ یہ قرآن تم اپنی طرف سے بناتے ہو۔ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو اس کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ دراصل یہ کافر لوگ نسخ کی حکمت کو نہیں جانتے اس لئے اعتراض کرتے ہیں۔ اگر کلام الٰہی میں نسخ نہ ہوتا تو تورات کے بعد زبور اور زبور کے بعد انجیل اور انجیل کے بعد قرآن کی ضرورت نہیں تھی صرف تورات پر ہی عمل جاری رہتا، لہٰذا نسخ کسی بے علمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ہمارے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا تھا۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۲۷ ملاحظہ کریں۔

مکی زندگی میں نسخ کی ایک مثال ملاحظہ کریں۔ سورہ مزمل (۷۳) جو کہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی ابتدائی آیات میں حکم ہوا: نصف رات یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ وقت نماز میں گزارا کرو، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اسی سورت کی آخری آیت میں تخفیف کر دی کہ جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔ نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ کی پابندی ختم کر دی گئی۔ پہلے حکم کے جواب میں اور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں صحابہ کرام ؓ نے جس اخلاص اور جذبہ عمل کا مظاہرہ کیا وہ آنے والے مسلمانوں کے لئے ایک روشن مثال ہے کہ انہوں نے بیماری اور سفر کے باوجود رات کو جاگنے کی اس قدر پابندی کی کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور ان کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔

لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔[۷۵]

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ (کفار) کہتے ہیں کہ انہیں (یہ قرآن) ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس شخص کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن تو واضح عربی زبان میں ہے۔[۷۶]

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔[۷۷]

---

[۷۵] اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ قرآن جس کو تم میرا کلام خیال کرتے ہو، حقیقت میں یہ میرا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو جبریل امین علیہ السلام لاتے ہیں اور حالات کے مطابق تبدیل کرنے اور بتدریج نازل کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ایمان والوں کو بات سمجھنے، یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو اور پورے شرح صدر کے ساتھ حق پر ثابت قدم ہو جائیں۔

[۷۶] مشرکین مکہ اکثر یہ الزام لگاتے کہ نبی کریم ﷺ قرآن خود بناتے ہیں اور جب انہیں کہا جاتا کہ آپ ﷺ امی ہیں اور چالیس سال کی عمر تک آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی ہے اور نہ لکھی ہے تو اچانک فصیح وبلیغ قرآن کیسے تیار کر سکتے ہیں؟

تو پھر کہتے: ان کو کوئی آدمی قرآن سکھاتا ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ کون آدمی ہے؟ تو وہ کبھی جبر کا نام لیتے اور کبھی یعیش، یسار یا بلعام کا نام لیتے اور یہ سارے عجمی غلام تھے۔ ان میں سے بعض عیسائی، بعض یہودی اور بعض مسلمان ہو چکے تھے۔ جبر کے متعلق علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ عیسائی غلام تھا، بعد میں مسلمان ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ جبر آپ کو قرآن سکھاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جبر تو عجمی ہے وہ خود فصیح عربی نہیں بول سکتا تو پھر وہ فصیح عربی پڑھا کیسے سکتا ہے؟ نقاش نے ذکر کیا ہے کہ جبر کو اس کا مالک مارتا تھا کہ تو محمد ﷺ کو پڑھاتا ہے تو وہ کہتا: خدا کی قسم! میں آپ کو نہیں پڑھاتا بلکہ آپ مجھے پڑھاتے ہیں اور مجھے ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر جبر قرآن سکھانے والا تھا تو اسے تو علم تھا کہ یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ اس کا سکھایا ہوا کلام ہے تو پھر اسے اسلام لا کر اپنے مالک سے مار کھانے کی کیا ضرورت تھی، لیکن حقیقت وہی ہے جو جبر نے اوپر بیان کر دی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے وہ تعلیم اور ہدایت حاصل کی ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔

[۷۷] منکرین کو ہدایت نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی ہدایت کے لئے قرآن کی آیات نازل فرمائیں مگر انہوں

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ بے شک جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ [۷۸]

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوائے اس شخص کے جس کو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا، بلکہ شرح صدر کے ساتھ کفر کیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ [۷۹]

نے آیات الٰہی کا انکار کر کے ہدایت کو قبول نہیں کیا، لہٰذا ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

[۷۸] مشرکین ایک طرف تو نبی کریم ﷺ کو صادق اور امین کہتے اور دوسری طرف جھوٹ کا الزام لگاتے کہ آپ خود قرآن بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حقیقت میں جھوٹے تو وہ خود ہیں جو میری آیات کا انکار کرتے ہیں اور ان کو مخلوق کا کلام قرار دیتے ہیں۔

[۷۹] جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور وہ مرتے دم تک اپنے کفر پر مطمئن رہا تو وہ مرتد ہے۔ دنیا میں اس کی سزا قتل ہے اور آخرت میں اس کے لئے سخت عذاب ہوگا، البتہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے جان بچانے کے لئے زبان سے کفر کا اقرار کر لیا جبکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا تو وہ مرتد نہیں ہوگا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ

یہ آیت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کو، آپ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو پکڑا اور اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا مگر تینوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا یعنی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی۔ ابوجہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا یہاں تک کہ چر کر آپ کے بدن کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں، پھر انہوں نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کے دوسرے شہید ہیں، پھر انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کلمات کفر کہنے پر مجبور کیا جو آپ نے بادل نخواستہ زبان سے کہہ دیئے۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! عمار تو کافر ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں! عمار تو سر سے لے کر قدموں تک ایمان سے لبریز ہے، اسلام اس کے خون اور گوشت میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ وہاں سے چھٹکارا پا کر روتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض

کیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: اس وقت تیرے دل کی کیفیت کیا تھی؟ حضرت عمار ؓ نے عرض کیا: وہ تو ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ اس پر نبی کریم ﷺ اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگے اور فرمایا: اگر وہ دوبارہ تمہیں مجبور کر کے کفر کہلوانا چاہیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔ (تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر منیر)

مجبوری میں کلمہ کفر کہنا

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے حتیٰ کہ اسے جان کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ اگر زبان سے کفر کی بات کہہ دے جبکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ ہی وہ کافر ہوگا۔ (تفسیر قرطبی) جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور اس کام کے حکم کو اٹھالیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔ (ابن ماجة: حدیث نمبر ۲۰۴۵: ابواب الطلاق: باب ۱۶)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: جان بچانے کے لئے کلمہ کفر کہنے کی اجازت تو ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ وہ کلمہ کفر نہ کہے اگرچہ جان چلی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن حذیفہ ؓ

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذیفہ ؓ کو رومیوں نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے کہا کہ تم عیسائی بن جاؤ میں تمہیں اپنی حکومت میں حصہ دار بنالوں گا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دوں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مجھے اپنی ساری دولت بلکہ سارے اہل عرب کی دولت اس شرط پر دے دو کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نبی کریم ﷺ کے دین کو چھوڑ دوں تو پھر بھی میں قبول نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے کہا: پھر میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: تم قتل کر سکتے ہو۔ بادشاہ نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیر اندازوں سے کہا کہ وہ آپ کے ہاتھوں اور پاؤں پر مارنا شروع کریں۔ اس دوران بادشاہ نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیشکش کی، آپ نے انکار کر دیا، پھر بادشاہ نے آپ کو سولی سے اتارنے کا حکم دیا، ایک تانبے کی دیگ کو آگ پر تپایا اور ایک مسلمان قیدی کو حضرت عبداللہ ؓ کے سامنے اس میں پھینک دیا اور اس نے وہیں تڑپ تڑپ کے جان دے دی۔ بادشاہ نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیشکش کی، آپ نے پھر انکار کر دیا۔ آخر بادشاہ نے آپ کو دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا، جب جلاد انہیں اٹھا کر دیگ کے پاس لے گیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید اب یہ عیسائیت قبول کرلے گا۔ آپ کو واپس بلایا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: میں اس لئے رویا تھا کہ میری ایک جان ہے جس کو رضائے الٰہی کے لئے اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاش! میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں اور سب کو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس عذاب میں ڈال دیتا۔ بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا، کافی دن بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت ان کی طرف بھیجا لیکن آپ نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بادشاہ نے آپ کو دربار میں طلب کیا اور نہ کھانے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: حالت اضطرار میں اگرچہ اس کا کھانا حلال ہے لیکن میں

تمہیں یہ موقع نہیں دینا چاہتا کہ تو میرے کھانے سے خوشی منائے۔ بادشاہ نے کہا: اب اس طرح کرو کہ تم میرے سر کو بوسہ دو تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ آپ نے فرمایا: کیا میرے ساتھ سارے مسلمان قیدیوں کو بھی آزاد کردو گے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ آپ نے بادشاہ کے سر کو چوما۔ اس نے آپ کو اور تمام قیدیوں کو آزاد کردیا۔ جب آپ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس واپس پہنچے اور آپ کو یہ ماجرا سنایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سر چومے اور ابتدا میں خود کرتا ہوں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کران کے سر کو سب سے پہلے بوسہ دیا۔
(تفسیر ابن کثیر)

مرتد کی تعریف

جو شخص پہلے مسلمان ہو اور بعد میں اسلام کا عقیدہ چھوڑ دے اسے مرتد کہتے ہیں۔

مرتد کی سزا

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس پر پھر اسلام پیش کیا جائے اور اسلام کے خلاف جو اس کے شبہات ہیں ان کو زائل کیا جائے۔ (مبسوط: جلد ۱۰: ص ۹۸) امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اسلامی حکمران کے لئے مستحب ہے کہ وہ مرتد کو تین دنوں کی مہلت دے۔ (مبسوط: ج ۱۰: ص ۹۹) تا کہ وہ اسلام اور اپنے مستقبل کے بارے میں اچھی طرح غور وفکر کرلے لیکن پھر بھی اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے دین یعنی اسلام کو تبدیل کیا اس کو قتل کردو۔ (بخاری: کتاب الجہاد: باب نمبر ۱۴۹) چاروں ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کا مرتد ہونا ثابت ہو جائے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ: ج ۵: ص ۴۲۳) البتہ عورتیں اگر مرتد ہو جائیں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں قید کیا جائے گا اور انہیں دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ: ج ۵: ص ۴۲۶) مرتد کو قتل کرنے کا حق صرف اسلامی حکمران کو حاصل ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج ۶: ص ۱۸۸) یعنی مرتد کی سزا کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، کسی کو انفرادی طور پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ورنہ ذاتی مخالفتوں کی وجہ سے کئی ایسے لوگ بھی قتل ہو سکتے ہیں جو حقیقت میں مرتد نہ ہوں۔

مرتد کی سزا کی وجوہات

۱۔ دنیا کے ہر مہذب ملک میں فکری آزادی کی اجازت ہے مگر اس کی ایک حد ہے، اگر کوئی شخص کسی حکومت کے خلاف بغاوت کی بات کرے تو کوئی حکومت ایسی فکری آزادی برداشت نہیں کرتی بلکہ اسے باغی اور غدار قرار دے کر سخت سزا دیتی ہے۔ اسی طرح اسلامی حکومت ہمیشہ اسلامی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور جو مسلمان اسلامی نظریے سے بغاوت کرے وہ دراصل اسلامی حکومت کا باغی اور غدار ہے، لہٰذا وہ بھی سخت ترین سزا کا مستحق ہے، لیکن جو شخص اسلامی حکومت کے بنیادی نظریہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا یعنی مسلمان ہی نہیں بلکہ ذمی کے طور پر اسلامی حکومت میں آباد ہے وہ اگر اسلام یا کوئی اور

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔[۸۰]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں۔

مذہب قبول کرے گا تو وہ اسلامی حکومت کا باغی نہیں ہوگا، لہٰذا وہ کسی سزا کا مستحق نہیں ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں کافر کو مسلمان بنانے کے لئے جبر کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا اسلامی حکومت میں کافر کو اپنے کفر پر قائم رہنے کی اجازت ہے لیکن جب وہ اسلام قبول کرے گا تو پھر اسے اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے اسلام کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر وہ اسلام چھوڑے گا تو اس کی سزا قتل ہے، لہٰذا وہ اسلام کو قبول کرنے اور اسلام کو چھوڑنے سے پہلے اسلامی حکومت کے اس بنیادی ضابطے پر اچھی طرح غور و فکر کر لے۔

بائبل میں مرتد کی سزا

۱۔ اگر تمہاری زمین میں کوئی مرد یا عورت خدا کے عہد کو توڑے اور دوسرے خداؤں یعنی سورج، چاند اور ستاروں کی عبادت کرے تو اس کو شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر کے موت کے گھاٹ اتار دو۔

(دی لیونگ بائبل: استثناء: ۱۷: ۲-۵)

۲۔ اگر تیرا قریبی رشتہ دار، گہرا دوست، بھائی، بیٹا، بیٹی یا تیری پیاری بیوی تیرے ساتھ سرگوشی کرے کہ آج غیر معبودوں کی عبادت کریں تو اس کی بات نہ سننا اور نہ ہی اس پر رحم کھانا اور اس کی سزا میں رعایت نہ کرنا اور اس کی ہیبت ناک تجویز کو مت چھپانا بلکہ اس کو قتل کر دینا اور اس کو قتل کرنے میں سب سے پہلے تیرا ہاتھ پہنچنا چاہیے، پھر اس کے بعد قوم کے ہاتھ پہنچیں۔ اس کو سنگسار کر کے موت کے گھاٹ اتار دو کیونکہ اس نے تمہیں تمہارے خدا سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

(دی لیونگ بائبل: استثناء: ۱۳: ۶-۱۰)

۳۔ جو کوئی خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے اس کو قتل کر دو۔

(دی لیونگ بائبل: خروج: ۲۲: ۲۰)

[۸۰] مرتد ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور انہوں نے اپنے دلوں، کانوں اور اپنی آنکھوں پر غفلت کے ایسے پردے ڈال رکھے ہیں جو ان کو ہدایت سے روکے ہوئے ہیں اور یقیناً یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کو ہدایت نہ دینا اور ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگانے کے بارے

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹۔ بلاشبہ یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰۔ جن لوگوں نے آزمائشوں میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔[۸۱]

يَوْمَ تَاْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱۔ جس دن ہر شخص اپنی جان کی طرف سے جھگڑا کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۸۲]

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جو امن اور چین سے (آباد) تھی، اس کے پاس اس کا رزق ہر طرف سے بکثرت آتا تھا، پس اس (کے باشندوں) نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا ان کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔[۸۳]

میں سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۱۰ ملاحظہ کریں۔

[۸۱] مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، پھر انہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا اور جہاد کے راستے میں آنے والے مصائب پر صبر کیا۔ پیارے نبی ﷺ! آپ ان کو خوش خبری سنا دیں کہ تمہارے ان اعمال کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہاری ساری خطائیں معاف فرما دے گا اور تمہیں اپنی رحمت سے مالا مال کر دے گا۔

[۸۲] قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی جان کی فکر ہوگی اور اپنی نجات کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوگا مگر اس دن کوئی شخص جھوٹ یا فریب کے ذریعہ نجات حاصل نہیں کر سکے گا بلکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا یعنی نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کا پورا اجر ملے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت سے اس کے اجر میں اضافہ کر دے گا۔ اسی طرح برے لوگوں کو ان کی برائیوں کا پورا عذاب ملے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت سے اس کے عذاب میں تخفیف کر دے گا۔ بہر حال اس دن کسی کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی نہیں ہوگی۔

[۸۳] بستی سے مراد کوئی بستی بھی ہو سکتی ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس سے مکہ مکرمہ مراد لیا ہے۔ کعبہ کی وجہ سے سارے عرب

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳۔ اور بے شک ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا، پس انہیں عذاب نے آ پکڑا کیونکہ وہ ظالم تھے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴۔ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ رزق دیا ہے اسی میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر (جس کا کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار، (بہا ہوا) خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، لیکن جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکش اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ [۸۴]

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶۔ اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھ لو گے، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ [۸۵]

والے مکہ کا احترام کرتے تھے اس لئے اہل مکہ کو ہر طرح کا امن اور چین حاصل تھا اور سارے عرب سے پھل اور غلہ گھر بیٹھے ان کے پاس پہنچ جاتا، اور جب سب سے بڑی نعمت نبی کریم ﷺ ان میں مبعوث ہوئے۔ تو اب اہل مکہ کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ پر ایمان لے آتے مگر انہوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ اس ناشکری کے صلہ میں اہل مکہ پر قحط کا دور آیا۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور اسلامی جنگوں کی وجہ سے ان پر خوف طاری رہتا اور آخر وہ دن بھی آیا جب سارا مکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور ناشکر گزاروں کو اپنی شکست فاش تسلیم کرنا پڑی۔

[۸۴] اس آیت کی تفسیر کے لئے سورہ بقرہ (۲) کا حاشیہ نمبر ۱۲۴ اور ۱۲۵ اور سورہ مائدہ (۵) کا حاشیہ نمبر ۹ ملاحظہ کریں۔

[۸۵] کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر مشرکین نے اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حرام اور

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷۔ فائدہ تھوڑا ہے اور (آخر کار) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸۔ اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا ذکر ہم پہلے آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ [۸۶]

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

۱۱۹۔ پھر جن لوگوں نے جہالت کی وجہ سے برا کام کیا، پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور (اپنی) اصلاح کرلی تو بے شک آپ کا رب اس (توبہ) کے بعد بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ [۸۷]

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۙ

۱۲۰۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار، ہر باطل سے کنارہ کش تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ [۸۸]

بعض کو حلال کر رکھا تھا اور دعویٰ یہ کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس پر انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ بغیر سند کے کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے سے باز آجاؤ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اس چندروزہ زندگی میں تو شاید وہ کچھ فائدہ اٹھالیں مگر آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

[۸۶] جن یہودیوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور لوگوں کے ناحق مال کھائے ان پر اللہ تعالیٰ نے کئی حلال چیزیں سزا کے طور پر حرام کردی تھیں جن کا ذکر سورہ انعام (۶) کی آیت نمبر ۱۴۶ میں گزر چکا ہے۔ یہ سزا وقتی تھی اور ان کے اپنے مظالم کی وجہ سے تھی۔

[۸۷] جو لوگ نادانی سے یا دانستہ کوئی گناہ کر بیٹھیں اور پھر سچے دل سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے گناہ بخش دے گا۔ توبہ کے لئے تفصیلی بیان سورہ نساء (۴) کے حاشیہ نمبر ۲۳ میں ملاحظہ کریں۔

[۸۸] ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی کا بیان ہے۔ آپ نے تمام مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا سینہ سپر ہو کر ثابت کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک ذات میں وہ سارے اوصاف اور کمالات جمع کردیئے تھے جو کسی بڑی جماعت

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

۱۲۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کر لیا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دی۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

۱۲۲۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی عطا فرمائی، اور بے شک آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

۱۲۳۔ (اے حبیب!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو کہ باطل سے کنارہ کش تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔[۸۹]

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

۱۲۴۔ ہفتہ کے دن کی پابندی صرف ان لوگوں پر تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا، اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔[۹۰]

میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔

[۸۹] ہر نبی کی بنیادی تعلیمات ایک جیسی تھیں یعنی توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ، البتہ حالات کے مطابق شریعت میں اختلاف تھا۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی اپنی مستقل شریعت ہے۔ آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع نہیں ہیں، البتہ آپ ﷺ کی شریعت زیادہ تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہے اس لئے آپ ﷺ کو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اعزاز ہے کہ ان کی شریعت سردار انبیاء، حبیب خدا ﷺ کی شریعت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں بطور سزا حرام کی گئی تھیں اور کچھ چیزیں انہوں نے خود اپنے طور پر حرام کر لی تھیں مثلاً اونٹ، بطخ، اور خرگوش وغیرہ تو یہ چیزیں شریعت ابراہیم علیہ السلام میں بھی حلال تھیں اور شریعت محمدی میں بھی حلال ہیں، نیز مشرکین کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں تو اس میں ان کا جواب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل پیروکار تو نبی کریم ﷺ ہیں کیونکہ تم شرک کرتے ہو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔

[۹۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر لو یعنی جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو اور اس دن تم اپنا کوئی کام نہ کرو۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کو

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

١٢٥۔ (پیارے نبی!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث ایسے انداز میں کیجئے جو سب سے اچھا ہو، [٩١]

ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ہفتہ کا دن مقرر کرنا چاہتے ہیں، پس ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا، البتہ ان پر اس دن کی عبادت کرنے میں سختی کر دی گئی۔ (تفسیر زاد المسیر)

مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن معظم ہے جس میں نماز جمعہ کی پابندی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے کام کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، مگر بنی اسرائیل نے چونکہ اپنے نبی کے حکم سے اختلاف کیا اور جمعہ کی بجائے ہفتہ کے دن پر اصرار کیا تو انہیں ہفتہ کے دن میں اپنے کاموں یعنی تجارت، زراعت اور شکار وغیرہ سے منع کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس پابندی کی خلاف ورزی کی انہیں بندر بنا دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی) اور قیامت کے دن تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں فرماں بردار جنت میں جائیں گے اور نافرمان جہنم میں جائیں گے۔

[٩١] اس آیت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ یعنی اسلام کی طرف بلانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے جو کہ حکمت، عمدہ نصیحت اور بہترین انداز میں بحث کرنے پر مبنی ہے۔

دعوت و تبلیغ

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہر نبی کا فرض منصبی ہے اور ہر امت کے لئے فرض کفایہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

١۔ آپ فرما دیجئے! یہی میرا راستہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ (قرآن: ١٢: ١٠٨)

٢۔ اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اچھائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ (قرآن: ٣: ١٠٤)

٣۔ اور اس شخص سے بہتر کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے۔ (قرآن: ٤١: ٣٣)

حکمت

حکمت سے مراد وہ پختہ دلیل ہے جو حق کو واضح کر دے اور شبہات کو زائل کر دے۔ (تفسیر نسفی) جس میں مخاطبین کے احوال اور ان کے ظروف کو مدنظر رکھا جائے۔ (فی ظلال القرآن) ایسی درست بات جو انسان کے دل میں اتر جائے۔ (بحر محیط) حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان حالات کے تقاضوں کو سمجھے اور موقع و محل کے مطابق بات کرے یعنی سختی کی جگہ سختی، نرمی کی جگہ نرمی، اشارات کی جگہ اشارات اور صراحت کی جگہ صراحت سے بات کرے تا کہ مصلحتوں کا حصول ہو اور مفاسد کا خاتمہ ہو۔ (تفسیر روح البیان) اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں اسے پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ (ترمذی: ابواب العلم: باب ١٩)

عمدہ نصیحت

عمدہ نصیحت سے مراد یہ ہے کہ کسی نیک کام کے اجر وثواب کو ایسے شیریں انداز اور ایسی دل نشیں مثال سے بیان کرنا جس سے انسان کا دل نیکی کی طرف راغب ہو جائے اور کسی برے کام کے انجام کو ایسے خوفناک انداز اور ایسی دردناک مثال سے بیان کرنا جس سے انسان کے دل میں غلط کاموں سے نفرت پیدا ہو جائے۔

بہترین انداز میں بحث

تبلیغ کے دوران اگر کسی سے نوبت مناظرہ تک پہنچ جائے تو نرم گفتگو اور معقول دلائل کا ایسا مہذب اور شائستہ انداز اختیار کیا جائے جس سے مخاطب کو یہ یقین ہو جائے کہ یہ میری خیر خواہی چاہتا ہے، میری توہین اس کا مقصد نہیں ہے۔

حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ تبلیغ کی مثالیں

۱۔ حضرت ابوامامہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دیں۔ صحابہ کرام ﷡ نے اسے زجر وتوبیخ کرتے ہوئے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے (کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ) اس کو بلا کر اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا: کیا تو اپنی ماں کے لئے اسے پسند کرے گا؟ اس نے کہا: بخدا ہرگز نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے زنا کو پسند نہیں کرتے، پھر نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تو اپنی بیٹی کے لئے زنا کو پسند کرے گا؟ اس نے جواب دیا: بخدا ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے زنا کو پسند نہیں کرتے، پھر نبی کریم ﷺ نے بہن، چچی اور خالہ کے بارے میں اسی طرح پوچھا تو اس نے جواب دیا: بخدا ہرگز نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کے سینے پر رکھا اور دعا کی: اے اللہ! اس کا گناہ بخش دے۔ اس کا دل پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما! اس نصیحت کے بعد اس نوجوان کو زنا سے نفرت ہو گئی اور جب بھی اسے زنا کا خیال آتا تو وہ اپنی ماں اور اپنی بہن کو یاد کرتا اور زنا کا خیال غائب ہو جاتا۔ (مسند احمد: ج۵: ص۲۵۶، تفسیر الشعراوی: سورہ نحل (۱۶): زیر آیت نمبر ۱۲۵)

۲۔ حضرات امام حسن ﷛ اور امام حسین ﷛ نے ایک آدمی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جس نے وضو صحیح طریقے سے نہ کیا تھا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ ہم اس کی اصلاح اس انداز میں کریں کہ اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ چنانچہ دونوں بھائی آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور ہر ایک دوسرے کو کہنے لگا کہ تو اچھے طریقے سے وضو نہیں کر سکتا، پھر دونوں بھائی اس آدمی سے کہنے لگے: آپ ہم دونوں کو وضو کرتا دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ ہم میں سے کس کا وضو کرنے کا طریقہ اچھا ہے۔ دونوں بھائیوں نے اچھے طریقے سے وضو کیا تو وہ آدمی کہنے لگا: تم دونوں نے صحیح وضو کیا ہے دراصل میں نے صحیح نہیں کیا تھا۔

(تفسیر الشعراوی)

۳۔ ایک آدمی پر نفس امارہ غالب آ گیا تو وہ حضرت ابراہیمؒ بن ادہم کے پاس گیا اور کہنے لگا: مجھے کوئی ایسی نصیحت کرو جو مجھے نافرمانیوں سے روک دے۔ حضرت ابراہیمؒ نے کہا: اگر تو پانچ کام کر سکتا ہے تو پھر تو نافرمان نہیں ہوگا۔ اس آدمی نے کہا: بتاؤ وہ کون سے پانچ کام ہیں:

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾	بے شک آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔[۹۲]

پہلا کام

اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو اس کا رزق مت کھا۔اس آدمی نے حیران ہو کر پوچھا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ ساری دنیا کا رزق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔حضرت ابراہیم نے کہا: تو کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ تو اس کا رزق کھائے اور اسی کی نافرمانی کرے؟ اس آدمی نے کہا: واقعی مجھے زیب نہیں دیتا مگر دوسرا کام کیا ہے؟

دوسرا کام

اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو اس کے شہروں میں رہنا چھوڑ دے۔اس آدمی نے پہلے سے زیادہ حیران ہو کر پوچھا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ سارے شہروں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔حضرت ابراہیمؒ نے کہا: تو کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ تو اس کے شہروں میں رہے اور اسی کی نافرمانی کرے؟ اس آدمی نے کہا: واقعی مجھے زیب نہیں دیتا مگر تیسرا کام کیا ہے؟

تیسرا کام

اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو ایسی جگہ میں کر جہاں وہ تجھے نہ دیکھ سکے۔اس آدمی نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تو ہر مخفی اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔حضرت ابراہیمؒ نے کہا: تو کیا تجھے زیب دیتا ہے کہ وہ دیکھ رہا ہو اور تو اس کی نافرمانی کرے؟ اس آدمی نے کہا: واقعی مجھے زیب نہیں دیتا مگر چوتھا کام کیا ہے؟

چوتھا کام

جب موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آئے تو اسے کہنا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے تیری موت مؤخر کر دے۔اس آدمی نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ جب کسی کی موت کا وقت آجائے تو اس میں ایک لمحہ کی بھی تقدیم یا تاخیر نہیں ہوسکتی۔حضرت ابراہیمؒ نے کہا: جب تو یہ جانتا ہے تو پھر تیری نجات کیسے ہوگی؟ اس آدمی نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے مگر پانچواں کام کیا ہے؟

پانچواں کام

میدان حشر میں جب جہنم کے فرشتے تجھے جہنم میں لے جانے لگیں تو تو ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دینا۔یہ بات سننے کے بعد اس آدمی کے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے کہنے لگا: اے ابراہیم! اب کافی ہوگیا ہے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔اس کے بعد اس نے سچی توبہ کر لی اور مرتے دم تک نیک اور عبادت گزار رہا۔

(الخطبة العصرية: ابراهيم محمد الحمل: ص ۱٦٦ : مكتبة القرآن: قاهره: مصر)

[۹۲] ایک مبلغ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حکمت اور عمدہ نصیحت کے تقاضوں کے مطابق تبلیغ کرے۔اس کے باوجود اگر کوئی نصیحت

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶۔ اور اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی تھی، اور اگر تم صبر کرو تو بے شک یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے۔ [۹۳]

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷۔ اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے، اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی فریب کاریوں سے تنگ دل ہوں۔ [۹۴]

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں۔

قبول نہ کرے تو مبلغ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون راہ راست سے بھٹکنے والا ہے اور کون ہدایت پانے والا ہے۔

[۹۳] جب کسی پر زیادتی ہو تو جوش انتقام میں عموماً وہ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ اسلام نے اس اشتعال کے وقت بھی جذبات کو قابو میں رکھنے اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اگر وہ انتقام لینے میں حد سے بڑھے گا تو خود ظالم بن جائے گا، لہٰذا دشمن سے اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہو جتنا اس نے ظلم کیا ہے یعنی اگر اس نے تمہارا ایک ہاتھ کاٹا ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکتے بلکہ صرف اس کا ہاتھ ہی کاٹ سکتے ہو لیکن اگر تم صبر کرو اور اسے معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے، اس سے تمہارے ثواب میں اضافہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ تمہارے اخلاق سے متاثر ہو کر تمہارا دشمن ہمیشہ کے لئے تمہارا دوست بن جائے۔

[۹۴] گذشتہ آیت میں عام مسلمانوں کو اجازت دی گئی تھی کہ تم زیادتی کے برابر کا بدلہ لے سکتے ہو مگر صبر کرنا افضل ہے۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو خصوصی خطاب فرمایا کہ آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر حال میں صبر پر قائم رہیں اور ان کے مکر و فریب سے تنگدل نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

جامعہ الکرم: ایٹن ہال: انگلستان

بروز جمعرات بعد نماز عشاء ۱۵ مارچ ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۵ صفر ۱۴۲۸ھ

سورہ نحل کی تفسیر ۲۲ دنوں میں مکمل ہوگئی۔ الحمد للہ رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷)

یہ سورت مکی ہے اور اس کا نام ''بنی اسرائیل'' ہے کیونکہ اس میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ مکہ مکرمہ میں اگرچہ بنی اسرائیل کا وجود نہیں تھا مگر مدینہ میں کئی لوگ اسلام قبول ﷺ کر چکے تھے اس لئے مدینہ میں آباد بنی اسرائیل کو ان کے ماضی کا آئینہ دکھایا جا رہا ہے تاکہ وہ اپنے ماضی سے سبق سیکھیں اور اسلام قبول کر لیں۔ نیز اہل مکہ کے لئے بھی اس میں تنبیہ ہے کہ وہ بھی بنی اسرائیل کے ماضی سے سبق حاصل کریں اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

اس کا دوسرا نام اسراء ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کے معجزہ معراج کا ذکر ہے۔ یہ سورت معراج کے بعد نازل ہوئی جس کے ذریعہ آپ نے لوگوں کو واقعہ معراج سے آگاہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہجرت سے ایک سال پہلے معجزہ معراج سے مشرف فرمایا۔ یہ سورت مکی دور کے آخری سال میں نازل ہوئی، البتہ اس کی چند آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

معراج سے مراد وہ معجزہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رات کے قلیل حصہ میں نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ سے لے کر بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں اور عالم بالا کی سیر کرائی۔ یہی وہ رات تھی جس میں مسلمانوں پر پانچ وقت کی نماز باقاعدہ فرض کی گئی۔

اس سورت کی آیت نمبر ۲۳ سے آیت نمبر ۳۸ تک اسلامی معاشرہ کے خدوخال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگرچہ مکہ میں اسلامی معاشرہ قائم نہیں تھا مگر مدینہ میں اس کا آغاز ہوا چاہتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک، بڑھاپے میں ان کی خدمت اور ان کے لئے دعائے رحمت کرنے کا حکم دیا، پھر رشتہ داروں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ناپ تول اور عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ فضول خرچی، زنا، قتل، غرور و تکبر کرنے اور یتیم کا مال کھانے سے منع فرمایا۔ نیز اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ سب کو رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اولاد کو اتنا کشادہ رزق دے جو تمہاری مفلسی بھی دور کر دے، لہٰذا اس کو قتل کر کے اپنی دنیا اور عاقبت خراب نہ کرو۔

فقیر : محمد امداد حسین پیرزادہ

جامعہ الکرم : ایٹن ہال، انگلستان

۱۹ مارچ ۲۰۰۷ء بروز پیر بعد نماز فجر بمطابق ۲۹ صفر ۱۴۲۸ھ

آیاتہا ۱۱۱ ۱۷ سورۃ بنی اسرآءیل مکیۃ ۵۰ رکوعاتہا ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں رکرتی ہوں) جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

۱۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے (خاص) بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے گردونواح کو ہم نے بابرکت بنادیا ہے تاکہ ہم اس (بندہ خاص) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔[۱]

[۱] سبحان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ سبحان کا لفظ عام طور پر اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ یہاں پر اس کے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا ہی محال ہو اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں، وہ قادر مطلق ہے اور صرف ارادے سے جو چاہے کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ۲۷ رجب کو رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو معراج کرائی۔ پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ مسجد اقصیٰ وہ مسجد ہے جس کے گردونواح میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکتیں رکھی ہیں۔ ایک تو وہاں پر پھلوں کی کثرت ہے جو مادی اور دنیاوی اعتبار سے برکت ہیں اور ان سے لوگوں کو خوراک مہیا ہوتی ہے اور دوسرا وہاں پر انبیائے کرام علیہم السلام کے رہنے کے مقامات اور ان کے مزارات ہیں جو روحانی اور دینی اعتبار سے برکت ہیں۔ مکہ سے مسجد اقصیٰ اتنی دور ہے کہ اگر کوئی انسان خود وہاں جانا چاہتا تو اس دور کی مادی سواری یعنی اونٹ کے ذریعہ اس کو مکہ سے مسجد اقصیٰ آنے جانے کے لئے دو ماہ درکار ہوتے مگر اللہ تعالیٰ بالکل مختصر سے وقت میں اپنے نبی ﷺ کو مکہ سے مسجد اقصیٰ میں لے گیا اور پھر وہاں سے عالم بالا کی سیر کرائی تاکہ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے۔

واقعہ معراج

نبوت کے بارھویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ایک حیرت انگیز اور معجزانہ سیر کرائی۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کا نام دیا جاتا ہے جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل (۱۷) کی پہلی آیت میں ہے اور مسجد اقصیٰ سے عالم بالا کی سیر کو معراج کہا جاتا ہے جس کا ذکر سورہ نجم (۵۳) کی ابتدا اور احادیث میں ہے، مگر عام طور پر اس پوری سیر کو معراج ہی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے واقعہ معراج کو متعدد بار بیان فرمایا اور ہر شخص کے سامنے اس واقعہ کا وہی حصہ بیان کیا جو اس کی سمجھ اور استعداد کے مطابق تھا۔ یہ واقعہ تیس سے زیادہ صحابہ کرام ﷺ سے مروی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ میں یہاں پر اس واقعہ کو مختلف احادیث اور روایات سے اخذ کر کے مربوط طریقہ سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

جبریل امین علیہ السلام کی آمد

ایک رات نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے تو جبریل امین علیہ السلام آئے۔ آپ کو خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہ کیا، پھر آپ کو زمزم کے قریب لایا گیا۔ آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے دل کو نکالا گیا۔ آپ کے دل کو غسل دے کر ایمان اور حکمت سے لبریز کیا گیا اور واپس اپنی جگہ پر رکھ کر سینہ کو بند کر دیا گیا، پھر سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا عالم یہ تھا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی وہاں وہ قدم رکھتا تھا۔
(بخاری: حدیث نمبر ۳۸۸۷: کتاب مناقب الانصار: باب ۴۲)

مکہ سے روانگی

مکہ سے روانہ ہو کر جب آپ کھجوروں والی زمین کے پاس پہنچے تو جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یہاں اتر کر نماز پڑھیں۔ آپ نے وہاں نماز پڑھی۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یہ یثرب ہے (جہاں آپ ہجرت کر کے تشریف لائیں گے) پھر بیت لحم میں نماز پڑھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج ۲: ص ۳۵۵: باب الاسراء)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات کثیب احمر کے قریب جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو آپ قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۳۷۵: کتاب الفضائل: باب ۴۲)

بیت المقدس میں آمد

جب نبی کریم ﷺ بیت المقدس پہنچے تو جس حلقہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو وہاں باندھ دیا گیا۔ (المواہب اللدنیۃ: ج ۳: ص ۴۹: المقصد الخامس) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس میں میرے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا تھا۔ جبریل امین علیہ السلام نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھایا اور میں نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی۔ (نسائی: کتاب الصلاۃ: باب ۱)

آسمانوں کی طرف عروج

بیت المقدس سے آپ کو آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پھر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۸۸۷: کتاب مناقب الانصار: باب ۴۲)

سدرۃ المنتہیٰ

یہ جبریل امین علیہ السلام کا ٹھکانا ہے، لہٰذا جبریل امین علیہ السلام وہاں رک گئے اور عرض کیا: اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی یہاں سے اوپر گیا تو جل جاؤں گا۔ (تفسیر روح البیان: سورہ بنی اسرائیل (۱۷): زیر آیت نمبر ۱)

معراج کی کیفیت

معراج کے متعلق سید محمود آلوسی نے ایک قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے اس طرح کیا ہے: مسئلہ معراج اتنا عظیم الشان مسئلہ ہے کہ اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی، البتہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ محب قادر وہ ہے جو کسی شئی سے عاجز نہیں۔ اس نے اپنے حبیب کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اپنی زیارت کے لئے بلایا اور آپ کی طرف جنہیں بھیجا وہ اخص الخواص ملائکہ تھے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام جو رسول ملائکہ ہیں ان کے ذمہ یہ خدمت لگی کہ وہ سرکار مدینہ کی رکاب تھامے چلیں اور میکائیل علیہ السلام آپ کی سواری کی باگ پکڑے ہوئے چلیں حتیٰ کہ وہاں پہنچے جہاں تک پہنچے۔

(تفسیر روح المعانی، تفسیر الحسنات: سورہ بنی اسرائیل: زیر آیت نمبر ۱)

قرب خاص

جبریل امین علیہ السلام سدرہ پر رہ گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا قرب عطا فرمایا؟ اس کے جواب کے لئے صرف قرآن مجید کے الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں: ''پھر وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔'' (قرآن: ۵۳:۹)

دیدار الٰہی

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرفات میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا ۔۔۔ تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔

(ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: باب ۵۴: سورہ نجم)

۲۔ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو میں ان سے ضرور سوال کرتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز کے بارے میں سوال کرتا؟ اس نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے پوچھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور (یعنی اپنے رب) کو دیکھا۔ (مسلم: کتاب الایمان: باب ۷۸: حدیث نمبر ۲۹۲)

۳۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سارے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے، اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری: جلد ۱۹: ص ۱۹۸)

۴۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے جب دریافت کیا جاتا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تو آپ جواب میں فرماتے : راٰہُ راٰہُ حتی ینقطع نفسہ' ۔ہاں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، ہاں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ۔یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

(تفسیر روح المعانی :سورہ نجم (۵۳):زیر آیت نمبر ۱۸)

۵۔علامہ سید محمود آلوسی دیدار الٰہی کے لئے اپنی ذاتی رائے اس طرح بیان کرتے ہیں: میں یہ کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوئے اور آپ کو قرب الٰہی نصیب ہوا، لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

(تفسیر روح المعانی :سورہ نجم (۵۳):زیر آیت نمبر ۱۸)

راز و نیاز کی باتیں

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت ونزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (قرآن: ۵۳:۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے (خاص) بندہ کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ (سیرۃ النبی: جلد ۳:ص ۴۲۳)

پانچ نمازیں

اس قرب خاص میں اللہ تعالیٰ نے کیا وحی کی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، البتہ اس رات امت کو روزانہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔واپسی پر جب آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے عرض کیا: پچاس نمازیں زیادہ ہیں ان میں تخفیف کرائیں ۔نبی کریم ﷺ نے چند بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تخفیف کی درخواست کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی تعداد پانچ کر دی مگر ثواب پچاس کا بدستور قائم رکھا کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوگا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ نمازوں میں بھی تخفیف کرانے کی درخواست کی مگر آپ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! بخدا (اب مزید تخفیف کے لئے) مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ (چنانچہ آپ واپس آکر مسجد حرام میں سو گئے) اور صبح کو مسجد حرام سے بیدار ہوئے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۷۵۱۷ :کتاب التوحید :باب ۳۷)

قریش کے سامنے معراج کا تذکرہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معراج کی صبح کو نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کو ان عجائبات کی خبر دی کہ میں گذشتہ رات بیت المقدس گیا اور مجھے آسمانوں کی معراج کرائی گئی اور میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی ۔ابو جہل نے قریش سے کہا: کیا تم کو محمد کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا، ان کا دعویٰ ہے کہ یہ گذشتہ رات بیت المقدس گئے اور صبح کو یہاں ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ ہم میں سے ایک شخص ایک ماہ کی مسافت طے کر کے بیت المقدس جاتا ہے اور پھر ایک ماہ کی مسافت طے کر کے واپس آتا ہے تو یہ آنا اور جانا دو ماہ کا سفر ہے اور یہ ایک رات میں جا کر واپس آ گئے، پھر آپ نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر دی اور فرمایا: میں نے جاتے وقت اس قافلہ کو فلاں جگہ دیکھا اور جب میں واپس لوٹا تو میں نے اس قافلہ کو فلاں گھاٹی کے پاس دیکھا، پھر آپ نے قافلہ

میں جانے والے ہر شخص اور اس کے اونٹ کی خبر دی کہ وہ اونٹ اس طرح تھا اور اس پر فلاں فلاں سامان لدا ہوا تھا۔

(دلائل النبوة للبيهقي: ج ۲: ص ۳۹۵)

بیت المقدس آپ ﷺ کے سامنے آگیا

حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے ایک شخص نے کہا: بیت المقدس کی عمارت، اس کی ہیئت اور پہاڑ سے قرب کی کیفیت کا مجھے سب سے زیادہ علم ہے۔ اگر محمد اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو میں تمہیں بتادوں گا۔ چنانچہ اس مشرک نے آپ سے بیت المقدس کی عمارت اور اس کی ہیئت کے متعلق سوال کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور آپ بیت المقدس کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور آپ نے بیت المقدس کی پوری کیفیت بتادی تو اس مشرک نے لوگوں کو بتایا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں۔

(دلائل النبوة للبيهقي: ج ۲: ص ۳۹۵)

امام بخاری نے جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں کعبہ کے پاس حجر میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو منکشف کردیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ کر انہیں اس کی علامات کی خبر دیتا رہا۔ (بخاری: حدیث نمبر ۳۸۸۶: کتاب مناقب الانصار: باب ۴۱)

حضرت ابو بکر ؓ کی تصدیق

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ صبح کو نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے واقعہ معراج بیان کیا تو مشرکین حضرت ابو بکر ؓ کے پاس گئے اور کہا: تمہارے نبی یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گذشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے گئے اور اسی رات میں (ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے) واپس بھی آگئے، تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا: اگر آپ نے فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے کیونکہ ہم تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں، یعنی آپ آسمان کی خبریں (فرشتے، جنت وغیرہ کی) سناتے ہیں تو ہم تصدیق کرتے ہیں اور اسی دن سے حضرت ابو بکر ؓ کا نام صدیق پڑ گیا۔

(تفسیر ابن کثیر: سورہ بنی اسرائیل (۱۷): زیر آیت نمبر ۱)

امام طبرانی نے ثقہ راویوں کے ذریعہ روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر ؓ کا نام صدیق آسمان سے نازل فرمایا اور اس نام کی ابتدا معراج کی صبح کو ہوئی۔

(امام زرقانی: شرح مواہب لدنیة: ج اول: ص ۴۴۵)

سزاؤں کا مشاہدہ

معراج کی رات نبی کریم ﷺ کو کئی سزاؤں کا عملی مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں تاکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے:

۱۔فرض نماز کے تارک

نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا۔ جب ان کے سر کچل دیئے جاتے تو وہ سر پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتے اور انہیں پھر کچل دیا جاتا اور یہ سلسلہ لگا تار جاری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے تھے۔

(سبل الهدیٰ والرشاد: ج ٣: ص ١١٧)

۲۔بدکار مرد اور عورتیں

پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا لذیذ گوشت ہے اور دوسری میں بدبودار گوشت ہے مگر وہ لوگ پاک اور لذیذ گوشت چھوڑ کر ناپاک اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا: تو جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے وہ مرد ہیں جو اپنی پاک اور حلال بیویاں چھوڑ کر بدکار عورتوں کے ساتھ رات گذارتے تھے اور وہ عورتیں جو اپنے پاک اور حلال خاوندوں کو چھوڑ کر بدکار مردوں کے ساتھ رات گذارتی تھیں۔

(ایضاً: ج ٣: ص ١١٧)

۳۔بے عمل خطیب

پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں کے ساتھ کاٹے جا رہے تھے۔ وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر درست ہو جاتے اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو وہ دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

(ایضاً: ج ٣: ص ١١٧)

۴۔غیبت کرنے والے

پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا اور انہیں کہا جا رہا تھا: اس کو کھاؤ جیسا کہ تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے اور چغلی کرنے والے لوگ ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیهقی: ج ٢: ص ٣٩٣)

جسمانی معراج کے دلائل

۱۔علامہ اسماعیل حقی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شیخ اکبر شیخ ابن عربی نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ کو ٣٤ مرتبہ معراج کرائی گئی، ایک دفعہ جسمانی معراج اور باقی ٣٣ مرتبہ روحانی یعنی خواب میں معراج کرائی گئی۔

(تفسیر روح البیان: سورہ بنی اسرائیل (١٧): زیر آیت نمبر ١)

۲۔روح اور جسم کے مجموعہ کو عبد کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ معراج اپنے عبد (بندۂ خاص) کو کرائی اور اسی جسمانی معراج

میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

۳۔سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کا آغاز لفظ سبحان سے کیا گیا ہے اور سبحان کا لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان کام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اگر یہ معراج صرف روحانی طور پر خواب میں ہوتی تو یہ کون سی عجیب بات تھی ایسا خواب تو کوئی عام انسان بھی دیکھ سکتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ رات کو خواب میں پہلے بیت اللہ میں گیا،وہاں سے بیت المقدس گیا،وہاں نماز جمعہ ادا کی۔پھر آسمانوں اور بادلوں میں اڑنے لگا اور جب آنکھ کھلی تو وہ اپنے بستر پر تھا تو اس خواب میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

۴۔کفار مکہ نے یہ واقعہ سن کر تکذیب کی،مذاق اڑایا اور بعض نومسلموں کا ایمان بھی ڈگمگانے لگا تو اگر نبی کریم ﷺ کا مقصد خواب کا بیان ہوتا تو کوئی انکار نہ کرتا۔

۵۔اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات نبی کریم ﷺ کو سفر نہیں کرایا بلکہ سیر کرائی کیونکہ سفر نیند اور بے خبری میں بھی ہو سکتا ہے۔مثال کے طور پر میں اگر سعودی عرب جانے کے لئے لندن سے ہوائی جہاز میں بیٹھوں اور جب جہاز فضا کی بلندیوں میں پہنچے اور مجھے نیند آجائے تو اب میرا سفر تو جاری ہے مگر میں بے خبر ہوں مجھے کوئی پتہ نہیں کہ میں کتنی بلندی،کتنی رفتار اور کون سی جگہ سے گزر رہا ہوں تو سفر نیند اور بے خبری میں بھی ہو سکتا ہے مگر سیر صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کے حواس قائم ہوں اور وہ سامنے والی ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو،تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عالم بالا کا سفر نہیں کرایا بلکہ سیر کرائی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرلیں،لہٰذا یہ معراج خواب میں روحانی سیر نہیں بلکہ بیداری میں جسمانی دورہ اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اپنے نبی کریم ﷺ کو کرایا۔

جسمانی معراج کا انکار

نبی کریم ﷺ نے خود معراج پر جانے کا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ارشاد ہوا:''وہ ذات جس نے اپنے بندۂ خاص کو سیر کرائی۔''اور احادیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:''جب مجھے معراج کرائی گئی۔''''جس رات مجھے سیر کرائی گئی۔''اگر نبی کریم ﷺ خود جانے کا دعویٰ کرتے تو امکان یا عدم امکان پر بات ہو سکتی تھی لیکن جب دعویٰ خدا فرمائے کہ اس نے معراج کرائی تو پھر امکان کا سوال وہی کر سکتا ہے جس کو خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔مثال کے طور پر اگر میں کہوں کہ مجھے ہوائی جہاز پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لندن سے سعودی عرب لے گیا تو کسی کو میری رفتار اور میری طاقت میں غور وفکر کی ضرورت نہیں کہ میں اتنی رفتار سے جا سکتا ہوں یا نہیں بلکہ اسے ہوائی جہاز کے انجن میں غور کرنا ہوگا،اگر وہ پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جہاز کو اڑا سکتا ہے تو ظاہر ہے اس میں بیٹھ کر میں بھی اسی رفتار سے سفر کر سکتا ہوں،اسی طرح نبی کریم ﷺ کو معراج اللہ تعالیٰ نے کرائی ہے اور اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے،لہٰذا جو شخص نبی کریم ﷺ کی معراج کا انکار کرے گا وہ در اصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرے گا۔

وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؕ﴿۲﴾

۲۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا (اور انہیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو (اپنا) کارساز نہ ٹھہراؤ۔[۲]

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

۳۔ اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک نوح علیہ السلام بڑے شکر گزار بندے تھے۔[۳]

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾

۴۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم زمین میں ضرور دو مرتبہ فساد کرو گے اور تم بڑی سرکشی کرو گے۔[۴]

---

[۲] اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی اور اس میں ان سارے احکام کو بیان فرمادیا جو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کافی تھے اور ان میں سب سے اہم حکم یہ تھا کہ اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس کے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہ ٹھہراؤ۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تورات صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی جبکہ قرآن مجید تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ (قرآن: ۲:۱۸۵)

[۳] طوفان نوح کے بعد نسل انسانی کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام کے ان بیٹوں سے جاری ہوا جو کشتی نوح علیہ السلام میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو وہ احسان یاد کرایا جارہا تھا کہ اگر تمہارے اجداد یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے اہل ایمان بیٹوں کو کشتی نوح علیہ السلام کے ذریعہ نہ بچایا جاتا تو آج تمہارا کوئی وجود نہ ہوتا، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ادا کرو۔ نیز تمہارے باپ حضرت نوح علیہ السلام بڑے شکر گزار بندے تھے، لہٰذا تم بھی شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کو شکر گزار کا لقب اس لئے عطا فرمایا گیا کیونکہ آپ ہر نعمت پر شکر ادا کرتے تھے۔ عمران بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے تو کہتے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کھانا کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا اور جب پانی پیتے تو کہتے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پانی پلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا اور جب کپڑے پہنتے تو کہتے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑے پہنائے اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔ (تفسیر قرطبی)

[۴] تورات اور دیگر صحیفوں کے ذریعہ بنی اسرائیل کو بتا دیا گیا تھا کہ تم اپنے ملک یعنی شام اور بیت المقدس میں دو مرتبہ فساد اور

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

۵۔ پھر جب ان دونوں میں سے پہلی مرتبہ کا وعدہ آ گیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگ جو تھے، پس وہ (تمہاری تلاش میں) شہروں میں پھیل گئے، اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ [۵]

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

۶۔ پھر ہم نے تم کو ان پر غلبہ کا موقعہ دے دیا اور ہم نے اموال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہاری تعداد بڑھا دی۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝

۷۔ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی ہی جانوں کے لئے نیکی کرو گے اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری جانوں پر ہی ہوگا، پھر جب دوسری مرتبہ کا وعدہ آ گیا تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور وہ پھر بیت المقدس میں اسی طرح داخل ہوں جس طرح پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں۔ [۶]

سرکشی کرو گے یعنی حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر کے فساد برپا کرو گے اور حقوق العباد کو ضائع کر کے سرکشی کرو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر جب بھی انہوں نے فساد اور سرکشی کی تو ہر بار انہیں دردناک سزا کا مزا چکھنا پڑا۔

[۵] بنی اسرائیل پر کئی مرتبہ عروج و زوال آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں پہلے وعدہ سے مراد وہ زوال تھا جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ۵۸۷ قبل مسیح میں یروشلم پر حملہ کیا، اس کے جنگجو لشکری شہر میں پھیل گئے، انہوں نے ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا، بے شمار یہودیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا اور بے شمار کو غلام بنا کر بابل لے گئے۔

[۶] بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کثیر مال و اولاد سے نوازا اور دوبارہ یروشلم میں عروج عطا فرمایا۔ اکثر یہودی فلسطین واپس آ گئے اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا، مگر جب وہ پھر فساد و سرکشی پر اتر آئے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہوئے (مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچایا اور اپنی طرف اٹھا لیا) اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان) تو اس کی سزا کے طور پر دوسرا زوال وہ تھا جب رومی بادشاہ ٹیٹس (Titus) نے ۷۰ عیسوی میں یروشلم پر حملہ کیا اور پہلی مرتبہ کی طرح ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ دس لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو قتل کر دیا اور زندہ بچ جانے والے یہودیوں کو لونڈیوں اور غلاموں کی حیثیت سے فروخت کر کے ملک بدر کر دیا۔ مزید تفصیلات کے لئے تفسیر ضیاء القرآن کا

عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَ جَعَلۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ﴿۸﴾

۸۔ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم (دوبارہ سرکشی کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا دینے کے لئے) لوٹیں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔[۷]

اِنَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَہۡدِیۡ لِلَّتِیۡ ہِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا ۙ﴿۹﴾

۹۔ بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔[۸]

وَّ اَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ مقام ملاحظہ کریں۔

[۷] اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تنبیہ کی ہے کہ پہلے تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی نافرمانی کی تو بخت نصر نے ۵۸۷ قبل مسیح میں تمہیں تباہ و برباد کیا۔ پھر تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی نافرمانی کی تو ٹیٹس (Titus) نے ۷۰ عیسوی میں تمہیں تباہ و برباد کیا۔ اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آگئی ہے تم اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے دوبارہ سرکشی اختیار کی تو پھر ہم بھی پہلے کی طرح دوبارہ تمہیں سزا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو یہودی ایمان نہیں لائے انہیں مدینہ وخیبر سے نکلنا پڑا اور بالآخر بیت المقدس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ پہلے بادشاہوں نے بیت المقدس کی بے حرمتی کی مگر مسلمانوں نے اس کو دوبارہ تعمیر کر کے اس کی حرمت بحال کی۔

آج مسلمان دنیا میں مظلوم ہیں۔ ان کی مقدس جگہوں اور مقدس ہستیوں کی توہین ہو رہی ہے وجہ ظاہر ہے پہلے بنی اسرائیل نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی تو ان پر زوال آگیا۔ آج مسلمانوں نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈال رکھا ہے تو وہ مظلوم ہیں۔

درس قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا — یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

[۸] پہلی آسمانی کتابوں کا راستہ بھی سیدھا اور مستحکم تھا مگر قرآن کا راستہ سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے۔ جو لوگ قرآن مجید پر عمل کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے آخرت کا انکار کیا ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

۱۱۔ اورانسان (بعض دفعہ غصے سے اپنی) برائی کے لئے بھی اسی طرح دعامانگنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کے لئے دعا کرتا ہے، اور انسان بڑا ہی جلد باز (واقع ہوا) ہے۔[۹]

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

۱۲۔ اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا ہے، پھر ہم نے رات کی نشانی کو تاریک کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم سالوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو، [۱۰] اور ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔[۱۱]

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ⑬

۱۳۔ اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے، اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔[۱۲]

---

[۹] بعض دفعہ انسان غصے سے اپنے مال اور اولاد پر لعنت کرنے لگتا ہے اور ان کی ہلاکت کی دعا کرتا ہے حالانکہ اس کا حقیقی مقصد یہ نہیں ہوتا۔ دراصل یہ اس کی جلد بازی کی علامت ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے کہ وہ ایسی بددعا کو فوراً قبول نہیں فرماتا اور اگر اللہ تعالیٰ ہر انسان کی ایسی بددعاؤں کو فوراً قبول کرنا شروع کر دیتا تو اب تک سارے لوگ ہلاک ہو چکے ہوتے جیسا کہ سورہ یونس (۱۰) کی آیت نمبر ۱۱ میں بھی مذکور ہے، لہٰذا ہر انسان کو صبر وتحمل سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے اور جلد بازی کی وجہ سے اپنے ہی خلاف دعا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

[۱۰] ہم نے تمہارے لئے رات کو تاریک بنایا تا کہ تم اس کی تاریکی میں آرام کرسکو۔ (قرآن: ۱۰:۶۷) اور دن کو روشن بنایا تا کہ تم اس کی روشنی میں اپنا روزگار تلاش کرسکو۔ رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس نے ان کو پیدا فرمایا اور ایک مرتب اور مسلسل گردش کا پابند بنایا۔ نیز گردش لیل ونہار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تم دنوں، مہینوں اور سالوں کا شمار اور حساب کرسکو۔

[۱۱] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر اس چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو تمہارے دین، دنیا اور آخرت کے لئے ضروری ہے۔

[۱۲] اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ نے ایک حدیث قدسی کا ذکر کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! ہم

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴿۱۴﴾

۱۴۔ (اسے حکم ملے گا:) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے، آج کے دن اپنا حساب کرنے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔[۱۳]

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ

۱۵۔ جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، [۱۴] اور ہم اس وقت تک

نے تیرے لئے اعمال نامہ کھول دیا ہے اور دو مکرم فرشتے تیرے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک تیری دائیں طرف اور دوسرا تیری بائیں طرف ہے۔ جو فرشتہ تیری دائیں طرف ہے وہ تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو فرشتہ تیری بائیں طرف ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اب تو جو چاہے عمل کر، خواہ کم خواہ زیادہ، حتیٰ کہ جب تو مر جائے گا تو تیرا اعمال نامہ لپیٹ دیا جائے گا اور وہ تیری گردن میں ڈال کر تیرے ساتھ قبر میں رکھ دیا جائے گا اور جب تو قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا تو اس اعمال نامہ کو اپنے پاس کھلا ہوا پائے گا۔ (تفسیر منیر)

[۱۳] انسان کسی جگہ یا کسی حال میں ہو دو فرشتے ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کی ہر نیکی اور ہر برائی کو اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیتے ہیں اور جب وہ قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ اب تو خود ہی اس کو پڑھ لے تجھے خود پتہ چل جائے گا کہ تو کس سزا کا یا کس اجر کا مستحق ہے، لہٰذا آج ایسے اعمال کرو جن کو دیکھ کر کل شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس دنیا میں ہر آدمی پڑھ نہیں سکتا اور پڑھے لکھے لوگوں میں بھی اکثریت کو عربی زبان پڑھنا نہیں آتی لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، امی ہو یا غیر امی وہ عربی میں لکھا ہوا اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے گا، جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اس دن وہ شخص بھی پڑھ لے گا جو دنیا میں ان پڑھ تھا۔ (تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر ابن ابی حاتم) حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اعمال نامہ کو ہر شخص پڑھے گا خواہ وہ دنیا میں امی تھا یا غیر امی۔ (تفسیر زاد المسیر)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی کے سامنے جب اس کا اعمال نامہ لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا کہ میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس اعمال نامہ میں وہ درج نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ ہم نے ان نیکیوں کو اس لئے مٹا دیا کیونکہ تم لوگوں کی غیبت کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

[۱۴] اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یعنی نیکی کا اجر و ثواب اسے ہی ملے گا جو نیکی کرے گا اور گمراہی کی سزا اسے ہی ملے گی جو گمراہی اختیار کرے گا۔

حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔[۱۵]

وَ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّہۡلِکَ قَرۡیَۃً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِیۡہَا فَفَسَقُوۡا فِیۡہَا فَحَقَّ عَلَیۡہَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰہَا تَدۡمِیۡرًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ اس (بستی) میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، پس (عذاب کا) فرمان ان پر واجب ہو جاتا ہے، پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔[۱۶]

وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا، اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر (اور انہیں) خوب دیکھنے والا ہے۔[۱۷]

---

[۱۵] اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ہر قوم کو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام یا ان کے نائبین کے ذریعہ ہدایت سے آگاہ فرماتا ہے اور پھر جو جان بوجھ کر گمراہی اختیار کریں ان کو سزا دیتا ہے اور جس کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچا عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ عذاب کا مستحق نہیں ہے مگر حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

[۱۶] جب کسی بستی کے لوگ فساد اور سرکشی پر اتر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر فوراً عذاب نازل نہیں فرماتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام یا ان کے نائبین کے ذریعہ پہلے اس بستی کے خوشحال اور سرکردہ لوگوں کو ہدایت کا پیغام پہنچاتا ہے تاکہ ان کی تقلید میں دوسرے عام لوگ بھی ہدایت حاصل کریں لیکن اس تنبیہ کے بعد بھی اگر وہ نافرمانی اور سرکشی میں سرگرم رہیں تو پھر ان پر عذاب الٰہی واجب ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوشحال اور سرکردہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف اور اس کا زیادہ شکرگزار ہونا چاہیے کیونکہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے اور دوسرا عام لوگ اکثر خوشحال لوگوں کی تقلید کرتے ہیں، لہٰذا خوشحال لوگوں کے اعمال اچھے ہوں تو عام لوگوں کے اعمال بھی اچھے ہو جاتے ہیں اور اگر یہ بدعمل ہوں تو عام لوگ بھی بدعملی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

[۱۷] اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ جو قومیں انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ کے باوجود فساد اور سرکشی پر مصر رہتی ہیں آخر ایک وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عاد و ثمود وغیرہ کی مثالیں موجود ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کسی کو بلاوجہ ہلاک نہیں فرماتا بلکہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور ان کے جرائم کے مطابق ان کو سزا دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٨﴾

١٨۔ جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم اسی دنیا میں جسے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں جلدی دیدیتے ہیں، پھر ہم اس کے لئے جہنم مقرر کر دیتے ہیں، جس میں وہ اس حال میں داخل ہوگا کہ وہ مذمت کیا ہوا دھتکارا ہوا ہوگا۔ [١٨]

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾

١٩۔ اور جو شخص آخرت چاہتا ہے اور اس کے لئے پوری کوشش کرتا ہے درآں حالیکہ وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ [١٩]

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾

٢٠۔ ہم آپ کے رب کی عطا میں سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) بند نہیں ہے۔ [٢٠]

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾

٢١۔ دیکھو! ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے، اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے بھی سب سے بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی سب سے بڑی ہے۔ [٢١]

[١٨] جو شخص صرف دنیا کی طلب کرتا ہے ضروری نہیں کہ اس کی طلب کے مطابق اسے دنیا مل جائے بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہے اور اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ دینا چاہے، البتہ صرف دنیا کی طلب اور آخرت سے غفلت کی وجہ سے وہ جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے اور قیامت کے دن بڑی ذلت اور حقارت کے ساتھ اسے جہنم رسید کیا جائے گا۔

[١٩] جو شخص دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور ایمان کے ساتھ آخرت میں کامیابی کے لئے پوری کوشش کرتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔

[٢٠] اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہر ایک کو رزق عطا فرماتا ہے چاہے وہ مومن ہو یا کافر، طالب دنیا ہو یا طالب آخرت۔ کسی کے لئے دنیاوی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں ہے، ہر ایک اپنی کوشش سے ان کو حاصل کرسکتا ہے، مگر آخرت کی نعمتیں صرف اس خوش نصیب کے لئے ہیں جو اچھے کاموں کے ساتھ ساتھ مومن بھی ہو۔

[٢١] اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنی حکمت کے مطابق بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، تاہم آخرت میں اعمال اور ایمان کے اعتبار

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾ ع

۲۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا، ورنہ تو مذمت کیا ہوا بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔ [۲۲]

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾

۲۳۔ اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''اف'' تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو بلکہ ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کرو۔ [۲۳]

سے بعض کو بعض پر ہزاروں بلکہ بے شمار گنا زیادہ فضیلت حاصل ہوگی حتیٰ کہ اہل ایمان جنت کی بہاروں میں خوش ہوں گے اور نافرمان جہنم کی آگ میں پریشان ہوں گے۔ اس میں انسان کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ جس طرح وہ دنیا میں دوسروں سے آگے بڑھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اسی طرح اس کو آخرت میں بھی دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ آخرت کے درجات اور مراتب میں بہت زیادہ فرق ہوگا۔

[۲۲] اشرف المخلوقات حضرت انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرے اور جو شرک میں مبتلا ہوگا وہ قیامت کے دن ذلیل و رسوا اور بے یار و مددگار ہوگا۔

[۲۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی خدمت اور ان کی فرماں برداری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

انسان کا حقیقی خالق تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے اس دنیا میں آنے کا ظاہری سبب والدین ہیں، اسی طرح انسان کی حقیقی پرورش کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کا ظاہری سبب والدین ہیں جو اپنی مشکلات کے باوجود اولاد کی بہتری کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اس لئے ان کا حق بنتا ہے کہ اولاد بھی ان کی خدمت میں ہمیشہ سرگرم رہے، بالخصوص جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو کوئی ایسا لفظ بھی زبان پر نہ لائے جو والدین کی دل آزاری کا سبب بنے اور انہیں اف تک نہ کہے بلکہ ان سے پورے ادب و احترام اور عاجزی و انکساری سے بات کرے اور ہمیشہ ان کے لئے دعا گو رہے کہ اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے بڑی رحمت و محبت سے پالا تھا۔

والدین کے حقوق اور ان کی فضیلت

۱۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ماں باپ ہیں۔ اس نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۹۷۲: کتاب الادب:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور ان کے سامنے رحم دلی سے انکساری کے ہاتھ جھکائے رکھو اور (اللہ تعالیٰ کے حضور) عرض کرو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے (بڑی رحمت ومحبت سے) پالا تھا۔

باب ۳) جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے اس وقت تک والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

۲۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو نیکوکار بیٹا اپنے والدین کو رحمت بھری نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب پاتا ہے۔لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ دن میں سو مرتبہ اسی طرح نظر کرے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (ہر نظر کے بدلے میں یہی ثواب ملتا رہے گا کیونکہ) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور ہر قسم کے نقص وعجز سے پاک ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح: باب البر: فصل ثالث)

۳۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے والدین کے قریب تیرا چار پائی پر اس حال میں سونا کہ تو ان سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہوں تو یہ تیرے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار کے جہاد سے بھی افضل ہے۔ (تفسیر درمنثور)

۴۔ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرنا میرے ذمہ باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کے لئے استغفار کرنا، ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

(ابن ماجۃ: حدیث نمبر ۳۶۶۴: ابواب الادب: باب ۲)

۵۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کے والدین میں سے ایک یا دونوں اس حال میں فوت ہو جائیں کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان تھا۔اگر وہ اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکوکار اور اپنے والدین کا فرماں بردار لکھ دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح: باب البر: فصل ثالث)

۶۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو جائے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور وہ فرمان بردار اور نیکوکار لکھا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح: باب زیارۃ القبور: فصل ثالث)

۷۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) تین قسم کے لوگ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے، ان میں سے ایک والدین کا نافرمان دوسرا میری سنت کا تارک اور تیسرا جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔

(تفسیر روح البیان: سورہ احزاب (۳۳) زیر آیت نمبر ۵۶)

۸۔ حضرت ابوہریرۃ ؓ نے دو آدمیوں کو دیکھا اور ان میں سے ایک سے پوچھا: اس دوسرے شخص کے ساتھ تیرا کیا رشتہ ہے؟ اس نے کہا: یہ میرا باپ ہے تو حضرت ابوہریرۃ ؓ نے فرمایا: اپنے باپ کو اس کے نام سے نہ پکارا کر، اس کے آگے نہ چلا کر اور نہ ہی اس سے پہلے بیٹھا کر۔ (امام بخاری: الأدب المفرد: ص ۲۲)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اگر تم نیک ہو تو بے شک وہ توبہ کرنیوالوں کو بہت بخشنے والا ہے۔ [۲۴]

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی [۲۵] اور فضول خرچی نہ کرو۔

۹۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (کنز العمال: حدیث: نمبر ۴۵۴۳۹)

۱۰۔ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، اس نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد: ج۸: ص۱۳۷)

۱۱۔حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں، وہ رسول اللہ کے عہد میں مشرکہ تھیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (بخاری: حدیث نمبر ۲۶۲۰: کتاب الادب: باب ۳)

۱۲۔حکایت ہے کہ ایک آدمی استاذ ابو اسحاق کے پاس آیا اور کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آپ کی داڑھی لعل اور موتیوں کے ساتھ مرصع تھی۔ ابو اسحاق نے کہا: تو نے سچ کہا: آج رات میں نے سونے سے پہلے اپنی داڑھی کو ماں کے قدموں کے تلووں کے ساتھ مس کیا تھا اور یہ ماں کے قدموں کی برکت ہے۔ ابو اسحاق اپنے ہاتھ سے والدین کی خدمت کرتا تھا اور ان کی خدمت کسی اور کے سپرد نہیں کرتا تھا کیونکہ آدمی کے لئے اپنے والدین، استاذ اور مہمان کی خدمت کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے، لہٰذا بیٹے کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین سے آگے نہ چلے اور نہ ہی کسی مجلس میں والدین سے بلند جگہ پر بیٹھے اور نہ ہی کھانے، پینے اور بات کرنے میں ان سے سبقت کرے۔ (تفسیر روح البیان) اس سلسلے میں سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۱۵ ملاحظہ کریں۔

[۲۴] یعنی تمہارے دلوں میں اپنے والدین کے متعلق جو اچھے یا برے جذبات ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے، لہٰذا اگر والدین کی خدمت اور ان کی اطاعت میں پہلے کوئی کوتاہی ہوتی رہی ہے تو اب توبہ کر کے نیک بن جاؤ کیونکہ جو سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔

[۲۵] اس آیت سے معلوم ہوا کہ غریب رشتہ داروں، مسکینوں اور ضرورتمند مسافروں کی مدد کرنا ان پر احسان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے امیر لوگوں کے مال میں ان غریبوں کا حق رکھا ہے، لہٰذا امیر لوگوں کو اپنا فرض سمجھ کر غریب لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔[۲۶]

وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ اور اگر تمہیں ان سے اعراض کرنا پڑے اس وجہ سے کہ ابھی تم خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش میں ہو جس کی تمہیں توقع ہے تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو۔[۲۷]

وَ لَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے نہ باندھ لو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دو کہ تم ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔[۲۸]

[۲۶] مال اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اس کو ضائع کرنا، بے فائدہ خرچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، گویا جس طرح شیطان ناشکرا ہے اسی طرح وہ انسان بھی ناشکرا ہے جو مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے۔

عثمان ابن اسود نے کہا: میں مجاہد کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، انہوں نے ابوقبیس پہاڑ کی طرف سر اٹھا کر کہا: اگر کوئی انسان اس پہاڑ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ فضول خرچ نہیں ہے اور اگر وہ ایک درہم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو وہ فضول خرچ ہے۔ (تفسیر کبیر)

ایک شخص نے کسی نیک کام میں بہت زیادہ مال خرچ کیا تو اس سے کہا گیا کہ فضول خرچی میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا: خیر میں فضول خرچی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جتنا زیادہ خرچ کیا جائے وہ فضول خرچی نہیں ہے۔

[۲۷] جب غریب رشتہ دار، مساکین اور ضرورتمند مسافر تم سے مدد مانگیں اور تم اس وقت اتنے خوشحال نہیں ہو کہ ان کی مدد کر سکو بلکہ تم خود ابھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے امیدوار ہو کہ وہ عنقریب تمہیں خوشحال کر دے گا تو پھر تم اپنے غریب رشتہ داروں اور مساکین سے بڑی تعظیم اور نرمی کے ساتھ معذرت کر دو اور مستقبل میں جب خوشحالی آ گئی تو اس وقت دینے کا وعدہ کرو تاکہ ان کو تمہاری مجبوری کا علم بھی ہو جائے اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو۔

[۲۸] گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس آیت میں خرچ کرنے کا ادب سکھایا ہے یعنی اس قدر بخل نہ کرو کہ تم حقوق العباد بھی ادا نہ کرو اور لوگ تمہیں ملامت کرنے لگیں اور اس قدر فضول خرچی بھی نہ کرو کہ تمہارا سارا مال ختم ہو جائے اور تم بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاؤ بلکہ فراخی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝

۳۰۔ بے شک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے (اور انہیں) دیکھنے والا ہے۔[۲۹]

ع ۳

سخاوت اور کنجوسی کے متعلق چند احادیث

۱۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم کو گن کر دے گا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۱۰۲۹)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! خرچ کرنے والے کو عطا کر اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! خرچ نہ کرنے والے کا مال ضائع کر۔

(مسلم: حدیث نمبر ۱۰۱۰)

۳۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، پیو، لباس پہنو اور صدقہ کرو جس میں نہ اسراف ہو اور نہ ہی اس میں فخر ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو جبکہ دو چیزوں سے بچتے رہو: ایک اسراف اور دوسرا تکبر۔

(بخاری: کتاب اللباس: باب ۱)

۴۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی۔ اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں۔ نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی، آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے آپ یہ مجھے بخش دیں۔ حاضرین نے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، اس چادر کو نبی کریم ﷺ نے پہن لیا تھا در آں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا سوال اس لئے کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہوگئی۔ (بخاری: حدیث نمبر ۱۲۷۷: کتاب الجنائز: باب ۲۹) اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جواز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کو وقت ضرورت سے پہلے تیار کر کے رکھنا جائز ہے اور کفن کو وقت سے پہلے تیار کرنا جائز ہے بلکہ قبر کھدوانا بھی جائز ہے۔

(فتح الباری: جلد ۳: ص ۱۴۴)

[۲۹] اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے وسائل رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے وسائل رزق تنگ کر دیتا ہے، لہٰذا رزق کی کمی یا بیشی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے جس کی اصل حکمت تو صرف وہی بہتر جانتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ

وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

۳۱۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔[۳۰]

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

۳۲۔ اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔[۳۱]

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور اس شخص کو قتل نہ کرو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور جو شخص ناحق قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کا) حق دیا ہے، پس وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے۔[۳۲]

جس کے پاس زیادہ رزق ہو اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور جس کے پاس کم رزق ہو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو اس سے راضی ہوتا ہے جو اس کی اطاعت کرے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

[۳۰] عرب کے اکثر لوگ غریب اور خانہ بدوش تھے، ان کا خیال تھا کہ جب ہم اپنا پیٹ بھرنے کے لئے مشکلات کا شکار ہیں تو اولاد کی خوراک کا انتظام کہاں سے کریں گے، اس لئے معاشی بدحالی کے باعث اکثر لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ اس آیت میں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے اور تم مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ساری مخلوق کا حقیقی رازق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جس طرح تمہیں رزق دیتا ہے اسی طرح وہ تمہاری اولاد کو بھی رزق دے گا۔

[۳۱] زنا کرنا تو بہت سخت گناہ ہے اس کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ان عوامل سے بھی بچو جو زنا کا سبب بنتے ہیں کیونکہ یہ ایسی بے حیائی ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کرے تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کا حکم ہے تا کہ دوسروں کے لئے نشان عبرت بن جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا قتل سے بھی بدتر جرم ہے کیونکہ قتل کی سزا قتل ہے مگر زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ زنا سے بچنے کے لئے سورہ نحل (۱۶) کے حاشیہ نمبر ۹۱ میں نبی کریم ﷺ کی ایک نصیحت ملاحظہ کریں۔

[۳۲] کسی انسان کو بلاوجہ قتل کرنا حرام ہے، البتہ مقتول کے بدلہ میں حاکم وقت کے فیصلہ کے بعد قاتل کو قتل کرنا جائز ہے۔ اسلام نے حکام کو تاکید کی ہے کہ وہ قصاص لینے میں مقتول کے وارث کی مدد کریں، لہٰذا مقتول کے وارث کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور قصاص لینے میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے یعنی ایسا نہ ہو کہ ایک کے بدلہ میں زیادہ کو قتل کرے یا قاتل کی بجائے کسی غیر قاتل کو قتل کرے، یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٤﴾

۳۴۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہت اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچ جائے، [۳۳] اور وعدہ پورا کیا کرو، بے شک وعدہ کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾

۳۵۔ جب تم ناپو تو پورا پورا ناپو اور (تولو تو) درست ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔ [۳۴]

---

[۳۳] یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو جائے۔ وہ بے چارہ بڑا دکھی، کمزور اور نا سمجھ ہوتا ہے، لہٰذا اس کے مال میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے مال کو حفاظت سے رکھو یا اس کو ایسے کاروبار میں لگاؤ جس سے یتیم کے مال میں اضافہ ہو اور جب یتیم جوانی کو پہنچ جائے اور اسے اپنے نفع ونقصان کا ادراک ہو جائے تو دیانتداری کے ساتھ اس کا سارا مال اس کے حوالے کر دو، اور اپنے وعدہ کو پورا کرو، خواہ وعدہ یتیم سے ہو یا کسی اور سے کیونکہ قیامت کے دن وعدہ کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے درآں حالیکہ ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: سورہ نساء (۴) زیر آیت نمبر ۱۰: حدیث نمبر ۴۸۸۱)

۲۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا، پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ۴۸۸۴: سورہ نساء (۴): زیر آیت نمبر ۱۰) یتیم کے متعلق مزید تفصیل کے لئے سورہ نساء (۴) کا حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ کریں۔

[۳۴] ناپ تول میں بد دیانتی نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس طرح تمہارا اعتماد اور کاروبار بڑھے گا اور آخرت میں بھی ثواب ہوگا اور اگر تم نے ناپ تول میں بد دیانتی کی تو لوگوں کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور تمہارے کاروبار کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں، اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی: حدیث نمبر ۱۲۰۹: ابواب البیوع: باب ۴)

وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

۳۶۔ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کی پیروی نہ کرو، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہوگی۔[۳۵]

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

۳۷۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی بلندی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو۔[۳۶]

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

۳۸۔ ان میں سے ہر ایک کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔[۳۷]

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
(ابن ماجۃ: حدیث نمبر: ۲۱۳۹ : ابواب التجارات: باب ۱)

[۳۵] یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہیں اگر تم نے اس کی پیروی کی تو قیامت کے دن اس کے متعلق تمہارے کان، آنکھ اور دل سے سوال ہوگا کہ کیا تم نے اس چیز کو اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا تو پھر اس دن تمہارے پاس کیا جواب ہوگا؟ لہٰذا نامعلوم چیزوں کی پیروی سے اجتناب کرو اور برحق قرآن مجید کی پیروی کرو۔

[۳۶] متکبروں کی طرح اکڑ کر چلنا انسان کو زیب نہیں دیتا کیونکہ نہ تو اس کے پاؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ زمین کو پھاڑ سکے اور نہ اس کے سر کی اتنی بلندی ہے کہ وہ پہاڑوں کے برابر ہو سکے، لہٰذا اسے عاجزی وانکساری ہی اختیار کرنی چاہیے اور یہی اس کے لئے بہتر ہے۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند فرماتا ہے، پس وہ اپنی نظر میں تو چھوٹا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے، پس وہ اپنی نظر میں تو بڑا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے کسی عربی شاعر کے دو اشعار نقل کئے ہیں آپ بھی ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں: زمین کے اوپر تواضع اور انکساری سے چلو کیونکہ بہت سے لوگ جو تم سے بھی زیادہ بلند مرتبہ تھے اب وہ زمین کے اندر دفن ہیں۔ اگر آج تم معزز، محفوظ اور طاقتور ہو تو کیا ہوا کیونکہ بہت سے لوگ جو تم سے بھی زیادہ طاقتور تھے اب دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ چکا ہے۔ (تفسیر قرطبی) تکبر کی مذمت کے لئے سورۂ نحل (۱۶) کا حاشیہ نمبر ۱۴ بھی ملاحظہ کریں۔

[۳۷] گزشتہ آیات میں جو چیزیں منع کی گئی ہیں ان کا ارتکاب کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۹

۳۹۔ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ تجھے ملامت زدہ پھٹکارا ہوا بنا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[۳۸]

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۴۰

۴۰۔ پس کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا ہے اور (اپنے لئے) اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے، بے شک تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بڑی سخت ہے۔[۳۹]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱

۴۱۔ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر اس سے ان کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔[۴۰]

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝۴۲

۴۲۔ آپ فرمائیے: اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں تو وہ اب تک

[۳۸] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت سے لبریز جو احکام نازل فرمائے ہیں آیت نمبر ۲۲ میں ان کی ابتدا بھی توحید کے حکم سے ہوئی اور اس آیت میں ان کی انتہا بھی توحید کے حکم سے ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ بالآخر ذلیل ورسوا کر کے تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے سارے احکام کی اصل توحید ہے اور وہی عمل قابل قبول ہوگا جس کی ابتدا بھی توحید پر ہو اور اس کی انتہا بھی توحید پر ہو۔

[۳۹] عرب کی اکثریت بیٹیوں سے نفرت کرتی تھی جبکہ بعض قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اس آیت میں انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہ کتنی بڑی حماقت اور گستاخی کی بات ہے کہ تم اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے۔

[۴۰] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسلامی عقائد اور اعمال کو مختلف انداز میں بار بار بیان کیا ہے تاکہ ہر انسان اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید میں غور وفکر کرے اور اس سے نصیحت حاصل کرے مگر مشرکین تعصب کی اس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ توحید کی بات سنتے ہی ان کے شرک میں اور اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اسلام کی مخالفت میں اور زیادہ سرگرم ہوجاتے ہیں۔

عرش والے تک پہنچنے کا کوئی راستہ ضرور تلاش کر چکے ہوتے۔[۴۱]

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

۴۳۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت ہی بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

۴۴۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز بھی ان میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے، بے شک وہ بہت برد بار، بہت بخشنے والا ہے۔[۴۲]

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا

۴۵۔ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

---

[۴۱] اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی متعدد خدا ہوتے تو وہ سارے مل کر عرش کے مالک اللہ تعالیٰ کو ضرور چیلنج کرتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور مشرکین جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں دراصل اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور بلند ہے۔

[۴۲] زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود ہر چیز اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن چونکہ ہم اس کی زبان نہیں جانتے یا اس کی آواز نہیں سنتے اس لئے ہم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ اسی طرح بعض فرشتے ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتے ہیں مگر ہم ان کی شکل دیکھنے اور ان کا کلام سننے سے قاصر ہیں اس لئے ہم ان کی تسبیح بھی نہیں سن سکتے، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے معجزات کے باعث اور اولیائے کرام اپنی کرامات کے باعث ان تسبیحات کو سن سکتے ہیں جیسا کہ

۱۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔

(بخاری: حدیث نمبر ۳۵۷۹)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ میں اس پتھر کو میں آج بھی اچھی طرح پہچانتا ہوں کہ اعلان نبوت سے پہلے جب میں اس کے پاس سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کہتا تھا۔ (مسلم: حدیث نمبر ۲۲۷۷: کتاب الفضائل: باب ۱)

مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔[۴۳]

وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

۴۶۔ اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں)، اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے ہی رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔[۴۴]

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰٓی اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

۴۷۔ ہم خوب جانتے ہیں جس مقصد کے لئے وہ قرآن کو سنتے ہیں جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں اس وقت وہ ظالم کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔[۴۵]

[۴۳] نبی کریم ﷺ جب قرآن کی تلاوت فرماتے اور مشرکین ایذا رسانی کے لئے آپ کے قریب آنے کی کوشش کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے اور مشرکین کے درمیان نظر نہ آنے والا ایسا پردہ حائل کر دیتا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکتے۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ بغوی نے سعید بن جبیر ؓ کی روایت بیان کی ہے کہ جب "تبت یدا ابی لھب" نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر (نبی کریم کو مارنے کے لئے) آئی۔ نبی کریم ﷺ اس وقت حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے لیکن ابولہب کی بیوی کو نبی کریم ﷺ نظر نہیں آئے۔ اس نے حضرت ابوبکر ؓ سے پوچھا: آپ کا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: واللہ! ماینطق عن الھوی ولا ینطق بالشعر ولا یقولہ (خدا کی قسم! وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ نہ شعر پڑھتے ہیں اور نہ شعر کہتے ہیں۔ تو پھر ہجو کس طرح کریں گے؟) اس پر وہ عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی۔ میں تو اس پتھر سے ان کا سر پھاڑنے آئی تھی۔ حضرت ابوبکر ؓ نے عورت کے جانے کے بعد عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ ایک فرشتہ اس کے اور میرے درمیان حائل رہا۔ (تفسیر بغوی، تفسیر خازن)

[۴۴] مشرکین کو توحید سے اس قدر نفرت تھی کہ توحید کی بات کو سننا اور اس میں غور و فکر کرنا تو دور کی بات تھی وہ توحید کا نام سنتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔ اس آیت کی مزید تشریح کے لئے سورہ انعام (۶) کا حاشیہ نمبر ۲۴ ملاحظہ کریں۔

[۴۵] مشرکین جب قرآن مجید سنتے تو ان کا مقصد قرآن مجید کو سمجھنا نہیں تھا بلکہ وہ قرآن مجید میں نقص تلاش کرنے کے لئے اسے

انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾

٤٨۔ دیکھئے وہ آپ کے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ گمراہ ہو گئے، اب وہ (سیدھے) راستہ پر نہیں آ سکتے۔[٤٦]

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾

٤٩۔ اور انہوں نے کہا کہ جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں از سر نو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟[٤٧]

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾

٥٠۔ آپ فرما دیجئے: تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿٥١﴾

٥١۔ یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے خیال میں بہت ہی سخت ہو تو وہ کہیں گے: ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ آپ فرما دیجئے: وہی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، پھر وہ (انکار کے طور پر) آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے: وہ کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے: شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔[٤٨]

سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے اور ان میں سے جو اسلام قبول کر لیتے انہیں کہتے کہ اس پر تو جادو کر دیا گیا ہے اس لئے وہ ہمارے آباء واجداد کے عقائد کے خلاف باتیں کرتا ہے، لہٰذا تم اس کی پیروی نہ کرو۔

[٤٦] یعنی مشرکین کیسے عجیب لوگ ہیں، پہلے تو وہ آپ کو صادق اور امین قرار دیتے تھے۔ بعد میں توحید کی دعوت کی وجہ سے وہ مخالف ہو گئے اور تعصب کی وجہ سے کبھی آپ کو مجنون کہتے اور کبھی شاعر، کبھی آپ کو جادوگر کہتے اور کبھی کہتے کہ آپ پر کسی اور نے جادو کر دیا ہے، تو آپ کی ان گستاخیوں کی وجہ سے وہ گمراہی کی اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ اب وہ راہ راست پر نہیں آ سکتے۔

[٤٧] مشرکین نے کہا: یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائیں گی تو اس مٹی سے ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟

[٤٨] مشرکین کو جواب دیا گیا کہ مٹی تو پھر بھی نرم چیز ہے اگر تم مرنے کے بعد پتھر، لوہا یا ان سے بھی کوئی سخت چیز بن جاؤ جس میں زندگی کا پیدا ہونا تم ناممکن سمجھتے ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے جس طرح پہلی مرتبہ تمہیں مٹی یا نطفہ سے وجود بخشا اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ اس پر مشرکین مزید تعجب کرتے ہوئے کہیں گے کہ پھر وہ دن کب آئے گا؟

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

۵۲۔ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو۔ [۴۹]

وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

۵۳۔ اور میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو سب سے اچھی ہوں، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد برپا کرتا ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ [۵۰]

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

۵۴۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے اور اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ [۵۱]

تو آپ نے فرمایا: قیامت کا حقیقی وقت تو اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے لیکن اب قیامت قریب ہے کیونکہ اس دنیا کی زندگی کا زیادہ وقت گزر چکا ہے اور تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ نیز میں آخری نبی ہوں اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا بلکہ قیامت آئے گی۔

[۴۹] قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہونے کے بعد جب اللہ تعالی کی طرف سے حساب و کتاب کے لئے منادی بلائے گا تو مسلم اور غیر مسلم سب اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حاضر ہو جائیں گے کیونکہ اس دن اللہ تعالی کی قدرت کو دیکھ کر غیر مسلموں کو بھی یقین آجائے گا کہ واقعی وہ غلطی پر تھے در اصل قادر مطلق خدا تو صرف اللہ تعالی ہی ہے۔ نیز قیامت کی ہیبت کی وجہ سے وہ دنیا اور برزخ کی زندگی کو بہت تھوڑا خیال کریں گے اور فی الواقع بھی اس دنیا اور برزخ کی مدت آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں بہت کم ہے کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت دائمی ہوگی۔

سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن قبروں سے نکلنے کے بعد کفار بھی اللہ تعالی کی اس طرح حمد کریں گے: "سبحانک وبحمدک" لیکن اس دن کا اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ (تفسیر قرطبی)

[۵۰] اس آیت میں مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کی جا رہی ہے کہ خواہ وہ آپس میں بات کریں یا غیر مسلموں سے دونوں صورتوں میں تہذیب اور حسن اخلاق کا خاص خیال رکھیں اور بلاوجہ کسی کی دلآزاری نہ کریں کیونکہ زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان فائدہ اٹھائے گا اور اس کے ذریعہ وہ تمہارے درمیان فساد برپا کرے گا اور غیر مسلموں کو تمہارے خلاف مزید بھڑکائے گا۔

[۵۱] میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ اب بھی اگر یہ کفر و شرک سے باز نہیں آتے تو آپ رنجیدہ

وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

۵۵۔ اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہیں، اور بے شک ہم نے بعض انبیاء کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داود علیہ السلام کو زبور عطا کی۔[۵۲]

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

۵۶۔ آپ فرما دیجئے: اب ان کو پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا (معبود) گمان کرتے ہو، وہ تم سے تکلیف دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں۔[۵۳]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

۵۷۔ جن کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کون (اللہ تعالیٰ سے) قریب ہوتا ہے اور وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔[۵۴]

خاطر نہ ہوں آپ ان کے کفر و شرک کے لئے جوابدہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے، اگر وہ اسلام قبول کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اور اگر وہ کفر و شرک پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔

[۵۲] اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون نبوت کے اہل ہے، لہٰذا وہ انسانوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے اس کو نبوت کے لئے منتخب فرماتا ہے اور جس نبی کے لئے جو کتاب یا صحیفہ مناسب سمجھتا ہے وہ اس کو عنائت فرماتا ہے جیسے حضرت داود علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا، پھر جن انبیاء کرام کو مناسب سمجھتا ہے انہیں دوسرے پر فضیلت عطا فرماتا ہے۔ اگرچہ بحیثیت نبوت سارے انبیائے کرام علیہم السلام برابر ہیں لیکن درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

[۵۳] علامہ قرطبی لکھتے ہیں: جب قریش سات سالہ طویل قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت کی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ مشرکین سے دریافت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن معبودوں (اصنام اور انداد: تفسیر ابن کثیر) کی وہ عبادت کرتے ہیں ان سے جا کر فریاد کیوں نہیں کرتے، پھر خود ہی بتا دیا کہ وہ تو خود بے بس ہیں اس لئے وہ تمہاری تکلیف دور نہیں کر سکتے۔ (تفسیر قرطبی، تفسیر خزائن العرفان)

[۵۴] یعنی جن فرشتوں، مومن جنوں اور بعض انبیاء کی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں وہ خدا نہیں ہیں بلکہ وہ تو خود اللہ تعالیٰ کی رحمت

وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

۵۸۔ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے یا تو ہلاک کرنے والے ہیں یا اسے سخت عذاب دینے والے ہیں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔[۵۵]

وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

۵۹۔ اور ہم کو نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلے لوگ ان نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں،[۵۶] اور ہم نے قوم ثمود کو ایک اونٹنی دی تھی جو روشن نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا،[۵۷] اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں۔[۵۸]

اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرنا اللہ والوں کی سنت ہے۔

[۵۵] اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ جس بستی میں ظلم اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی وہاں کے لوگ جلد یا بدیر ہلاکت سے دوچار ہوں گے اور اگر قیامت سے پہلے ان پر عذاب نہ آیا تو آخرت کا عذاب تو ضرور ملے گا۔

[۵۶] اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ان کے لئے صفا کے پہاڑ کو سونا بنا دیں اور مکہ کی سرزمین سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس میں کھیتی باڑی کر سکیں۔جبریل امین کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے کہا گیا، اگر آپ ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو ہم ان کو مہلت دے دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو ہم ان کی فرمائش پوری کر دیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کو ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ پہلی قوموں سے منکرین کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔اس پر آپ نے فرمایا: بلکہ ان کو مہلت دیدے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن جریر: مسند احمد: جلد اول: ص ۲۵۸)

[۵۷] صفا پہاڑ کو سونا بنانا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا کیونکہ پہلی قوموں کو جب ان کے مطلوبہ معجزات دکھائے گئے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے گئے جیسا کہ قوم ثمود کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ ان کی خواہش پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی ظاہر کی گئی جو کہ ایک روشن نشانی تھی لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی کو مار ڈالا تو تین دن کے بعد ان پر عذاب آ گیا۔اسی طرح کفار مکہ بھی صفا کے پہاڑ کو سونا دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں تھے تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا مگر اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔

[۵۸] معجزات دکھانے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کو دیکھ کر اس کی نافرمانی سے ڈریں لیکن جہاں پہلے سے

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۧ (۶۰) ع۶

۶۰۔ اور یاد کرو جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے، [۵۹] اور جو نظارہ ہم نے آپ کو (شب معراج میں) دکھایا وہ تو لوگوں کے لئے ایک آزمائش تھا اور اس درخت کو بھی (آزمائش بنایا) جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، [۶۰] اور ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر یہ (ہمارا ڈرانا) ان کی سرکشی میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ [۶۱]

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ (۶۱)

۶۱۔ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا: کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟ [۶۲]

یہ معلوم ہو کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں تو ان کو معجزہ دکھانے کا کیا فائدہ۔

[۵۹] میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اہل مکہ آپ کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں مگر آپ ان کی پرواہ نہ کریں وہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے ہم آپ کے محافظ ہیں اور یہ سارے لوگ ہمارے علم کے احاطہ میں اور ہماری قدرت کے قبضہ میں ہیں۔

[۶۰] اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات عالم بیداری میں سر کی آنکھوں سے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ نیز جہنم میں زقوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا ملعون پھل ملعون جہنمی کھائیں گے اور اس کے کھانے سے ان کے پیٹ میں ایسی آگ لگے گی جیسے ان کے پیٹ میں پانی کھول رہا ہو۔ یہ دونوں مثالیں کمزور ایمان والوں کے لئے آزمائش بن گئیں کیونکہ عالم بیداری میں معراج کی طویل سیر اور پتھروں کو جلا دینے والی جہنم کی آگ میں سرسبز زقوم کے درخت کا ہونا یہ دونوں باتیں بظاہر ناقابل یقین نظر آتی تھیں، مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ان پر ایمان لانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

[۶۱] کفار جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو اسلام سے بغض اور عناد کی وجہ سے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

[۶۲] یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلا چون و چرا مان لینا فرشتوں کی سنت ہے اور اس میں شبہات پیدا کرنا شیطان کی سوچ ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾

۶۲۔ شیطان نے کہا: مجھے بتا یہ (آدم علیہ السلام) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟) اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدے تو میں اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔[۶۳]

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾

۶۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا (تجھے مہلت ہے) ان میں سے جس نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔[۶۴]

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾

۶۴۔ اور ان میں سے جن کو تو اپنی آواز کے ساتھ گمراہ کر سکتا ہے گمراہ کر لے اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے اور ان کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر، اور شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکا ہوتا ہے۔[۶۵]

---

[۶۳] شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی کہ تو نے آدم کو مجھ پر فضیلت کیوں دی ہے؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدے تو میں آدم کی اولاد کے ایمان کا صفایا کر دوں گا۔ صرف چند لوگ ہی باقی رہ جائیں گے جن پر میں غالب نہیں آسکوں گا۔

[۶۴] اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کی خواہش کے مطابق لمبی مہلت دیدی یعنی جب تک اس دنیا میں انسان ہوں گے ان کی آزمائش کے لئے تو بھی زندہ رہے گا اور ساتھ ہی بنی نوع انسان کو بھی تنبیہ کر دی کہ جس نے بھی شیطان کی پیروی کی وہ سب شیطان کے ساتھ جہنم رسید ہوں گے۔

[۶۵] اللہ تعالیٰ نے شیطان کو لمبی زندگی کے ساتھ یہ اجازت بھی دیدی کہ وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جتنے ہتھکنڈے استعمال کر سکتا ہے کر لے مثلاً چکنی چپڑی اور لغو باتوں سے، انسانوں اور جنوں میں سے اپنے حواری لشکروں کے وسوسوں سے، انسانوں کے اموال اور اولاد میں حرام اور ناجائز کی آمیزش سے اور جھوٹے وعدوں سے الغرض جو بھی حربے استعمال کرنا چاہے کر لے پھر بھی جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں ان پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ﴿۶۵﴾

۶۵۔ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا، اور آپ کا رب (اپنے بندوں کی) کارسازی کے لئے کافی ہے۔

رَبُّکُمُ الَّذِیۡ یُزۡجِیۡ لَکُمُ الۡفُلۡکَ فِی الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۶۶﴾

۶۶۔ تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بہت مہربان ہے۔[۶۶]

وَ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىکُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا ﴿۶۷﴾

۶۷۔ اور جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو، اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔[۶۷]

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ

۶۸۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی کے کنارے پر ہی (زمین میں) دھنسا دے

---

[۶۶] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے سمندر کے گہرے پانی کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تم کشتیوں کے ذریعہ دور دراز ممالک میں اپنا مال تجارت آسانی سے لے جاتے ہو اور خرید و فروخت کر کے نفع کماتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال تلاش کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے مگر اس میں حرام کی آمیزش کرنا حرام ہے۔

[۶۷] جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آ جائے اور تمہیں ڈوبنے کا یقین ہو جائے تو اس وقت تم اپنے مقرر کردہ معبودوں کو نہیں پکارتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہو اور پکے وعدے کرتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس طوفان سے بچا لیا تو تم ضرور اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندے بن جاؤ گے لیکن جب اللہ تعالیٰ تمہیں طوفان سے بچا لیتا ہے تو پھر تم اپنے وعدے بھول جاتے ہو، اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی فطرت میں عقیدہ توحید کی تخم ریزی کی گئی ہے اور جب انتہائی مشکل وقت آتا ہے اور سارے فانی سہارے جواب دے جاتے ہیں تو عقیدہ توحید خود بخود بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ یونس (۱۰) کی آیت نمبر ۲۲ اور حاشیہ نمبر ۲۳ ملاحظہ کریں۔

وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾

یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاسکو۔[۶۸]

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾

۶۹۔ یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ سمندر میں لوٹا دے اور تم پر کشتیاں توڑ دینے والی سخت آندھی بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کر دے، پھر تم اپنے لئے اس (ڈبونے) پر ہمارے خلاف کوئی باز پرس کرنے والا نہ پاسکو۔[۶۹]

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾ ع

۷۰۔ اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت بخشی اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سواریاں دیں اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔[۷۰]

[۶۸] سمندر سے نکل کر خشکی پر آنے کے بعد کیا تم اس لئے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو خشکی پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، جس طرح وہ سمندر میں غرق کرسکتا ہے اسی طرح وہ زمین پر بھی تمہاری گرفت کرسکتا ہے اور تمہیں زمین میں دھنسا کر یا پتھروں کی بارش کر کے تمہیں ہلاک کرسکتا ہے جیسا کہ بعض گذشتہ قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے، لہذا تم سمندر میں ہو یا خشکی میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔

[۶۹] یا کیا تم اس لئے بے خوف ہو گئے ہو کہ آئندہ سمندر میں نہیں جاؤ گے حالانکہ کسی مجبوری کی بنا پر اگر تم دوبارہ سمندر میں گئے اور اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیج دی اور تمہارے کفر کے باعث تمہیں غرق کر دیا تو تم کچھ بھی نہیں کرسکو گے کیونکہ کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے باز پرس کر سکے۔

[۷۰] اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور علم و حکمت کی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا، اس کو اتنا علم عطا فرمایا کہ فرشتوں نے انسان اول کو سجدہ کیا، انسان نے خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو مسخر کرلیا اور کھانے کے لئے طرح طرح کی پاکیزہ چیزیں تیار کرلیں۔ ان امتیازی خصوصیات کی وجہ سے انسان کو باقی مخلوق پر برتری حاصل ہے۔

افضل مخلوق کون ہے؟

علمائے احناف کے نزدیک انسانوں میں جو رسول ہیں وہ سب مخلوقات سے افضل ہیں۔ ان کے بعد فرشتوں میں جو

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

۷۱۔ وہ دن (یاد کرو) جب ہم ہر گروہ کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے، پس جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اپنا اعمال نامہ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں ہوگا۔[۷۱]

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

۷۲۔ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا[۷۲] اور زیادہ گم کردہ راہ ہو گا۔[۷۳]

رسول ہیں ان کا درجہ ہے۔ پھر عام فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

[۷۱] قیامت کے دن ہر انسان کو اس پیشوا کے نام سے بلایا جائے گا جس کی وہ زندگی میں پیروی کیا کرتا تھا۔ اگر وہ مومن اور متقی ہوگا تو انبیاء، اولیاء، صالحین اور اچھے اعمال کے نام سے پکارا جائے گا اور اچھے پیشوا کا نام سنتے ہی حشر والوں کو یقین ہو جائے گا کہ یہ خوش نصیب جنتی ہے۔ اے میرے پروردگار! میدان حشر میں اس فقیر کو اپنے پیارے حبیب ﷺ، امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اور حضرت ضیاء الامت شیخ محمد کرم شاہ الازہریؒ کے گروہ میں شامل فرما۔ آمین!

اور اگر وہ شخص کافر اور سرکش ہوگا تو شیاطین، منکرین، فاسقین اور برے اعمال کے نام سے پکارا جائے گا، اور برے پیشوا کا نام سنتے ہی حشر والوں کو یقین ہو جائے گا کہ یہ بدنصیب جہنم میں جائے گا۔ نیز اس دن کامیاب لوگوں کی ایک نشانی یہ بھی ہوگی کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور وہ خوشی خوشی اپنے اعمال نامے پڑھیں گے۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کوئی شخص ان پڑھ نہیں ہوگا سب لوگ اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لیں گے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ قبر اور حشر میں تمام لوگوں کی زبان عربی ہوگی کیونکہ اعمال نامہ عربی میں ہوگا۔ (تفسیر نور العرفان) اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔ سورہ یوسف (۱۲) کی آیت نمبر ۲ اور حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ کریں۔

[۷۲] اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جس کو دیکھنے والی آنکھیں عطا فرمائی ہیں لیکن اگر اس نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ لی اور حق کو دیکھنے اور سمجھنے سے دانستہ اندھا بنا رہا تو قیامت کے دن وہ خدا کی رحمت سے دور ہوگا اور بطور سزا اس کی ظاہری آنکھیں بھی اندھی کر دی جائیں گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میرے ذکر سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا؟ فرمایا: اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ تیرے پاس میری آیات آئی تھیں تو نے ان کو بھلا دیا، سو اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔ (قرآن: ۲۰: ۱۲۴۔۱۲۶)

[۷۳] جو شخص اس دنیا میں گمراہ اور اندھا بنا رہا اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، وہ کسی بھی وقت توبہ کر کے ہدایت حاصل کر سکتا

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

۷۳۔ اور کفار یہ چاہتے تھے کہ جو وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو پھیر دیں تا کہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہماری طرف منسوب کر دیں اور تب وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾

۷۴۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے۔ [۷۴]

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

۷۵۔ اس وقت ہم آپ کو دوگنا زندگی میں اور دوگنا موت کے بعد (عذاب کا) مزا چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار نہ پاتے۔ [۷۵]

ہے مگر جس کا خاتمہ گمراہی پر ہوگا قیامت کے دن وہ سب سے زیادہ گمراہ اور اندھا ہوگا اور اسے جہنم کی آگ سے کوئی نہیں بچا سکے گا کیونکہ آخرت میں اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

[۷۴] کفار یہ چاہتے تھے کہ اگر آپ ان کے لئے بعض احکام میں کچھ تخفیف کر دیں تو وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیں گے اور آپ پر ایمان بھی لے آئیں گے، یہ ان کی بڑی گہری سازش تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ ان کے ایمان لانے کے لالچ میں ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قریش مکہ کی بات ماننے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ یہاں بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتدا ہی سے ثابت قدم بنا رکھا ہے، اس لئے آپ مشرکین کی طرف مائل نہیں ہوئے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی خبر دی ہے کہ وہ خود اپنے حبیب مکرم ﷺ کا حافظ و ناصر اور مددگار ہے۔ وہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھتا ہے اور مخالفین کی شرارتوں اور سازشوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تو معصوم تھے لیکن ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے امت مسلمہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ کسی صورت میں احکام خداوندی کو چھوڑ کر مشرکین کی طرف مائل نہ ہوں۔

(تفسیر قرطبی)

[۷۵] اگر بفرض محال آپ مشرکین کی طرف مائل ہو جاتے تو آپ کو دنیا اور آخرت میں دوگنا عذاب ہوتا کیونکہ جو زیادہ قریب ہوتے ہیں ان کی معمولی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ اس میں علمائے امت کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ اگر امیر لوگوں کو خوش

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

۷۶۔ اور کفار یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے قدم سرزمین مکہ سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں، پھر وہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ ٹھہر پاتے۔[۷۶]

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع

۷۷۔ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ہیں ان کے لئے بھی یہی دستور تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔[۷۷]

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

۷۸۔ آپ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں اور فجر کی نماز بھی (قائم کریں)، [۷۸] بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔[۷۹]

کرنے کے لئے احکام خداوندی میں تخفیف تلاش کریں گے تو ان کے لئے دوگنا عذاب ہوگا کیونکہ وہ احکام کو جانتے ہوئے دانستہ تحریف کریں گے۔

[۷۶] مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب سے نکالنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔(تفسیر خازن) بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وارننگ دی کہ اگر انہوں نے آپ کو ملک بدر کیا تو پھر وہ خود بھی زیادہ دیر یہاں نہیں رہ سکیں گے۔(تفسیر قرطبی) چنانچہ بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ملک عرب کے اندر ہی مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو قرآن کی پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ اہل مکہ ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھ سکے۔صرف ڈیڑھ سال بعد میدان بدر میں ان کے ستر افراد مارے گئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے، پھر مختلف جنگوں میں شکست کھانے کے بعد بالآخر آٹھویں ہجری میں پورا مکہ مسلمانوں نے فتح کرلیا اور اس طرح مکہ سے کفر و شرک کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

[۷۷] میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے پہلے جب بھی منکرین نے اپنے انبیاء کو ملک بدر کیا تو ان پر عذاب نازل ہوا اور اب بھی ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔اگر یہ آپ کو ملک بدر کریں گے تو وہ خود بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے، یا تو وہ ہلاک کر دیئے جائیں گے یا پھر وہ شرک سے باز آ کر اسلام قبول کرلیں گے۔

[۷۸] سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک چار نمازوں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کا ذکر ہے اور فجر کی نماز کا علیحدہ ذکر ہے اور فجر کی نماز کو قرآن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں قرآن کی قراءت لمبی ہوتی ہے۔

[۷۹] رات کے وقت جو فرشتے انسان کی حفاظت کرنے اور اس کے اعمال لکھنے پر مقرر ہوتے ہیں وہ فجر کی نماز کے بعد واپس

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝٧٩

۷۹۔ اور رات کے کچھ حصے میں تلاوت قرآن کے ساتھ نماز تہجد ادا کریں، یہ خاص آپ کے لئے ہے،[۸۰] عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔[۸۱]

جاتے ہیں اور دن کے فرشتے فجر کی نماز سے پہلے آجاتے ہیں۔ اس طرح فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہو جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جب رات کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں: جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو بھی انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ آئے ہیں۔ (بخاری: حدیث نمبر ۵۵۵: مسلم: حدیث نمبر ۶۳۲) کتنے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو نماز پڑھتے ہیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ ان کی نماز کی گواہی دیتے ہیں۔ فرشتے انسان کی حفاظت کیسے کرتے ہیں، اس کے لئے سورہ رعد (۱۳) کی آیت نمبر ۱۱ اور حاشیہ نمبر ۱۳ ملاحظہ کریں۔

[۸۰] رات کو سونے کے بعد اٹھ کر جو دو، چار یا آٹھ نوافل ادا کئے جاتے ہیں ان کو نماز تہجد کہتے ہیں۔ یہ نماز امت مسلمہ کے لئے نفلی عبادت ہے مگر نبی کریم ﷺ کے لئے یہ ایک خصوصی نماز ہے جس کو آپ نے ہمیشہ پابندی سے ادا کیا۔

[۸۱] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نبی کریم ﷺ جو شفاعت کبریٰ فرمائیں گے اس کو مقام محمود کہا جاتا ہے، کیونکہ سب حشر والے آپ کی تعریف کریں گے۔ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ (مسند احمد: جلد ۲: ص ۴۴۱)

۲۔ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی طرح بے قرار ہوں گے، سو وہ حضرت آدم ؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے شفاعت کریں۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جاؤ وہ خلیل الرحمن ہیں، پھر لوگ حضرت ابراہیم ؑ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ ؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، پھر وہ لوگ حضرت موسیٰ ؑ کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، پھر لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، پھر وہ میرے پاس آئیں گے، پس میں کہوں گا کہ میں اس کے لئے ہوں، پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دے دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ میرے دل میں اپنی حمد کے ایسے کلمات ڈالے گا جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں اور میں ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدے

میں گر جاؤں گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھایئے، آپ کہئے: آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ آپ سے کہا جائے گا: آپ جایئے اور دوزخ سے ان کو نکال لیجئے جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور اسی طرح کروں گا، پھر میں واپس آ کر انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پھر کہا جائے گا: آپ جایئے جس کے دل میں ایک ذرہ یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے، پھر میں تیسری بار انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ جایئے جس کے دل میں ادنیٰ رائی کے دانے سے بھی ادنیٰ ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے، پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا، پھر میں چوتھی بار جاؤں گا اور پہلے کی طرح سجدے میں گر جاؤں گا تو حکم ہو گا شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے اس شخص کے لئے اجازت دیجئے جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو، پس وہ فرمائے گا: میری عزت میرے جلال میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو میں اس شخص کو ضرور دوزخ سے نکالوں گا۔

(بخاری: حدیث نمبر ۷۵۱۰: کتاب التوحید: باب ۳۶ اور مسلم: حدیث نمبر ۱۹۳: کتاب الایمان: باب ۸۴)

۳۔ قاضی عیاض نے کہا کہ قیامت کے دن ہمارے نبی کریم ﷺ کی شفاعت پانچ قسم کی ہوگی: (۱) شفاعت عامہ جس سے مومن اور کافر سب مستفیض ہوں گے۔ (۲) ایک گروہ کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لئے شفاعت۔ (۳) آپ کی امت میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے، پھر ان کے لئے اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا نبی کریم ﷺ شفاعت کریں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۴) جو گنہگار دوزخ میں داخل ہو چکے تھے، پھر وہ ہمارے نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء، ملائکہ اور بعض نیک مسلمانوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔ (۵) اہل جنت کے درجات میں اضافہ کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ (تفسیر قرطبی)

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! حضرت محمد ﷺ کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما! اور ان کو مقام محمود پر فائز فرما! جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، تو قیامت کے دن اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(بخاری: حدیث نمبر ۴۷۱۹: کتاب الاذان: باب ۸)

۵۔ مقام محمود کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ مقام محمود وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

(تفسیر ابن جریر اور تفسیر قرطبی)

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

۸۰۔ اور دعا کیا کریں: اے میرے رب! تو مجھے جہاں بھی لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے نکالے سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو۔ [۸۲]

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

۸۱۔ اور آپ فرما دیجئے: حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا۔ [۸۳]

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

۸۲۔ اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور یہ ظالموں کے لئے تو سوائے نقصان کے اور کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ [۸۴]

---

[۸۲] نبی کریم ﷺ کو جب ہجرت کا حکم ملا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک دعا تلقین کی گئی کہ اے میرے رب! میرا مکہ سے ہجرت کرنا بھی سچائی کے ساتھ ہو اور مدینہ میں داخل ہونا بھی سچائی کے ساتھ ہو یعنی دونوں کا انجام اچھا ہو۔ نیز مجھے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما کہ جہاں بھی میرا جانا ہو یا جہاں سے میرا نکلنا ہو ہر جگہ تیری نصرت شامل حال ہو، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اس دعا کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔ مکہ سے روانہ ہوئے تو تعاقب کرنے والے کفار آپ کو گرفتار نہ کر سکے اور جب مدینہ پہنچے تو وہاں ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ چند سال بعد نہ صرف یہ کہ مکہ فتح ہو گیا بلکہ پورے عرب میں جہاں بھی آپ کے قدم مبارک گئے وہاں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

[۸۳] یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مکہ میں مسلمان سخت بے کسی اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ہر طرف باطل کا غلبہ تھا اور غلبۂ حق کے آثار دور دور تک کہیں نظر نہیں آتے تھے مگر دنیا نے دیکھا کہ قرآن کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی اور چند سال بعد جب مکہ فتح ہوا تو آپ کعبہ کے گرد رکھے ہوئے بتوں کو اپنی چھڑی سے گرا رہے تھے اور یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے: یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تھا ہی مٹنے والا۔

[۸۴] جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے اسی طرح جن دلوں میں قرآن مجید کا نور جلوہ گر ہوتا ہے وہاں سے باطل عقائد اور روحانی امراض بھاگ جاتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایسا نزول ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے متقی بن جاتے ہیں اور باطل اعمال سے نجات پا جاتے ہیں، مگر ظالم لوگ چونکہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اس لئے جب بھی وہ قرآن مجید سنتے ہیں تو ان کے بغض و عناد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اسلام کی مخالفت میں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں اور اسی لئے آخرت میں ان کے نقصان اور عذاب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿٨٣﴾

٨٣۔ اور جب ہم انسان پر کوئی انعام فرماتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلوتہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔[٨٥]

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۗ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾ ع

٨٤۔ آپ فرما دیجئے: ہر شخص اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے، اور آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر ہے۔[٨٦]

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۗ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾

٨٥۔ اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے: کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں (روح کے متعلق) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔[٨٧]

---

[٨٥] اس آیت میں انسان کی ایک عمومی کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اس پر کوئی انعام فرماتا ہے تو وہ ناشکری کرتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ان کی شان یہ ہے کہ وہ نعمت کے ملنے پر شکر بجالاتے ہیں اور تکلیف کے آنے پر صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

[٨٦] اس دنیا میں ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے پر گامزن ہے اور کون غلط راستے پر سرگرداں ہے اور آخرت میں ہر ایک کی نیت اور اس کے عمل کے مطابق اسے جزا اور سزا دے گا۔

[٨٧] قرآن مجید میں روح کا لفظ جبریل امین علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، قرآن مجید اور وحی کے لئے استعمال ہوا ہے مگر اس آیت میں سائل کا مقصد انسانی روح اور اس کی حقیقت معلوم کرنا تھا۔ قرآن مجید نے اس کا اجمالی جواب دیا کہ یہ کوئی مادی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی کرشمہ سازی ہے اور اس کی حقیقت کا تفصیلی علم عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس لئے تمہیں اس کے بارے میں تمہاری سمجھ اور ضرورت کے مطابق جو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے اسی پر اکتفا کرو یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہونے والی ایک چیز ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روح کی حقیقت سے ناواقف ہیں بلکہ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور تمام مخلوق کے سردار ہیں، سو آپ کا منصب اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور آپ کو روح کا علم کیسے نہیں ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا: {اور جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔} (قرآن: ۴: ۱۱۳) اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں دلیل نہیں ہے کہ روح کو جانا نہیں جاسکتا اور نہ اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا۔ (عمدۃ القاری: جلد ۲: ص ۲۰۱: زیر حدیث نمبر ۱۲۵)

وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَكِیۡلًا ﴿۸۶﴾

۸۶۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے، پھر آپ اپنے لئے اس (وحی) کے متعلق ہماری بارگاہ میں کوئی وکالت کرنے والا بھی نہیں پائیں گے۔

اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَیۡكَ كَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾

۸۷۔ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے،[۸۸] بے شک آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے۔[۸۹]

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾

۸۸۔ آپ فرما دیجئے: اگر سارے انسان اور سارے جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو وہ اس کی مثل ہرگز نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔[۹۰]

[۸۸] مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمیٰ عطا فرمائی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں، ذاتی نہیں۔

(تفسیر عثمانی)

[۸۹] اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر بہت بڑا فضل فرمایا۔اس فضل کبیر کی حد کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے انسانی عقل اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔اس کی مزید تشریح کے لئے سورہ نساء (۴) کی آیت نمبر ۱۱۳ اور حاشیہ نمبر ۱۲۲ ملاحظہ کریں جہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فضل عظیم کے الفاظ سے سرفراز فرمایا ہے۔

[۹۰] مشرکین کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ قرآن محمد ﷺ خود بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔اس آیت میں ان کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسان اور جن اکٹھے ہو جائیں تو بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے تو پھر صرف ایک انسان یعنی حضرت محمد ﷺ تنہا قرآن کیسے بنا سکتے ہیں؟ تاہم بعض منکرین نے قرآن کی مثل بنانے کی کوشش کی جن میں مسیلمہ کذاب سرفہرست ہے۔اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے درج ذیل کلام بنایا جو کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

۱۔ اَلْفِیلُ۔ مَا الْفِیلُ۔ لَہٗ ذَنَبٌ ذَلِیلٌ وَ خُرطُومٌ طَوِیلٌ۔ اِنَّ ذَالِکَ مِن خَلقِ رَبِّنَا الجَلِیلِ۔ ہاتھی اور وہ ہاتھی کیا ہے۔اس کی بدنما دم ہے اور لمبی سونڈ ہے۔بے شک یہ ہمارے رب جلیل کی مخلوق ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

۸۹۔ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں مگر اکثر لوگوں نے انکار کر دیا سوائے ناشکری کے۔[۹۱]

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

۹۰۔ اور کفار نے کہا: ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ زمین سے ہمارے لئے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

۹۱۔ یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، پھر آپ اس میں بہتی ہوئی نہریں جاری کر دیں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

۹۲۔ یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

۹۳۔ یا آپ کے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں، اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتار لائیں جس کو ہم خود پڑھیں، آپ فرمائیے: میرا رب پاک ہے، میں تو صرف ایک بشر (اور) رسول ہوں۔[۹۲]

۲۔ یا ضِفدعُ ۔بِنتُ ضِفدعٍ نَقِّی ۔مَاتَنقِینْ۔ اَعلاکِ فِی المَاءِ وَاَسفَلُکِ فِی الطِّینِ۔ لَا لِلشّارِبِ تَمنَعِینْ وَلَا لِلمَاءِ تُکَدِّرِین ۔اے مینڈکی ۔ بیٹی صاف مینڈکی کی ۔تو کتنی صاف ہے۔ تیرا بالائی حصہ پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے۔ نہ تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی گدلا کرتی ہے۔ (تفسیر الحسنات) اس آیت کی مزید تفسیر کے لئے سورہ ہود (۱۱) کی آیت نمبر ۱۴ اور حاشیہ نمبر ۱۲ ملاحظہ کریں

[۹۱] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسلامی عقائد اور اعمال کو مختلف مثالوں کے ذریعہ بار بار بیان کیا ہے تاکہ ہر انسان اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرے مگر اکثر لوگ تعصب کی وجہ سے ناشکری پر جمے رہتے ہیں اور ہدایت قبول نہیں کرتے۔

[۹۲] گذشتہ چار آیات میں کفار نے مختلف معجزات کا مطالبہ کیا یعنی زمین سے پانی کا چشمہ جاری کر دیں، کھجوروں اور انگوروں

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

۹۴۔ اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

۹۵۔ آپ فرما دیجئے: اگر زمین میں (انسانوں کے بجائے) فرشتے چلتے اور بستے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔ [۹۳]

کا باغ بنا دیں جس میں نہریں بہتی ہوں، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں، اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے ظاہر کریں تاکہ ہم ان سے بات کر سکیں، اپنے لئے سونے کا ایک گھر بنا دیں یا آسمان پر جا کر ہمارے لئے ایک کتاب لے آئیں جس کو ہم خود پڑھ سکیں۔ اگر یہ معجزات دکھا دیئے جاتے تو بھی تعصب کی وجہ سے وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا رب ہر کمزوری سے پاک ہے اور قادر مطلق ہے۔ میں تو ایک بشر اور رسول ہوں۔ میرا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے جو میں پہنچا رہا ہوں۔ البتہ آپ کے ہر روز نئے فرمائشی معجزات دکھانے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہے، جو وہ مناسب سمجھے گا وہی ظہور پذیر ہوگا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ معجزات کے اظہار پر قادر نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن معجزات کے اظہار کا اختیار نبی کریم ﷺ کو دیا تھا وہ ان کے اظہار پر قادر تھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے اوپر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا خشوع اور بے شک میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری: کتاب الاذان: باب ۸۸) رکوع نماز کی ظاہری صورت کو اور خشوع باطنی کیفیت کو کہا جاتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ امامت کے مصلی پر قبلہ رخ کھڑے ہوئے اپنے مقتدیوں کے ظاہر اور باطن کو دیکھ سکتے تھے اور یہ ایسا معجزہ تھا جو ہر وقت آپ کے اختیار میں تھا، جس طرح جو کام کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار دے رکھا ہے ہم ان کے کرنے پر قادر ہیں اسی طرح جن معجزات کا آپ کو اختیار دیا گیا تھا آپ ان کے اظہار پر قادر تھے۔ فرمائشی معجزات نہ دکھانے کے سلسلہ میں اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ اور حاشیہ نمبر ۵۷ ملاحظہ کریں اور معجزات دکھانے کے سلسلہ میں سورہ رعد (۱۳) کی آیت نمبر ۷ اور حاشیہ نمبر ۹ ملاحظہ کریں۔

[۹۳] مشرکین مکہ کے پاس جب قرآن آ گیا اور وہ نور ہدایت کے سامنے لاجواب ہو گئے تو اپنے تعصب اور عناد کو چھپانے کے لئے آخر میں اس لایعنی اعتراض کا سہارا لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرح چلنے پھرنے والے انسان کو رسول کیوں بنایا؟ اور کسی فرشتے کو رسول بنا کر کیوں نہ بھیجا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا مگر یہاں تو انسان آباد ہیں اور انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے اقوال اور افعال سے ایسا نمونہ پیش کرے جو دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہو۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

٩٦۔ آپ فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے۔[٩٤]

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

٩٧۔ اور اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو وہ گمراہ کردے تو ان کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے، اور قیامت کے دن ہم انہیں اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور جب بھی (جہنم کی) آگ بجھنے لگے گی ہم (آگ کو) ان پر اور بھڑکا دیں گے۔[٩٥]

النصف

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

٩٨۔ یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے؟ تو کیا ہم از سرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟[٩٦]

[٩٤] یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا اور میں نے اس کا پیغام تم تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کردیا۔ اب تم مجھے رسول مانو یا نہ مانو اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میری نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور وہ اپنے بندوں کے احوال اور اعمال سے خوب واقف ہے اور ان کے مطابق انہیں جزا اور سزا دے گا۔

[٩٥] جو لوگ ہدایت کی تلاش میں جدوجہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کی راہ پر چلا دیتا ہے، اور جو لوگ دانستہ ہدایت سے منہ پھیرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کو گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے پھر کوئی ان کی مدد کو نہیں آتا اور قیامت کے دن انہیں اندھا، گونگا اور بہرا کر کے جہنم کی تیز آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

[٩٦] کفار کو جہنم میں اس لئے پھینکا جائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں اور دلائل کا انکار کیا۔ نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قادر اور خالق ہونے کا بھی انکار کیا اور از راہ مذاق کہا کرتے تھے کہ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائیں گی تو پھر ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

۹۹۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان لوگوں کی مثل (دوبارہ) پیدا فرمادے اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر فرمادیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے انکار کردیا سوائے ناشکری کے۔[۹۷]

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

۱۰۰۔ آپ فرمادیجئے: کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم ان کو روکے رکھتے، اور واقعی انسان بڑا سنگدل ہے۔[۹۸]

---

[۹۷] جس قادر مطلق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم الشان چیزیں بغیر کسی مادہ کے پیدا کی ہیں اس کے لئے تم جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے، البتہ دوبارہ تخلیق کے لئے قیامت کا وقت مقرر ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں مگر ظالم لوگ ناشکری ہی کرتے ہیں۔

[۹۸] مشرکین کا مطالبہ یہ تھا کہ مکہ کی زمین باغات اور نہروں میں بدل جائے اور پہاڑ سونے کے بن جائیں۔ اس آیت میں انہیں جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ تو معمولی چیزیں ہیں، اگر بالفرض میرے رب کی رحمت کے نہ ختم ہونے والے خزانے تمہیں دیدیے جائیں تو پھر بھی تمہارا لالچ کم نہیں ہوگا اور تم کسی غریب کی مدد کے لئے خرچ نہیں کرو گے کیونکہ انسان عام طور پر تنگدل اور بخیل واقع ہوا ہے۔

لالچ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔
(بخاری: حدیث نمبر ۶۴۳۶: کتاب الرقاق: باب ۱۰)

سخی اور بخیل کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ کو بخیل عابد سے جاہل سخی زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۱۹۶۱: ابواب البر: باب ۴۰) سخی اور بخیل کے متعلق اسی سورت میں آیت نمبر ۲۹ اور حاشیہ نمبر ۲۸ بھی ملاحظہ کریں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیاں دیں، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔[۹۹]

[۹۹] ان آیات میں بھی مشرکین مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات نہ دکھانے کا جواب دیا گیا ہے یعنی اگر ہمیں علم ہوتا کہ ان معجزات کو دیکھنے کے بعد تم ایمان لے آؤ گے تو ہم یہ معجزات بھی دکھا دیتے لیکن ہمیں تمہارے تعصب کے باعث تمہارے ایمان نہ لانے کا یقین تھا اس لئے ہم نے وہ معجزات نہیں دکھائے۔ نیز ہم ان سے بھی بڑے معجزات پہلے بنی اسرائیل کو دکھا چکے ہیں۔ ان کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے اور تم بنی اسرائیل کے علماء سے ان کی تصدیق بھی کر سکتے ہو مگر ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود فرعون ایمان نہ لایا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ تم پر جادو کا اثر ہو گیا ہے اس لئے تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزات کا ذکر موجود ہے مثلاً سمندر میں راستہ بنانا، پتھر کی چٹان سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور من وسلویٰ کا نزول وغیرہ مگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہاں ان میں سے درج ذیل نو معجزات کا ذکر کیا ہے یعنی ۱۔ ہاتھ ۲۔ عصا ۳۔ طوفان ۴۔ ٹڈی ۵۔ جوئیں ۶۔ مینڈک ۷۔ خون ۸۔ قحط ۹۔ اموال میں نقصان۔ (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس) ان کی تفصیل کے لئے سورہ اعراف (۷) کا حاشیہ نمبر ۶۵ ملاحظہ کریں۔

بعض مفسرین کے نزدیک ان نو نشانیوں سے مراد نو احکام ہیں جیسا کہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو۔ ساتھی نے کہا: ان کو نبی نہ کہو، اگر انہوں نے تمہاری بات سن لی (کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں) تو وہ بہت خوش ہوں گے، پس وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس آیت میں بیان کردہ نو نشانیوں کے بارے دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ نو نشانیاں یہ ہیں) ۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ۲۔ چوری نہ کرو ۳۔ زنا نہ کرو ۴۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو ۵۔ کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کر دے ۶۔ جادو نہ کرو ۷۔ سود نہ کھاؤ ۸۔ کسی پاکدامن عورت پر بدکاری کی تہمت نہ لگاؤ ۹۔ میدان جنگ سے فرار اختیار نہ کرو۔

اور اے یہودیو! تمہارے لئے یہ خاص حکم ہے کہ تم ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو۔ صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جامع جواب سن کر) ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا اور کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا: پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ انہوں نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت رہے اور ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۳۱۴۴: تفسیر القرآن: سورہ بنی اسرائیل)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ ان بصیرت افروز نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے رب نے ہی نازل کیا ہے اور اے فرعون! میں تیرے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔[۱۰۰]

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳۔ پھر فرعون نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: تم اس سرزمین میں آباد ہو جاؤ، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔[۱۰۱]

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵۔ اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوش خبری سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا۔[۱۰۲]

---

[۱۰۰] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا: تو خوب جانتا ہے کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں کیونکہ کوئی انسان ان پر قادر نہیں ہے، لہٰذا تو ان سے عبرت حاصل کر ورنہ تجھے ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس پر اس نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجہ میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

[۱۰۱] فرعون اور اس کی فوج کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: اب تم مصر یا شام میں جہاں چاہو رہو۔ (تفسیر منیر) لیکن قیامت کے دن ہم تم سب کو خواہ ایمان دار ہوں یا کافر، نیک ہوں یا برے اکٹھا کر کے تمہارے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دیں گے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے لئے درس عبرت ہے کہ جس طرح فرعون اور اس کی فوج نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنا چاہا مگر بالآخر وہ خود مصر کی زمین سے نکال کر سمندر میں غرق کر دیے گئے۔ اسی طرح اے مشرکین مکہ! تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہو اور اگر تم اس دشمنی سے باز نہ آئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ چند سالوں کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور مشرکین کو وہاں سے نکال دیا گیا۔

[۱۰۲] ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور آپ نے اس کو حق اور حفاظت کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب اگر

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶۔ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا ہے۔[۱۰۳]

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷۔ آپ فرما دیجئے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔[۱۰۴]

وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸۔ اور کہتے ہیں: ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔

مشرکین ایمان نہ لائیں تو یہ ان کی نادانی ہے آپ فکر مند نہ ہوں، کیونکہ ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اپنی تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔

[۱۰۳] پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتب اور صحائف نازل ہوئے ان کا نزول یک بارگی ہوا لیکن ہم نے قرآن مجید کو مختلف سورتوں اور آیات کی صورت میں جدا جدا نازل فرمایا تا کہ لوگوں کو تلاوت کرنے اور حفظ کرنے میں آسانی ہو۔ نیز آپ لوگوں کو اسے ٹھہر ٹھہر کر اور درمیان میں فصل کر کے سنائیں تا کہ انہیں سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور ہم نے اسے حالات و واقعات کے مطابق ۲۳ سالوں میں بتدریج نازل فرمایا تا کہ وہ آیات اور احکام کے موقع و محل کو ذہن نشین رکھیں اور ان کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔

[۱۰۴] پیارے نبی! مشرکین مکہ سے فرما دیجئے: تم قرآن مجید پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، اس سے قرآن کی صداقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بے شک اہل کتاب کے وہ علماء جن کو نزول قرآن سے پہلے وحی اور رسالت کا علم دیا گیا تھا جن میں زید بن عمرو رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، اور ابوذر رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان) انہوں نے جب اس قرآن کو سنا تو اس کی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ شکر بجا لائے اور اس کی تسبیح بیان کی کہ اس نے کتب سابقہ میں جس آخری نبی اور آخری کتاب کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آخری نبی اور قرآن مجید کی صورت میں آخری کتاب دونوں اپنی عظیم شان کے ساتھ جلوہ گر ہو گئے ہیں۔

اس سے ایک تو اہل کتاب کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کی کتابیں سچی ہیں کیونکہ ان کی پیش گوئی سچی ثابت ہو گئی ہے اور دوسرا یہ بھی یقین ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی سچے نبی ہیں کیونکہ آپ میں وہ ساری صفات پائی جاتی ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں۔

وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿١٠٩﴾

١٠٩۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع وخضوع میں مزید اضافہ کردیتا ہے۔[١٠٥]

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ

١١٠۔ آپ فرمادیجئے: تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو! جس نام سے پکارو، اس کے سب نام اچھے ہیں، [١٠٦] اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ

[١٠٥] آیت نمبر ١٠٧ میں پہلا سجدۂ شکر تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری نبی پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ دوسرا سجدہ قرآن مجید کی تعلیمات کے زیر اثر تھا کیونکہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو رونے لگتے اور ان کے خشوع اور خضوع میں مزید اضافہ ہوجاتا۔

خوف خدا میں رونے کی فضیلت

١۔حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ساری رات پہرہ دیتی رہی۔

(ترمذی: حدیث نمبر ١٦٣٩ : ابواب فضائل جہاد: باب ١٢)

٢۔حضرت ابن مسعود ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں، خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اللہ تعالیٰ نے آگ کو اس پر حرام کردیا ہے۔

(ابن ماجۃ: حدیث نمبر ٤١٩٧ : ابواب الزھد: باب ١٩)

٣۔حضرت ابو حازم ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا۔ جبریل امین ؑ آئے اور پوچھا: یہ کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ فلاں ہے۔ جبریل امین ؑ نے کہا: ہم بنی آدم کے سارے اعمال کا وزن کرتے ہیں سوائے رونے کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک آنسو کے بدلے میں آتش جہنم کی کئی نہریں بجھادیتا ہے۔

(تفسیر درمنثور)

[١٠٦] حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے مکہ میں نماز پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور اپنی دعا میں عرض کیا: یا اللہ! یا رحمٰن! مشرکین کہنے لگے: دیکھو! یہ ہمیں تو دو خداؤں کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور خود دو خداؤں کو پکار رہا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر) یعنی اللہ تعالیٰ اور رحمٰن دو الگ الگ ذاتوں کے نام نہیں بلکہ جس ہستی کا ذاتی نام اللہ ہے اسی کا صفاتی نام رحمٰن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بہت زیادہ ہیں اس لئے اس کے صفاتی نام بھی بہت زیادہ ہیں مثلاً رحمٰن، رحیم، خالق اور رازق وغیرہ جن کا ذکر قرآن وسنت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سب سے اکمل اور اعلیٰ ہیں اور ان صفات کی ترجمانی

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾

اسے بالکل آہستہ پڑھو اور ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔[۱۰۷]

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

۱۱۱۔ اور آپ فرما دیجئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ تو (کسی کو اپنا) بیٹا بنایا اور نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کے باعث اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی خوب بڑائی بیان کرتے رہیے۔[۱۰۸]

کرنے والے اسمائے گرامی بھی سب سے اچھے اور اعلیٰ ہیں، لہٰذا جس بھی نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارو، وہ سب اچھے ہیں اور ان سب سے مراد صرف ایک ہی ذات ہوگی جو کہ اللہ ہے۔

[۱۰۷] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت فرماتے اور نماز میں قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھتے تو مشرکین سن کر قرآن اور صاحب قرآن کی توہین کرتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اپنی آواز کو اتنا بلند نہ کرو کہ مشرکین سن کر مذاق اڑائیں اور اتنی پست بھی نہ کرو کہ صحابہ کرام بھی نہ سن سکیں بلکہ ان دونوں کے درمیان متوسط آواز میں قراءت کریں۔ (تفسیر قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی اگر کہیں مکہ جیسے حالات ہوں تو قرآن مجید کی تلاوت، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا کو متوسط آواز میں پڑھا جائے تاکہ غیر مسلموں کو اسلام کی توہین کا موقع نہ ملے۔

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قراءت میں آواز کو پست رکھتے اور کہتے: میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں اور وہ میری حاجت کو جانتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی قراءت بلند آواز سے کرتے اور کہتے: میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: کہ اپنی آواز کو تھوڑا سا بلند کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: کہ وہ اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کریں۔ (تفسیر منیر)

[۱۰۸] سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہر صفت کمال سے متصف ہے اور ہر عیب، کمزوری اور محتاجی سے پاک ہے۔ اس کو کسی مددگار، بیٹے یا شریک کی ضرورت نہیں، وہ اس کائنات کا واحد مالک ہے، لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ اس کی کبریائی بیان کی جائے۔

فقیر: محمد امداد حسین پیرزادہ

جامعہ الکرم: ایسٹن ہال، انگلینڈ

سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر آج بروز ہفتہ بعد از نماز ظہر ۵ مئی ۲۰۰۷ء

بمطابق ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ کو ایک ماہ اور ۱۸ دنوں میں تکمیل پذیر ہوئی۔

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرست مطالب

(سورۃ الاعراف تا سورۃ بنی اسرائیل)

فہرست مطالب

امت مسلمہ

قیاس، اجتہاد اور اجماع

تقلید

فرشتے

اہل جنت کی زبان عربی ہوگی	12	2	2	928
اہل جنت کے دلوں سے دنیا کا کینہ ختم کردیا جائے گا	15	47	24	1032
متکبر جنت میں نہیں جائے گا	16	22	14	1047

تبرکات اور وسیلہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی	12	96	78	964
اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے پکارنا جائز ہے	13	14	18	983
وسیلہ تلاش کرنا اللہ والوں کی سنت ہے	17	57	54	1120

دعا

دعا مانگنے کے آداب	7	55	41	641
نمازِ جنازہ میں چالیس مومنوں کی شفاعت	7	142	69	665
اللہ تعالٰی دعائیں قبول فرماتا ہے	11	61	48	904
دعا کے لیے بہترین وقت جمعہ کی رات اور سحر کا وقت ہے	12	98	78	964
گناہوں کی مغفرت کے لیے بزرگوں سے دعا کرانا	12	98	78	965
دعا مانگنے کا طریقہ	12	101	81	967
دعا سے تقدیر بدل سکتی ہے	13	39	48	996
دعا درود کے بغیر اوپر نہیں جاتی	15	17	13	1026
دعا میں آواز کو پست اور بلند کرنا	17	110	107	1142

قبروں پر جانا اور ایصال ثواب

نماز جنازہ میں ۴۰ مومنوں کی شفاعت	7	142	69	665
کسی مسلمان کی قبر پر جانا	7	201	113	701

دنیا اور اس کا مال و متاع

بے زبان جانور

ماخذ ومراجع

کتب تفاسیر

۱۔ تفسیر ضیاء القرآن: پیر محمد کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان، ۱۹۹۵ (۵ جلدیں)

۲۔ الدر المنثور: امام جلال الدین السیوطی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۸ جلدیں)

۳۔ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی): محمد بن احمد الأنصاری القرطبی: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان (۲۰ جلدیں)

۴۔ التفسیر الکبیر: امام فخر الدین الرازی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۶ جلدیں)

۵۔ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین: شیخ احمد الصاوی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۶۔ فی ظلال القرآن (اردو): سید قطب شہید: ادارہ منشورات اسلامی لاہور، پاکستان، ۱۹۹۶

۷۔ جامع البیان (تفسیر طبری/تفسیر ابن جریر): ابو جعفر محمد بن جریر الطبری: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۸۴ (۱۵ جلدیں)

۸۔ تفسیر روح البیان: امام اسماعیل حقی: دار لفکر، بیروت، لبنان (۱۰ جلدیں)

۹۔ صفوۃ التفاسیر: محمد علی الصابونی: دار القرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۸۱ (۳ جلدیں)

۱۰۔ تفسیر البیضاوی: امام ناصر الدین البیضاوی: دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ (۲ جلدیں)

۱۱۔ تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی: اردو): شاہ عبد العزیز دہلوی: علمی پریس، دہلی، انڈیا

۱۲۔ تفسیر ابن کثیر: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار القلم، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)

۱۳۔ تفسیر مظہری: قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۹ (۱۲ جلدیں)

۱۴۔ تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی: مکتبہ اسلامیہ، گجرات، پاکستان

۱۵۔ تفسیر روح المعانی: امام شہاب الدین السید محمود البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۸ (۱۰ جلدیں)

۱۶۔ تفسیر الشعراوی: محمد متولی الشعراوی: دار اخبار الیوم، قاہرہ، مصر، ۱۹۹۱ (۱۴ جلدیں)

۱۷۔ تفسیر الحسنات: علامہ ابو الحسنات القادری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان (۷ جلدیں)

۱۸۔ تفسیر الخازن: امام علاء الدین البغدادی: دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۹۷۹ (۷ جلدیں)

۱۹۔ تنویر المقباس: عبداللہ بن عباس: المکتبۃ الشعبیۃ، قاہرہ مصر ۱۹۷۲

۲۰۔ البحر المیحط: محمد بن یوسف الغرناطی: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۱ جلدیں)

۲۱۔ مدارک التنزیل (تفسیر النسفی): امام عبداللہ بن احمد النسفی: دار النفائس، بیروت، لبنان، ۱۹۹۶

۲۲۔ خزائن العرفان: سید محمد نعیم الدین مراد آبادی: حفیظ بک ڈپو، دہلی، انڈیا

۲۳۔ احکام القرآن: امام احمد بن علی الجصاص: دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان

۲۴۔ زہرۃ التفاسیر: محمد ابو زہرۃ: دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر

۲۵۔ تفسیر المنار: محمد رشید رضا: دار الفکر، بیروت، لبنان

۲۶۔ تفسیر الکشاف: محمود بن عمر الزمخشری: دار لکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷

۲۷۔ فتح القدیر: محمد بن علی الشوکانی: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۲۸۔ تفسیر القرآن العظیم: حافظ ابن ابی حاتم: دار الفکر، بیروت، لبنان (۱۴ جلدیں)

۲۹۔ تفسیر جلالین: متن حاشیہ صاوی، دار الفکر، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۳۰۔ تفسیر منیر: دکتور وہبہ زحیلی، دار الفکر، دمشق، شام (۱۷ جلدیں)

۳۱۔ زاد المسیر: عبدالرحمن الجوزی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۸ جلدیں)

۳۲۔ تفسیر ماجدی: عبدالماجد دریاآبادی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کراچی، پاکستان (۲ جلدیں)

۳۳۔ تفسیر احکام القرآن: ابوبکر بن العربی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۲ جلدیں)

۳۴۔ تفسیر معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، پاکستان (۸ جلدیں)

۳۵۔ تفہیم القرآن: سید ابو الاعلی مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ انڈیا (۶ جلدیں)

۳۶۔ تفسیر عثمانی: شبیر احمد عثمانی، دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی، پاکستان (۲ جلدیں)

۳۷۔ تفسیر بغوی: الحسین بن مسعود البغوی، دار الفکر، بیروت، لبنان، حاشیہ تفسیر خازن (۷ جلدیں)

کتب احادیث

۳۸۔ صحیح البخاری: محمد بن اسماعیل البخاری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۳۹۔ صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۰۔ سنن ترمذی: محمد بن عیسیٰ: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۱۔ سنن ابن ماجہ: محمد بن یزید القزوینی: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۲۔ سنن ابو داؤد: سلیمان بن الأشعث: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۳۔ سنن النسائی: احمد بن شعیب: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۴۔ مسند احمد: امام احمد بن حنبل: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۵۔ الموطا: امام مالک بن انس: دار الدعوۃ، استنبول، ترکی، ۱۹۸۱

۴۶۔ مشکوٰۃ المصابیح: امام ابو محمد البغوی: قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، ۱۳۸۸ھ

۴۷۔ المعجم الکبیر: سلیمان بن احمد الطبرانی: مطبۃ الزہراء الحدیثۃ، موصل، عراق، ۱۹۸۴ (۲۵ جلدیں)

۴۸۔ المستدرک: امام الحاکم النیشاپوری: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۴ جلدیں)

۴۹۔ الجامع الصغیر: محمد ناصر الدین الالبانی: مکتبہ الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ (۲ جلدیں)

۵۰۔ ریاض الصالحین: یحیٰ بن شرف النووی الشافعی: دار القلم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۰

۵۱۔ سنن الدارقطنی: علی بن عمر الدارقطنی: عالم الکتب، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ (۴ جلدیں)

۵۲۔ شعب الایمان: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰

۵۳۔ الترغیب والترہیب: عبد العظیم المنذری: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۶۸

۵۴۔ السنن الکبریٰ: احمد بن الحسین البیہقی: نشر السنۃ، ملتان، پاکستان، (۱۰ جلدیں)

۵۵۔ المعجم الاوسط: سلیمان بن احمد الطبرانی: مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب (۱۱ جلدیں)

۵۶۔ صحیح ابن حبان: دار الفکر، بیروت، لبنان۔ (۶ جلدیں)

۵۷۔ سنن دارمی: امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، دار الدعوۃ، استنبول، ترکی (۱۹۸۱ء)

۵۸۔ مصنف عبد الرزاق: امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی: المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان (۱۱ جلدیں)

دیگر کتب

۵۹۔ معجزات الرسول: محمد متولی الشعراوی: مکتبۃ الاسلامیۃ الشعراویۃ، قاہرہ مصر

۶۰۔ الخصائص الکبریٰ: امام جلال الدین السیوطی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵ (۲ جلدیں)

۶۱۔ السیرۃ النبویۃ: عبد الملک بن ہشام: دار الجیل، بیروت، لبنان، (۴ جلدیں)

۶۲۔ البدایۃ والنہایۃ: الحافظ اسماعیل ابن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲ (۷ جلدیں)

۶۳۔ المفردات: امام راغب الاصفہانی: مکتبۃ مصطفی البابی، مصر ۱۹۶۱

۶۴۔ لسان العرب: ابن منظور: دار المعارف، قاہرہ مصر (۸ جلدیں)
۶۵۔ المنجد: دار المشرق، بیروت، لبنان، ۱۹۷۵
۶۶۔ شرح المواہب اللدنیة: امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی: دار الفکر، بیروت، لبنان،
۶۷۔ دلائل النبوة: احمد بن الحسین البیہقی: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ (۷ جلدیں)
۶۸۔ کتاب المبسوط: شمس الدین السرخسی: دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۱۹۸۰، (۱۵ جلدیں)
۶۹۔ الفتاوی العالمگیریة: علامة نظام الدین: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)
۷۰۔ فتاوی قاضی خان: حسن بن منصور الفرغانی الحنفی: بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، بلوچستان، پاکستان، ۱۹۸۵ (۶ جلدیں)
۷۱۔ ردالمحتار: ابن عابدین: دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ (۸ جلدیں)
۷۲۔ حاشیة الطحطاوی: امام احمد الطحطاوی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
۷۳ مراقی الفلاح: حسن بن عمار الحنفی: میر محمد کتب خانہ، کراچی، پاکستان
۷۴۔ فتاوی افریقیة: امام احمد رضا قادری: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان
۷۵۔ بہار شریعت: علامہ محمد امجد علی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور پاکستان
۷۶۔ امداد الفقہ: محمد امداد حسین پیرزادہ: دار السلام، قاہرہ مصر، ۲۰۰۳
۷۷۔ اسلامی عقائد: محمد امداد حسین پیرزادہ: الکرم پبلی کیشنز، ایشن ہال، ناٹنگھم شائر، یوکے، ۱۹۹۹
۷۸۔ کنز العمال: علامہ علاء الدین البرہان فوری: منوسسة الرسالة، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ (۱۶ جلدیں)
۷۹۔ مجمع الزوائد: علی بن ابی بکر الہیثمی: دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۹۸۸ (۱۰ جلدیں)
۸۰۔ نزہة المجالس (اردو) عبد الرحمن صفوری شافعی: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، پاکستان
۸۱۔ نور الایضاح: الشیخ حسن بن علی: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، پاکستان
۸۲۔ قصیدہ البردہ: امام بوصیری: انگریزی ترجمہ، محمد امداد حسین پیرزادہ، الکرم پبلی کیشنز ایشن ہال ناٹنگھم شائر، یوکے
۸۳۔ السیرہ النبویة: الحافظ اسماعیل بن کثیر: دار الفکر، بیروت، لبنان
۸۴۔ ضیاء النبی: پیر کرم شاہ الازہری: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۴۱۵ھ (۷ جلدیں)
۸۵۔ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل دہلوی: اسلامی اکیڈمی، لاہور، پاکستان
۸۶۔ القول الجمیل (اردو): شاہ ولی اللہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، پاکستان
۸۷۔ سبل الہدیٰ والرشاد: امام محمد بن یوسف الشامی: وزارة الاوقاف، قاہرہ: مصر (۱۲ جلدیں)

۸۸۔ المنتظم فی تواریخ الملوک والامم: امام عبدالرحمن الجوزی: دارالفکر، بیروت، لبنان (۱۳ جلدیں)

۸۹۔ تاریخ الاسلام: مورخ شمس الدین الذہبی: دارالکتاب العربی، بیروت (۵۲ جلدیں)

۹۰۔ امتاع الاسماع: تقی الدین المقریزی: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۵ جلدیں)

۹۱۔ حلیۃ الأولیاء: امام ابونعیم الاصفہانی: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۱۲ جلدیں)

۹۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ: وھبہ زحیلی دارالفکر، دمشق، شام، ۱۹۸۹ء (۸ جلدیں)

۹۳۔ الفقہ الحنفی وادلتہ: شیخ صاغرجی، دارالکلم الطیب، دمشق، شام ۲۰۰۰ء (۳ جلدیں)

۹۴۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: عبدالرحمن الجزیری، دارالفکر، بیروت، لبنان (۵ جلدیں)

۹۵۔ لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، لبنان ۲۰۰۲ء (۱۰ جلدیں)

۹۶۔ الادب المفرد: امام بخاری، مکتبۃ الآداب

۹۷۔ السیرۃ الحلبیۃ: نورالدین الحلبی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۹۸۔ شرح شفا: قاضی عیاض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۲ جلدیں)

۹۹۔ طبقات ابن سعد: مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، مصر، ۲۰۰۱ء (۱۱ جلدیں)

۱۰۰۔ بدائع الصنائع: علاء الدین کاسانی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۳ء (۱۰ جلدیں)

۱۰۱۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران، اُردوبازار، لاہور، پاکستان (۲ جلدیں)

۱۰۲۔ تاریخ بغداد: الخطیب البغدادی، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، مصر (۱۰ جلدیں)

۱۰۳۔ الہدایۃ: علی بن ابی بکر الفرغانی، مکتبہ شرکۃ علمیۃ، بیرون بوہڑگیٹ ملتان، پاکستان (۲ جلدیں)

۱۰۴۔ فقہ السنۃ: السید السابق: دارالفکر، بیروت لبنان، ۱۹۸۲ء (۳ جلدیں)

۱۰۵۔ عمدۃ القاری: علامہ بدرالدین عینی، دارالفکر، بیروت لبنان، (۲۵ جلدیں)

۱۰۶۔ فتح الباری: امام ابن حجر عسقلانی، دارالفکر، بیروت لبنان (۱۳ جلدیں)

۱۰۷۔ الاحکام الفقہیۃ: احمد محمد عساف، داراحیاء العلوم، بیروت، لبنان

۱۰۸۔ جامع بیان العلم وفضلہ: یوسف بن عبداللہ قرطبی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء

۱۰۹۔ المقاصد الحسنۃ: شمس الدین السخاوی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۸۷ء

۱۱۰۔ الفاروق: علامہ شبلی نعمانی، مشتاق بک کارنر، اُردوبازار، لاہور، پاکستان

۱۱۱۔ المواھب اللدنیہ: امام احمد قسطلانی، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان (۴ جلدیں)

۱۱۲۔ الحاوی للفتاوی: امام جلال الدین، دارالکتب العلمیۃ، لبنان (۲ جلدیں)

۱۱۳۔ الکواکب السائرۃ: شیخ نجم الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (۳ جلدیں)

۱۱۴۔ الفوائد المجموعۃ: محمد بن علی الشوکانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۱۵۔ حقوق الاولاد: محمد شریف الصواف، دار الفکر، دمشق، شام

۱۱۶۔ الاتقان فی علوم القرآن: جلال الدین سیوطی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان ۱۹۸۸ء (۴ جلدیں)

۱۱۷۔ سیرۃ النبی: سید سلیمان ندوی، ناشران قرآن لمیٹڈ، اُردو بازار لاہور، پاکستان

۱۱۸۔ الخطبۃ العصریۃ: ابراھیم محمد الجمل مکتبہ القرآن، قاہرہ، مصر

English Books

92) **Miracles of the Qur'an** : *Muhammad Mutawali ash-Sha'raawi Published by Daar-ul-Taqwa Ltd. Londom*

93) **Encyclopedia Britannica** : *Peter B. Norton Joseph Espsito, USA, 1995, 15th-edition (32 volumes)*

94) **Islam & the West** : *H.R.H. Charles Prince of Wales, Printed by Uniskill Ltd. Eynsham, Oxford, UK.*

95) **Muhammad at Madinah** : *Montgomery Watts. Oxford University Press, 2006.*

96) **Oxford Encyclopedia Dictionary**: *Published by Oxford University Press, USA, 1991.*

97) **Shari'ah the Islamic Law** : *Abdur Rahmaan Doi (Zia-un-Nabi)*

98) **The Holy Bible** : *Published by Collins, London, 1954.*

99) **The Living Bibble :** *British Edition, 1975.*

100) **The Hutchinson Encyclopedia** : *1999 Edition.*

101) **The New Universal Encyclopedia** : *Caxton Publishing Co, Ltd. London.*

102) **The English Pig** : *Published by The Hambledon Press, London 1998.*

103) **American Government** : *Lowi & Ginsberg. Published by W.W.Norton Publications 1998.*

104) **Fream's Agriculture** : *Printed by Butler & Tanner Ltd. London, 16th Edition 1983.*

105) **Oxford Advanced Learner's Dictionary** : *4th Edition 1989.*

106) **The Hans Wehr Dictionary of Modern Written Arabic:** *Edited by J. M. Cowan, 3rd Edition.*

ماخذ و مراجع

وسيجزي الله الشاكرين

١٣٤٧